حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

کی

دینی و علمی خدمات

پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ

مقالہ نگار:-

محمد نواز چوہدری

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ کالج فیصل آباد

نگران تحقیق:-

ڈاکٹر امان اللہ خان

ادارہ علوم اسلامیہ

جامعہ پنجاب لاہور

۱۹۹۲ء / ۱۴۱۲ھ

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا

"یہ تذکرہ ہے اپنے بندے زکریا پر
آپ کے رب کی رحمتوں کا۔"

(مریم - ۲)

۲۴/۲/۱۹۹۳

فہرست عنوانات

(ب) سوانح حیات

(ج) اوصاف و کمالات

باب دوم

تدریسی خدمات اور تعلیمی افکار

(۱) تدریسی خدمات

(ب) تعلیمی افکار

باب سوم

تبلیغی خدمات

باب چہارم تصنیفی و تالیفی خدمات

عربی مؤلفات ۱۷۷

اردو مؤلفات

باب پنجم

دینی خدمات

(ا) علم حدیث میں خدمات

باب ششم

روحانی خدمات

تصوّف وسلوک

شجرہ مشائخ و مشائخِ سلسلہ

باب ہفتم

مقام ومرتبہ

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین ۔ والعاقبۃ للمتقین
والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بارہویں صدی ہجری عالم اسلام کے لئے ایک کٹھن صدی تھی۔ ہندوستان میں انگریز نے اپنے قدم جمالے تھے۔ وہ مادی قوت اور سیاسی طاقت کے بل بوتے پر مغربی تہذیب اور ملحدانہ اقدار کو غالب کرنا چاہتا تھا۔ غیر ملکی آقاؤں کا یہ رویہ اسلامی تہذیب و تمدن اور دینی اقدار کے لیے شدید خطرہ کا باعث تھا۔ علمائے حق نے اس چیلنج کو قبول کیا اور مغربی ثقافت کی یلغار کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ کے علمی کمالات اور دینی خصائل کے ان وارثین میں سے بیشتر علماء کا تعلق دیوبند اور سہارنپور سے تھا جن میں سے نمایاں ترین مولانا محمد قاسم نانوتوی م ۱۸۷۹ء اور مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ (م۔ ۱۹۰۵ء) ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی شریعت و طریقت کے جامع عظیم محدث و فقیہ، بلند پایہ مدرس، سلوک میں مجتہدانہ مقام کے حامل تھے۔ وہ دو عظیم دینی مدرسوں، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست تھے۔ انہوں نے ایک عالم کو سیراب کیا اور ہزاروں شاگرد علم و فضل کے آفتاب جہانتاب بن کر چمکے۔ آپ کے تلامذہ میں سے کسی نے علم حدیث کی نشر و اشاعت اور اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا کام کیا۔ تو کسی نے تطہیر عقائد اور اصلاح اخلاق کا فریضہ انجام دیا۔ کسی نے قلوب عشق الٰہی اور حب نبی سے گرمایا۔ تو کسی نے تصنیف و تالیف کے ذریعے علم دین کی خدمت کی۔

ان اساتذہ میں سے شیخ الہند، مولانا محمود حسن (م۔ ۱۹۲۰ء) مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ) مولانا محمد یحییٰ (م۔ ۱۳۳۴ھ) اور مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری۔ م ۱۹۱۹ء نمایاں اور ممتاز ہیں۔

ہماری زیر تحقیق شخصیت حضرت مولانا محمد زکریا انہی کے

علوم ومعارف کے امین تھے عالم اسلام میں اور ہندوستان جو دینی نظام تعلیم وتربیت رائج تھا اس کی بنیاد حصولِ علم میں اخلاص وللّہیت، محنت ومطالعہ، بلند ہمتی، عزیمت اور مجاہدہ اساتذہ کے احترام واطاعت پر تھی۔ مولانا محمد زکریاؒ اسی نظام تعلیم کے تربیت یافتہ اور نمائندہ ہیں ان کی سوانح حیات، علمی کمالات اور دینی خدمات اس حیات بخش نظام تعلیم کی کہانی ہے جو مدارس دینیہ کے طلباء، اساتذہ اور طالبین اصلاح کے لیے ایک سبق اور پیغام ہے۔

مولانا محمد زکریاؒ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے اکابر علماء اور مسلمہ مشائخ سلوک میں ہوتا ہے ان کی علمی عظمت اور دینی فضیلت کا اعتراف خود ان کے مشائخ کبار، ہم عصر جلیل المرتبت علماء کرام اور تلامذہ نے کیا ہے۔

اسلام ایک انقلابی

اصلاحی اور تبلیغی دین ہے۔ حکیمانہ تبلیغ ہی پر اسلام کی قوت، شوکت، وسعت اور کامیابی منحصر ہے برصغیر کی مشہور تبلیغی جماعت کا آغاز مولانا محمد زکریاؒ کے گھرانے سے ہوا۔ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ (م ۱۹۴۴ء) آپ کے چچا تھے۔ مولانا زکریا تبلیغی کام میں اپنے چچا کے معاون اور مشیر خاص تھے۔ تبلیغی جماعت کے امیر مولانا محمد یوسف (م ۱۹۶۵ء) مولانا محمد زکریا کے چچا زاد بھائیؒ و داماد اور شاگرد تھے مولانا محمد زکریاؒ اس دور ثانی میں اپنی بزرگانہ حیثیت سے تبلیغ اور اہل تبلیغ کی سرپرستی فرماتیؒ۔ موجودہ امیر مولانا انعام الحسن، مولانا محمد زکریا کے داماد اور شاگرد ہیں ان کے تقرر میں مولانا محمد زکریا کا ہاتھ اور مشورہ شامل تھا۔ اس دور ثالث میں مولانا زکریا ہی اس عالمی دعوتی حلقے کے مرکز ومرجع رہے۔ علاوہ ازیں تبلیغی جماعت کا مقبول عام تبلیغی نصاب مولانا زکریا نے ہی تحریر کیا۔ جو تبلیغی جماعت کی نظریاتی اساس ہے۔ گویا آپ نے آخری سانس تک اپنے آپ کو تبلیغی کام کے فروغ اور اشاعت کے لئے وقف کئے رکھا۔

اس طرح مولانا زکریا کے علمی کمالات اور دینی کارناموں کا مطالعہ فی الحقیقت اس عالمی تحریک کا مطالعہ اور جائزہ ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا کثیر التصانیف عالم دین ہیں۔ مولانا کی تصنیف بیش عدد بھی ہیں اور بیش قیمت بھی۔ مولانا کے تصنیفی سفر کا آغاز زمانہ طالب علمی میں ہو چکا تھا۔ آپ کی پہلی اولین تالیف علم نحو کی مشہور کتاب الفیہ امام مالکؒ کی شرح تھی۔ اسی طرح تقریر مشکوٰۃ اور دیگر تقاریر کتب حدیث بھی زمانہ طالب علمی کی تالیفات ہیں۔ ۱۳۳۵ھ کو مولانا مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے تو پہلے ہی سال دو کتابیں 'تاریخ مظاہر علوم' اور 'تاریخ مشائخ چشت' تحریر کیں۔

پھر بخت نے بھی ساتھ دیا تو مولانا کو اپنے مرشد اور مربی مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی مشہور اور بلند پایہ تالیف بذل المجہود میں بھرپور شرکت کا موقع ملا۔ جس سے انہیں تحقیق و تحریر کا مفید تجربہ حاصل ہوا۔ جس نے انہیں علوم حدیث میں اپنا عظیم علمی کارنامہ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ لکھنے کے قابل بنایا جو ان کی چالیس[40] سالہ کاوش کا ثمر ہے اور جس کی تعریف میں علماء حجاز بھی رطب اللسان ہیں۔ پھر مولانا کے قلم رسا نے حدیث کی دیگر امہات الکتب لامع الدراری علی جامع البخاری کوکب الدری علی جامع الترمذی اور الابواب والتراجم للبخاری جیسی اعلیٰ تالیفات رقم کیں۔

پھر جیسے جیسے مطالعہ کا شوق بڑھتا رہا اور نظر میں وسعت اور قلم میں پختگی آتی گئی۔ آپ نئی نئی کتب تحریر فرماتے گئے۔ حتیٰ کہ تمام تالیفات کا عدد ایک سو چالیس[140] تک پہنچ گیا۔ یہ بیش قیمت تالیفات علمی و تحقیقی بھی ہیں، اخلاقی اور تبلیغی بھی ہیں جو خدمت دین کا قابل فخر میدان ہے۔

علوم دینیہ میں جو شعبہ زندگی بھر مولانا کے ذوق اور تحقیق کی جولانگاہ رہا، وہ علوم حدیث

کا ہے اس شعبہ میں خدمات کا ثمرہ "شیخ الحدیث" کا معزز لقب ہے جو ان کے مرشد نے انہیں عطا کیا۔ اور یہ آپ کے نام کا لازمی جزو بن گیا ___ مولانا ذکریاؒ نے اپنے مادر علمی ___ مظاہر علوم سہارنپور میں تینتالیس [۴۳] سال درس حدیث حسبۃ للہ دیا۔ انہوں نے اس طویل مدت میں ابوداؤد شریف تقریباً تیس مرتبہ، بخاری جلد اوّل پچیس مرتبہ اور کامل دونوں جلد سولہ مرتبہ پڑھائیں۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ، نسائی اور موطا امام محمد کا بھی درس دیا۔ اس عرصہ میں تقریباً دو ہزار طلباء نے آپ سے باقاعدہ زانوئے تلمذ طے کیا۔ باقی مستفیدین کی تعداد بے شمار ہے

برصغیر پاک و ہند کے مدارس دینیہ۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی امتیازی خصوصیت شریعت و طریقت کی ہم آہنگی تھی۔ ان مدارس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ حضرت مولانا ذکریاؒ زندگی بھر صف ہر علوم سے منسلک رہے ۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف علوم ظاہریہ پر رسوخ حاصل کیا بلکہ علوم باطنیہ اور فیوض روحانیہ سے بھی حظ عظیم پایا۔ مولانا محمد ذکریا کی ذات گرامی اصلاح و ارشاد کا منبع تھی جس سے کثیر مخلوق نے روحانی فیض پایا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے ذکر الٰہی کی مجالس قائم کرنے میں اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ذکر الٰہی حوادث و فتن میں سد سکندری ہے۔

یہ تھے مولانا محمد ذکریا کے علمی کارنامے اور دینی کمالات جنہوں نے مجھے رغبت دلائی کہ میں مولانا کی دینی و علمی خدمات پر تحقیقی کام کروں۔ چنانچہ اپنے اس مقالہ کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

کسی بھی علمی و تحقیقی کام میں خواہ کتنی ہی سعی کی جائے اسے حرف آخر قرار نہیں دیا جاسکتا اس کے باوجود اس مقالہ میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مولانا زکریا کی دینی و علمی خدمات کے کسی قابلِ ذکر پہلو سے صرف نظر نہ کیا جائے تاکہ مولانا کا صحیح مقام و منزلت کا تعین کیا جاسکے۔ اس طرح مولانا کی دینی و علمی خدمات سے متعلق مواد کو ممکنہ حد تک اس مقالہ میں یکجا کردیا گیا ہے پھر بھی تکمیل کا دعویٰ نہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مقالہ کی موجودہ شکل میں تیاری اور پی ایچ ڈی کے لئے پیش کرنا محض فضل الٰہی اور میرے نگران مقالہ ڈاکٹر امان اللہ خاں کی شفقت اور سرپرستی کا نتیجہ ہے، مقالہ نگار کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ ملک کے معروف محقق اور ماہر تعلیم ڈاکٹر امان اللہ خاں صاحب میرے اس مقالہ کے نگران مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں ایم اے اسلامیات کی کلاسز کا اجراء ہوا تو اس وقت سے میرا ڈاکٹر صاحب سے بڑا قریبی رابطہ رہا۔ وہ ہمیشہ ایم اے کی سطح پر ہماری تدریسی رہنمائی اور تعلیمی سرپرستی فرماتے رہے۔ نیز یونیورسٹی لیول پر تدریس کے لیے پی ایچ ڈی کی ضرورت اور افادیت پر مسلسل زور دیتے رہے۔ چنانچہ عنوان مقالہ کے انتخاب، خاکہ کی تیاری اور منظوری میں ان کی شفقت اور رہنمائی میرے شامل حال رہی۔ پھر کام کو جلد ختم کرنے اور اسے بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کی تاکید فرماتے رہے۔ اس تحقیقی کام میں اگر آپ جیسے فاضل تجربہ کار اور مشفق استاد کی رہنمائی اور متواتر ترغیب و تحریک حاصل نہ ہوتی تو میں یہ کام کبھی بھی مکمل نہ کر پاتا۔ لہٰذا میں ڈاکٹر امان اللہ خاں صاحب کا اس شفقت اور سرپرستی کے لئے انتہائی ممنون اور سراپا سپاس گزار ہوں ــــ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

- ★ پہلا باب مولانا محمد زکریا کے خاندانی پس منظر، سوانح حیات اور اوصاف و کمالات پر مشتمل ہے۔
- ★ دوسرا باب آپ کی تدریسی خدمات اور تعلیمی افکار کا بیان ہے۔
- ★ تیسرا باب آپ کی تعلیمی خدمات کی تفصیل ہے۔
- ★ چوتھا باب آپ کی تصنیفی و تالیفی خدمت کا مطالعہ ہے۔
- ★ پانچواں باب علم وحدیث میں آپ کی خدمات کا تذکرہ ہے۔
- ★ چھٹے باب میں تصوف و سلوک ــ روحانی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔
- ★ آخری اور ساتویں باب میں مشائخ کبار اور معاصر علماء کی آراء کی روشنی میں آپ کا علمی مرتبہ اور دینی مقام متعین کیا گیا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں حضرت مولانا محمد زکریا کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے اور غیر جانبدارانہ طور پر تحقیقی انداز میں حقائق کو سامنے لایا گیا ہے اس ضمن میں مولانا کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر مشتمل ایک سوال نامہ مرتب کیا گیا۔ ۔۔ مولانا کے تلامذہ اور مجاز خلفاء ــــ کی کثیر تعداد جو نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں دینی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ بلکہ ان کا دائرہ حجاز انگلستان اور افریقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ ان سب کو یہ سوال نامہ بھیجا گیا۔ اور معلومات جمع کی گئیں علاوہ ازیں مولانا کے متعلقین سے ممکن حد تک زبانی معلومات بھی حاصل کی گئیں۔ اس سلسلہ میں مولانا کے صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ اور نواسے سید محمد شاہد سہارنپوری سے بھی رابطہ کیا۔ جنہوں نے کمال مہربانی سے مولانا کے ذخیرہ علمی تک میری رسائی ممکن بنائی اس طرح نہ صرف مولانا محمد زکریا کی اپنی تالیفات کا مطالعہ کیا بلکہ ہر کتاب اور مضمون جو مولانا کے متعلق لکھا گیا اسے بھی حتی المقدور پڑھا ہے۔

کسی بھی علمی وتحقیقی کام میں خواہ کتنی ہی سعی کی جائے اسے حرف آخر قرار نہیں دیا جا سکتا اس کے باوجود اس مقالہ میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مولانا زکریا کی دینی و علمی خدمات کے کسی قابل ذکر پہلو سے صرف نظر نہ کیا جائے تاکہ مولانا کا صحیح مقام و منزلت کا تعین کیا جا سکے۔ اس طرح مولانا کی دینی و علمی خدمات سے متعلق مواد کو ممکنہ حد تک اس مقالہ میں یکجا کر دیا گیا ہے پھر بھی تکمیل کا دعویٰ نہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مقالہ کی موجودہ شکل میں تیاری اور پی ایچ ڈی کے لئے پیش کرنا محض فضل الٰہی اور میرے نگران مقالہ ڈاکٹر امان اللہ خاں کی شفقت اور سرپرستی کا نتیجہ ہے، مقالہ نگار کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ ملک کے معروف محقق اور ماہر تعلیم ڈاکٹر امان اللہ خاں صاحب میرے اس مقالہ کے نگران مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں ایم اے اسلامیات کی کلاسز کا اجراء ہوا تو اس وقت سے میرا ڈاکٹر صاحب سے بڑا قریبی رابطہ رہا۔ وہ ہمیشہ ایم اے کی سطح پر ہماری تدریسی رہنمائی اور تعلیمی سرپرستی فرماتے رہے۔ نیز یونیورسٹی لیول پر تدریس کے لیے پی ایچ ڈی کی ضرورت اور افادیت پر مسلسل زور دیتے رہے۔ چنانچہ عنوان مقالہ کے انتخاب، خاکہ کی تیاری اور منظوری میں ان کی شفقت اور رہنمائی میرے شامل حال رہی۔ پھر کام کو جلد ختم کرنے اور اسے بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کی تاکید فرماتے رہے۔ اس تحقیقی کام میں اگر آپ جیسے فاضل تجربہ کار اور مشفق استاد کی رہنمائی اور متواتر ترغیب و تحریک حاصل نہ ہوتی تو میں یہ کام کبھی بھی مکمل نہ کر پاتا۔ لہٰذا میں ڈاکٹر امان اللہ خاں صاحب کا اس شفقت اور سرپرستی کے لئے انتہائی ممنون اور سراپا سپاس گزار ہوں ___ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

میں تمام احباب اور عزیز تلامذہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی سطح پر بھی میری معاونت فرمائی
مقالہ کی تیاری اور تکمیل میں میرے فاضل رفقاء کار ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی،
ڈاکٹر انور محمود خالد اور ڈاکٹر اختر جمیعہ صاحبان اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ میں ان تمام کا
ممنون ہوں ۔۔۔ شعبہ اسلامیات کے اساتذہ سید اشرف علی، قاری محمد طاہر، ایس ایم شریف
اور بشیر احمد صاحبان نے بھی اس علمی کام میں میری معاونت فرمائی۔ میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

استاد گرامی پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب کی خواہش اور آرزو رہی ہے کہ شعبہ اسلامیات
کے اساتذہ تحقیق اور علمی کام کریں۔ تاکہ ان کی تدریسی اور علمی استعداد میں اضافہ ہو۔ مجھے نہ صرف ان کی
عملی معاونت حاصل رہی ہے بلکہ مقالہ کی تکمیل ان کی مخلصانہ دعاؤں کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں
عمر طویل کے ساتھ صحت کاملہ عطا کرے۔

میں اپنے عزیزوں امجد پرویز، سلطان مقبول اور خوشنویس رفیق احمد کا بھی
ممنون ہوں جن کی بھرپور مساعی سے مقالہ کے آخری مراحل، کتابت، مسودہ کی تصحیح اور
فوٹو سٹیٹ کا کام باحسن طریق پایہ تکمیل کو پہنچا۔

یہاں پر میں مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کا بھی خصوصی طور پہ ممنون ہوں۔ جو
سہارنپور انڈیا سے باقاعدگی سے مسلسل مجھے مواد فراہم کرتے رہے۔

وما توفیقی الا باللہ

محمد نواز چوہدری

فیصل آباد

۲۸ اپریل ۱۹۹۲ء

باب اوّل

خاندانی پس منظر

سوانح حیات
اوصاف و کمالات

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلہم
اِذا جمعتنا یا جریرُ المجامعُ
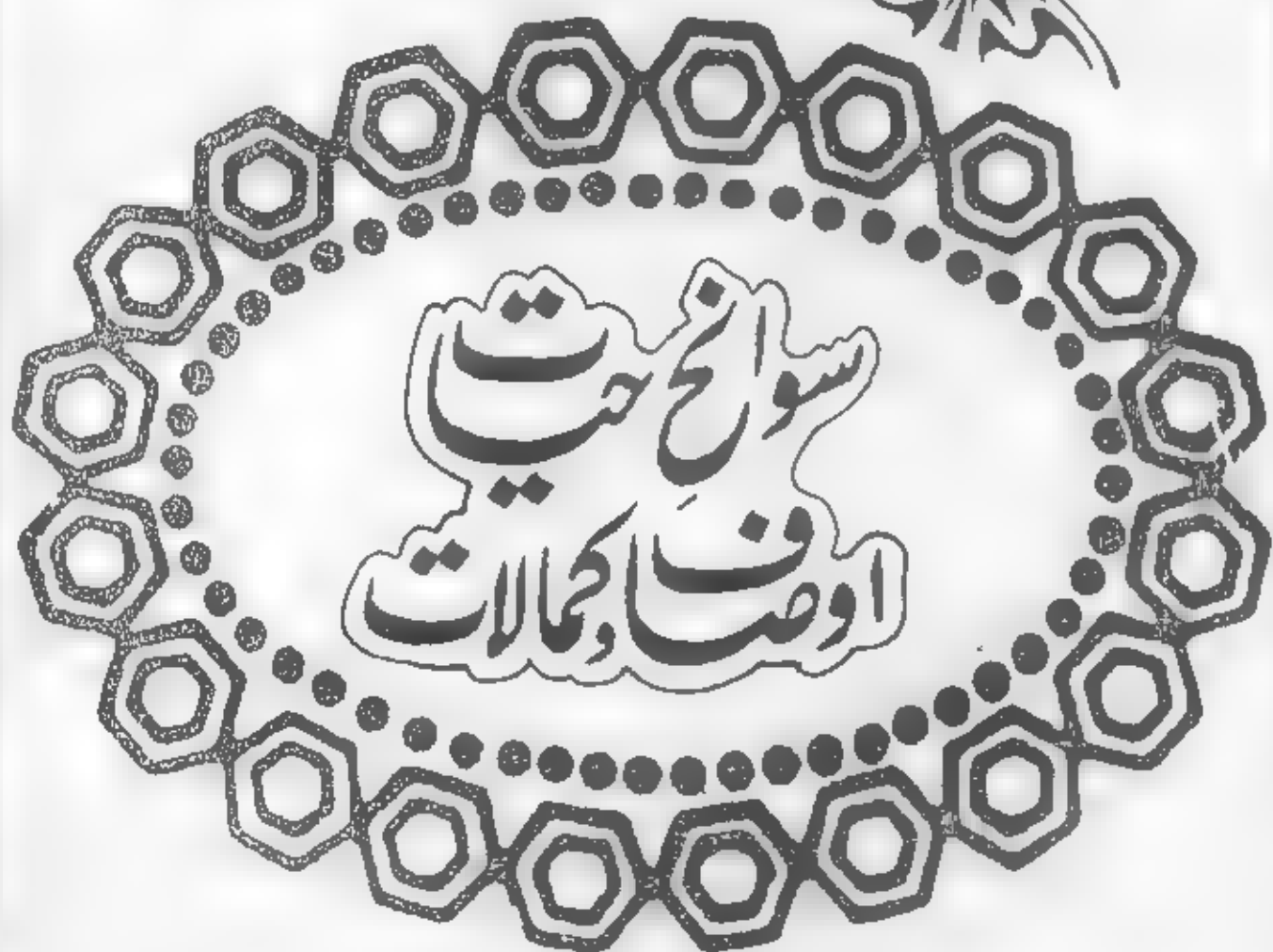
خاندانی پس منظر

مولانا محمد زکریا کا تعلق ضلع مظفر نگر یو۔ پی انڈیا کے ایک معزز و ممتاز صدیقی خاندان سے ہے جو ہندوستان کے ان چیدہ اور برگزیدہ خاندانوں میں سے شمار ہوتا ہے۔ جو صدیوں تک علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت کا گہوارہ رہا ہے۔ مروجہ خاندانی روایت کے مطابق اس خاندان کا مشہور شجرہ نسب اس طرح ہے۔

محمد زکریا بن محمد یحییٰ بن محمد اسماعیل بن حکیم غلام حسین بن کریم بخش بن غلام محی الدین بن محمد ساجد بن فیض محمد بن شاہ محمد شریف بن محمد اشرف بن شیخ جمال محمد بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ بن بہاء الدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ [illegible] (۱)

خاندانی شجرہ صرف شیخ قطب شاہ تک درج ہے۔ جبکہ اس خاندان کے ایک محقق عالم نور الحسن راشد کاندھلوی کے مطابق خاندان صدیقیان کاندھلہ قاضی ضیاء الدین سنامی صدیقی کی اولاد ہے (۲) اور صحیح سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

" مولانا محمد اشرف بن شیخ جمال محمد شاہ بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ بن مولانا بہاء الدین بن مولانا شیخ محمد بن کریم الدین مدکر بن امام تاج مدکر بن امام حاج مدکر بن حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی۔ "

خاندانی شجرہ

نمبر ۱ صحیح شجرہ جو مطابق دستاویزات ہے۔

قاضی کریم الدین مذکر

مولانا شیخ محمد

مولانا قاضی بہاؤالدین

نور محمد عرف بابن شاہ

مولانا جمال محمد — مولانا کمال محمد — شیخ منصور

مولانا محمد اشرف (بن مولانا جمال محمد)

ابو محمد — محمد فاضل (بن شیخ منصور)

مولانا محمد شریف (بن مولانا محمد اشرف)

روشن علی (بن محمد فاضل)

مولانا فیض — مولانا عبدالقادر (بن مولانا محمد شریف)

قاسم علی — مردان علی — فضل علی (بن روشن علی)

(جد مولانا محمد اسماعیل)، (جد مفتی الٰہی بخش)

مولانا محمد یحییٰ — مولانا محمد — مولانا محمد الیاس

مولانا محمد زکریاؒ

نمبر ۲ شجرہ جو غلط مگر معروف و مطبوعہ ہے

شیخ قطب شاہ

شیخ محمد فاضل

مولانا شیخ محمد — شیخ روشن علی اول

قاسم علی — مردان علی (بن شیخ روشن علی اول)

مولانا شیخ بہاؤالدین

نور محمد عرف بابن شاہ

مولانا جمال محمد

مولانا محمد اشرف

مولانا محمد شریف

مولانا فیض محمد — حکیم عبدالقادر

(جد مولانا اسماعیل)، (جد مفتی الٰہی بخش)

مولانا محمد یحییٰ — مولانا محمد — مولانا محمد الیاس

مولانا محمد زکریا
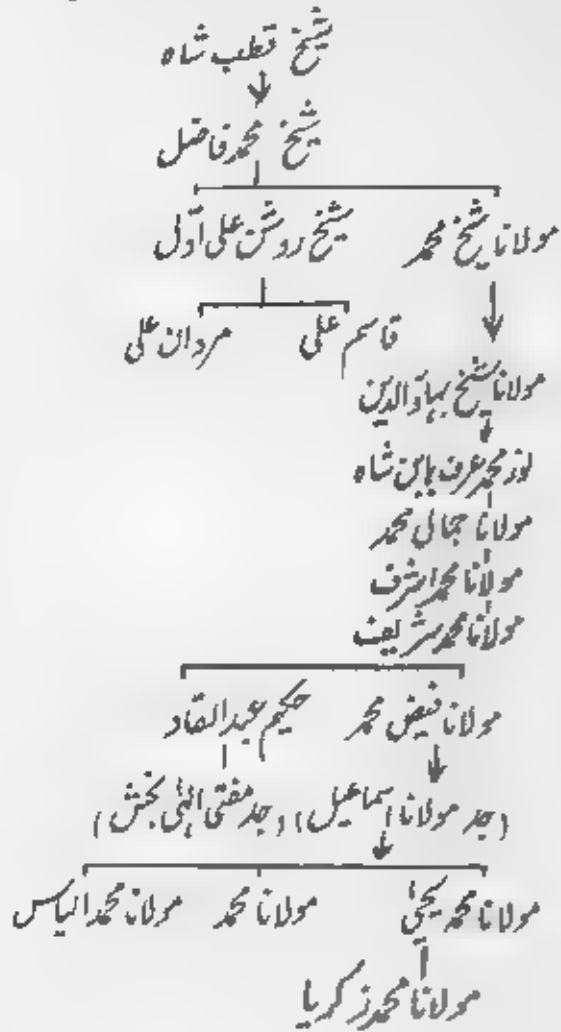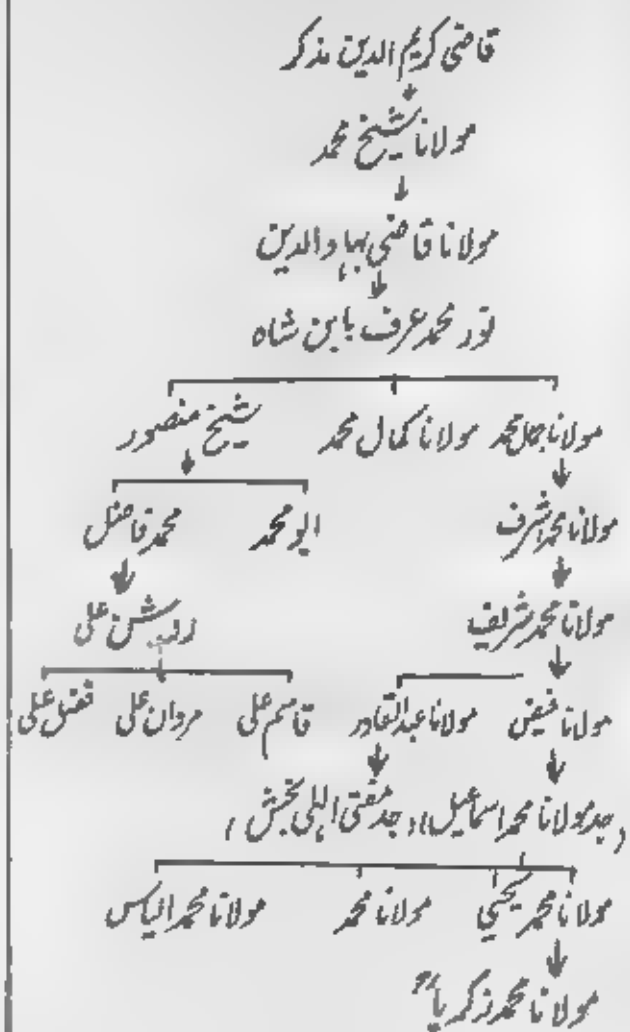
اب ہم اس خاندانی شجرہ میں مذکورہ شخصیات کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔

قاضی شیخ محمد

قاضی ضیاء الدین ثانی کے پرپوتے مولانا کریم الدین مذکرؒ کاندھلہ میں دینی امور کی نگرانی اور امامت پر فائز تھے اُن کی وفات ۷۹۲ھ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ محمد کو سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق نے کاندھلہ میں قائم مقام دینی امور کا نگران مقرر کیا۔ (۳)

مولانا شیخ محمد کے پوتے شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کسی وجہ سے کاندھلہ سے ترک وطن کر کے جھنجانہ چلے گئے اس لیے شیخ محمد شیخ بہاؤالدین اور مولانا جمال احمد شاہ کے بارے میں معلومات کا فقدان ہے۔ تاہم قدیم کاغذات میں ان حضرات کے اسمائے گرامی کے ساتھ "مولانا شیخ" تعظیمی لاحقہ موجود ہے۔ جو اس عہد میں دسویں گیارہویں ہجری میں ایسے افراد کا امتیاز ہوتا تھا۔ جو علم و فضل میں یگانہ اور درس و تدریس میں شہرہ آفاق ہوں۔ (۴)

مولانا محمد اشرف جھنجھانوی

مولانا محمد اشرف کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ کتاب "غرائب الہند" ہے جو ان کے پوتے محمد ماجد (م ۱۲۰۸ھ) کی تالیف ہے۔ (۵) اسی تالیف کے حوالے سے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے مولانا محمد اشرف کے حالات و واقعات اپنی بیاض میں نقل کئے ہیں

اس کے مطابق مولانا اشرف علم وفضل، معرفت وسلوک اور زہد واستغناء میں فرد فرید اور یگانہ روزگار تھے ہم عصر علماء ان کے فضل وکمال کے معترف تھے۔ یہاں چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ جو ان کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی مولانا کی شہرت سن کر زیارت کے لیے جھنجھانہ تشریف لائے۔ مولانا اس وقت مطول کا درس دے رہے تھے مولانا نے علامہ کی پذیرائی اور مختصر مدارت کے بعد سبق دوبارہ شروع فرما دیا۔ علامہ کو شاید اپنی موجودگی میں سبق کا دوبارہ شروع کرنا ناگوار گزرا انہوں نے مولانا سے علمی بحث شروع کر دی معقولات ومنقولات کے مختلف مباحث زیر بحث آئے۔ بالآخر سلسلہ کلام "اصول علم" پر آپہنچا تو مولانا نے فرمایا "ہاں اب ہمارے اصل موضوع پر آئے"۔

علامہ پر مولانا کی علمی عظمت ثابت ہو چکی تھی۔ انہیں خیال ہوا کہ جب دوسرے مباحث میں مولانا کا علمی مرتبہ اتنا بلند ہے تو جس موضوع کو وہ اپنا اصل موضوع قرار دے رہے ہیں، اس میں شاید مجھے خاموش ہونا پڑے۔ اس لیے علامہ نے یہ کہہ کر سلسلہ گفتگو ختم کر دیا کہ

"منکر نفوس قدسیہ بودم حالا معلوم شد کہ دریں جہاں موجود اند" (۲)

میں نفوس قدسیہ کے وجود کا منکر تھا مگر اب معلوم ہوا کہ یہ حضرات اس دنیا میں واقعی موجود ہیں۔

۲۔ علامہ عبدالحکیم نے ایک رسالہ حقہ کی حرمت میں تالیف فرمایا تھا علامہ چاہتے تھے کہ مولانا بھی اس کی تصدیق کر دیں تاکہ حقہ کی حرمت پر اکابر علماء کا اجماع ہو جائے۔ اس لیے اسے مولانا کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔

در علم ظاہر وباطن کامل ہستید	جناب! علم ظاہری وباطنی میں کامل ہیں
دریں باب چہ حکم فرمائید؟	اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔

مولانا نے جواب دیا مباح ہے کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اس کو حرام کہنا زیادتی ہے۔ علامہ نے کچھ رد وقدح کی تو فرمایا۔

در اجماع شرط اجماع مجتہدین است	اجماع میں مجتہدین کا اجماع شرط ہے۔
اجماع علماء معتبر نیست وبر تقدیر فرض وتسلیم	تمام علماء کا اجماع معتبر نہیں اور اگر بالفرض علماء کا اجماع حجت تسلیم کر لیا جائے

اجماع را سند از کتاب یا سنت درکار است، دور آنجا سند حرمت از کجا خواہید؟	تب بھی اجماع کیلئے کتاب و سنت سے سند درکار ہے اس تسخہ پر حرمت کی دلیل کہاں سے لائیے گا۔

مولانا کی یہ تقریر سن کر علامہ سیالکوٹی نے اپنا رسالہ چاک کر دیا۔

۳۔ شاہ جہاں بادشاہ [؟] نے آپکے کمالات کا شہرہ سنا تو ملاقات کا مشتاق ہوا اور مولانا کو بلانے کیلئے پالکی اور سوار جھنجھانہ بھیجے مولانا کو اس کی اطلاع ملی تو ایک دن خود پاپیادہ دہلی کیلئے روانہ ہو گئے اور ایک عقیدت مند امیر کے توسط سے شاہ جہاں سے ملاقات کی بادشاہ نے اپنے وزیر علامہ سعداللہ سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان لینا چاہیے۔ انہوں نے مختلف علوم سے متعلق سوالات کیئے مولانا کے جواب سن کر بادشاہ نے عرض کیا۔

"شیخ را دریائے یافتم کہ کنارا او پیدا نیست" میں نے شیخ کو ایک ایسا دریا پایا جن کا کنارہ معلوم نہیں۔

بادشاہ نے دو ہزار بیگھہ زمین کا فرمان تیار کرا کر مولانا کی خدمت میں پیش کر دیا مگر مولانا نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اور معذرت کی اور فرمایا:

خدا رازق ما است نہ بادشاہ من برائے عمل بر آیتہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ آمدہ بودم، برائے تحصیل املاک۔	ہمارا روزی رساں خدا ہے بادشاہ نہیں میں تو آیت کریمہ تم حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور تم میں جو اولی الامر ہیں ان کا بھی پر عمل کرنیکی نیت سے حاضر ہوا تھا جائیداد و املاک حاصل کرنیکیلئے نہیں

مولانا شریف جھنجھانوی

مولانا محمد اشرف کے دو بیٹے تھے مولانا محمد شریف اور عبدالمقتدر، مولانا محمد شریف علم و فضل اور معرفت و سلوک میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے۔ مولانا احتشام الحسن لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد اشرف کے پیرو مرشد نے ان کو بشارت سنائی تھی کہ تمہاری اولاد میں علم شریعت قیامت تک رہے گا اس بشارت کے اول مظہر مولانا محمد شریف کی ذات مستودہ صفات تھی ان کے بعد ان کی اولاد میں بھی آج تک دس گیارہ پشت گزر جانے کے باوجود ہر دور میں علم شریعت نمایاں نظر آ رہا ہے اور خدا نے چاہا تو قیامت تک نمایاں رہے گا۔ "وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ (۷)"

مولانا محمد شریف کے تین بیٹے تھے مولانا شیخ ابوالحسن جو ۱۰۸۳ھ لاولد فوت ہوئے۔ مولانا حکیم عبدالقادر جو مفتی الٰہی بخش کی جد ہیں۔ اور مولانا فیض محمد جو مولانا محمد الیاس اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ (۸)

مولانا حکیم محمد شریف کے دو صاحبزادے نامور ہوئے ایک حکیم مولانا عبدالقادر جن کی اولاد میں اہل کمال اور علماء فضلا بڑی تعداد میں گزرے ہیں۔ خصوصاً مفتی الٰہی بخش اور ان کے نامور بھتیجے مولانا مظفر حسین کاندھلوی ممتاز ترین علماء فضلاء وقت میں سے تھے۔ دوسرے صاحبزادے مولانا محمد فیض تھے جن کا قیام جھنجھانہ میں رہا۔ ان کی اولاد میں مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ان کے فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی داعی الی اللہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف کاندھلوی جیسے اہل فضل وکمال اور بلند پایہ بزرگ پیدا ہوئے۔ (۹)

جھنجھانہ اور کاندھلہ کی دونوں شاخیں مولوی محمد شریف پر جاکر مل جاتی ہے۔ پھر الگ الگ صدیوں تک بار آور اور پر ثمر رہتی ہے۔ اس اتصالی اور انفصالی کو سمجھنے کیلئے یہاں دونوں شاخوں کا مختصر شجرہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو خود مولانا زکریا کا مرتب کیا ہوا ہے (۱۰)

(شجرہ صفحہ ۱۰۶ پر دیکھئے)

مولانا فیض محمد جھنجھانوی :۔ (۱۱)

مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں اپنے والد ماجد مولانا فیض محمد کے خطوط نقل کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"جامع العلوم الظاہرۃ والباطنیۃ، عالم الفارسیۃ والعربیہ، مجمع الفضائل والفواضل حاوی محاسن الشمائل فیض محمد بن محمد شریف بن محمد اشرف القادری الجھنجھانوی۔" (۱۲)

مذکورہ عبارت سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ مولانا فیض محمد علم وفضل اور سلوک وتصوف میں اپنے اسلاف کے جانشین تھے

مولانا فیض محمد کے چار بیٹے تھے۔ محمد ساجد، محمد سجاد، غلام قادر اور غلام بخش۔

مولانا فیض محمد کی علمی یادگار وہ خطوط ہیں جو مولانا کے صاحبزادے محمد ساجد نے نقل کیے ہیں۔

مولانا محمد ساجد جھنجھانوی رح

مولانا محمد ساجد ۱۱۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ خواجہ اکرم دہلوی نے لفظ خورشید سے تاریخ نکالی۔ آپ متبحر عالم، وسیع النظر فقیہہ اور

شجرہ:-
مولوی محمد شریف
مولوی محمد فیض
عبدالقادر
مولوی محمد ساجد
قطب الدین
حکیم غلام محی الدین
شیخ الاسلام
حکیم کریم بخش
محمود بخش
مفتی الہی بخش
غلام حسین
غلام حسن
مظفر حسین
مولوی ابوالحسن
مولوی اسماعیل
بی بی امۃ الرحمن
مولوی نورالحسن
مولوی محمد
مولوی محمد یحییٰ
مولانا محمد الیاس صاحب
بی بی صفیہ
مولانا محمد یوسف صاحب
ضیاء الحسن، محمد صادق
محمد ابراہیم
محمد اکبر
محمد سلیمان
محمد زکریا (شیخ الحدیث)
شمس الحسن
رؤف الحسن
صفیہ
آمنہ
امۃ الکریم
محمد الیاس
محمد یحییٰ

حاذق طبیب اور خوش کلام شاعر تھے۔ عاشق تخلص تھا۔ علم نجوم، جعفر، کیمیا اور تعویزات میں بھی ماہر تھے۔ (۱۳)

تذکرہ نگار مولانا ساجد کی نیک نفسی کے قائل اور ان کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ قدرت اللہ گویا کا قول ہے۔

حکیم ساجد ا ز مغتنمات روزگار است۔ (۱۴)

نیز سید محمد سرور رقمطراز ہیں۔

مولوی ساجد کہ فاضل کامل و بر اکثر علوم عالم بود۔ (۱۵)

بیشتر زندگی امراء اور نوجوانوں کی مصاحبت اور ملازمت میں گزاری۔ فارغ اوقات میں درس اور مطب کا شغل ہوتا تھا۔ (۱۶) آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ اور متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

مولانا راشد نے ان کی آٹھ تالیفات اور دو بیاضوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تالیفات کے نام یہ ہے۔

۱۔ غرائب الہند۔ ۲۔ فتاوی العجائب والغرائب۔

۳۔ شرح یوسف زلیخا۔ ۴۔ شرح بوستان۔

۵۔ شرح سکندر نامہ۔ ۶۔ مجموعہ مکتوبات۔

۷۔ سراپا۔ ۸۔ کتاب معالجات۔

اور بیاضی یہ ہیں۔

۹۔ بیاض علمی و فقہی ۱۰۔ بیاض متفرقات (۱۷)

مولانا ساجد نے ۱۲۰۸ھ میں جھنجھانہ میں وفات پائی۔ اپنے پیچھے چار صاحبزادے غلام محی الدین گریاں، غلام نجف، غلام علی اور شاہ خیر الدین اور تین لڑکیاں چھوڑی تھیں۔

حکیم غلام محی الدین گریاں جھنجھانوی

مولانا غلام محی الدین گریاں کے مفصل حالات دستیاب نہیں۔ سید محمد سرور لکھتے ہیں۔

"گریاں تخلص، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد، کہ فاضل و کامل بود و بر اکثر علوم عالم، احوال فرزندش مفصل معلوم نیست (۱۸)

قدرت اللہ قاسم کا قول ہے۔ "کہ غلام محی الدین علم و حلم کے کمالات سے مزین اور رشد و ہدایت کی خوبیوں سے آراستہ ہیں"

یہ شعر ان کا ہے:

گریاں کر و ڈکوس ہے عنقا سے یارہ

اس طرح کا مکان ہے وہ لامکاں کر لیں " (۱۹)

مولانا غلام محی الدین گریاں کے صرف ایک صاحبزادے حکیم کریم بخش تھے پھر حکیم کریم بخش کے دو صاحبزادے ہوئے غلام حسن اور غلام حسین ان کے متعلق معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ غلام حسین کے دو صاحبزادے تھے حضرت مولانا محمد اسماعیل اور مولوی محمد اسحاق۔

مولانا محمد اسماعیل رح:

مولانا محمد اسماعیل (مولانا زکریا کے جدّ امجد) اپنے آبائی قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے حدیث نواب زیر الدولہ سے پڑھی[(۲۰)] مولانا دینی علوم میں کامل، زہد و تقوی اور اتباع سنت کا پیکر تھے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور مراحل سلوک طے کیے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے اپنے سلسلہ کے مشہور شیخ تھے[(۲۱)] دارالعلوم دیوبند کی روئیداد میں ان کا ذکر اس طرح ہے۔ "۱۲۸۳ھ کو پیر تشریف آوری حضرت گنگوہی، مولانا اسمٰعیل کاندھلوی جانشین حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی و نواب چھتاری امور ذیل مدرسہ میں قرار پائے۔"[(۲۲)] مولانا ۱۸۵۵ء میں اپنے بھائی محمد اسحاق کے ساتھ دہلی چلے گئے وہاں بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش[(۲۳)] ہدایت افزا بہادر (م ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) کے بچوں کی تعلیم کیلئے معمولی تنخواہ پر ملازم ہوگئے دہلی کے باہر حضرت نظام الدین اولیاء کے مرقد کے قریب چونسٹھ کھمبے کے نام سے جو تاریخی عمارت ہے۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروائی جس میں ایک حجرہ مولانا کی رہائش کیلئے اور ایک بڑا کمرہ ٹین پوش اپنی نشست کیلئے تھا۔ جو بنگلہ کہلاتا تھا اور اسی مناسبت سے یہ بنگلہ والی مسجد کہلاتی تھی[(۲۴)] اس مسجد میں بعد ازیں مدرسہ کاشف العلوم قائم ہوا۔ مولانا کے اولین شاگرد مرزا الٰہی بخش کے بیٹے مرزا سلیمان جاہ اور مرزا ثریا جاہ تھے۔ پھر مرزا الٰہی بخش خود بھی مولانا کے تلامذہ میں شامل ہوگئے اور قرآن مجید پڑھا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا کے تلامذہ میں کافی اضافہ ہوا خاندان برباد تیموری شہزادے جن کو گردش زمانہ قلعہ

معنیٰ سے نظام الدین کے ویرانے میں لے آئی تھی۔ حصول تعلیم کے لیے مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے مولانا ان مفلوک الحال، مصیبت زدہ شہزادوں کو تعلیم دیتے اور ہر ممکن خدمت کرتے تھے۔ مولانا کے آخری دور میں دس بارہ میواتی طلباء بھی مسجد میں رہائش پذیر تھے اور ان کے قیام و طعام کے مصارف مولانا نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ چند طلباء کا کھانا مرزا الٰہی بخش کے ہاں سے آتا تھا۔

ملازمت کے ابتدائی دور میں مولانا کا مرزا الٰہی بخش کے ہاں کوئی خاص احترام نہ تھا مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا جی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے (۲۵) اور اس سے نجات پانے کیلئے در بدر پھرے تو ایک عارف کامل نے مولانا کی طرف راہنمائی فرمائی۔ مرزا جی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا ذاتی تجربہ ہوا تو مولانا کے مرتبہ و مقام کو پہنچانا اور مولانا کا خصوصی احترام کرنے لگے۔ (۲۶)

مولانا کی تنخواہ کا آغاز پانچ روپیہ ماہوار سے ہوا تھا جو آخر میں پندرہ روپیہ تک پہنچ گئی خوراک کیلئے چار روپے گیارہ آنے کا مستقل وظیفہ تھا۔ تمام عمر اس تنخواہ میں بسر فرمائی۔ نواب وجاہت نے بہت اصرار سے سو روپیہ ماہوار پر بلانا چاہا مگر کمال استغناء سے معذرت کردی کہ جو مل رہا ہے گزارے کو وہی کافی ہے۔ (۲۷)

مدرسہ میں ابتداً صرف قرآن کی تعلیم ہوتی تھی مگر مولانا محمد اسمٰعیل کی کوشش اور جانفشانی سے قلیل عرصہ میں اعلیٰ درسی کتابوں کے اسباق بھی شروع ہو گئے۔ مولوی لئیق علی نظامی اپنی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہیں:

"تمام ابتدائی کتابیں میزان الصرف سے لیکر شرح وقایہ اور مشکوٰۃ شریف اور قطبی تک حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی اور ان کے صاحبزادوں کی خدمت میں تمام کی۔" (۲۸)

اس طرح خواجہ حسن نظامی کا قول ہے:

"میرے قدیم استاد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی کاندھلہ کے رہنے والے تھے۔ جن سے میں نے ابتدائی کتابیں مشکوٰۃ شریف اور جلالین تک پڑھی تھی اور جن کا مزار بھی میرے یہاں درگاہ کے قریب ہے۔" (۲۹)

میوات سے تبلیغی تعلق کی ابتداء بھی مولانا محمد اسمٰعیل سے ہوئی۔ ایک مرتبہ آپ اس تلاش میں نکلے کہ کوئی مسلمان مل جائے تو اسے مسجد میں لے آئیں۔ تاکہ باجماعت نماز پڑھ سکیں چند میواتی تلاش روزگار میں جا رہے تھے انہیں کہا کہ اگر تمہیں یہاں روزگار اور مزدوری مل جائے تو دہلی جانے کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے منظور کر لیا۔ آپ انہیں مسجد میں لے آئے نماز اور قرآن کی تعلیم دینے لگے یومیہ مزدوری انہیں دے دیتے اور انہیں تعلیم میں مشغول رکھتے۔ مولانا کی صحبت، اخلاص اور محبت کی برکت سے اب وہ مزدوری کی بجائے طالب علم بن گئے یہ گویا میوات کے دعوتی کام کا آغاز تھا۔ (۳۰)

مولانا کی پہلی شادی جھنجھانہ میں ہوئی اہلیہ کا نام مریم تھا جن سے ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہوا پہلی اہلیہ کی وفات کے وقت دوسرا نکاح بی بی صفیہ بنت مولانا ضیاء الحسن صادق سے کاندھلہ میں ہوا جن کی تفصیل احتشام الحسن کاندھوی اسطرح بیان کرتے ہیں:

۱۲۸۵ھ بمطابق ۱۸۶۸ء میں ایک شادی کے سلسلہ میں بارات میں آپ کا کاندھلہ تشریف لے جانا ہوا اور وہاں آپ کا ایک پرتاثیر وعظ بھی ہوا اس وقت مولانا محمد مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی بی بی امی بی نے اپنے قرابت داروں کو جمع کر کے فرمایا کہ دین اور علم اہل خاندان سے برابر کم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائے۔ مجھے مولوی محمد اسمٰعیل دیندار اور ذی علم معلوم ہوتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ اپنی بڑی لڑکی کی ان سے شادی کر دو تاکہ روابط اور تعلقات کے ذریعے خاندان میں دین اور علم کی بنیادیں مستحکم اور استوار ہو جائیں۔ مگر چونکہ اس وقت مولانا کی عمر بہت کافی تھی اور ان کی صاحبزادی بہت کم عمر اور کم سن تھی ہر ایک کو تامل تھا۔ مگر آپ نے بالکل پرواہ نہ کی۔ اور فوراً دوسرے کو اسی وقت حضرت مولانا کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کرا کر رخصت بھی کر دیا اور جو دوسرے کی بارات میں آئے تھے۔ وہ اپنی دلہن کو ساتھ لے گئے۔ اس طرح سے اس خاندان کا پھر رخ پلٹا اور دینداری پھر نمایاں اور غالب نظر آنے لگی۔ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل بھی اس خاندان کے ساتھ ایسے مربوط ہو گئے کہ جھنجھانوی کی بجائے کاندھلوی بن گئے۔ اور کاندھلہ کی مستقل سکونت اختیار فرما کر ایک چھوٹا سا رہائشی مکان بھی تعمیر کرا لیا اور پھر دونوں خاندان ایک دوسرے کا جزو لاینفک بن گئے۔ (۳۱)

آپ اذکار مسنونہ کے پابند تھے۔ مختلف اوقات اور حالات کے مطابق احادیث میں مذکور اذکار کی باقاعدہ پابندی کرتے تھے۔ اور مولانا کو مرتبہ احسان حاصل تھا۔

اس کا بھی اہتمام تھا کہ شب کو اہل خانہ میں سے کوئی نہ کوئی جاگتا رہے۔ ۱۲، ۱ بجے تک منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحیٰ صاحب مطالعہ میں مشغول رہتے پھر مولانا اسمٰعیل صاحب بیدار ہو جاتے اور مولانا محمد یحیٰ سو جاتے پچھلے پہر بڑے صاحبزادے مولانا محمد کو بیدار کر دیتے۔ ذکر و عبادت، مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا۔ خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوتے، پیاسے ادھر آ نکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے اور اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ "اے اللہ! تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی میں اس قابل نہ تھا" عام اجتماع اور ہجوم کے زمانے میں پانی اور لوگوں کا خاص اہتمام رکھتے۔ اور رضائے الٰہی اور قرابت خداوندی کا ذریعہ خلق خدا کی راحت میں مشغول رہتے۔ (۳۲)

آپ کی طبیعت مجمع جو تھی دہلی کی مختلف الخیال جماعتیں جو ایک دوسرے سے متنفر تھیں ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کی روادار نہ تھیں ان کے پیشواؤں کو آپ کی ذات سے بلا اختلاف عقیدت تھی (۳۳)۔ مولانا محمد اسمٰعیل کی موت بوڑے کتے کے کاٹنے سے ہوئی آپ کا انتقال کھجور والی مسجد تراہا بہرام خاں دہلی میں بتاریخ ۲۶ شوال ۱۳۱۵ھ بمطابق ۲۶ فروری ۱۸۹۸ء میں ہوا۔ اِنَّ لِلعَاقِبَۃِ لِلمُتَّقِین تاریخ وفات نکالی گئی جنازہ دہلی سے نظام الدین لایا گیا ہجوم کا یہ عالم تھا کہ جنازہ میں دونوں طرف بلّیاں باندھی گئیں اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک کندھا دینے کا موقع نہیں ملا۔ بارہا نماز جنازہ پڑھی گئی اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوئی تاریخی مسجد بنگلہ والی واقع بستی نظام الدین اولیاء کی جنوب سمت میں تدفین ہوئی۔ (۳۴) جس وقت مولانا کا انتقال ہوا شاہ ابوالخیر مجددی نے اپنی خانقاہ میں حاضرین سے فرمایا۔

"دیکھو کس نیک بندہ کی روح کو فرشتے لے جا رہے ہیں۔"

بعد ازیں معلوم ہوا کہ مولانا اسمٰعیل کا انتقال ہوا (۳۵)۔ مولانا اسمٰعیل نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے پہلی اہلیہ سے مولانا محمد اور دوسری اہلیہ سے مولانا محمد یحیٰ اور مولانا محمد الیاس۔

مولانا محمد یحییٰ

شیخ الحدیث کے والد مولانا محمد یحیٰ مولانا محمد اسمٰعیل کے منجھلے صاحبزادے تھے جو بروز پنجشنبہ محرم ۱۲۸۸ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء

کو تولد ہوئے تاریخی نام "بلند اختر" تھا آپ فطرتاً ذہین اور طبعاً لطیف المزاج تھے۔ (۳۶)

آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا (۳۷) حفظ کے بعد والد صاحب کی ہدایت تھی کہ روزانہ ایک قرآن مجید پڑھ لیا کرو پھر سارا دن چھٹی' مولانا محمد یحیٰ صبح کی نماز کے بعد اپنی نانی امی بی کے مکان کی چھت پر تلاوت کرتے عموماً نماز ظہر سے قبل ختم کر لیتے بعد ازیں کھانا کھا کر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے قاری کا پڑھا کرتے تھے (۳۸) یہ سلسلہ چھ ماہ رہا بعد ازیں والد صاحب نے عربی کی تعلیم شروع کرا دی۔

آپ کی علمی استعداد حیرت انگیز تھی علوم نقلیہ اور فنون عقلیہ میں مہارت تامہ نو عمری ہی میں مسلم اور مشہور تھی بڑے بڑے علماء کو آپ سے علمی مکالمہ میں فخر تھا عربی ادب میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ نظم و نثر بلا تکلف لکھ لیتے تھے خود مولانا فرماتے تھے کہ (۳۹)

تمام ادب میں استاد سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۷ مقالے پڑھے ہیں اور وہ بھی مکان تک استاد کے ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا۔"

دیو بند میں چند روز قیام کے بعد اپنے وطن کاندھلہ واپس آگئے وہاں آپ نے معقولات کے مشہور استاد مولوی حمید اللہ سنبھلی سے منطق تبادلہ میں پڑھی یعنی ایک گھنٹہ آپ منطق کی کتاب حمد اللہ پڑھا کرتے اور ایک گھنٹہ وہ آپ سے مقامات پڑھا کرتے تھے (۴۰) اس طرح اٹھارہ دن میں حمد اللہ ختم کر لی مسلم العلوم آپ کو ازبر یاد تھی ــــــ منطق اور ادب کے علاوہ باقی درسی کتب آپ نے مدرسہ حسین بخش دہلی میں پڑھیں ــ آپ کی خواہش تھی کہ کتب حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھیں لیکن حضرت گنگوہی بوجہ مرض نزول الماء دورہ حدیث کی تدریس بند کر چکے تھے۔ اس دوران مدرسہ حسین بخش میں امتحان کا زمانہ قریب آگیا تو بخاری شریف کے امتحان میں مولانا محمد یحیٰ کا نام بھی لکھ دیا گیا۔ حالانکہ آپ نے بخاری کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا۔ آپ کے والد صاحب نے بھی زور دیا کہ ابھی پانچ ماہ باقی ہیں۔ خود تیاری کر لو۔ چنانچہ یہ پانچ ماہ اپنے آپ کو نظام الدین کے حجرے میں مقید کر لیا اور بخاری شریف سیرت ابن ہشام طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر اچھی طرح تیار کی۔ بخاری شریف کے امتحان کے ممتحن مولانا خلیل احمد سہارنپوری تھے انہوں نے جوابات کی اس طرح تحسین فرمائی کہ (۴۱)

"ایسے جوابات تو مدرس بھی نہیں لکھ سکتے۔" (۴۲)

یہی وجہ تھی کہ حضرت سہارنپوری نے حضرت گنگوہی سے مولوی محمد یحییٰ کو دورہ حدیث پڑھانے کی سفارش کی جو انہوں نے منظور کرلی (۴۳)

مولانا نور الحسن راشد نے بھی اس منظوری کا ذکر کیا ہے۔

"درباب مولوی محمد یحییٰ جیسے آپ کی رضا ہو بندہ کو عذر نہیں اگر قلیل کثیر کا خیال نہ لاویں نفس شرکت منظور ہے تو

بندہ کی طرف سے اجازت ہے۔" (۴۴)

چنانچہ مولانا محمد یحییٰ کی دیرینہ خواہش بر آئی اور آپ نے گنگوہ میں دورہ حدیث کا آغاز یکم ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ کو کیا جو دو

سال یعنی ۲۰ شعبان ۱۳۱۳ھ میں مکمل ہوا۔ آپ نے مولانا رشید گنگوہی سے صحاح ستہ، ترمذی، ابوداؤد، بخاری شریف، مسلم

شریف، نسائی اور ابن ماجہ پڑھیں۔ (۴۵) مولانا گنگوہی کا یہ آخری درس حدیث تھا جو عوارض کے باوجود مولانا محمد یحییٰ

کی خاطر ہوا تھا۔ مولانا یحییٰ نے بھی بڑے التزام اور باقاعدگی سے پورے دورے میں حاضر رہے۔ اور اپنے گھر کا دھندا بھی

چھوڑ دیا تاکہ کوئی حدیث پڑھنے سے نہ رہ جائے۔ آپ نے اپنے آپکو مولانا گنگوہی کی خدمت میں ۱۲ سال تک وقف کئے رکھ

حتی کہ ان کا وصال ہوگیا۔ مولانا گنگوہی آپ کو "بڑھاپے کی لاٹھی" اور "نابینا کی آنکھیں" فرمایا کرتے تھے (۴۶)

مولانا محمد یحییٰ درس حدیث کی تقاریر کو فارغ اوقات میں عربی میں نوٹ کر لیتے تھے ان میں سے بعض درسی افادات کو مولانا

زکریاؒ نے اپنی تعلیقات کے ساتھ شائع کروا دیا۔ مثلاً الکوکب الدری اور لامع الدراری وغیرہ۔ (۴۷) مولانا خلیل احمد سہارنپوری مولانا

محمد یحییٰ کی خداداد صلاحیتوں سے واقف تھے چنانچہ مولانا گنگوہی کے وصال کے بعد انہوں نے محمد یحییٰ کو عمامہ خلافت عطا کیا اور فرمایا

"میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔" (۴۸)

مولانا محمد یحییٰ کی علم حدیث میں کمال مہارت تامہ کے پیش نظر مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تمنا تھی کہ وہ گنگوہ سے مدرسہ

مظاہر العلوم سہارنپور میں درس حدیث کیلئے آجائیں۔ اس لیے دو سال تو وہ انہیں کتب حدیث ختم کرانے کیلئے سال کے آخر میں

بلاتے رہے۔ اور تیسرے سال مستقل قیام پر زور دیا۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں درس حدیث کیلئے

آپ مستقلاً آگئے۔ اور ساڑھے پانچ سال اپنے وصال تک۔ (۴۹) مسلسل بلا تنخواہ درس دیتے رہے۔ (۵۰)

آخر ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ ۴۴ سال سے وفات پائی۔ اور محلہ کے قبرستان حاجی شاہ محمد میں تدفین ہوئی۔ اولاد میں ایک

رہ کی عائشہ اور ایک لڑکا محمد زکریا (شیخ الحدیث) پیچھے چھوڑا۔

مولانا کا اسلوب تعلیم:۔

مولانا کا اسلوب تعلیم مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل تھا۔ (۵۱)

اوّلاً وہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ترک تعلقات پر زور دیتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔

"آدمی چاہے کتنا ہی غبی اور کند ذہن ہو اگر اس میں تعلقات کا مرض نہیں تو وہ کسی وقت ذی استعداد بن کر رہتا ہے اس کے برخلاف وہ جتنا بھی ذی استعداد اور علم کا شوقین ہو اگر اس کو تعلقات کا چسکہ ہے تو وہ اپنے جوہروں کو کھو کر رہے گا۔"

ثانیاً مولانا روائتی تدریس کی بجائے مجتہدانہ اسلوب کے حامل تھے ان کے ہاں تجوزہ درس نظامی کی پابندی نہیں تھی بلکہ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق کتاب تجویز کرتے۔

مثلاً الفیہ ابن مالک کا سبق روزانہ حفظ سنایا کرتے تھے علاوہ ازیں ایک ہی فن کی اعلیٰ اور ادنی کتب بیک وقت پڑھاتے تھے

مثلاً۔ ہدایۃ النحو اور کافیہ، ایک ساتھ ہوتی تھیں جتنا سبق شام کو کافیہ کا ہوتا اس کے بقدر صبح کو ہدایۃ النحو ہوتی۔ تاکہ کافیہ کے مطالعے کیلئے کام دیں اسی طرح فقہ میں قدوری اور کنز، اور حدیث میں مشکوۃ اور طحاوی بیک وقت ہوتی تھیں نحو کے ساتھ ہی ترجمے کا اہتمام تھا نیز ادب کی کتب میں محشی کتب پڑھانے کے مخالف تھے۔

ثالثاً۔ وہ ابتدائی کتب کی تدریس کو زیادہ اہمیت دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ تعلیم و تربیت کی بنیاد ابتداء سے پڑتی ہے اور جب بنیاد خراب ہو جائے تو پھر آخر میں تعمیر اچھی نہیں ہوتی۔ (۵۲)

محاسن و کمالات:۔

مولانا محمد یحیٰ بڑے صاحب کمالات بزرگ تھے انہوں نے تدریسی خدمات کا کبھی معاوضہ قبول نہیں کیا بلکہ معاش کے معاملہ میں ہمیشہ توکل کی راہ اختیار کی۔ اشاعت دین کی نیت سے ایک تجارتی کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ (۵۳) اکابر کی کتب کی اشاعت کا بہت اہتمام تھا جس کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے۔ (۵۴) "بکاء باللیل" "بسام بالنہار" آپ کا وصف تھا دن کے

سوز اور راتوں کے راز و نیاز کی خبر بہت کم لوگوں کو تھی (۵۵) ذاتی عسرت کے باوجود طلبا اور محتاجوں کی مخفی اعانت فرماتے تھے (۵۶) سادگی، تواضع اور استغناء آپ کا شعار تھا۔ ذاتی ملکیت میں کوئی پیسہ رکھنا پسند نہیں کرتے تھے قرآن حکیم سے آپ کو خصوصی شغف تھا، بڑے پختہ حافظ قرآن تھے۔ اور تلاوت کا کثرت سے معمول تھا۔ اور رمضان المبارک میں تین شب میں قرآن پڑھ لیتے تھے (۵۷) متبع سنت تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مسنون طریقے سے پاخانہ جانا خلاف سنت نفلیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ (۵۸)

مولانا محمد الیاس کاندھلوی (۵۹)

تبلیغی تحریک کے نامور بانی مولانا محمد الیاس، مولانا زکریا کے چچا تھے اس مناسبت سے یہاں انکے مجمل حالات بیان کئے جاتے ہیں مولانا محمد الیاس ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے الیاس اختر تاریخی نام رکھا گیا بچپن اپنے ننھیال کاندھلہ اور اپنے والد کے پاس نظام الدین میں گزارا، بچپن میں ہی قرآن حفظ کیا اور ابتدائی کتب اپنے والد صاحب اور مولانا حکیم محمد ابراہیم کاندھلوی سے پڑھیں، جب دہلی رہتے تو والد سے پڑھتے اور جب کاندھلہ چلے جاتے تو حکیم محمد ابراہیم سے پڑھتے اس طرح تعلیم کا کافی حرج ہوا اور پابندی اور باقاعدگی قائم نہ ہو سکی تو انکے برادر بزرگ مولانا محمد یحییٰ ۱۳۱۴ھ میں اپنے پاس گنگوہ میں لے گئے جہاں انہیں مولانا رشید احمد گنگوہی سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا، مولانا الیاس اس وقت گیارہ سال کے بچے تھے۔ اور حضرت گنگوہی کی وفات ۱۳۲۳ھ تک ۱۰ سال کا عرصہ گنگوہ میں ہی گزارا گنگوہ اس وقت علماء و صلحا کا مرکز تھا۔ مولانا الیاس کی دینی تربیت اس روحانی ماحول میں ہوئی حضرت مولانا خود فرماتے ہیں۔

"جب حضرت گنگوہی کے خاص فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو" (۶۰)

تعلیم حدیث کا آغاز برادر بزرگ مولانا محمد یحییٰ سے کیا پھر ۱۳۲۶ھ میں دیوبند چلے گئے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور ترمذی اور بخاری کی سماعت کی بعد ازاں اپنے بھائی محمد یحییٰ سے حدیث کا دور مکمل کیا۔ (۶۱)

آپ بچپن میں ہی حضرت گنگوہی سے بیعت ہو گئے تھے۔ انکے وصال کے بعد مولانا خلیل احمد سے رجوع کیا اور انکی نگرانی اور راہنمائی میں منازل سلوک طے کیں۔ شوال ۱۳۲۸ھ میں مولانا الیاس کا تقرر بطور مدرس مدرسہ مظاہر علوم میں ہوا جہاں آپ نے بڑی محنت اور مطالعہ سے تدریسی فرائض انجام دیئے حتیٰ کہ وہ کتب بھی پڑھائیں جو قبل ازیں آپ نے نہیں پڑھی تھیں۔ آپ کا عقد ۳ ذی قعدہ

۱۳۳۰ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو اپنے ماموں مولوی رؤف الحسن کی لڑکی سے ہوا جس سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا مولانا محمد یوسف تولد ہوئے۔ (۶۲) آپ نے تین حج ۱۳۳۳ھ، ۱۳۴۴ھ اور ۱۳۵۱ھ میں کیے۔

بستی حضرت نظام الدین

مولانا محمد الیاس کو بستی نظام الدین سے قدیم خاندانی تعلق تھا۔ اوّل ان کے والد مولانا محمد اسماعیل نے یہاں دینی مدرسہ کے ذریعہ اہل میوات سے دینی تعلق قائم کیا۔ پھر ان کی وفات پر مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمدؒ (م ۱۳۳۶ھ) نے یہ تعلق قائم کیا ان کے انتقال پر مولانا الیاس اہل میوات کے اصرار پر سہارنپور سے بستی نظام الدین منتقل ہو گئے۔ اور خاندانی دینی مدرسہ کا انتظام سنبھالا۔ بعد ازیں مولانا محمد الیاس نے مدرسہ میں زیرِ تدریس میواتی طلبہ کے ذریعے میوات میں دینی مکاتب اور مدارس کا آغاز کیا لیکن مولانا نے جلد ہی تجربہ اور بصیرت سے بھانپ لیا کہ مکاتب کے ذریعے مطلوبہ اصلاح ممکن نہیں بلکہ ایک عمومی دینی تحریک ہی اجتماعی فساد اور دینی بے راہ روی کا صحیح علاج ہے۔ چنانچہ مولانا نے عوامی تبلیغی تحریک کا آغاز کیا اور چند ہی سال میں پورے میوات میں تبلیغی جماعتوں کا جال بچھا دیا اور اپنی تمام صلاحیتیں اس تحریک میں کھپا دیں۔ مولانا الیاس کے اخلاص، ہمت، استقامت، للہیت اور تنظیمی سوجھ بوجھ نے سرکش، ورانجڈ قوم کو ہدایت کے راستہ پر ڈال دیا جس کا اقرار اور اعتراف ایک میواتی نے اسطرح کیا ہے:

"ہم جہالت میں پڑے ہوئے تھے نہ ہم کو خدا کی خبر تھی نہ رسول کی۔ اس مولوی کا خدا بھلا کرے۔ اس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دوسرے بھائیوں تک یہ نصیحت پہنچائیں جو ہمیں ملی ہے۔" (۶۳)

اس طرح تبلیغی جماعت مولانا کی انتھک محنت سے برصغیر میں ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ اور اخلاقی تربیت گاہ بن گئی آج جہاں جہاں تبلیغی کام ہو رہا ہے وہ مولانا محمد الیاس کی محنت، جدوجہد اور اخلاص کا ثمرہ ہے۔ سہ یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے۔

مولانا محمد الیاس ابتداء سے ہی نحیف و لاغر تھے۔ تبلیغی جدوجہد، دینی تڑپ اور روحانی سوز و گداز نے انہیں اندر ہی اندر گھلا دیا آخر انہیں پیچش کی مرض لاحق ہو گئی جو جان لیوا ثابت ہوئی اور مولانا کا انتقال پر ملال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہوا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝

مولانا کی سیرت کے نمایاں پہلو دینی حمیت، تقوی، انابت الی اللہ، تبلیغ دین میں کامل یکسوئی اور انہماک، حلم و بردباری، مقصد سے عشق اور استقامت، سوز و گداز، درد و بے قراری، عزیمتی، اولوالعزمی تھے ــــ مولانا کی جیتی جاگتی یادگار تبلیغی جماعت اور تبلیغی کام ہے۔ (۶۴)

مولانا کی سیرت کے یہی محاسن تھے جنہوں نے انہیں چشتی سلسلہ کے جلیل القدر مشائخ کی صف میں لا کھڑا کیا ہے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ

"مولانا محمد الیاس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اسکی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاس نے کیا تھا۔" (۶۵)

خاندان کی خواتین

مولانا محمد زکریاؒ کا خاندان دینداری کا گہوارہ تھا۔ مرد تو علم و عرفان میں یکتائے روزگار تھے ہی اس گھرانے کی خواتین بھی علم و عمل اور زہد و تقوی میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ جن کی دینی روش نے ہمیشہ مردوں کو راست روی پر رکھا۔ (۶۶)

گھر میں خواتین نوافل میں اپنے طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرتیں اور اپنے عزیزوں کے پیچھے نماز تراویح بھی سنتی تھیں۔ رمضان المبارک میں خصوصاً گھروں میں قرآن مجید پڑھے جاتے اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا۔ عورتوں کا دینی نصاب قرآن مجید مع ترجمہ و اردو تفسیر، مظاہر حق، مشارق الانوار، حصن حصین پر مشتمل تھا۔ (۶۷) مولانا محمد الیاس نے اس کا تذکرہ یوں کیا۔

"یہ وہ گودیں ہیں جن میں ہم نے پرورش پائی اب وہ گودیں دنیا میں کہاں سے آئیں گی۔" (۶۸)

نمونہ کے طور پر ہم صرف دو خواتین کا تذکرہ کرتے ہیں۔

امی بی

مولانا زکریاؒ کی پڑنانی بی امۃ الرحمن مولانا مظفر حسین کی صاحبزادی اور مولانا محمد یحییٰ کی تائی تھیں وہ خاندان میں "امی بی" کے نام سے مشہور تھیں۔ بڑی رابعہ سیرت خاتون تھیں بچپن ہی سے نوافل، اوراد مسنونہ اور اعتکاف کی پابند تھیں بیشتر وقت نماز میں گزرتا

اور نماز میں ایسی یکسوئی ہوتی کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتیں حتیٰ کہ گھر میں کسی حادثہ کی بھی خبر نہ ہوتی۔

مولانا محمد الیاس کا کہنا ہے کہ میں نے امی بی کی نماز کی جھلک حضرت گنگوہی کی نماز میں دیکھی۔"

آخری عمر میں اوراد وظائف کی اس قدر کثرت تھی کہ کھانا خود کبھی طلب نہیں کیا کسی نے لاکر دے دیا تو کھا لیا۔ گھر بڑا تھا اگر کام کی کثرت اور مشغولیت کی وجہ سے کسی کو خیال نہ رہا تو بھوکی بیٹھی رہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا۔

"آپ اس ضعف کی حالت میں بغیر کھائے کیسے رہتی ہے؟ فرمایا میں تسبیحات سے غذا حاصل کرلیتی ہوں"۔

آپ نے ۴ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ/۸ جون ۱۹۲۴ء بروز یکشنبہ وفات پائی۔ (۶۹)

بی صفیہ

مولانا کی دادی محترمہ "بی صفیہ" بڑی جید حافظ تھیں انہوں نے قرآن مجید شادی کے بعد مولانا یحیٰی کی شیرخوارگی کے زمانہ میں حفظ کیا تھا اور ایسا اچھا یاد تھا کہ عام حافظ ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا تھا رمضان المبارک میں پورا قرآن مجید اور دس پارے مزید پڑھنے کا روزانہ معمول تھا۔ اس طرح ہر رمضان میں چالیس قرآن مجید ختم کرلیتی تھیں۔ (۷۰)

حفظ اس قدر پختہ تھا کہ تلاوت کے دوران گھریلو کام کاج بھی کرتی رہتیں رمضان کے علاوہ امور خانہ داری کے ساتھ بکثرت وظائف و اوراد کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل کی تلاوت کا روزانہ معمول تھا۔ (۷۱)

آپ رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئی اور ماہ شعبان ۱۳۳۶ھ بروز چہارشنبہ کاندھلہ میں انتقال ہوا۔
رحمہا اللہ رحمۃً واسعۃً

الغرض اس خاندان کا ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت دینی حیثیت سے بلند مقام رکھتا ہے۔

این سلسلۂ طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

باب اوّل (الف)

خاندانی پس منظر

حوالہ جات و حواشی

۱۔ احتشام الحسن، کاندھلوی، مولانا، "حالات مشائخ کاندھلہ" ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی طبع اوّل جنوری ۱۹۵۷ء (صـ۹)

۲۔ راشد، نور الحسن کاندھلوی، مولانا، "حضرت شیخ الحدیث کے اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات" ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، خصوصی نمبر۔ نومبر ۱۹۸۲ء / محرم ۱۴۰۳ھ، میں ایک تحقیقی مقالہ بعنوان بالا میں لکھا ہے کہ خاندان میں مروجہ نسب نامہ میں آخری دو نام یعنی شیخ محمد کے بعد شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ الحاقی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کا اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس خانوادے کا جدِّ اعلیٰ ضیاء الدین سنامی ہے جس کا ثبوت سلطان محمد شاہ ابن فیروز شاہ تغلق (م۔ ۷۹۶ھ) کا مکتوبہ فرمان ہے۔ جس کی پشت پر جو نسب نامہ مکتوب ہے اس کا سلسلہ شیخ محمد سے قاضی ضیاء الدین سنامی تک ہے۔ (صـ۳۹ تا ۴۲)

۳۔ ایضاً صـ۵۲ نیز "مشائخ کاندھلہ" (صـ۱۸)

۴۔ ایضاً صـ۵۲ بحوالہ "اخبار الاخیار" مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۹۹ھ)

۵۔ "حالات مشائخ کاندھلہ" صـ۱۰ الفرقان صـ۵۴ بحوالہ بیاض حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی صـ۲

۶۔ "الفرقان" صـ۵۵

۷۔ "حالات مشائخ کاندھلہ" صـ۱۶

۸۔ ایضاً صـ۱۷، الفرقان صـ۶۱

۹ ـ ندوی، ابوالحسن، علی، سید "سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا" مجلس نشریات اسلام ۔ کراچی طبع دوم ۱۹۸۳ء/ ۱۴۰۳ھ (ص ۲۳)

۱۰ ـ تحریر قلمی حضرت شیخ محفوظ در مرقع خطوط برائے بریلی بحوالہ سوانح شیخ الحدیث (ص ۲۳)

۱۱ ـ مولانا ساجد کی تمام تحریرات میں نام "فیض محمد" تھا جبکہ متاخر تحریرات میں "محمد فیض" ہے بحوالہ الفرقان (ص ۶۱)

۱۲ ـ "الفرقان" ص ۶۱ بحوالہ تاریخ الاولیاء از امام الدین گلشن آبادی ص ۳۶۶ (بمبئی ۱۲۹۱ھ)

۱۳ ـ ایضاً (ص ۶۳)

۱۴ ـ ایضاً

۱۵ ـ ایضاً (ص ۶۴)

۱۶ ـ ایضاً (ص ۶۸)

۱۷ ـ ایضاً (ص ۷۳)

۱۸ ـ ایضاً (ص ۷۴)، بحوالہ عمدۂ منتخب سیر محمد سرور مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ص ۵۲۷ (دہلی ۱۹۶۱ء)

۱۹ ـ ایضاً (ص ۷۵) بحوالہ مجموعہ نغز، قدرت اللہ قاسم مرتبہ پروفیسر محمود احمد خان شیرانی ص ۱۳۱ ج ۲ (دہلی ۱۹۷۳ء)

۲۰ ـ ماہنامہ الفرقان ص ۷۶ بحوالہ "ارواح ثلاثہ" مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی (ص ۳۶۵) (تھانہ بھون)

۲۱ ـ میرٹھی، عاشق الٰہی، محمد: "تذکرۃ الرشید" ج اول کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور (ص ۱۹۷)

۲۲ ـ ماہنامہ الفرقان (ص ۷۸)

۲۳ ـ مرزا الٰہی بخش وہی بزرگ ہیں جن کی نشاندہی پہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کیا گیا اور کتنے ہی شہزادوں کو پھانسی دی گئی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ فاران کراچی اگست ۱۹۷۵ء نیز تذکرہ "صوفیائے میوات" تالیف محمد حبیب الرحمٰن خان میواتی ص ۱۱۲ مکتبہ مدنیہ، لاہور

۲۴ ـ حالات مشائخ کاندھلہ (ص ۲۱)

۲۵۔ ماہنامہ الفرقان ص ۸۱، بحوالہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۷۹، دہلی ۱۹۵۸ء)

۲۶۔ حالات مشائخ کاندھلہ ص ۲۱، ابوالحسن علی ندوی: مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۳۶،
مجلس نشریات اسلام۔ کراچی۔ طبع ۱۹۸۵ء

۲۷۔ "تذکرۃ الرشید" ج ۱ ص ۱۹۷۔

۲۸۔ ماہنامہ الفرقان ص ۸۲، بحوالہ سیرت نظامی مولوی یسین علی نظامی ص ۳۰ دہلی، ۱۳۳۸ھ)

۲۹۔ ماہنامہ الفرقان ص ۸۲ بحوالہ ہفتہ وار "روزنامچہ" ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی، ۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء ص ۶

۳۰۔ "حالات مشائخ کاندھلہ" ص ۲۱ تمام تذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے لیکن حبیب الرحمٰن خان میواتی
نے اس واقعہ کی "درایۃ" تردید کی ہے۔ تذکرہ صوفیائے میوات، ص ۳۲۹)

۳۱۔ ایضاً ص ۲۱۲-۲۱۱

۳۲۔ ایضاً "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" ص ۳۶،۳۷

۳۳۔ ایضاً ص ۳۷

۳۴۔ ماہنامہ الفرقان ص ۸۹ حالات مشائخ کاندھلہ ص ۲۱۴

۳۵۔ الفرقان ص ۸۹ بحوالہ مقامات خیر، مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلی ۱۹۷۵ء ص ۲۹۹

۳۶۔ میرٹھی، عاشق الٰہی، "تذکرۃ الخلیل"، کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور ص ۱۸۹
نیز "حالات مشائخ کاندھلہ" ص ۲۲۰

۳۷۔ تذکرۃ الخلیل ص ۱۹۰

۳۸۔ ایضاً ص ۱۹۰

۳۹۔ ادب کے یہ استاد شیخ الہند کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی تھے (م ۱۳۵۸ھ)
"حالات مشائخ کاندھلہ" ص ۲۲۲، تذکرۃ الخلیل (ص ۱۹۱)

۴۰۔ ادب کے یہ استاد شیخ الہند کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی تھے (م ۱۳۵۸ھ)
"حالات مشائخ کاندھلہ" صہ ۲۲۲، "تذکرۃ الخلیل" (صہ ۱۹۱)

۴۱۔ تذکرۃ الخلیل صہ ۱۹۲ حالات مشائخ کاندھلہ صہ ۲۲۳

۴۲۔ ایضاً صہ ۱۹۲ ایضاً صہ ۲۲۴

۴۳۔ " صہ ۱۹۳ ایضاً

۴۴۔ الفرقان ۸۰، ۷۹ بحوالہ بیاض کبیر از محمد زکریا صہ ۴۵

۴۵۔ زکریا، محمد، مولانا؛ آپ بیتی نمبر ۶، مکتبہ رشیدیہ ساہیوال ۱۴-۱۵

۴۶۔ تذکرۃ الخلیل صہ ۱۹۳ حالات مشائخ کاندھلہ ۲۲۵ نیز فیوض الرحمٰن قاری؛
مشاہیر علماء دیوبند ج المکتب العزیزیہ لاہور ۱۹۷۶ء صہ ۲۱۹

۴۷۔ آپ بیتی نمبر ۶ صہ ۱۶

۴۸۔ تذکرۃ الخلیل: صہ ۱۹۴، حالات مشائخ کاندھلہ صہ ۲۲۵

۴۹۔ ۱۰ ذیقعدہ ۲۴ ہجری صحیح ہے جبکہ حالات مشائخ کاندھلہ صہ ۲۲۸ میں ۸ ذیقعدہ درج ہے۔

۵۰۔ تذکرۃ الخلیل، صہ ۱۹۴، حالات مشائخ کاندھلہ صہ ۲۲۸

۵۱۔ ایضاً صہ ۱۹۵ آپ بیتی نمبر ۲ صہ ۷۱ تا ۷۴

۵۲۔ ایضاً ایضاً

۵۳۔ یوسف لدھیانوی، محمد، مولانا، "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفائے کرام" انگلینڈ ۱۹۸۵ء صہ ۶۵

۵۴۔ زکریا، محمد "اکابر علماء دیوبند" ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز فیصل آباد ۱۳۹۸ھ صہ ۵۵ تا ۵۷

۵۵۔ زکریا، محمد، "اکابر کا رمضان"، کتب خانہ یحیوی سہارنپور سن ندارد صہ ۲۶

۵۶۔ تذکرۃ الخلیل صہ ۱۹۵

۵۷۔ ایضاً صہ ۱۹۴ و مشائخ کاندھلہ صہ ۲۲۶

۵۸۔ آپ بیتی ۲، ص ۲۱ مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفائے کرام ص ۲

۵۹۔ حالات زندگی مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت مؤلفہ ابوالحسن علی ندوی سے ماخوذ ہیں۔

۶۰۔ حنی محمد ثانی "سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی"۔ شاہین ٹریڈنگ کمپنی کراچی جون ۱۹۷۸ء ص ۴۳

۶۱۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور طبع اول ۱۹۶۹ء ص ۵۸۵

۶۲۔ تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر ہیں ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۹۶۵ء)

۶۳۔ سوانح یوسفی ص ۱۵۶

۶۴۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۴۱

۶۵۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، لاہور ط۔ ن۔ ص ۲۳۲

۶۶۔ مشائخ کاندھلہ، ص ۲۴۳

۶۷۔ مشائخ کاندھلہ ص ۲۴۴

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ حالات مشائخ کاندھلہ ص ۴۷ تا ص ۴۹

۷۰۔ سوانح یوسفی ص ۵۷

۷۱۔ " حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۵۱

سوانح حیات

مولانا محمد زکریاؒ (۱)

ولادت :-

حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی ولادت ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ بمطابق ۲ فروری ۱۸۹۸ء کو رات گیارہ بجے اپنے آبائی مکان قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر، انڈیا میں ہوئی۔ ولادت کی نوید سنتے ہی خاندان کے بزرگ اور اہلِ محلہ تراویح سے فارغ ہو کر فوراً مکان پر آئے اور فرطِ مسرت سے مبارکباد پیش کی۔ نومولود کے دادا مولانا محمد اسماعیل نظام الدین دہلی میں تھے۔ پوتے کی پیدائش کی خبر سنی تو برجستہ زبان سے نکلا۔

"بھاسا بدل آگیا" (۲) والد محترم مولانا محمد یحییٰ گنگوہ میں تھے وہ ساتویں روز عقیقہ کیلئے گنگوہ سے کاندھلہ تشریف لائے اور گھر کے دروازہ پر پہنچ کر خواہش ظاہر کی کہ میں نومولود کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ والد محترم کی یہ خواہش اس زمانہ کی شرم و حیا اور دینی گھرانوں میں پائے جانے والے حجاب کے بالکل خلاف تھی۔ لہٰذا گھر کے اکثر افراد کو اس پر تعجب ہوا۔ لیکن والدہ کی نانی نے خیال کیا کہ پدری محبت نے جوش مارا بچے کو دیکھنے کو جی چاہ رہا ہوگا۔ اس میں کیا حرج ہے؟ دایہ کے ہاتھ باہر بھیج دیا۔ مولانا محمد یحییٰ اپنے ہمراہ حجام لائے تھے۔ بچے کے بال کٹوائے ان کو ایک پڑیا میں لپیٹ کر دایہ کے ہاتھ گھر میں بھیج دیئے کہ بال میں نے کٹوا دیئے۔ بکرے تم ذبح کرا دینا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دینا۔ اس طرح مولانا یحییٰ نے یہ تقریب جس کے لیے بڑے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ نہایت سادگی اور مسنون طریقے سے اختتام کو پہنچا دی۔ (۳)

نومولود کے دو نام رکھے گئے والد نے محمد موسیٰ اور دادا نے محمد زکریا رکھا۔ دوسرے نام نے شہرت عام پائی۔ اور اسی سے مشہور و مقبول ہوئے۔ (۴)

ان دنوں مولانا محمد یحییٰ کا مستقل قیام مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس گنگوہ میں تھا۔ ضرورۃً کاندھلہ اور دہلی آتے جاتے تھے۔ زکریا کی عمر اڑھائی سال تھی کہ وہ ۱۳۱۸ھ میں اپنی والدہ کے ہمراہ گنگوہ چلے گئے۔ مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ حضرت رشید احمد گنگوہی کا سرپرستانہ اور پدرانہ تعلق تھا۔ (۵) اس بنا پر محمد زکریا سے بھی مولانا گنگوہی کا رویہ انتہائی مشفقانہ تھا۔ شیخ الحدیث

خود لکھتے ہیں کہ میں ابھی اڑھائی سال کا تھا۔ حضرت گولر کے درخت کے نیچے چار زانوں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں حضرت گنگوہیؒ کے پیر پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹا۔ جب کچھ بڑا ہو گیا راستہ میں کھڑا ہو جاتا۔ اور بلند آواز کے ساتھ "السلام علیکم" کہتا، حضرت بھی ازراہ شفقت اسی لہجہ میں جواب دیتے۔ الغرض حضرت گنگوہی کی گود میں کھیلنا، گردن میں ہاتھ ڈال کے کھڑے ہونا، حضرت کے ساتھ عیدین کے موقع پر پالکی میں بیٹھ کر عیدگاہ آنا جانا اور بسا اوقات حضرت کے ساتھ کھانا کھانا سب اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ (۶)

مولانا محمد زکریا شال کے تھے کہ جمادی الآخر ۱۳۲۳ ہجری کو حضرت گنگوہی کا وصال ہوا۔[۷] اس طرح مولانا زکریا نے اپنی طفولیت کا ابتدائی زمانہ گنگوہ میں گذارا۔ جو اس وقت صلحاء و علماء کا مرکز تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی روحانی اور باطنی کشش نیز شہرۂ آفاق درس حدیث نے ان صلحائے صادقین اور علمائے کاملین کو دور دراز سے کھینچ کر اس قصبہ میں جمع کر رکھا تھا۔ اور وہاں ایک ایسی علمی اور روحانی فضاء پیدا کر دی تھی۔ جس کی نظیر اس مبارک عصر میں بھی ملنی مشکل تھی۔ شیخ الحدیث کے بچپن کا زمانہ جو ہر قسم کے اچھے بُرے اثرات کے غیر شعوری طریقہ پر جذب کرنے اور ابتدائی نقوش کے مؤثر ہونے کا زمانہ ہے اس مبارک ماحول میں گذرا اور ۱۲ سال کی عمر تک گنگوہ رہے کبھی کسی ضرورت کے تحت والد کے ہمراہ کاندھلہ جاتے جو خود ایک بڑا دینی و علمی مرکز تھا۔ سو شیخ کی سیرت میں اس مبارک ماحول کا اثر نمایاں رہا۔[۸]

تعلیم کا آغاز :۔

اس زمانہ کے مسلم گھرانوں میں رواج تھا کہ ۴۔ ۵ سال کی عمر میں بچہ مکتب بٹھا دیا جاتا۔ اور حفظ قرآن سے اس کی تعلیم کا آغاز ہوتا تھا۔[۹] لیکن ۷ برس تک مولانا زکریا کی بسم اللہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس پر ان کی دادی صاحبہ جو خود حافظہؒ قرآن تھیں ایک مرتبہ اپنے فرزند کو ناراضگی سے کہا :

"یحیٰ! اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہوتے، تو نے سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا۔ یہ اتنا بڑا بیل ہو رہا ہے تو اس سے آخر کیا کرائیگا۔" (۱۰)

بالآخر وہ مبارک دن آیا کہ بچے کی بسم اللہ ہوئی۔ گنگوہ قیام تھا کہ سات برس کی عمر میں مظفر نگر کے صالح بزرگ ڈاکٹر

عبدالرحمٰن کے پاس پڑھنے کیلئے بٹھایا اور شیخ نے قاعدہ بغدادی انہیں سے ختم کیا۔[۱۱] اس کے بعد خاندانی روایت کے مطابق والدمحترم مولانا محمد یحییٰ کے پاس قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا طریق یہ تھا کہ ایک سبق کا صفحہ روزانہ اس ہدایت کے ساتھ ملتا کہ سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اس کے بعد چھٹی۔[۱۲] اسطرح حفظ والد صاحب سے ہی مکمل کیا مگر کچھ عرصہ بعد حافظ محمد صالح صاحب[۱۳] کی شاگردی کا بھی شرف حاصل ہوا نیز دو ڈھائی پارے متفرق اوقات میں دوران قیام کاندھلہ وہاں کے مشہور و معروف حافظ استاد الکل حافظ رحیم بخش عرف حافظ منگتو سے بھی پڑھے۔[۱۴] صرف و نحو کی ابتدائی کتب بھی اپنے والد محترم سے پڑھیں جبکہ اردو کی دینی کتب "بہشتی زیور" نیز فارسی کی ابتدائی دینی کتب اپنے چچا مولانا محمد الیاس سے پڑھیں جن کے ہاں سبق طلباء کے ذاتی مطالعہ پر منحصر تھا۔ فاش غلطی پر کتاب بند کر دیتے نیز دیر سے آنے پر بھی اس دن سبق نہ ملتا۔ یہ ابتدائی عمل تدریس ۱۲ برس کی عمر میں ۱۳۲۸ ہجری تک مکمل ہوا۔[۱۵]

عربی تعلیم کا آغاز:۔

عربی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ ۱۳۲۸ ہجری میں شروع ہوا۔ جب مولانا محمد زکریا ۱۲ برس کی عمر میں سہارنپور تشریف لائے جہاں اُن کے والد مولانا محمد یحییٰ کتب حدیث کی تدریس کیلئے مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے اصرار و تقاضا پر دو تین سال سے تشریف فرما تھے۔ مولانا یحییٰ تعلیم کے مسئلہ میں مجتہدانہ دماغ رکھتے تھے وہ مروجہ نصاب، عام طریقہ تعلیم اور درسی کتب کی معروف ترتیب کے خلاف تھے اس کے برعکس انہوں نے اپنے طویل تدریسی تجربہ اور خداداد ذہانت سے اپنا علیحدہ نصاب تجویز کر رکھا تھا۔ جس کا اصل مقصد طلباء میں استعداد پیدا کرنا تھا۔ اپنے بیٹے زکریا کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی اسی اجتہاد اور ابتکار سے کام لیا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ بغیر کتاب کے زبانی قواعد لکھواتے اس کے بعد دو چار حروف بتا کر مثال، اجوف، ناقص، مضاعف چاروں قاعدوں پر متعدد صیغے بنواتے اور ان کی مشق کرواتے۔ مولانا محمد زکریا خود لکھتے ہیں کہ "صرف میر پنج گنج دس بارہ دن میں سنا دی تھی البتہ فصول اکبری میں بہت وقت لگا تھا۔ اسی طرح صرف و نحو کی اول درسی کتب اسی طریقہ پر پڑھیں۔ کافیہ کے ساتھ ہدایۃ النحو اور نفحۃ الیمن کی جگہ پارۂ عم کا ترجمہ پڑھایا۔ نفحۃ الیمن کے صرف باب ثالث کے قصائد پڑھے۔ اس کے بعد قصیدہ بردہ، بانت سعاد، قصیدہ ہمزیہ، مقامات سے پہلے پہلے پڑھ لیے" مولانا محمد یحییٰ تدریس میں درس نظامی کی مروجہ کتب کی ترتیب کی پابندی نہیں کرتے تھے۔

مثلاً نحو میر کے ساتھ ہی ترجمین کا اہتمام تھا۔ کافیہ اور ہدایۃ النحو ایک ساتھ۔ اس طرح کنز اور قدوری ایک ساتھ ہوتی تھی یعنی جتنا سبق کافیہ کا ہوتا صبح اس کی ترتیب سے اتنا ہدایۃ النحو کا، جو گویا کافیہ کا مطالعہ تھا یہی ترتیب قدوری اور کنز کی تھی۔

ادب میں محشی کتب سے پڑھانے کے وہ مخالف تھے چنانچہ مقامات حریری، سبعہ معلقات اور متنبی وغیرہ غیر محشی یا اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی پڑھائی گئیں۔

کتب منطق مولانا عبداللطیف ناظم مظاہر العلوم اور کتب معقول مولانا عبدالوحید سنبھلی سے پڑھیں۔

حدیث کا آغاز:۔

درس حدیث کا آغاز بھی بڑے اہتمام سے ہوا۔ ۱۷ محرم ۳۲ ہجری کو ظہر کی نماز کے بعد مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی پہلے مولانا محمد یحییٰ نے غسل فرمایا۔ پھر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ کروائی۔ خطبہ پڑھا نیز قبلہ رو ہوکر دیر تک دعا کی۔ مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں کہ یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ والد صاحب نے کیا کیا دعائیں کیں لیکن میری ایک ہی دعا تھی اور وہ یہ کہ:

"یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھیو۔" (۱۴)

مشکوٰۃ المصابیح صحاح ستہ کا متن ہے مولانا زکریا نے ایسے منفرد انداز میں پڑھا جس کا تصور طلبہ کیلئے تو کجا اساتذہ کے لیے بھی آج مشکل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مشکوٰۃ شریف میں نے ترجمہ سے نہیں پڑھی ساری بلاترجمہ پڑھی ہے اس میں یہ اجازت تھی کہ جس لفظ کا جی چاہے ترجمہ پوچھ لوں، اور وہ امتحاناً کبھی کبھی درمیان میں پوچھتے رہتے تھے ترجمہ مظاہر حق کا دیکھنا تو جرم تھا، ہدایہ اور طحاوی کا دیکھنا ضروری تھا۔ صحاح کی کتابوں میں سے جس کتاب کی حدیث ہو اس کو نکال کر اس کے حواشی دیکھنے کی اجازت تھی قانون تعلیم یہ تھا کہ ہر حدیث کے بعد یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف؟ اگر خلاف ہے تو حنفیہ کی دلیل اور حدیث پاک کا جواب یہ تمام گویا حدیث کا جزو لازم جو میرے ذمہ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ البتہ حدیث کا جواب کبھی کبھی نہیں دے سکتا تو وہ خود بتاتے تھے ایک مرتبہ ایک وعید کی حدیث کی توجیہ میں بندہ نے یوں کہہ دیا کہ تشدید پر محمول ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس پر اتنی ڈانٹ پڑی کہ کوئی حد نہیں اور ارشاد فرمایا......

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ڈرانے کے واسطے جھوٹ بول دیا؟ کچھ سوچ کر بھی کہا؟ حضور جھوٹ بول سکتے ہیں، تیرے ڈرانے کے واسطے؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ "تشدید کی توجیہ احکام میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ شارب خمر کے بارے میں چوتھی مرتبہ پینے کی صورت میں قتل کا حکم ہے اور اس قسم کے تشدیدی احکام اور اخبار میں تشدید نہیں ہو سکتی"...... اس کے بعد جب کبھی اکابر شراح کے کلام میں اخبار کی حدیث میں تشدید کا لفظ دیکھتا ہوں تو ڈانٹ یاد آجاتی ہے" (۱۷)

دورۂ حدیث :-

۱۳۳۲ھ ہجری میں دورۂ حدیث کی ابتدا ہوئی یہی سال تھا جب حضرت سہارنپوری نے طویل قیام کے ارادے سے حجاز کا قصد کیا مولانا محمد زکریا کا خیال تھا کہ مجھے نہ ملازمت کرنی ہے اور نہ کوئی عجلت ہے ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے کی کوئی پابندی نہیں اس لیے اپنے والد مولانا محمد یحییٰ کے درس میں ابو داؤد شروع کردی، ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوریؒ کی واپسی پر ملتوی رکھا لیکن بعض اسباب کی بنا پر ترمذی، بخاری بقیہ کتب صحاح سوائے ابن ماجہ کے اپنے والد صاحب سے ہی پڑھیں ابن ماجہ کیونکہ کئی سال سے مولانا ثابت علی پڑھا رہے تھے اس لیے وہ انہی کے پاس پڑھی۔ دوبارہ بخاری و ترمذی شریف مولانا خلیل احمد سے ان کی واپسی پر پڑھی ــ دورۂ حدیث کی تعلیم کے یہ سال بڑی محنت و انہماک سے پورے ہوئے اور تمام اسباق میں دو چیزوں کا بڑا خیال رکھا ایک تو یہ کہ کسی سبق میں ناغہ نہ ہو دوسرے یہ کہ کوئی حدیث بلا وضو نہ پڑھی جائے اگر اثناء سبق میں وضو کی ضرورت پیش آجاتی تو ہم سبق رفیق سعی کرتے کہ اتنی دیر سبق نہ ہو استاد پر اشکال پیش کر دیتے تاکہ سبق آگے نہ بڑھنے پائے۔ (۱۸)

اس طرح مولانا محمد زکریا نے دورۂ حدیث چار سال میں مکمل کیا اور ابتدائی عربی سے مشکوٰۃ تک پانچ سال لگے تھے۔ اس حساب سے درسیات کی تکمیل ۹ سال میں ہوئی۔ اپنی خود نوشت سوانح میں مولانا زکریا نے اپنی تعلیمی کتب کا سن وار نقشہ دیا ہے۔ ان میں سے پہلے تین سال کی کتابیں اپنی قدیم نوٹ بک سے جو غالباً ۱۳۲۸ھ کی ہے۔ نقل کی ــ اور باقی مدرسہ کی روئداد سے۔ (۱۹)

مثالی تربیت :-

قدیم درس نظامی میں تعلیم وتدریس اور تربیت وسیرت سازی پر یکساں توجہ دی جاتی تھی۔ مولانا محمد زکریا کی منفرد طریق وتعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی معیاری اور مثالی اسلوب پر ہوئی۔ امام غزالیؒ تربیت کا اولین اصول یہ تاتے ہیں کہ

" اصل تادیب الصبیان الحفظ من قرناء السوء "

بچوں کی تربیت کی اساس برے ساتھیوں سے حفاظت ہے۔ (۲۰)

مولانا محمد یحییٰ نے اپنے فرزند ارجمند محمد زکریاؒ کی تربیت میں اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور غلو کی حد تک اس پر عمل کیا۔ مولانا زکریاؒ خود بیان کرتے ہیں :

"میری ابتدائی تربیت جن اصولوں کے تحت ہوئی ہے۔ وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ برس کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلامعیت والد صاحب یا چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ ۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔۔۔۔۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھ کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جس کی برکات اب دنیا میں پا رہا ہوں" (۲۱)

مولانا محمد یحییٰ تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ترکِ تعلقات پر زور دیتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے :

"آدمی چاہے کتنا ہی نجس اور کند ذہن ہو اگر اس میں تعلقات کا مرض نہیں تو وہ کسی وقت ذی استعداد بن کر رہتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ جتنا بھی ذی استعداد ذہین اور علم کا شوقین ہو اگر اس کو تعلقات کا چسکا ہے تو وہ چنے جو بروں کو ٹکر کر رہے گا۔" (۲۲)

مولانا یحییٰ رشد وہدایت کے مرشد کامل تھے جن کے ہزاروں مریدین تھے لیکن ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ زکریا کہیں صاحبزادگی کے نشہ میں مبتلا نہ ہو جائے چنانچہ لکھتے ہیں :-

"اس کے ساتھ ہی میرے والد صاحبؒ کی نگاہ میں بڑی اہم چیز صاحبزادگی کا مسئلہ بھی تھا۔ ان کا بارہا کا سینکڑوں دفعہ کا سنا ہوا

منقول کہ یہ صاحبزادگی کا سرور بہت دیر میں نکلتا ہے اسی ناکارہ کے متعلق اگر کبھی ان کو کسی فعل سے اس کا شبہ بھی ہو جاتا تھا تو پھر خیر نہیں ہوتی تھی۔" (۲۳)

ایک اور واقعہ سنیئے کہ چچا جان مولانا محمد الیاسؒ مغرب سے عشاء تک نفلیں پڑھا کرتے تھے اور والد صاحب کے یہاں مختصر نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ مولانا زکریا لکھتے ہیں:

"اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرہ کے سامنے بھی نفلوں کی نیت باندھ لی۔ ابا جان نے آکر ایک زور سے تھپڑ مارا اور یہ فرمایا کہ سبق یاد نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی دوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے مگر جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی۔ وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا۔" (۲۴)

والد صاحب کو اس کا بھی اہتمام تھا کہ زکریا کے پاس روپیہ پیسہ نہ رہے۔ کسی دوسرے سے پیسہ لینا تو در کنار کسی اور چیز کا لینا بھی ممکن نہ تھا۔ البتہ خود پیسے دینے کا بہت معمول تھا۔ لیکن اس کے ساتھ اس کا بھی اہتمام تھا کہ پیسہ ان کے پاس نہیں رہنا چاہئے جب روپیہ پیسہ دینے کا ارادہ فرماتے تو پہلے بیوی کو کہہ دیتے کہ زکریا کو اتنے پیسے دینے ہیں۔ والدہ ماجدہ قرض کے بے شمار فضائل سناتیں، آخرت میں کار آمد ہونے کی ترغیب اور دنیا میں خرچ ہو جائے اس کی لغویت خوب بتلاتیں پھر فرماتیں کہ تیرے پاس کچھ پیسے ہوں تو دیدے تجھے ثواب ہوگا۔ مولانا زکریا لکھتے ہیں:

"کچھ تو واقعی والدہ کی محبت اور کچھ ثواب کی اہمیت تو کہاں ہوتی' البتہ مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ" کا نقشہ بغیر حدیث پڑھے ہی سامنے تھا۔ اس لئے ان پیسوں کا حساب دینا بھی تو کار دارد تھا اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اب تک پیسہ جیب میں رکھنے کی عادت نہیں۔" (۲۵)

مولانا محمد یحییٰ کی تعلیم و تربیت کے انداز نرالے تھے۔ اہم کتاب کے شروع یا ختم پر اپنے شاگردوں کو مٹھائی کے نام پر پیسے دینے کا ان کا دستور تھا لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ ان پیسوں کا مصرف ضرورت کی کوئی چیز یا کتاب وغیرہ تھی۔ جب زکریا کا قرآن کی بسم اللہ ہوئی تو ۲۰ روپے عطا فرمائے اور دریافت فرمایا کہ ان کا کیا کرو گے؟ مولانا زکریا لکھتے ہیں:

"میں نے چونکہ ہیڈماسٹر کی آنکھ سے سبق پڑھے ہوئے تھے اس لیے انہیں میں نے کہا کہ میرا یوں جی چاہتا ہے کہ اپنے چاروں اکابر...... حضرت سہارنپوریؒ، حضرت دیوبندی، حضرت رائے پوری، حضرت مدنیؒ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے کی مٹھائی پیش کروں...... یہ میری تجویز کسی اخلاص پر مبنی تو تھی نہیں "من جرب مجرب" کے ڈر سے تھی، بڑی شاباش ملی" (۲۶)

مولانا زکریاؒ کیلئے کسی سے پیسہ لینا تو در کنار، کسی اور چیز کا لینا بھی ممکن نہیں تھا جسکی تفصیل خود ان کی زبانی سنئے "اپنے والد صاحبؒ کے زمانے میں ہمیں پیسہ لینے کی اجازت نہیں۔ مجال ہے کہ اعلیٰ حضرت قطب عالم مولانا گنگوہیؒ کے خدام یا والد صاحب کے دوستوں میں سے مجھے کوئی پیسہ دے دے اتنی پٹائی ہوتی تھی کہ اس کے ڈر کی وجہ سے پیسہ کی جنت سے پٹائی کی دوزخ سامنے آجاتی تھی اس کا اثر تھا کہ مجھے اپنے والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد کسی شخص کا ہدیہ جو بزرگی کی لائن سے دیتا تھا اس سے اتنی نفرت تھی کہ حد و حساب نہیں۔" (۲۷)

مسندِ درس پر

مولانا محمد زکریاؒ ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے اور اسی سال ان کے والد مولانا یحییٰ کا انتقال ہوا جس سے مدرسہ مظاہر العلوم ایک بے لوث خادم، بلند پایا محدث اور لائق ترین استاد کی خدمات سے محروم ہو گیا۔ چنانچہ اس خلا کو پر کرنے کے لیے اہل مدرسہ کی نظریں ان کے لائق فرزند مولانا محمد زکریا کی طرف اٹھیں جن کی انہوں نے معیاری تعلیم اور مثالی تربیت فرمائی تھی چنانچہ ان کا تقرر نامہ ان الفاظ سے جاری ہوا۔

"مولوی (محمد یحییٰ) صاحبؒ کے حقوق مدرسہ پر بہت ہیں نظر بر آں مناسب ہے کہ مولوی زکریا کو ۲۰ روپے مشاہرہ پر مدرسین میں لیا جائے۔ (۲۸) اور دو تین اسباق سے زیادہ ان کو نہ دیئے جائیں باقی وقت کچھ اپنے اوقاتِ درس میں اور کچھ تجارت میں خرچ کریں"

(دستخط سرپرستان مدرسہ) (۲۹)

چنانچہ مولانا زکریا کا تقرر یکم المحرم ۱۳۳۵ھ سے بیس سال کی عمر میں مظاہر علوم میں بحیثیت ابتدائی مدرس ہوا۔ اور اصول الشاشی، علم الصیغہ جیسی ابتدائی کتب تجویز ہوئیں۔ یہ دونوں کتب اساتذہ کبار کی جانب سے منتقل ہو کر آئی تھیں یعنی اصول الشاشی

انا محمد الیاس سے اور علم الصیغہ مولانا ظفر احمد تھانوی سے، ان کے علاوہ غالباً ایک سبق اور تجویز ہوا۔[۳۰] شیخ کو مدرسہ کی روایات اور نوعمری کے لحاظ سے اصول الشاشی قبل از وقت مل گئی تھی لیکن انہوں نے اپنی محنت، مطالعہ اور تیاری سے اپنی اہلیت اور استحقاق کا پورا پورا ثبوت دیا۔ نتیجۃً طلباء مطمئن اور گرویدہ ہو گئے۔[۳۱] اگلے تعلیمی سال شوال ۱۳۳۵ھ پہلے سال سے درسی اور فنی لحاظ سے اونچی کتب پڑھانے کو ملیں، تیسرے سال میں مقامات حریری اور سبعہ معلقہ بھی درس میں آئے آپ کو سبعہ معلقہ بڑے تذبذب کے بعد دیا گیا تھا۔ کیونکہ اس سبق میں وہ طلبہ بھی شریک تھے جو آپ کے ہم درس رہ چکے تھے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد مدرسہ کے ناظم مولانا عنایت الٰہی (م ۱۳۴۷ھ) نے شیخ کی کی اہلیت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا:

"مولوی زکریا! تم نے تو میری آنکھیں نیچی کر دیں" (۳۲)

۱۳۳۶ھ میں ہدایہ اولین اور حماسہ وغیرہ مل گئے ان کی تدریس میں بھی شیخ نے غیر معمولی اہلیت، محنت اور فنی مناسبت کا ثبوت دیا۔

۳۵ سے ۴۱ ہجری تک مولانا زکریا کے ہاں فن حدیث کے سوا دیگر فنون ادب و فقہ وغیرہ کی کتب زیر تدریس رہیں۔ رجب ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء میں تدریس حدیث کا آغاز ہوا اور ابتداءً بخاری شریف کے تین پارے تدریس کیلئے دیئے گئے بعمر ۲۶ سال۔ شوال ۱۳۴۱ھ سے شعبان ۱۳۴۴ھ تک مسلسل آپ کے پاس مشکوٰۃ شریف زیر تدریس رہی۔ بعد ازیں آپ کو مختلف اوقات میں صحاح ستہ کی کتب کی تدریس کا موقع ملتا رہا۔ اور یہ سلسلہ تدریس حدیث پاک ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ تک جاری رہا۔ انہی ایام میں قیام مدینہ کے دوران مدرسہ علوم شرعیہ کے طلبہ کو ابوداؤد شریف عربی میں پڑھائی نیز دیگر کتب حدیث پڑھائیں۔ حتیٰ کہ عوام و خواص حدیث میں آپ کے شغف، اہلیت اور مناسبت کے قائل ہو گئے آخر آپ کے مرشد و استاذ حضرت سہارنپوریؒ نے آپ کی غیر معمولی استعداد، لگن اور اعلیٰ علمی صلاحیت کے اعتراف میں آپ کو "شیخ الحدیث" کے خطاب سے نوازا اور فرمایا:

"ماشاء اللہ مولوی زکریا اس خطاب کے اہل ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ حدیث میں ان کا کتنا تبحر ہے" (۳۳)

آخر یہی خطاب آپ کی شخصیت کی شناخت اور نام کا لازمی جزو بن گیا۔

۱۳۸۸ھ میں آنکھوں میں نزول ماء شروع ہونے سے یہ سلسلہ تدریس بند کر دیا گیا لیکن "مسلسلات" کی اجازت دینے کا سلسلہ سہارنپور کے قیام کے آخر تک رہا۔ چنانچہ خود ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

علی میاں! بہت ہی امراض کا شکار ہوں لیکن تمام تکالیف کے اندر آرام و راحت ہے، البتہ آنکھوں کی تکلیف سے تکلیف ہے اس وجہ سے کہ علمی کاموں سے معذور ہو گیا، باوجود شدید اصرار کے مدرسہ والوں نے بخاری نہیں بدلی ابھی تک حافظ بن کر پڑھا رہا ہوں۔" (۲۴)

اس طرح حضرت شیخؒ کی تدریسی زندگی ۵۴ برس پر محیط ہے اور اسے تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱- ۳۵ھ سے ۴۱ تک ابتدائی اور متوسط کتب زیرِ تدریس رہیں۔

۲- ۴۱ھ تا ۴۵ھ تک دیگر علوم و فنون کے ساتھ کتب حدیث بھی ہوتی رہیں۔ اور

۳- ۴۶ھ تا ۸۸ھ تک صرف کتب حدیث کا درس دیا۔

چنانچہ حضرت شیخؒ کے نواسے مولانا سید محمد شاہد رقم طراز ہیں:

"اُس ۵۴ سالہ مدت میں حضرت والد نور اللہ مرقدہ نے (۳۵) کتابوں کا درس دیا۔ جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف اور ابوداؤد شریف جیسی بلند پایہ کتابیں شامل ہیں ان میں بعض کتابیں بلکہ سبھی مکرر سہ کرر پڑھائیں...... چنانچہ نورالانوار تین مرتبہ، مشکوٰۃ شریف تین مرتبہ، ابوداؤد شریف تقریباً ۳۰ مرتبہ، بخاری شریف صرف جلد اول ۲۵ مرتبہ اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھانے کی سعادت ملی" (۲۵)

بیعت اور تکمیل سلوک:-

شوال ۱۳۳۳ھ میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری حجاز کیلئے طویل قیام کے ارادہ سے جا رہے تھے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر بکثرت لوگ بیعت ہو رہے تھے، حضرت شیخ بھی لوگوں کی دیکھا دیکھی بیعت کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت سے عرض کیا، جواب ملا: جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آ جانا۔ مولانا عبداللہ گنگوہی (م ۱۳۳۹ھ) (۲۶) جو خلافت و اجازت سے مشرف ہو چکے تھے انہوں نے بھی تجدیدِ بیعت کی درخواست کر رکھی تھی، دونوں حضرات وقتِ مقررہ پر حاضر ہوئے حضرت سہارنپوری نوافل سے فارغ ہوئے تو دونوں کو قریب بلایا، اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانا شروع کیے مولانا زکریا کی آواز ذمہ داری کے خیال سے بھرا گئی۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری چھت کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے وہ یہ آواز سن کر منڈیر پر

دیکھنے کیلئے آئے یہ منظر دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ حضرت رائے پوری نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ کر دعائیں دیں۔ مولانا زکریا کا حضرت سہارنپوری سے علمی تعلق تو پہلے ہی قائم تھا۔ اس بیعت سے روحانی تعلق بھی قائم ہوگیا۔ اور مولانا زکریا نے پورے طور پر اپنے آپ کو مولانا سہارنپوری کے سپرد کردیا۔ اور یہ علمی و روحانی تعلق دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی اجنبی شخص نے دریافت کیا کہ "حضرت یہ مولوی زکریا آپ کے بیٹے ہیں! بے ساختہ فرمایا: "جی بیٹے سے بڑھ کر ہیں" (۳۷)

اس محکم تعلق کا نتیجہ تھا کہ مولانا زکریا نے "بذل المجہود" کی تالیف کے عظیم کارنامے میں اپنے حضرت سہارنپوری کی بھرپور معاونت فرمائی۔ اور علوم حدیث میں اعلیٰ صلاحیت حاصل کرلی جس کے نتیجے میں استاذ مکرم نے انہیں "شیخ الحدیث" کے قابل فخر لقب سے نوازا۔

دوسری طرف سلوک اور روحانیت میں کامل استعداد کو دیکھ کر ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت سہارنپوری نے قیام مدینہ کے دوران بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں (۳۸) میں بیعت و ارشاد کی اجازت فرمائی اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سید احمد (۳۹) کو دیا کہ وہ اسے مولانا زکریا کے سر پر باندھ دیں جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو نئی ذمہ داری کے احساس سے شیخ کی شدت رقت سے چیخیں نکل گئیں۔ مدینہ سے واپس ہندوستان آکر، کافی عرصہ اس اجازت کو مخفی رکھا اور اہل تعلق کو اس کا علم نہ ہوسکا۔ لیکن حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نے اس کی تشہیر کردی پھر بھی عرصہ تک بیعت لینے سے انکار کرتے رہے لیکن مولانا محمد الیاس کے حکم سے اس کا سلسلہ شروع کیا سب سے پہلے خاندان کی بیبیاں بیعت ہوئیں پھر رفتہ رفتہ اہل صلاح و علم کا رجوع ہوا اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا جو آخر زندگی تک قائم رہا۔

نکاح

مولانا زکریاؒ نے دو نکاح کیے، جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ (۴۱)

اپنے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ کے انتقال پر (۱۳۳۴ھ) آپ (۴۰) کی والدہ محترمہ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) کے پاس پیغام بھیجا کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس لیے میری خواہش ہے کہ زکریا کی شادی میرے سامنے ہو جائے تاکہ میرے بعد گھر کھلا رہے مولانا زکریا کی نسبت مولانا رؤف الحسن کی بیٹی بی بی امۃ المتین (۴۲) سے طے ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت سہارنپوری نے لڑکی کے اہل خانہ سے رابطہ قائم کیا انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا اور مقررہ تاریخ پر مولانا زکریاؒ

مولانا سہارنپوری اور مولانا محمد الیاس وغیرہ اکابر کے ساتھ کاندھلہ پہنچے اور مورخہ ۲۹ر صفر ۱۳۳۵ھ بروز دوشنبہ کو مولانا سہارنپوری نے ڈیڑھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح پڑھایا (۴۳) اس سال ۲۷ر رمضان ۱۳۳۵ھ کو مولانا کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا اور نماز جنازہ مولانا سہارنپوری نے پڑھائی (۴۴) پہلی اہلیہ سے پانچ لڑکیاں تولد ہوئیں۔

نکاح ثانی :-

شیخ کی پہلی اہلیہ کی وفات ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۷ فروری ۱۹۳۶ء ہوئی۔ شیخ کے دل پر اس کا طبعی اثر ہوا۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی آپ بیتی میں اس طرح کیا ہے:

"مرحومہ کے انتقال کے بعد اپنے مشاغل علمیہ کی وجہ سے بالکل ہی یہ طے کر چکا تھا کہ دوسرا نکاح نہیں کرونگا بڑا حرج ہوگا" (۴۵)

لیکن آپ کے چچا مولانا محمد الیاس نے ان کے اس تجرد کے فیصلے کو پسند نہ کیا نیز دوسرے بزرگوں اور بہی خواہوں کی بھی خواہش تھی۔ کہ شیخ کا گھر پھر آباد ہو اس لیے چار مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ شیخ کا عقد ثانی اپنے چچا مولانا محمد الیاس کی بیٹی عطیہ سے ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۸ جون ۱۹۳۷ء کو ہو گیا۔ نکاح مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مہر فاطمی پر پڑھایا۔ (۴۶)

اسفار حج :-

مولانا محمد زکریا کو کئی مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی۔ مدینہ منورہ میں مستقل قیام سے قبل سات حج کر چکے تھے۔ شیخؒ کے جملہ حجوں کی تفصیل یہ ہے۔ (۴۷)

پہلا حج :-

مولانا محمد زکریا کے پہلے حج کا محرک زیارت بیت اللہ کا شوق اور مرشد کی ہمرکابی کا جذبہ نیز فریضہ کی ادائیگی تھی۔ جو آپ نے مولانا خلیل احمد کی معیت میں ۱۳۳۸ ہجری میں کیا۔ دو شعبان ۳۸ ہجری کو سہارنپور سے تقریباً ۲۰۰ افراد کا قافلہ روانہ ہوا اور بمبئی پہنچا ۱۲ شعبان ۱۳۳۸ ہجری کو بحری جہاز بمبئی سے روانہ ہوا تو مولانا خلیل احمد نے اعلان کیا کہ جس سے مناسبت ہو وہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو مولانا زکریا مولوی مقبول احمد کے ساتھ شریک طعام ہوئے (۴۸) اور مصارف کی جملہ رقم یکمشت ۴۰۰ سو روپے ان کے حوالے کر دی جہاز ہی میں رمضان شروع ہو گیا۔ تراویح کا انتظام ہوا مولانا زکریا نے بھی قرآن سنایا۔ اور بخیر و عافیت جدہ پہنچے یہاں ایک دن قیام کے

بعد مکہ مکرمہ پہنچے تو مولانا محب الدین نے جلد ہندوستان واپسی کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ یہاں تو ایک قیامت آنے والی ہے۔ (۴۹) (۵۰)
رمضان المبارک مکہ میں ہی گذارا شیخؒ نے بکثرت عمرے کئے اس زمانے میں حجاز میں سخت بدامنی تھی شوال کا مہینہ شروع ہوا تو
مولانا خلیل احمد نے شیخؒ اور دیگر رفقاء سے کہا کہ وہ مدینہ کی زیارت کر آئیں اور شیخ کو امیر قافلہ بنایا گیا۔ سفر بڑے امن و امان
سے طے ہوا اور قافلہ بحفاظت مدینہ پہنچا۔ مدینہ طیبہ میں صرف تین دن قیام کا ارادہ تھا لیکن قافلہ کا ایک اونٹ مرنے کے سبب
ایک ماہ قیام کرنا پڑا۔ عام حضرات نے ایک ماہ بڑی راحت و آرام سے گذارا۔ آخر ذی قعدہ میں مدینہ منورہ سے چل کر ۱۲
دن میں مکہ پہنچے۔ حج کے بعد ایک ماہ مزید مکہ میں قیام (کے بعد محرم) کے دوسرے عشرہ میں وہاں سے روانہ ہوئے اور ۸ صفر ۱۳۲۹ھ
میں سہارنپور واپس ہوئے۔

دوسرا اور تیسرا حج :۔

مولانا نے دوسرا اور تیسرا حج بھی حضرت سہارنپوری کی معیت میں ۱۳۴۴ھ، ۱۳۴۵ھ میں کئے اس سفر کا پہلے سے پروگرام نہیں
تھا بلکہ "بذل المجہود" کی تکمیل کے سبب سے اچانک پروگرام بنا۔ سہارنپور سے ۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ بمطابق ۲۹ اپریل ۱۹۲۶ء کو بمبئی
سے ۷ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ/۲۰ مئی ۱۹۲۶ء کو جدہ نامی بحری جہاز سے روانہ ہوئے اور ۲۱ ذی قعدہ کو جدہ اور ۲۵ تاریخ کو مکہ مکرمہ
پہنچے اس سفر میں خانہ کعبہ میں داخلہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ حج کے بعد ۲۶ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کیلئے روانگی ہوئی اور ۸ محرم
الحرام ۱۳۴۵ھ کو مدینہ پہنچ کر مدرسہ علوم شرعیہ (۵۱) میں قیام کیا پھر مدینہ ہی ۱۸ صفر ۱۳۴۵ھ کو بخیر و عافیت سہارنپور واپسی ہوئی اس
سفر میں حضرت سہارنپوری نے شیخ الحدیث کے معزز لقب سے نوازا بیعت و ارشاد کی عام اجازت عطا فرمائی۔ (۵۲) "بذل المجہود"
کی تکمیل بھی اسی سفر میں ہوئی۔

چوتھا حج :۔

مولانا زکریاؒ نے ۱۳۸۳ھ میں مولانا محمد یوسف کے اصرار و تقاضوں پر خدام اور رفقاء کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حج عزم
فرمایا۔ یہ ایک تاریخی سفر تھا۔ (۵۳) ۶ ذیقعدہ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۶۴ء کو سہارنپور سے روانہ ہوئے اور ۱۴ ذی قعدہ کو بمبئی سے بذریعہ
ہوائی جہاز جدہ پہنچے اور وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچے مکہ مکرمہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے دیوان (۵۴)

میں قیام کیا۔ ۱۷؍ ذی الحجہ مطابق ۹؍ مئی ۱۹۶۲ء کو مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے ظہر کی نماز بدر میں پڑھی اور شہدائے بدر کے مزارات پر حاضری دی ۲۸؍ ذوالحجہ کو مدینہ پاک پہنچے یہاں مدرسہ علوم شرعیہ میں قیام ہوا۔ ۲۰ دن قیام کے بعد یکم صفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۲؍ جون ۱۹۶۲ء کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوکر ظہر کے وقت جدہ پہنچے مغرب کی نماز مسجد حدیبیہ میں ادا فرمائی اور عشاء کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لے آئے یہاں سے ۸؍ صفر مطابق ۲۰؍ جون کو صبح کو طائف چلے گئے طائف میں تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی اور ۱۰ صفر کو مکہ واپسی ہوئی۔ ۲۰؍ جون کو مکہ سے چل کر عشاء کے قریب جدہ پہنچے یہاں بھی تبلیغی اجتماعات کی وجہ سے ایک دن قیام ہوا۔ پچیس[۲۵] جون کو جدہ سے بذریعہ طیارہ کراچی آئے اور کراچی، فیصل نگر، سرگودھا، ڈھڈیاں اور راولپنڈی سے ہوتے ہوئے ۱۰؍ جولائی کو لاہور پہنچے اور وہاں سے سہارنپور ہندوستان آگئے۔

پانچواں حج:۔

شیخ[۲۱] نے پانچواں حج ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو مولانا ابوالحسن ندوی[(۵۵)] کی رفاقت میں ہوا پورا سفر روزہ اور وضو کی حالت میں گذارا اس سال امراض اور عوارض کی بدولت حج کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ لیکن مولانا انعام الحسن[(۵۶)] اور دیگر اہل تعلق و محبین کا اصرار تھا کہ حضرت شیخ حج کیلئے تشریف لائیں اس لیے شیخ گومگو کی حالت میں رہے استخارہ بھی کیا آخر فیصلہ حج کرنے کا ہوا چنانچہ ۲۳؍ فروری جمعرات کو بمبئی سے بذریعہ طیارہ جدہ پہنچے قدوائی صاحب سفیر ہند نے ہوائی اڈہ پر استقبال کیا۔ اور اپنی رہائش گاہ پر لائے وہیں کھانا کھایا اور عصر کی نماز حدیبیہ میں پڑھ کر مغرب کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے۔ مدرسہ صولتیہ میں قیام رہا۔ حج کے بعد ۲۱؍ ذوالحجہ کو تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی غرض سے جدہ تشریف لے گئے وہاں سے ۲۴؍ ذوالحجہ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور مدینہ میں اپنے ایک مخلص مسترشد و مجاز صوفی محمد اقبال کے ہاں قیام کیا گیا "۸ محرم الحرام مطابق ۲۲؍ اپریل" صبح کو مدینہ سے چلے اور عشاء کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے مکہ میں اپنے مرشد حضرت سہارنپوری کی جانب سے عمرہ کیا۔ ۲۶؍ اپریل کو صبح کو مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچے اور اسی روز بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے دو دن مکی مسجد کراچی میں قیام کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچے اور ۳۰؍ اپریل کو بعافیت سہارنپور واپس آگئے۔

چھٹا حج ۱۳۹۰ھ میں کیا اور ساتویں حج ۱۳۹۲ھ میں کیا اس کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل قیام فرمایا۔ آخری حج عمر کے آخری

سال اتباع سنت میں کیا۔(۵۷)

تبلیغی اور دعوتی اسفار

مولانا محمد زکریاؒ نے آخری عمر میں انگلستان اور جنوبی افریقہ کے دعوتی اور تبلیغی اسفار کیے ان کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ مولانا کی عمر اس وقت ۸۶ سال تھی۔ مختلف امراض و عوارض نے اسقدر ضعیف اور معذور کر دیا تھا کہ خود اٹھنے بیٹھنے اور چلنے سے بھی عاجز تھے۔ یہاں ان دعوتی اسفار کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

انگلستان کا پہلا سفر (۵۸)

جون ۱۹۷۹ء میں مولانا محمد زکریاؒ پہلی بار انگلستان گئے یہ سفر آپ کے خلیفہ مجاز مولوی یوسف متالا کی دعوت پر ہوا جنہوں نے ہولکمب بیری — Holcomb Bary لنکاشائر میں ایک دینی مدرسہ "دار العلوم ہولکمب بیری" کے نام سے قائم کر رکھا تھا۔(۵۹) حضرت شیخ ۲۴ جون ۱۹۷۹ء کو ۱۰½ بجے رات مانچسٹر کے ہوائی اڈہ پر اترے پہیوں والی کرسی کے ذریعے باہر آئے تو قرب و جوار کے سینکڑوں مسلمانوں نے والہانہ استقبال کیا۔ نماز عشاء کے بعد لوگوں سے عمومی ملاقات اور مصافحہ کیا۔ دوسرے دن سے باقاعدہ تربیتی پروگرام شروع ہوا جس میں روزانہ نماز فجر کے بعد اوراد و وظائف، تزکیہ نفوس کے متعلق کتاب سے تعلیم، ذکر بالجہر، تسبیحات، عصر کے بعد عمومی مجلس اور اجتماعی دعا اس پروگرام میں ہزاروں لوگ حاضر ہوتے تھے انہیں شیخ نے پہلے دن ہی ہدایت کر دی تھی۔

"مجھے دیکھنے کیلئے جمع ہو جانے سے کچھ نہیں ملے گا جو کچھ ملے گا کچھ کرنے سے ملے گا۔ کم از کم ایک ہزار بار درود شریف ہر شخص پڑھ لے، دل و زبان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔" (۶۰)

ہزاروں لوگ آپ سے بیعت بھی ہوئے جس میں ایمان کی تجدید، گناہوں سے توبہ، مستقبل میں اطاعت و راست بازی کا عہد لیا جاتا تھا مولانا عہد لیتے جسے ملک عبد الحفیظ مائک پر دھرا دیتے تھے۔(۶۱) مولانا کا انگلستان میں قیام ۱۰-۱۱ دن رہا اس دوران تبلیغی مرکز ڈیوزبری اور بولٹن گئے۔ جہاں خواتین بھی بیعت ہوئیں آخر ۵ جولائی ۱۹۷۹ء کو واپس آ گئے۔(۶۲)

جنوبی افریقہ کا سفر (۶۳)

مولانا زکریا نے شعبان ۱۴۰۱ھ بمطابق جون ۱۹۸۱ء کو جنوبی افریقہ کا سفر کیا۔ جنوبی افریقہ اسلامی اور مغربی تہذیب کے تصادم کا مرکز ہے جہاں مسلمان بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ یہ طویل اور کٹھن سفر غیبی اشارات اور مبشرات کی بنا پر کیا گیا۔ چنانچہ شیخ خود لکھتے ہیں

"بہت سے مبشرات ومنامات کے پیش نظر اب کے سال جنوبی افریقہ میں رمضان المبارک گذارنے پر اصرار و زور احباب کی طرف سے ہو رہا ہے، معذوری و ضعف و ناتوانی اور بیماری کی وجہ سے میری ہمت ہوتی نہیں کہ وعدہ کرلوں مگر مبشرات و منامات کی کثرت کی وجہ سے ہمت کرلی۔" (۶۴) (۶۵)

مولانا نے یہ سفر مولوی یوسف متالا کی دعوت پر کیا لیکن ان کے شرائط کے ساتھ کہ سفر کے تمام اخراجات کا بوجھ شیخ خود اٹھائیں گے، داعی خانقاہوں اور ذکر کے حلقوں کے قیام کی کوشش کریں گے چنانچہ مولانا ۶ رجون ۱۹۸۱ء رات کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور مکہ، جدہ سے ہوتے ہوئے بذریعہ ہوائی جہاز ۱۷ رجون کو ری یونین پہنچے پھر سینٹ ڈینس، سینٹ پیر اور ڈربن ہوتے ہوئے ۲۹ رشعبان ۱۴۰۱ھ کو تمام رفقاء کے ساتھ اسٹینگر Stanger (۶۶) کی جامع مسجد میں قیام کیا اور پورے ماہ رمضان کے اعتکاف کی نیت کرلی۔ اسٹینگر کی جامع مسجد بڑی وسیع اور کشادہ ہے جس میں ہزاروں لوگوں کے قیام کی گنجائش ہے۔ یہاں کا موسم معتدل ہے اور محل وقوع پرسکون ہے۔

مولانا نے پورا رمضان اعتکاف میں گذارا اور رمضان کے معمولات کے علاوہ عوام میں دعوت وتبلیغ، تعلیم وتلقین اذکار و اوراد کے مشاغل جاری رکھے جس سے عوام میں دین کا ولولہ تازہ پیدا ہوا۔ پورے علاقے میں مجالس ذکر کے قیام، نئی مسجدوں کی تعمیر، مدارس دینیہ اور مکاتب قرآنیہ کا قیام عمل میں آیا اس طرح تبلیغی جدوجہد میں نئی جان پڑی۔

رمضان کے بعد آپ دیگر مقامات پر بھی گئے اور ہر جگہ تبلیغی مراکز اور حلقہ ہائے ذکر قائم کیے۔ ۸ راگست ۱۹۸۱ء / ۷ رشوال ۱۴۰۱ھ وائٹ ریور White River پہنچے یہاں نومسلم سیاہ فام لوگوں کا مجمع کثیر استقبال کیلئے آیا ہوا تھا۔ ان کے لیے مکاتب قرآنیہ قائم کروائے پھر وہاں سے جوہانس برگ، کیپ ٹاؤن، زامبیا Zambia، لوساکا گئے اور ہر جگہ مساجد، مکاتب اور حلقہ ہائے ذکر کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح جنوبی افریقہ کا یہ اصلاحی اور دعوتی سفر ۲۴ اگست ۱۹۸۱ء کو اختتام پذیر ہوا۔

انگلستان کا دوسرا سفر:۔

۲۵ راگست ۱۹۸۱ء/ ۲۴ رشوال ۱۴۰۲ ہجری مولانا کی لوساکا سے انگلینڈ روانگی ہوئی۔ یہ انگلستان کا دوسرا سفر تھا۔ ۲۸ راگست کو براستہ لندن جو لٹن پہنچے ہی وہ نظام الاوقات جاری کر دیا گیا۔ جو ہر جگہ جاری رہا علاوہ ازیں قرآن مجید کے افتتاح اور اختتام نیز بیعت کے اجتماعات جاری رہے۔ ۳۰ راگست کو ڈیوزبری کے مرکز تبلیغ پہنچے جہاں سے تقریباً ۲۵ جماعتیں بیرونی ممالک کو روانہ ہوئیں راستہ میں بالٹی مور ۱۰ء میں ٹھہرنا ہوا جہاں تقریباً ۲ ہزار عورتوں نے بیعت کی۔ ۶ ستمبر کو دارالعلوم بولٹن میں اختتام بخاری شریف ہوا اور ۵۲ طلبہ کی دستار بندی ہوئی جس میں فارغ التحصیل علماء قراء اور حفاظ شامل تھے۔ برطانیہ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے یہ منظر دیکھا۔ مولانا کی علالت شدید ہوگئی جس کی وجہ سے ہفتہ بھر ہسپتال رہنا پڑا۔ ۱۴ ستمبر/ ۱۶ ذی قعدہ کو سعودیہ واپسی ہوئی۔

وفات:۔

مولانا محمد زکریاؒ کی علالت کا سلسلہ تو کئی سالوں سے چل رہا تھا۔ لیکن علالت، ضعف اور بڑھاپے کے باوجود انہوں نے افریقہ انگلستان اور پاکستان کے تبلیغی دورے کئے اور اپنی زندگی کے مشن کو آخری دم تک قائم رکھا جب علالت میں شدت ہوئی تو آپ کے متوسلین آپ کی وصیت کا خیال رکھتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ لے گئے جہاں ۱۷ مئی ۱۹۸۲ء کو سخت علیل ہو گئے۔ بہتیرا علاج ہوا لیکن افاقہ نہ ہوا آخر ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء (یکم شعبان ۱۴۰۲ھ) کو عصر و مغرب کے درمیان راہی ملک عدم ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۶ سال ۹ ماہ تھی۔

وقت وفات زبان پر یا کریم کا ورد جاری تھا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون ٥

حرم شریف کے امام شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں اپنے مرشد خلیل احمد سہارنپوری کے قدموں میں دفن ہوئے۔ یوں مولانا کی مدینہ اور یہاں میں مرنے کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ بقول جگر مراد آبادی:

؎ جان دے ہی دی جگر نے آج پائے یار میں
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مولانا زکریاؒ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ۔ ایک صاحبزادہ محمد طلحہ اور پانچ صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔

لوحِ سعید با تاریخ

بسم اللہ العمین لیتفل الرحمن الرحیم ۱۴۰۲ھ

۱۴۰۲ھ

ادب آموز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

۱۹۸۲ء

نحمد الحی العظیم ونصلی علی النبی الکریم ۱۹۸۲ء

محدث جلیل عالم عابد مولانا محمد زکریا صاحبؒ

۱۴۰۲ھ

نور مرقدہ القدوس العزیز العظیم — برد مضجعہ المؤمن الحسیب

۱۹۸۲ — ۱۴۰۲ھ

موتُ عالم اھل الفن موتُ العالم — ان اللہ الجلیل بالعزیز مرفع العلم برفع العلماء

۱۴۰۲ — ۱۴۰۲ھ

اساکان قیس ھلکہ ھلک واحد — ولکنہ جد ران قوم تھد ما

روئے گل سیر نہ دیدند و بہار آخر شد

۱۹۸۲ء

آہ کیسا ہو گیا گل چراغ وطن

۱۴۰۲ھ

آہ راہِ حق کا محسن رہنما جاتا رہا

۱۴۰۲ھ

حضرت شیخ زکریا ہادی راہِ خدا — مرجع علماء و صلحاء و اولیاء و اتقیا

آپ تھے تبلیغ دیں کے سرپرست و رہنما — آپ سے عالم میں دینِ حق کا ہے ڈنکا بجا

درسِ قال اللہ اور قال الرسول آباد تھا — سارے عالم میں رواں ہے آپ کا یہ سلسلہ

صاحبِ تصنیف اور شارحِ حدیثِ مصطفےٰ — شیخِ وقت و کامل الایمان راسِ اصفیا

ہادیِ برحق حکیم بے عدیل و مقتدا — واقفِ رازِ طریقت، مرشدِ حق آشنا

موت عالم موت عالم کا سماں ہے رو نما — سارا عالم آج رنج و غم میں ہے ڈوبا ہوا

عاصی عثمان نے تاریخ رحلت یوں کہا

آپ عجب شانِ حسین ہیں آپ فخر اتقیا

۱۹۸۲ء

بکلکِ محمد عثمان عاصی معروفی

اوصاف و کمالات

مولانا محمد زکریا بے شمار اوصاف و کمالات کی حامل شخصیت تھی۔ جن میں بلند ہمتی، دنیا سے بے رغبتی، تواضع و کسر نفسی، زہد و قناعت، اتباع سنت، اصابت رائے اور جامعیت نمایاں ترین تھے۔ انہی اوصاف و کمالات کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

بلند ہمتی و بلند نظری :-

مولانا محمد زکریاؒ کا نمایاں ترین وصف اور امتیاز بلند ہمتی اور بلند نظری تھا۔ جو ان کی اصل زندگی کا جوہر تھا۔ تعلیم و تصنیف کا میدان ہو یا عبادت و انابت الہی کا، خدمت خلق ہو یا مہمان نوازی یا زہد و توکل ـــ ہر میدان میں ان کی بلند ہمتی اور بلند نظری کا جوہر نمایاں تھا۔ مال و دولت کو کبھی انہوں نے قابل التفات نہیں سمجھا، دنیاوی مناصب اور بیش بہا تنخواہیں ان کے مقاصد عالیہ میں کبھی حائل نہیں ہوئے۔ دنیاوی ترقی کے اکثر پرکشش مواقع زندگی میں آئے لیکن آپ نے ہمیشہ ان سے صرف نظر کیا (۶۷) حتیٰ کہ جھنجھانہ میں ایک بڑی آبائی جائیداد تھی اس کے حصول کی سعی تک یہ کہہ کر رد کر دی کہ:

"میرے پاس اس کے حصول کی کوشش کیلئے نہ وقت ہے نہ موقع"۔ (۶۸)

ایثار و مروت :-

مولانا زکریاؒ ہمیشہ ایثار کا مظاہرہ کرتے اور مروت سے کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ لکھنؤ سے آم کے کئی ٹوکرے آئے ٹوکروں کو کھولا، آدھا سڑا ہوا اور آدھا اچھا تھا۔ مولانا نے خادم کو فرمایا :- (۶۹)

"اچھے کو علیحدہ کرو، کچھ تو گھر دے دو باقی اپنے استادوں کو پہنچاؤ .... عرض کیا اچھے آم تقسیم کر دیئے ہم لوگ کیا کھائیں گے، فرمایا پیارے! ہرگز ایسا خیال نہ کرنا، اپنا کھایا ہوا گل سڑ جاتا ہے اور دوسروں کو کھلایا ہوا باقی رہتا ہے اور بڑھتا ہے"۔ (۷۰)

تواضع اور کسر نفسی

اپنے عیوب و نقائص کا استحضار ہی تواضع کی اصل اور انکساری کی روح ہے۔ جن حضرات کو اپنی ذات کی حقیقت اور معرفت الہی کا ادراک ہوتا ہے انہیں اپنا وجود ہیچ نظر آتا ہے۔ بقول اکابر :

"میرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں۔" (۷۱)

مولانا ذکریاؒ خود فرماتے ہیں۔

"صاحب کمال جتنی زیادہ ترقی کرتے ہیں اتنی ہی ان میں تواضع زیادہ ہوتی ہے۔ اخیر میں یہ ہوتا ہے کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھ سے کون برا ہوگا۔" (۷۲)

مولانا ذکریاؒ انتہائی تواضع کے حامل تھے اپنے متعلقین کی اصلاح کیلئے ان کی کوتاہیوں پر نکیر فرماتے لیکن استحضار یہی رہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں چنانچہ لکھتے ہیں:

"میرا حال تو تمہیں معلوم ہے کہ اپنے کو سب سے زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں۔ اس لیے دوسروں کی لغزشوں اور گناہوں پر نظر بہت کم آتا ہے۔" (۷۳)

غلبہ تواضع کی وجہ سے حضرت کو اپنے عقیدت مندوں کی جانب سے تعریف یا ستائش کا کوئی لفظ سننا گوارا نہیں تھا۔ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ایک قصیدہ میں مولانا زکریاؒ کے "وصف شیخ" کے نام سے اوصاف نظم کیے یہ قصیدہ مع شرح کے شائع ہوا تو انہوں نے ناپسندیدگی کا اسطرح اظہار کیا۔

"مفتی صاحب! کلکتہ میں جو نظمیں کہیں وہ تو برحق لیکن تم نے اس سیاہ کار کے متعلق جو فرمائش کی وہ بالکل بے محل ہے میرے پیارے! مجھے ایمان پر مرنے دو پھر جو چاہے دیکھتے رہو۔ اِنّ الحیّ لا تؤمن علیہ الفتنۃ۔" (۷۴)

سوانح یوسفی مرتبہ مولانا محمد ثانی حسنیؒ کا ایک باب حضرت شیخ کے متعلق تھا جسے سن کر، مرحوم مؤلف کے نام ایک طویل مکتوب لکھوایا جو بعد ازیں آپ بیتی نمبر ۵ کے نام سے شائع ہوا۔

اس میں لکھتے ہیں:

"تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی ایک باب کے سوا جو تم نے علی میاں سے لکھوایا ساری کتاب میں بہت لطف آیا۔ البتہ یہ باب تم نہایت نفیس مخمل میں ٹیرا نے ٹاٹ کا پیوند لگا کر کتاب کو بدنما کر دیا۔" (۷۵)

اسطرح مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت شیخؒ کی شہرہ آفاق کتاب "اوجز المسالک" پر مقدمہ لکھا جس میں چند تعریفی کلمات

مولانا زکریا کے متعلق بھی لکھ دیئے اس پر مولانا نے حضرت بنوری کو لکھا!

"مقدمہ تو شوق میں آتے ہی سنا گر حضرت! بلا تصنع عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کی تحریرات میں کتاب کے متعلق جو ہیر وہ سر آنکھوں پر کہ لوگوں کے واسطے ترغیب کا سبب ہو لیکن اپنے متعلق جس میں جو سنتا ہوں اس واقعی برعکس تہذنا م زنگی کا فور سے بڑی ندامت ہوتی ہے کاش میں اس قابل ہوتا" (۷۶)

الغرض حضرت شیخ الحدیث کی تواضع اور کسر نفسی کا تجربہ ہر شخص کو شب و روز ہوتا تھا۔ جس کے چند واقعات بطور نمونہ صوفی محمد اقبال نے اپنے رسالہ "اکابر کا تقویٰ" میں لکھے ہیں۔ (۷۷)

زہد و قناعت :۔

باطنی کمالات میں اصل کمال دنیا کے مال و منال اور جاہ و جلال کی محبت کا دل سے نکل جانا ہے ۔ دنیاوی دولت و ثروت کو قرآن حکیم نے "متاع غرور" قرار دیا ہے۔ (۷۸)

مولانا زکریاؒ کو اللہ تعالیٰ نے زہد و قناعت کی دولت سے وافر حصہ دیا تھا۔ رہائش، لباس، اسباب، خانہ داری اور ذاتی ضروریات میں ہمیشہ زہد و قناعت کا مظاہرہ کرتے تھے کہیں کوئی سامان تجمل یا اہتمام نظر نہیں آتا تھا۔

مولانا کا مکان کچی اینٹوں کی ایک کوٹھڑی تھی اس لیے "کچا گھر" کے نام سے مشہور تھا باہر مردانہ میں بیٹھنے کیلئے اور زنانخانہ میں رہنے کے لیے بہت کم گنجائش تھی مخلصین نے توسیع اور مرمت کا مشورہ دیا تو عمر کی بے ثباتی کا حوالہ دیکر ہمیشہ معذرت کی۔ ایک دفعہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس مکان میں مہمان ہوئے وہاں بچھے ہوئے موڑھے پر بیٹھ کر مکان کو اوپر نیچے سے دیکھا اور بے ساختہ فرمایا:

"اس کو دیکھ کر نانا ابا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکان کی یاد تازہ ہو گئی..... ..... اسلاف کا دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا" (۷۹)

لباس میں بھی انتہائی سادگی تھی ایک کھدر کا کرتہ ۱۲ برس تک رہا جو ہر سردی میں مسلسل پہنتے رہے۔ اس طرح گرمی کے موسم میں ایک کرتہ، پائجامہ اور لنگی ہوتی تھی۔ (۸۱) جمعہ کے دن لنگی باندھ کر کپڑے دھلا لیتے (۸۰) سوکھنے پر دوبارہ پہن لیتے تھے آپ کا ایک بستر چمڑے کا تھا۔ جس میں پرالی بھری ہوئی تھی گدے کی طرح یہ ان کے خلوت خانہ (۸۲) میں بیٹھنے کی جگہ پر تھا۔ اس طرح ایک بستر کچے گھر میں موٹے کھیس کا تھا۔ جس میں ایک چمڑے کا تکیہ بھی رہتا تھا جس میں چھال بھری ہوئی تھی۔ یہی بستر لپیٹ کر بطور تکیہ چارپائی کی پائنتی رکھ دیا جاتا تھا جس پر آپ

ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے اس زہد و قناعت کا نتیجہ تھا کہ گھریلو ضروریات کی مشغولی سے فارغ تھے اور اپنے اوقات کو دینی کاموں میں صرف کرتے تھے۔ [۸۳]

مفتی محمود گنگوہی کا بیان ہے کہ برطانیہ میں قیام کے دوران میں کھانا طباق میں لے کر گیا تو حضرت نے فرمایا ایک آدھ نوع کا کھانا ہو تو کھایا جاتا ہے کئی انواع دیکھ کر بھی اشتہا ختم ہو جاتی ہے اس لئے ایک ہی نوع کا کھانا لایا کرو۔" [۸۴]

شفقت و محبت:-

مولانا زکریاؒ کا خمیر شفقت و محبت سے تیار ہوا تھا۔ وہ اپنے خدام اور متعلقین پر ماں سے زیادہ شفیق تھے ایک ایک بات ان کی دلداری و دلجوئی فرماتے کوئی بیمار ہو جاتا تو بار بار اس کی حالت دریافت فرماتے کھانے پینے کا پوچھا کرتے دوا و علاج ہر چیز کا اہتمام فرماتے کوئی خادم اپنے وطن جانے لگتا اس کو کرایہ مرحمت فرماتے زاد سفر کے لیے کھانا ساتھ دیتے خدام کو ہر ماہ ایک معقول رقم حسب مراتب مرحمت فرماتے آم کے موسم میں بھی خدام کو بے شمار روزانہ آم عطا کئے جاتے۔ عید کے موقع پر خدام کو عیدی مرحمت فرماتے۔ کسی کے عزیز کے انتقال کی خبر آتی تو دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام فرماتے۔

الغرض خدام کی رعایت و دلداری ان کے احوال کا تفقد اور ان کے ساتھ انتہائی شفقت و راحت کا معاملہ فرماتے تھے۔ [۸۵] مولانا ابوالحسن ندوی نے بھی اپنے اوپر شیخ کی بے پایاں شفقت کے چند واقعات لکھے ہیں۔ [۸۶]

مہمان نوازی:-

مولانا زکریا نے مشہور حدیث "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" پر جس اہتمام اور سرگرمی سے عمل کیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے اکرام ضیف کو دین کا ایک اہم شعبہ بنا دیا تھا۔ خود فرماتے تھے۔

"کسی مہمان کی خاطر مجھے اوابین کے نوافل بھی چھوڑ دینا گوارا ہیں۔" [۸۷]

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ نے ایک دن فرمایا کہ:

"دو چیزیں بڑی عبادت تھیں۔ ایک نکاح ایک کھانا اب دونوں میں سے دین و شریعت کے احکام اور ایمان و احتساب کی روح نکل گئی کھانے کی یہ اہمیت اور اس کا عبادت ہونے کا تصور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں دیکھا۔ میں ایک دن دوپہر کے کھانے میں شریک تھا ایک صاحب آئے ہوئے تھے۔ جن سے ان کے سلسلہ مشائخ کے تعلقات تھے انہوں نے کھانے میں

کسی مقدم کا ذکر چھیڑا، فرمایا: "ابھی کھانا کھائیے پھر سنیں گے۔" (۸۸)

شیخ کے ہاں ہر مہمان کی مرغوبات و ضروریات مہیا کرنے کا بطور خاص اہتمام رہتا (۸۹) وہ دسترخوان کی خود نگرانی کرتے مہمانوں کو بھی حسب مراتب "انزلوا الناس منازلہم" پر عمل کرتے ہوئے ترتیب سے بٹھاتے ان کے مرغوبات کو ان کے سامنے رکھتے مہمانوں کی تعداد کبھی سینکڑوں تک اور رمضان میں ہزاروں تک پہنچ جاتی لیکن کوئی بدنظمی پیدا نہ ہوتی ایک پیڑھی فارغ ہوتی دوسری پیڑھی آتی۔ (۹۰) الغرض بقول ابوالحسن ندوی:

"وہ اپنے زمانے کے نظام الدین اولیاء تھے۔" (۹۱)

مہمان نوازی کے علاوہ شیخ اپنے معتقدین و متوسلین پر تربیت کی نظر بھی رکھتے اور غلطی پر تنبیہہ فرماتے تاکہ وہ صحیح دینی استفادہ کر سکیں اور رسمی اکرام ضیف کو اپنا مستقل حق سمجھ کر کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اتباعِ سنت:۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا پیمانہ، اتباع سنت ہے جو شخص جس قدر متبع سنت ہو گا۔ اسی قدر حق تعالیٰ کے ہاں مقرب و محبوب ہو گا۔ مولانا محمد زکریا پر اتباع سنت کا ایسا غلبہ تھا کہ آنحضرتؐ کی ہر ہر ادا میں اتباع کا اہتمام فرماتے تھے۔ اعمال میں، اخلاق میں، عادات، معاشرت، معیشت، محبت، بغض، شادی، موت، صلح و جنگ اور عفو و درگزر میں، غرضیکہ پوری زندگی سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

عبادات میں بھی اتباع سنت پیش نظر تھا، تلاوت و نماز کا حال یہ تھا کہ رمضان المبارک میں آخری سالوں میں تہجد میں دو گھنٹے، چاشت میں تین گھنٹے اور تراویح میں ایک گھنٹہ اور تلاوت کا حال یہ تھا کہ غیر رمضان میں روزانہ کا معمول سارے دینی کاموں کے ساتھ تقریباً دس پاروں کی تلاوت کا تھا۔ ہر تیسرے دن ختم قرآن۔ روزوں کا حال یہ تھا کہ بڑھاپے میں کافی طویل عرصہ کے بعد قیام کے لیے حرمین میں حاضری ہوئی تو مئی جون کی سخت گرمیوں میں مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کئے اور افطار اور سحری میں بھی کھانا برائے نام تھا۔ زکوٰۃ تو آپ پر کبھی فرض نہیں ہوئی جو مال آتا خرچ ہو جاتا۔ آپ نے متعدد حج فرمائے اتباع سنت میں عمر کے آخری سال خصوصی حج فرمایا۔ (۹۲)

مولانا زکریا کو اعزہ و اقربا کے پے در پے سنگین حوادث اور جان گداز سانحات پیش آئے۔ جو طبیعت کو مستقل پژمردہ اور سینہ کو

داغ داغ بنا دینے کیلئے کافی تھے۔ لیکن آپ نے ان حوادث کو اتباع سنت میں عزیمت اور صبر سے برداشت کیا[۹۳] ان میں پہلا حادثہ شفیق و مربی باپ کی وفات کا تھا۔ جو عین عنفوان شباب میں[۹۴] پیش آیا اس حادثہ سے آپ کا دل و دماغ مجروح ہوا اور نئی ذمہ داری اور قرض کا بار سر پر آپڑا۔ پھر اگلے ہی سال شفیق والدہ کی رحلت کا حادثہ پیش آیا پھر ۱۳۴۶ھ کو محبوب استاذ اور روحانی مربی مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے رحلت فرمائی۔ ۱۳۵۵ھ میں اہلیہ نے داغ مفارقت دیا پھر ۱۳۶۳ھ کو سرپا شفقت چچا مولانا محمد الیاس کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ جو نہ صرف اہل خاندان بلکہ عالم اسلام کا خسارہ عظیم تھا شیخ نے اسے بھی بے نظیر ہمت و استقامت سے برداشت کیا پھر اپریل ۱۹۶۵ء میں اپنے قوت بازو اور محبوب مولانا محمد یوسف کی وفات کی ناگہانی خبر ملی لیکن آپ نے اس سانحہ عظیم پر بھی "رضا بالقضاء" کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن ندوی کے تعزیت نامہ کے جواب میں لکھا :۔

"مولانا! اصل بات یہ ہے کہ اب طبیعت ایسی بے حس ہو گئی کہ خوشی اور رنج دونوں ہی چیزیں میرے لیے مصنوعی سی رہ گئی۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ

کی سی کیفیت ہو گئی۔ حضرت سہارنپوری، پھر چچا جان پھر حضرت مدنی، حضرت رائے پوری اور آخر میں عزیز یوسف مرحوم نے کچھ سیمنٹ کا ایسا پلاسٹر کر دیا۔ کہ رنج و خوشی دونوں چیزیں وقتی سی رہ گئیں۔ (۹۵)

اصابت رائے :۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد زکریا کو عقل و فہم، اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا خاص جوہر عطا فرمایا تھا جس کے بڑے بڑے سب معترف تھے اہم معاملات میں ان کی رائے کو وقعت دی جاتی اور قول فیصل سمجھا جاتا تھا۔ مولانا محمد یوسف سابق امیر تبلیغی جماعت کے انتقال پر ایک حلقہ کا تقاضا تھا کہ عزیز مولوی ہارون کو اپنے والد اور دادا کا جانشین بنایا جائے لیکن زمانہ کی نزاکتوں اور وقت کے فتنوں کے پیش نظر مولانا انعام الحسن کو جانشین بنایا جو مولانا محمد یوسف کے مشیر اور دست راست تھے نیز اپنے فہم تجربہ، علم و عمر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح راہنمائی کر سکتے تھے۔ شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا لیکن شیخ نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور بعد کے تجربوں اور دعوت کی ترقی اور عالمگیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ صحیح تھا علاوہ ازیں مختلف مواقع پر ان کی اصابت رائے اور معاملہ فہمی نے جماعت کی بہت سے نازک مرحلوں پر رہنمائی کی اور اسے فتنہ و انتشار سے بچا لیا۔[۹۶]

آپ کی رائے اور مشورے کو اکابر کے ہاں بڑی وقعت تھی مظاہر علوم سہارنپور کے انتظامی معاملات میں ایسے واقعات عموماً پیش آتے تھے۔

ایک دفعہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ایک طالب علم کا اخراج تجویز کیا حضرت شیخ نے مخالفت کی اور اس میں پنہاں قباحت کی نشاندہی کی لیکن دیگر اساتذہ نے اندیشہ کی تردید کی، طالب علم کا اخراج ہوا تو وہی قباحت اور اندیشہ سامنے آگیا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا:

"ہمارے قلندر نے تو پہلے ہی مخالفت کی تھی۔" (۹۷)

مولانا مفتی کفایت اللہ جو اصابتِ رائے میں مشہور تھے شیخ الحدیث کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے اور دارالعلوم دیوبند کی مجالس شوریٰ میں اکثر شیخ کی رائے کی تائید فرماتے تھے۔ اس طرح مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ہاں بھی شیخ کی رائے نہایت وقیع اور فیصلہ کن ہوتی تھی۔ (۹۸)

جامعیت:۔

مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت جامعیت کی حامل تھی جس کی متعدد جہتیں تھیں۔ شیخ الحدیث نے اپنی معروفیات کو دو اہم مقاصد میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک تربیت دینی اور دوسری خدمتِ علمی۔ انہوں نے ان دونوں صفات کو اپنی ذات میں توازن کے ساتھ سمو رکھا تھا۔ وہ بہترین محقق تھے جو تحقیق و استناد کی طرف پوری توجہ دیتے۔ فنِ حدیث اور علومِ حدیث پر ٹھوس اور وقیع علمی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں ان کے علمی مشاغل کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا کہ ان مشاغل کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہیں دوسری طرف مسترشدین کی اصلاح و ارشاد تعلیم و تذکیر اور ان کی ہمہ وقت تربیت پر کوئی نظر ڈالتا تو اسے نظر آتا کہ گویا تربیتِ دینی کے علاوہ شیخ کا اور کوئی کام نہیں۔ (۹۹)

شیخ الحدیث کا تعلق ملک کے مختلف اداروں خصوصاً "مظاہر العلوم" دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء سے یکساں تھا۔ ان تمام اداروں کے معاملات سے ایک شفیق سرپرست کی طرح دلچسپی لیتے اور حتی المقدور ان کی فلاح و ترقی میں معاونت فرماتے۔ علاوہ ازیں شیخ الحدیث کو علمائے عصر اور مشائخ وقت سے مختلف سلسلوں اور مکاتب فکر سے بھی یکساں اور مخلصانہ تعلق تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اہلِ حق کے ہر طبقہ و جماعت کے معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت کا درجہ رکھتے تھے تعلیمی سلسلے میں وہ مظاہر علوم کے سرپرست تھے جس کا مقصد سیاسیات حاضرہ

سے قطع تعلق اور خارجی علمی و تعلیمی اور تبلیغی مشغولیت ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے دار العلوم دیو بند کے دونوں اکابر حضرت حسین احمد مدنی اور مولانا اشرف علی تھانوی سے یکساں تعلق رکھا اور دونوں کے خلوص وللہیت کے قائل رہے پھر جب کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات نے شدت پکڑی اور دونوں طبقوں کے علماء میں مخالفت نے زور پکڑا اور عوام الناس اختلافات کے دینی و شرعی حدود کی خلاف ورزی کرنے پر اتر آئے۔ ان کی ذات ان تمام تنازعات سے الگ تھلگ رہی بلکہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" کے نام سے فکر انگیز کتاب لکھی جو اسلامی سیاست، اختلافات میں اسلامی روش، افراد و جماعتوں کے باہمی تعلقات میں توازن پر بہترین توضیح ہے۔ (۱۰۰)

الغرض اللہ تعالیٰ نے مولانا زکریا کو ایسی جامعیت سے نوازا تھا جس نے ہلہ ہاں دینی گروہوں میں جو کہ سب ایک ہی مرکز ایک ہی مسلک سے وابستہ تھے وصل و اتحاد کا بے نظیر کارنامہ سرانجام دیا اس توازن و اعتدال کا نتیجہ تھا کہ مختلف مذاق کے لوگ اور مختلف مشائخ سے تعلق رکھنے والے اپنے علمی اور عملی مشکلات کی الجھنوں پر شیخ کی طرف رجوع کرتے اور ان کو اطمینان بخش اور صائب جواب ملتا۔

باب اوّل (ب)

سوانح حیات

حوالہ جات وحواشی

۱۔ اس باب کا زیادہ تر مواد شیخ کی اپنی تالیفات خصوصًا آپ بیتی سے ماخوذ ہے۔

۲۔ حضرت مولانا محمد یوسف امیر تبلیغی جماعت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمارے خاندان میں عمومًا پوتے کی ولادت پر دادا کا انتقال ہوتا ہے چنانچہ محمد زکریا کی ولادت کے ۲۴ دن بعد شوال ۱۳۱۵ھ کو مولانا محمد اسماعیل کا انتقال ہوا۔

زکریا، محمد، شریعت وطریقت کا تلازم، دارالاشاعت کراچی بار اوّل ۱۹۷۹ء ص۵

نیز عزیز الرحمن، مفتی "ولی کامل" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور، ط-ن ص۱۳۲

۳۔ آپ بیتی نمبر ۴ ص۱۳۴ "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" ص۲

۴۔ زکریا، محمد "مقدمہ اوجز المسالک" ج ۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ط-ن ص۵۶

۵۔ تفصیل مولانا محمد یحیٰی کے حالات میں لکھی جاچکی ہے۔

۶۔ زکریا، محمد، "فضائل زبان عربی" ص۳،۴

۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت گنگوہی کی تاریخ وفات، سوانح شیخ الحدیث میں ۲۲ جمادی الاوّل ۱۳۲۳ھ تحریر کی ہے صحیح تاریخ ۸ رجمادی الآخر ہی ہے جیسا کہ آپ بیتی نمبر ۴ ص۲۵ اور نزھۃ الخواطر ج ۸ ص۱۵۲ میں تحریر ہے۔

۸۔ ندوی، ابوالحسن علی "سوانح شیخ الحدیث" ص۵۲، ۵۱

۹۔ زکریا، محمد "فضائل قرآن" حدیث نمبر۴

۱۰۔ آپ بیتی نمبر ۲ صہ ۶۰

۱۱۔ آپ بیتی نمبرا حصہ دوم صہ ۶۲

۱۲۔ "سوانح یوسفی" صہ ۷۲

۱۳۔ نکودر ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے اور حضرت گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے آپ بیتی نمبر۲ صہ ۲۲۳)

۱۴۔ آپ بیتی نمبر۲ صہ ۲۲ میں حافظ صاحب کا ذکر خیر بہت ہی پیارے انداز میں کیا گیا ہے۔

۱۵۔ آپ بیتی نمبرا حصہ دوم صہ ۷۵

۱۶۔ آپ بیتی نمبر۲ صہ ۶۰ دعا قبول ہوئی اور یہ مبارک سلسلہ اخیر تک قائم رہا۔

۱۷۔ آپ بیتی نمبرا صہ ۱۹-۱۸، زکریا، محمد "مقدمہ اکمال الشیم" اور ۱۵ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۴ء، صہ ۲۰-۱۹

۱۸۔ آپ بیتی نمبر۲ صہ ۶۳

۱۹۔ آپ بیتی نمبر۲ صہ ۷۲-۷۳

۲۰۔ غزالی امام "احیاء العلوم" ج ۳ صہ ۶۹

۲۱۔ زکریا، محمد "الاعتدال فی مراتب الرجال" کتب خانہ یحیوی سہارنپور طبع صہ ۳۱

۲۲۔ آپ بیتی نمبرا صہ ۱۰

۲۳۔ آپ بیتی نمبرا صہ ۱۱

۲۴۔ آپ بیتی نمبرا صہ ۱۴

۲۵۔ آپ بیتی نمبرا صہ ۱۵

۲۶۔ آپ بیتی نمبرا صہ ۱۷، سوانح شیخ الحدیث صہ ۸۳

۲۷۔ آپ بیتی نمبر۲ صہ ۱۲۸

۲۸۔ ایک گرامی نامہ میں بھی بیس روپے کا ذکر ہے ۔ بحوالہ۔ تاریخ مظاہر علوم ج ۔ ۲
کتب خانہ اشاعت اسلام سہارنپور طبع اوّل ۱۳۹۲ھ صـ ۷۵-۷۶
لیکن آپ بیتی نمبر ۲ صـ ۹ میں تحریر ہے کہ ابتدائی تقرر پندرہ روپے مشاہرے پر ہوا۔ اول قابل ترجیح ہے۔
۲۹۔ شاہد محمد سہارنپوری "تاریخ مظاہر علوم" جلد دوم بحوالہ رجسٹرڈ احکامات سرپرستان مدرسہ صـ ۴۱۵
کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور ۱۳۹۲ھ طبع اوّل
۳۰۔ آپ بیتی نمبر ۲ صـ ۱۱ سے واضح ہوتا ہے کہ تین سبق مستقل تجویز کئے تھے۔ جن میں آٹھ کتابیں
آخر سال تک ہوئیں۔
۳۱۔ بقول شیخ اصول الشاشی کے مطالعہ اور تیاری میں کئی گھنٹے صرف ہوتے تھے آپ بیتی نمبر ۲ صـ ۹۷-۹۸
تاریخ مظاہر علوم ج ۲ صـ ۷
۳۲۔ آپ بیتی نمبر ۲ صـ ۱۰۸
۳۳۔ "تذکرۃ الخلیل" صـ ۳۲
۳۴۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ بحوالہ سوانح شیخ الحدیث صـ ۱۰۱
۳۵۔ زکریا، محمد، "مقدمہ کتب فضائل پر اشکالات" اوران کے جوابات مکتبہ دینیات بالمقابل لاہور ط۔ن صـ
۳۶۔ عزیز الرحمن، مفتی: "ولی کامل" مکتبہ زکریا، لاہور صـ ۲۸۱
۳۷۔ آپ بیتی نمبر ۴ صـ
۳۸۔ یعنی چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ۔
۳۹۔ برادر اکبر مولانا حسین احمد مدنیؒ و بانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ۔
۴۰۔ آپ بیتی نمبر ۳ صـ ۲۱۶
۴۱۔ آپ بیتی نمبر ۳ صـ ۲۵۸

۴۲۔ مولانا رؤف الحسن کی ایک صاحبزادی مولانا محمد الیاس کے نکاح میں تھیں۔ اس طرح مولانا زکریا — اور مولانا محمد الیاس ہم زلف بھی تھے۔

۴۳۔ آپ بیتی نمبر۳ صـ ۲۷۹

۴۴۔ آپ بیتی نمبر۳ صـ ۲۳۶

۴۵۔ آپ بیتی نمبر۳ صـ ۲۳۹

۴۶۔ آپ بیتی نمبر۳ صـ ۲۹۴

۱۔ اس اہلیہ سے ایک لڑکا مولانا محمد طلحہ اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

۴۷۔ آپ بیتی نمبر۴ باب جملہ بچوں کی تفصیل صـ ۱۴۵

۴۸۔ مولانا خلیل احمد کے مدار المہام۔

۴۹۔ حاجی امداد اللہ مکی کے ممتاز خلیفہ۔

۵۰۔ شریف حسین کی بغاوت اور نجدیوں کے حملہ کی طرف اشارہ ہے۔

۵۱۔ مشہور عربی مدرسہ جس کے بانی مولانا سید احمد مدنی تھے۔

۵۲۔ "علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات" ج ۲، کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور طبع اول ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء صـ ۱۰۳

۵۳۔ آپ بیتی نمبر۴ صـ ۱۷۷

۵۴۔ فاتح عیسائیت و بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ (م۔ ۱۳۰۹ھ)

۵۵۔ آپ بیتی نمبر۴ صـ ۱۸۵

۵۶۔ موجودہ امیر تبلیغی جماعت۔

۵۷۔ وصال کا وقت منجانب اللہ بتا دیا گیا تھا۔ (مولانا محمد یوسف مقالہ اقرا ڈائجسٹ قطب الاقطاب نمبر جلد اول صـ ۲۱۶)

۵۸۔ اس سفر کا مواد "ماہنامہ الفرقان" خصوصی اشاعت نومبر ۱۹۸۲ء صـ۳۲۵ تا ۳۳۶ سے ماخوذ ہے۔

۵۹۔ ایضاً ص صـ۳۳۳

۶۰۔ یہ مدرسہ ایک پہاڑی پر واقع جو اصلاً ایک سینی ٹوریم تھا۔ اسے ۱۹۷۳ء میں مسلمانوں نے ایک لاکھ پندرہ ہزار (۱۱۵۰۰۰) پونڈ میں خرید کر دینی مدرسہ قائم کیا اس کے بانی دو بھائی یوسف متالا اور عبدالرحیم متالا تھے۔ جو شیخ کے خادم اور خلیفہ تھے۔ ان کے تفصیلی حالات کے لئے "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" ج ۳ صـ۱۱۴

۶۱۔ خلیفہ مجاز مولانا محمد زکریا ولادت ۱۹۴۶ء آج کل مکہ مکرمہ میں مستقل قیام ہے۔

۶۲۔ یہاں ایک مسجد آپ ہی کے نام پر زکریا مسجد بنی ہے۔

۶۳۔ مواد "سوانح شیخ الحدیث صـ۱۵۷ تا ۱۶۵ سے ماخوذ ہے۔

۶۴۔ ایضاً صـ۱۵۸

۶۵۔ شیخ اور ان کے خدام کا کرایہ دو لاکھ روپے پاکستانی بنتے تھے۔

۶۶۔ اشتنگر جنوبی نیپال کا ایک شہر ہے۔

۶۷۔ آپ بیتی نمبر ۲ صـ۱۰۲، ۱۰۳

۶۸۔ آپ بیتی نمبر ۵ صـ۸۷

۶۹۔ حضرت مولانا عبدالاحد خلیفہ مجاز

۷۰۔ ماہنامہ "اقراء ڈائجسٹ" قطب الاقطاب نمبر اکراچی نومبر ۱۹۸۶ء صـ۱۸۹

۷۱۔ ماہنامہ اقراء صـ۱۷۳

۷۲۔ بیاض مولانا عبدالرحیم متالا خلیفہ مجاز ان کے تفصیلی حالات دیکھیے صـ۲۱۴ تا ۲۴۶ مولانا محمد یوسف متالا۔ "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" الجزء الثالث

۷۳۔ مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا ۱۰ر جولائی ۱۹۷۸ء بحوالہ اقراء ڈائجسٹ ص۱۷۲ ج ۱

۷۴۔ " " " " ۷ار جنوری ۱۹۷۸ء " ج ۱

۷۵۔ آپ بیتی نمبر ۱ ص۳

۷۶۔ ماہنامہ اقراء ص۱۷۵

۷۷۔ ایضاً ص۱۷۵

۷۸۔ آل عمران۔ ۱۵۹

۷۹۔ اقبال، صوفی محمد، "حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسول" المکتبہ مدنیہ اردو بازار۔ لاہور طبع اوّل ۱۹۸۲ء ص۷۰

۸۰۔ مکتوب ۲۲ ربیع الاوّل بنام مولانا محمد یوسف متالہ بحوالہ اقراء ڈائجسٹ ص۱۷۱

۸۱۔ آپ بیتی نمبر ۵ ص۱۲

۸۲۔ ذاتی کتب خانہ جو آپ کا تصنیف کا کمرہ تھا۔

۸۳۔ "حضرت شیخ کا اتباع سنت" ص۶۷

۸۴۔ اقراء ڈائجسٹ ج ۱ ص۲۱۶

۸۵۔ ایضاً ص۱۸۹

۸۶۔ سوانح شیخ الحدیث ص۔ ۲۳۲ تا ۲۳۴

۸۷۔ اقراء ڈائجسٹ نمبر ۱ ص۱۸۴

۸۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، "صحبتے بااہل دل" آٹھویں مجلس ۲۳ر جنوری ۱۹۶۸ء مجلس نشریات کراچی طبع ۲، ۱۹۷۷ء ص۱۳۹

۸۹۔ سوانح شیخ ص۔ ۲۲۴، ۲۲۵ اقراء ڈائجسٹ نمبر ۱ ص۱۸۴

۹۰۔ جماعت کو شیخ کی اصطلاح میں بیڑھی کہا جاتا تھا۔

۹۱۔ "خدام الدین" لاہور، شیخ الحدیث نمبر۔ ۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء صـ۴۷

۹۲۔ "حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسول" صـ۵۰

۹۳۔ آپ بیتی نمبر ۳ صـ۲۱۵

۹۴۔ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ جبکہ شیخ کی عمر ۱۹ سال تھی۔

۹۵۔ سوانح شیخ صـ۱۱

۹۶۔ سوانح شیخ الحدیث صـ۲۲۲

۹۷۔ آپ بیتی نمبر ۴ صـ۱

۹۸۔ آپ بیتی نمبر ۳ صـ۲۷، آپ بیتی نمبر ۴ صـ۹۴

۹۹۔ سوانح شیخ الحدیث صـ۱۹۹

۱۰۰۔ ایضاً صـ۲۰۵

باب دوم
تدریسی خدمات
تعلیمی افکار

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے
جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں
اور دل و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں
جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جذبات
بیدار ہوں۔ اور دین و سیاست کے لحاظ سے
ان میں اسلامی شعور زندہ ہو"

مولانا محمد قاسم نانوتوی بحوالہ
قاری محمد طیب، تاریخ دار العلوم دیوبند
ص ۱۹

درسِ نظامی کا ارتقائی جائزہ :۔

معاشرہ میں وہی ادارے زندہ اور برقرار رہتے ہیں جو قابل قدر خدمات انجام دیتے ہیں اس ورنہ وہ مرورِ زمانہ سے فنا ہو جاتے ہیں، درسِ نظامی ـــ دینی تعلیم کا ادارہ گزشتہ برس ہا برس سے مسلمان معاشرہ کی تعلیمی اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے اس لئے آج بھی زندہ اور برقرار ہے۔ مغرب کی استعماری قوتوں کے غلبہ کے بعد اس پر نکبت و ادبار کے بادل چھا گئے مگر ناساز گار حالات میں بھی اس نے اپنی افادیت کو برقرار رکھا۔ ہماری تحقیق کا موضوع مولانا محمد زکریا رح کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ ہے اور مولانا موصوف درسِ نظامی کا بہترین نمائندہ ہیں لہٰذا اس دینی ادارے کے آغاز وارتقاء کا مطالعہ ضروری ہے۔

اسلامی احکام کے مطابق دینی علوم کی تحصیل فرض عین ہے ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ دینی علوم حاصل کرے دنیاوی علوم کا حصول فرض کفایہ ہے۔ معاشرہ میں کم از کم چند افراد کو یہ علوم ضرور سیکھنے چاہییں دینی مدارس کی اصطلاح میں پہلے حصہ کو منقول اور دوسرے حصہ کو معقول کہتے ہیں، اس منقول کا حصہ ناقابل تغیر ہے اور معقول کا حصہ قابل تغیر ہے۔ منقول اور معقول دونوں اجزاء سے مل کر اسلام کا تدریسی نصاب مکمل ہوتا ہے۔

معلم انسانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید، حدیث اور فقہ سیکھنے کا حکم دیا ہے یہ تعلیم کا دینی حصہ ہے۔ آپؐ نے علم فرائض ۔ حساب، طب، نجوم اور علم انساب سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپؐ کا عمومی حکم ہے کہ حکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے۔ جہاں کہیں ملے اسے حاصل کرے آپؐ کے حکم کی تکمیل میں حضرت زید بن ثابت انصاری نے غیر ملکی زبانیں فارسی، سریانی اور حبشی سیکھی تھیں یہ سب تعلیم دنیوی کا حصہ تھا آپ نے ورزش، تیراکی اور تیر اندازی سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ جسمانی تعلیم کا حصہ تھا۔

احکامِ رسالت کی روشنی میں حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں تعلیم کا ڈھانچہ تیار کیا بچوں کے لئے مسجدوں میں مکاتیب جاری کئے اور اساتذہ کا تعین کیا۔ مسلمانوں کو سادہ اور سخت کوش زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور غیر مسلموں کی تقلید سے منع کیا ایک عمومی حکمنامہ جاری کیا کہ

مسلمانو! چادر اوڑھو، تہبند باندھو، نشانہ بازی کی مشق کرو، لڑکوں کو تیراکی سکھاؤ، دھوپ کھایا کرو، عربوں کا یہ حمام ہے عربی زبان میں بات چیت کرو، سادہ زندگی بسر کرو، موٹا کھاؤ، موٹا پہنو، مشقت اور جفاکشی کی عادت ڈالو عیش اور تنعم کی زندگی سے بچو" (۱)

چنانچہ طلبا اور اساتذہ نے سادہ زندگی اختیار کی، محنت اور جفاکشی کو اپنا شعار بنالیا، کافروں کی نقالی سے پرہیز کیا موٹا کھانے اور موٹا پہننے پر قناعت کی آج تک مدارس کی روش یہی ہے۔

خلافت راشدہ کے نصاب تعلیم میں صرف کتاب اللہ۔ قرآن مجید شامل تھی۔ باقاعدہ تعلیم صرف قرآن مجید کی ہوتی تھی تجوید، تلاوت، تفسیر مختلف پہلوؤں سے قرآن مجید کا مطالعہ کیا جاتا تھا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ۔ ۹۹ھ) علماء کو احادیث رسول مرتب اور مدون کرنے کا حکم دیا اس کے بعد سے احادیث رسول ؐ کا درس شروع ہوا اور احادیث نبوی نصاب تعلیم کا باقاعدہ حصہ بن گئیں، ہر شخص قرآن مجید کے ساتھ احادیث نبوی کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔

فقہ کی تعلیم جاری تو عہد صحابہ میں ہی ہو چکی تھی، لیکن عہد بنی امیہ کے آخری دور میں اس فقہ کی طرف زیادہ توجہ ہوئی، امام ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ، ۸۰ھ) نے اس فن کو باقاعدہ مرتب و مدون کیا پھر ان کے نمونہ پر مالکی اور شافعی فقہ بھی مرتب ہوئی اور فقہ کی تدریس نصاب تعلیم کا لازمی جزو بن گئی۔

علم کلام یعنی عقائد کی تعلیم کی باقاعدہ تدریس تیسری صدی ہجری میں شروع ہوئی یونانی فلسفہ کے زیر اثر اس دور میں مناظرہ بازی عام تھی، ابوالحسن علی اشعری (م ۳۲۴ھ) نے ان مناظروں میں معتزلہ کو شکست دی امام ابوالحسن اشعری اور امام منصور ماتریدی (م ۳۳۳ھ) کی ان کوششوں کو علمائے وقت نے بہ نظر استحسان دیکھا ان مباحث کو پسند کیا اس وقت سے عقائد اور علم کلام کی بحثیں بھی نصاب تعلیم کا جزو بن گئیں ۔۔۔ اس کے بعد کوئی ملک ہو، کوئی زمانہ ہو دینی علوم کے تحت قرآن، حدیث، فقہ اور عقائد کی تعلیم نصاب تعلیم میں لازماً شامل رہا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں معتزلہ فلسفہ اور قرامطہ کا عروج تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار اور خلفشار پھیل رہا تھا نئے نئے فتنے پیدا ہو رہے تھے نظام الملک طوسی (م ۱۰۹۲ء) نے انہی فتنوں کے سدباب کے لئے سلجوقی عظام

کی وسیع سلطنت میں نظامیہ مدارس کا جال پھیلا دیا تھا۔ ان فتنوں کی بنیاد یونانی فلسفہ پر تھی۔ جس کا آغاز مامون الرشید کے زمانہ سے ہوا تھا۔ امام غزالیؒ (۴۵۰ھ ۔ ۵۰۵ھ / ۱۰۵۸ء ۔ ۱۱۱۱ء) جب مدرسہ نظامیہ بغدادیہ کے شیخ مقرر ہوئے تو انہوں نے اس مشکل مسئلہ کی جانب توجہ دی۔ پہلے انہوں نے یونانی فلسفہ کا عمیق مطالعہ کیا پھر اس کا بھرپور رد کیا۔ مستقل بنیادوں پر فلسفہ کی تردید کے لئے انہوں نے فلسفہ۔ بکہ تعارف کو اور پھر اس کی تردید کو نصاب تعلیم کا جزو بنا دینا مناسب خیال کیا۔ علماء وقت نے ان کے اس اقدام کی تحسین کی سب نے اس اضافہ کو قبول کیا۔ اس طرح یونانی فلسفہ کی تعلیم قدیم نصاب کا جزو بن گئی۔

تاتاری منگولوں کے ہاتھوں بغداد کا سقوط (۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء) سب بڑا سانحہ تھا یہ ایک درخشاں تہذیب اور قابل فخر تمدن کے دور کا خاتمہ تھا مہینوں قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا ہزار ہا علماء، فضلاء اور اساتذہ قتل کر دیئے گئے سینکڑوں کتب خانے جلا دیئے گئے یا دریا برد کر دیئے گئے۔ مدارس ویران ہو گئے علم و فضل کی بساط الٹ گئی کچھ عرصہ کے بعد ہلاکو خان کے وزیر اعظم نصیر الدین محقق طوسی (م ۱۲۷۴ء) نے علم کی بساط کو دوبارہ بچھانے کی سعی کی ہلاکو خان کے حکم سے اس نے نیا نصاب تعلیم ترتیب دیا۔ تاتاریوں کے ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے اس نے فلسفہ، ریاضی اور علم نجوم کی خاص مقدار نصاب تعلیم میں شامل کر دی۔ (۲) اور یہ نصاب ملک میں رائج ہو گیا۔

اس دور میں ہی درسی کتب کا رواج ہوا۔ سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق سبق بمعنی درس کا استعمال سب سے پہلے صدر الشریعۃ عبید اللہ بخاری (م ۷۴۷ھ) کی کتاب شرح وقایہ کے دیباچہ میں ملتا ہے۔ (۳)

عہد تیموری کے دو فاضل اساتذہ علامہ سعد الدین تفتازانی (۱۳۹۰ء) اور میر سید شریف جرجانی (۸۱۶ھ) نے اس نصاب پر بھرپور نظر ثانی کی اس میں چند اصلاحات داخل کیں اور نصاب کی تشکیلِ جدید کی۔ انہوں نے پہلی مرتبہ تدریس کے لئے کتب لکھیں۔ یہ نصاب پھر ہندوستان اور پاکستان میں رائج ہوا ان کی لکھی ہوئی صرف میر اور نحو میر آج تک مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان حکمران ترک تھے اور وسط ایشیا ۔۔۔ ماوراء النہر ۔۔۔ سے یہاں آئے تھے۔ بخارا، سمرقند کے علماء کی کتابیں لا کر انہوں نے یہاں نصاب میں شامل کر دیں ہدایہ کے مصنف برہان الدین مرغینانی صاحبِ ہدایہ ؒ کے

مصنف کا سانی اور فتاوٰی کے مصنف قاضی فخر الدین فرغانی سب اس علاقہ کے لوگ تھے فقہ کی یہ کتب ہندوستان میں رائج ہو گئیں۔

مغل دور حکومت میں ایرانی علماء کا ایک سیلاب ہندوستان میں آگیا۔ انہوں نے ایرانی فلسفہ کو ہندوستان میں رائج کیا اور خوب فروغ دیا ــــ یہ حالات تھے جب ملا نظام الدین سہالوی (۱۷۴۸ء) نے لکھنؤ میں نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کی۔ انہوں نے نہ تو کسی مضمون کا اضافہ کیا اور نہ کسی نئی کتاب کا بلکہ جو کتب مختلف مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں ان کو ترتیب دے دی ان کی یہ ترتیب "درس نظامی" کے نام سے مشہور اور مقبول ہوئی ــــ ملا نظام الدین سہالوی بحیثیت مدرس اپنی زندگی میں ہی مشہور ہو گئے تھے۔ ان کے معاصر مشہور مورخ غلام علی بلگرامی (۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) لکھتے ہیں۔

"آج ہندوستان کے اکثر علماء "ملا" سے تلمذ رکھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ جو شخص اپنا سلسلۂ تلمذ ان تک پہنچا دیتا ہے وہ اپنے ہم عصروں میں امتیاز حاصل کر لیتا ہے اگرچہ اس نے تحصیل علم دوسری جگہ کی ہو مگر سند فراغ وہ ملا نظام الدین سے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔"

دو صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا دینی مدارس میں یہی نصاب تعلیم رائج ہے مسلمانوں کے تمام مکاتب اسی نصاب کو پڑھاتے ہیں اس جو شخص یہ نصاب نہ پڑھے۔ وہ مستند عالم شمار نہیں ہوتا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۶۲ء-۱۷۰۳ء) نے محسوس کیا کہ اس نصاب میں حدیث کا حصہ کمزور ہے انہوں نے اس نصاب تعلیم میں صحاح ستہ یعنی حدیث کی چھ مستند کتابیں شامل کر دیں اس وقت سے درس نظامیہ میں دورہ حدیث جاری ہو گیا۔

دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے تاریخی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک نمو پذیر نصاب تعلیم ہے، اس پر جمود کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس کی نمو پذیری آزادانہ ہے۔ اس کو درخت کی خود رو نمو پذیری سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جب بھی کسی معروف عالم دین نے حالات کے تقاضوں کا احساس کیا اور ضروری مضمون کا نصاب میں اضافہ کیا تو عموماً دوسرے اہل علم نے اس اضافہ کو قبول کیا اس کو مستحسن قرار دیا۔ اس طرح آہستہ روی کے ساتھ یہ نصاب ترقی کرتا رہا ہے، صدیوں کی مسلسل کوششوں اور کاوشوں کے بعد دینی مدارس کے نصاب نے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔

طریق تدریس:۔

ہندو پاک میں دینی مدارس کی تعلیم تین حصوں میں منقسم تھی ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم ۔۔۔ ان مدارس میں تدریس کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔ تعلیم روزانہ دو وقت ہوتی تھی صبح کا وقت عموماً نئے سبق کے لئے ہوتا تھا استاد نیا سبق اس وقت تک نہیں دیتا تھا جب تک پچھلا سبق اچھی طرح یاد نہ ہو جائے۔ اور اس کو سن نہ لے یہیں سے طلبہ کے اندر فرق پیدا ہو جاتا تھا۔ ذہین بچے روزانہ سبق یاد کر لیتے تھے اور غبی لڑکے دو دن ایک ہی سبق میں لگے رہتے تھے ہر بچہ کا سبق جدا گانہ ہوتا تھا۔ استاد ہر بچہ پر انفرادی توجہ دیتا تھا۔ قدیم درس نظامی میں درسی کتاب کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ طلبہ کی جماعت بندی کتاب کے نقطۂ نظر سے ہوتی تھی سال کے اعتبار سے نہیں ہوتی تھی۔

ابتدائی درجات اور ثانوی درجات کے لئے۔ مذکورہ طریق تدریس نہایت مفید ہے اس سے طلبہ کے اندر علم کی بنیاد مضبوط ہو جاتی تھی۔

درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کا معاملہ مختلف تھا۔ اس لئے یہاں کا طریق تدریس بھی مختلف تھا اعلیٰ تعلیم کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ کوئی شخص تمام علوم و فنون کا احاطہ نہیں کر سکتا نہ تمام کتب کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ صرف چند مضامین اور چند کتب کی تدریس ممکن ہے۔

۲۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص میں یہ ملکہ پیدا ہونا چاہیے کہ وہ مشکل سے مشکل مضمون کو اور مغلق سے مغلق کتاب کو پڑھ سکے اور سمجھ سکے۔

۳۔ طلباء کے اندر غور و فکر کی استعداد اور تخلیقی صلاحیت پیدا ہو نیز اس کی قوت تنقید بیدار ہو تاکہ اس میں خود اعتمادی کا ملکہ پیدا ہو اور وہ صرف مقلد نہ بن جائے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے خصوصی کتب درس نظامی میں شامل تھیں۔ سیدھے سادے بیانیہ انداز کی کتب نصاب میں نہ تھیں بلکہ مشکل عبارت، پیچیدہ تراکیب اور مغلق مفاہیم کی کتب شامل نصاب تھیں۔ اساتذہ عمداً ایسی کتب

پڑھاتے تھے۔ جن کی فہم میں وقت ہو، مفہوم متعین کرنے میں تلامذہ اور اساتذہ کو کافی محنت کرنا پڑے، متن کو انتہائی مختصر اور مغلق لکھا جاتا تھا۔

اعلیٰ تعلیم کا طریقہ تدریس یہ تھا کہ پہلے طلبہ خود کتاب کا مطالعہ کرتے، اس کا مفہوم متعین کرنا اس کے متعین کردہ مفہوم پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو وہ اس کا جواب سوچتا تھا۔ بعد ازیں استاد کے سامنے درس شروع ہوتا استاد ہر طالب علم کو بولنے کا موقع دیتا تھا کہ وہ اپنا مفہوم پیش کرے، اگر کوئی طالب علم بحث میں حصہ نہیں لیتا تھا تو وہ غبی، کند ذہن شمار ہوتا تھا اس طرح استاد کی موجودگی میں مفہوم متعین کیا جاتا تھا۔ صرفی، نحوی، عقلی، فکری جس قدر بھی اعتراضات اور شبہات اس مفہوم پر ذہن میں آسکتے تھے وہ طلبہ استاد کے سامنے پیش کرتے تھے استاد ان سب کے جوابات دیتا یہ ذہنی ورزش گھنٹوں جاری رہتی حتیٰ کہ کلیتہً ہر پہلو سے حل مطالب ہو جاتا پھر کہیں درس ختم ہوتا تھا درس کے اختتام پر ہر طالب علم اس سبق کو دہراتا، اعتراضات، شبہات اور جوابات سب کو دہراتا تھا طلبہ آپس میں مذاکرہ اور بحث کرتے ــــ الغرض پیشگی حل ــــ اس کا درس مع رد شبہات اور اعتراضات پھر حجرہ میں سبق کا اعادہ ــــ یہ تین مراحل تھے جن سے روزانہ ایک سبق گزرتا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز کے انتقام سے مسلمانوں کو جس ہلاکت اور غارت گری سے سابقہ پیش آیا وہ اس سے قبل نہ مرہٹوں کے دور میں اور نہ جاٹوں کے دور میں پیش آیا تھا۔ مسلمانوں پر ہر طرف قبرستان کی سی مردنی چھائی ہوئی تھی، اس موقعہ پر سرسید احمد خان (۱۸۹۸ـ ۱۸۱۸ء) کو مسلمانوں کے بقائے وجود کی فکر دامن گیر ہوئی وہ اس کے لئے کوشاں ہوئے مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) کو مسلمانوں کے دینی سرمائے کے تحفظ کی فکر دامن گیر ہوئی اس کے لئے انہوں نے ۱۸۶۷ء میں سہارنپور کے ایک غیر معروف قصبے دیوبند میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا ان کے پیش نظر دینی سرمائے کا تحفظ تھا اس لئے انہوں نے پاک و ہند کے تمام دینی مدارس کی روایات کو یکجا جمع کر لیا۔[۵] جس کی وجہ سے سرمایہ تو محفوظ ہو گیا، مگر دیوبند کا نصاب تعلیم بہت بھاری بھرکم ہو گیا ان کے پیش نظر دینی روایات کا تحفظ تھا تاکہ ماضی سے تسلسل قائم رہے اور یہی نصاب تعلیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں رائج ہو گیا جو دارالعلوم

دیوبند کے چھ ماہ بعد قائم ہوا[۱]

دارالعلوم دیوبند میں دینیہ علوم کی تعلیم سات سال میں دی جاتی تھی ہر مدرس اپنے اساتذہ کا پر تو ہوتا ہے، وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنے اساتذہ کا اسلوب تدریس اور طرز تربیت اپناتا ہے۔ لہٰذا مناسب اور لازم ہے، کہ ہم مولانا محمد زکریا رح کی تدریس اور تعلیمی خدمات کے تذکرہ سے قبل ان کے اساتذہ کا تذکرہ کریں۔

مولانا محمد زکریا رح نے کسب علم اور حصول تعلیم کے لئے جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے ان میں سے اہم یہ ہیں۔

مولانا محمد یحییٰ، مولانا محمد الیاس رح، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حافظ عبداللطیف اور مولانا عبدالوحید سنبھلی ـــــ ان میں سے مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس کا تذکرہ ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔ باقی اساتذہ کا ذکر آئندہ صفحات میں کرتے ہیں۔

اساتذہ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۸)

مولانا خلیل احمد کی ولادت صفر ۱۲۶۹ھ/دسمبر ۱۸۵۲ء کو تاریخی قصبہ انبیٹھ ضلع سہارنپور میں ہوئی آپ کے والد کا نام مجید علی اور والدہ کا مبارک النساء تھا جو علامہ مملوک علی نانوتوی کی دختر تھیں آپ کا تعلق علمی گھرانہ تھا اس لئے آپ کی تربیت خالص علمی ماحول میں ہوئی۔

آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کے نانا مولانا مملوک علی نے آپ کو بسم اللہ خود ہی کرائی۔ بعدازیں اپنے قصبہ کے مکتب میں قرآن شریف پڑھا عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولانا انصار علی سے پڑھیں کچھ عرصہ سرکاری سکول میں انگریزی بھی سیکھی ـــــ ۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم دیوبند بلالیا۔ اور چھ ماہ تک وہیں تعلیم حاصل کی بعدازیں آپ اپنے دوسرے ماموں شیخ مظہر نانوتوی صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے پاس آگئے جن سے آپ نے درس نظامی کی تمام کتب پڑھیں۔

اس طرح آپ ۱۹ سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ کو معقولات اور منقولات میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ (۹)

مولانا بچپن ہی سے مولانا رشید احمد گنگوہی سے متعارف تھے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب سے مشورہ کے بعد بیعت کے لئے آستانہ رشیدیہ پر حاضر ہوئے حضرت گنگوہی نے ارشاد فرمایا۔

"میاں تم خود پیرزادے ہو، پیر ہو تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا کہ حضرت کیسی پیرزادگی؟ میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا محتاج ہوں۔ چھاتی لگائیے یا دھکے دیجئے میں تو حضرت کا غلام بن چکا ہوں"

یہ الفاظ سن کر حضرت گنگوہی نے بیعت کر لیا ـــــ اور ۹ سال شیخ کی زیر ہدایت مجاہدے اور ریاضتیں کیں آخر اجازت بیعت اور دستار خلافت سے سرفراز ہو گئے نیز آپ کو ۱۲۹۷ھ میں حاجی امداد اللہ مکی مہاجر نے بھی خلافت عطا فرمائی آپ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ مولانا محمد یحییٰ،

مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد زکریا آپ کے خلفاء میں شامل ہیں۔(۱-۱۰)

تدریسی خدمات:۔

مولانا خلیل الرحمن نے منگلور ضلع سہارنپور سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا وہاں پانچ سال تک مستعدی سے تدریسی فرائض انجام دیئے۔ بعدازیں ریاست بھوپال میں ساٹھ روپیہ ماہوار پر مدرس مقرر ہو گئے بھوپال ان دنوں ایک علمی مرکز تھا آپ نے افادہ اور استفادہ دونوں جاری رکھے اسی دوران آپ نے پہلا حج ۱۲۹۲ھ میں کیا اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران شیخ عبد الغنیؒ سے حدیث کی سند حاصل کی۔۔۔ واپسی پر ایک سال اپنے وطن میں رہے پھر مدرس کے طور پر اسلامی ریاست بہاولپور چلے گئے جہاں آپ نے مختلف علوم وفنون کے علاوہ تفسیر اور حدیث کی دس سال تک تدریس کی اور بڑے بڑے معرکے سر کیئے۔ مناظرے بھی ہوئے اور مخالفین پر غالب رہے اس طرح آپ نے قابل قدر دینی خدمات انجام دیں۔۔۔

۱۳۱۸ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس حدیث کا آغاز کیا اور چھ سال تک پڑھاتے رہے شیخ رشید احمد گنگوہی مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست تھے انہوں نے آپ کو دیوبند سے بلایا اور ۱۳۱۴ہجری میں مظاہر علوم کا صدر مدرس مقرر کیا ۱۲ سال تک یہ فریضہ بڑی محنت اور جانفشانی سے ادا کیا بعدازیں مدرسہ کے مدیر مقرر ہوئے آپ کے زمانہ میں مدرسہ نے خوب ترقی کی اور بڑی شہرت پائی۔" تعلیم وتدریس میں آپ کا منفرد اسلوب تھا۔ تدریسی اوقات کے بڑے پابند تھے ابتدائی تعلیم کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تعلیم کی اساس مضبوط ہونی چاہیئے۔ تجوید وقرأت دینی تعلیم کی اساس ہیں اسباق اور امتحانی امور میں سخت نگرانی کے باوجود طلبہ پر باپ کی طرح بڑے شفیق اور مہربان تھے۔ ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ان کی راحت کو اپنی راحت جانتے تھے۔ مولانا خلیل احمد کو مقامات مقدسہ کی زیارت کا بہت اشتیاق تھا انہوں نے سات حج کئے آخر میں مدینۃ النبی میں مستقل قیام اختیار کر لیا اور ۱۳۴۶ھ کو یہیں وصال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی متعدد تصنیفات میں جن میں زیادہ مشہور "بذل المجہود" شرح سنن ابی داؤد ہے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اعلیٰ اخلاق واوصاف کے حامل تھے۔ اتباع سنت، حب الٰہی، حق گوئی عزم واستقلال، پابندی وقت اور نظم وضبط آپکی

امتیازی صفات تھیں۔ معاصر علماء آپ کی جامع اور مثالی شخصیت کے معترف تھے، علامہ سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں۔

"شیخ خلیل احمد کا فقہ اور حدیث میں قوی ملکہ تھا، مناظرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ دینی علوم، معرفت اور یقین میں بہت مضبوط تھے، رقیق القلب، حساس، حق والے، صحیح بات کہنے والے، سنت کے انتہائی پابند، بدعت سے کوسوں دور، ہر چیز میں ترتیب اور نظام کو چاہنے والے، اوقات کے پابند، دینی حمیت اور غیرت والے اور سیاست سے کنارہ کش تھے" (۱۲)

علامہ رشید مصری جب ہندوستان آئے تو مظاہر علوم دیکھا۔ اور اس کے مدیر شیخ خلیل احمد سے بھی ملاقات کی اور ان کے بارے میں یوں لکھا

لم أنس ولا أنسى زيارة مدرسة "مظاهر علوم" في مدينة سهارنپور واكبر مدرسيها الشيخ خليل احمد الذي لم أر في علماء الهند الاعلام أشد منه انصافاً ولا ابعد عن التعصب للمشائخ والتقاليد وما ذلك الا لإخلاصه وقوة دينه ونور البصيرة (۱۳)

مولانا عبداللطیف :۔

مولانا عبداللطیف کا وطن ضلع مظفر نگر کا قدیم قصبہ "قاضی پورہ" تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن کے مکتب میں حاصل کی قرآن پاک جید استاد حافظ امانت علی سے حفظ کیا مکتبی تعلیم کے بعد مظاہر علوم سہارنپور بلائے گئے، جہاں ان کے والد نصیحت علی اور چچا ثابت علی مدرس تھے لہٰذا یہاں والد اور چچا کی زیر نگرانی تعلیم شروع ہو گئی۔ اپنی ذہانت، جودت فہم جذبہ اطاعت، تنظیمی قابلیت، راست روی اور پاکیزہ سیرت کی بدولت اساتذہ کے منظور نظر بن گئے اور اکابر مدرسہ کی خصوصی توجہات کے مرکز ٹھہرے حتیٰ کہ انہیں مولانا خلیل احمد سہارنپوری صدر مدرس کے خادم خاص کا درجہ حاصل ہو گیا اور انہوں نے انہیں اپنی فرزندی میں قبول کیا اور اپنی چھوٹی صاحبزادی ان سے بیاہ دی۔......

درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا عبداللطیف مظاہر علوم میں ہی ابتدائی مدرس ہوئے ۱۳۲۳ھ میں دس روپے ماہوار پر تقرری ہوئی، بعد ازیں اپنی علمی صلاحیت، ذاتی استعداد اور مرشد کی توجہ سے "صدر مدرس" کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے، آخر ۱۳۷۳ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (۱۴)

مولانا عبداللطیف نے اپنی عمر عزیز کے تقریباً ۴۵ سال کا زمانہ "مظاہر" میں گزارا جس میں دس برس حصول تعلیم، دس برس مدرس اور پندرہ برس صدر مدرس میں گزارے جب مولانا خلیل سہارنپوری آخری حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو بار نظامت آپ کو سونپ گئے۔ اور جب مولانا سہارنپوری نے حجاز میں مستقل قیام کی نیت کی تو عہدہ نظارت پر آپ کو مستقل کر دیا چنانچہ ۳۰ برس یعنی ۱۳۴۴ھ سے ۱۳۷۴ھ تک فرائض نظامت انجام دیئے آپ نے جس حسن و شان تدریس، قابلیت اور کامیابی سے امور مدرسہ کو چلایا وہ مظاہر کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے۔(۱۵)

حضرت حافظ صاحب کی جامع شخصیت درس و تدریس پر حاوی اور درس نظامی کی ہر کتاب کی حافظ تھی تمام فنون ــــــ منطق، فلسفہ، صرف و نحو، معانی، بیان، تفسیر اور حدیث پر آپ کو یکساں مہارت حاصل تھی، اور بلا تکلف وقت نظر اور مدرسانہ شان سے پڑھا سکتے تھے۔ اپنے تلامذہ کی ترقی سے انہیں انتہائی مسرت ہوتی تھی۔

حافظ عبداللطیف تعلیمی نظریات میں قدامت پسند تھے، درس نظامی کی افادیت کے دل سے قائل تھے،(۱۶) وہ اسلامی تہذیب و تمدن، روحانی اور دینی اقدار کے محافظ اور امین تھے وہ مدرسہ "مظاہر علوم" کی چار دیواری میں اسلامی اقدار کے ترجمان تھے(۱۷) وہ زندگی بھر کوشاں رہے کہ یہ اقدار طلباء کی عملی زندگی کا جزو بن جائیں، فراغت کے بعد طلباء بیرونی دنیا میں اسلامی اقدار کے بہترین نمائندہ ثابت ہوں۔ طلباء کی سیرت سازی میں وہ شفقت اور نرمی سے کام لیتے تھے، لیکن بوقت ضرورت باز پرس، محاسبہ اور گوشمالی بھی کرتے تھے، وہ نظم و ضبط کے سخت پابند تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی وہ عمدگی اور ترتیب کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ مدرسہ "مظاہر علوم" سے آپ کو عشق تھا، مدرسہ کی فلاح و ترقی ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔

چنانچہ ان کے چھٹی کے اوقات اور تعطیل کے ایام بھی مدرسہ میں گزرتے تھے۔ تاکہ ملاقاتی کو سہولت ہو اور مدرسہ کے کسی کام میں حرج نہ ہو۔ طبیعت میں سادگی اور بے تکلفی تھی، گھر کے کام کاج میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور یہی عادت مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے طلباء کو دھوبی سے دھلے ہوئے کپڑے پہنتے دیکھا تو اعلان فرمایا کہ آئندہ سب طلباء ندی پر جا کر کپڑے خود دھویا کریں اور اساتذہ

بھی ایسا کریں گے۔ چنانچہ اس ہدایت پر مکمل عمل ہوا (۱۸)

آپ بڑے قناعت پسند تھے۔ معمولی تنخواہ پر قناعت کرتے ہوئے۔ مدرسہ کی جلیل القدر خدمات انجام دیں۔ لیکن زہد و قناعت کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے تھے کہ،

"میں نے اپنی ساری ملازمت میں کبھی اپنی ترقی کی درخواست نہ تحریراً پیش کی نہ زبانی کسی سے کہی۔ (۱۹)

مولانا عبدالوحید سنبھلی :۔

مولانا عبدالوحید ۵ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ میں بمقام سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اردو سکول میں ہوئی پھر دنیاوی مشاغل میں لگ گئے اور جوانی میں شادی بھی ہوئی لیکن دینی علوم کا شوق تھا۔ لہٰذا قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد کے مدرسہ عربیہ میں داخلہ لیا۔ اور عربی صرف و نحو کے امام وقت مولانا احمد الدین خاں سرحدی سے عربی صرف و نحو کی تعلیم مکمل کی۔ عربی صرف و نحو سے فارغ ہو کر علوم عقلیہ کی تعلیم کے لیے آپ مدرسہ نعمانیہ، شاہی مسجد لاہور میں مولانا غلام محمد کے پاس آ گئے اور علوم عقلیہ میں تبحر حاصل کیا خصوصاً علم ہیئت میں بلند مرتبہ پایا (۲۰)

بعد ازیں علم حدیث کے حصول کے لیے دیو بند میں آ گئے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن سے صحاح ستہ پڑھیں دوران تعلیم اہل خانہ سے منقطع رہے چنانچہ دیو بند سے فراغت کے بعد اپنے والد امیر اللہ کو خط لکھا جو میلاد خوانی میں شہرہ آفاق تھے۔ کہ اب اللہ کے فضل سے تحصیل علم دین کر چکا ہوں اور وطن حاضری کی اجازت چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ میلاد خوانی چھوڑ دیں۔ چنانچہ موصوف نے یہ شرط مان لی اور آپ واپس وطن آ گئے۔ (۲۱)

فراغت کے بعد تدریس کا شغل اختیار کیا۔ مختلف مدارس مثلاً مدرسہ علوم اسلامیہ سرائے ترین، مدرسہ نعمانیہ امرتسر مدرسہ یوسفیہ علی گڑھ میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے جہاں جملہ علوم و فنون اور فقہ و حدیث پڑھاتے رہے بڑے بڑے فاضل تعلیم یافتہ علماء آپ کے شاگرد ہیں جن میں سے مفتی محمد نعیم لدھیانوی اور مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی قابل ذکر ہیں۔ آخر میں آپ مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس متعین ہوئے۔ جہاں آپ نے برسوں حضرت سہارنپوری کی موجودگی میں نائب صدر کی حیثیت سے درس دیا اور آپ کے متعدد شاگرد، آپ سے مستفید ہو کر، علم و فضل میں شہرت حاصل کی مثلاً

مولانا محمد زکریا؂ محمد اسعد اللہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی؂ اور مولانا بدر عالم وغیرہم۔

آپ کو علوم نقلیہ کے علاوہ علوم عقلیہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ خاص کر علم ہیئت میں آپ آلات کے محتاج نہ تھے کرہ کی جگہ ہاتھ کو مسطح بنا کر پوری وضاحت فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح مشکل کتابیں بھی مثلاً اقلیدس وغیرہ سہولت سے پڑھایا کرتے تھے۔ (۲۲)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے سلوک میں نسبت خاص تھی حکیم الامت کے خصوصی افادات کا ذکر دوران تدریس بھی کرتے رہتے تھے۔ حکیم الامت کو بھی مولانا سے بہت محبت تھی ایک دفعہ مراسلت میں کچھ وقفہ ہو گیا تو حضرت تھانوی نے لکھا: "عبد الوحید تو تھے ہی، تم وحید بھی ہو گئے۔" (۲۳)

آخری عمر میں دار العلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں صدر مدرس کی خدمات انجام دے رہے تھے کہ بیمار پڑے اور اپنے وطن سنبھل میں ۳۳ برس کی عمر میں رمضان ۱۳۵۵ھ کو انتقال فرمایا۔

مولانا محمد زکریا مسندِ درس پر

۱۔ مولانا محمد زکریا رحؒ ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے اور اسی سال ان کے والد مولانا یحییٰ کا انتقال ہوا۔ جس سے مدرسہ مظاہر علوم ایک بے لوث خادم، بلند پایہ محدث اور لائق ترین استاد کی خدمات سے محروم ہو گیا۔ چنانچہ اس خلا کو پر کرنے کے لیے اہلِ مدرسہ کی نظر ان کے لائق فرزند مولانا محمد زکریا کی طرف اٹھی جن کی انہوں نے معیاری تعلیم اور مثالی تربیت فرمائی تھی چنانچہ ان کا تقرر نامہ ان الفاظ سے جاری ہوا۔

"مولوی (محمد یحییٰ) صاحب رحؒ کے حقوق مدرسہ پر بہت ہیں بنظر بر آں مناسب ہے کہ مولوی ذکریا کو ۱۰ روپے مشاہرہ (۲۴) پر مدرسین میں لیا جائے اور دو تین اسباق سے زیادہ ان کو نہ دیئے جائیں باقی وقت کچھ اپنے اوقاتِ درس میں اور کچھ تجارت میں خرچ کریں۔" دستخط سرپرستان مدرسہ (۲۵)

چنانچہ مولانا ذکریا رحؒ کا تقرر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سے ۲۰ سال کی عمر میں مظاہر علوم میں بحیثیت ابتدائی مدرس ہوا اور اصول الشاشی، علم الصیغہ جیسی ابتدائی کتب تجویز ہوئیں یہ دونوں کتب اساتذہ کبار کی جانب سے منتقل ہو کر آئی تھیں۔ یعنی اصول الشاشی مولانا محمد الیاس سے اور علم الصیغہ مولانا ظفر احمد تھانوی سے۔ ان کے علاوہ غالباً ایک سبق اور تجویز ہوا۔ (۲۶)

۲۔ مولانا ذکریا رحؒ خود لکھتے ہیں کہ جب ان کی مدرسی اور ان کی طرف اسباق منتقل ہونے کا اعلان ہوا تو مولانا ادریس کاندھلوی (م ۲۹ جولائی ۱۹۷۴ء) نے اخلاص سے اس طرح نصیحت کی۔

"میاں صاحب! ایک بات غور سے سن لو، تم نے جس طرح خود پڑھا ہے مدرسوں میں یہ طرز نہیں چلے گا بلکہ مدارس کے طرز تعلیم اور طلباء کے مزاج کے موافق یہ بات ہے کہ جو تمہارے منہ آوے کہتے چلے جانا یہ نہ سوچنا کہ یہ طالب علم کی استعداد کے موافق ہے یا اس سے اونچی بات، یہ بھی نہ پوچھنا کل کا سبق کس نے یاد کیا اور آگے مطالعہ کس نے دیکھا۔ اس طرح طالب علم کی نگاہ میں تم محبوب بن جاؤ گے، ورنہ اگر تم نے طلبہ سے مطالعہ پر وہ گرفت کی جو تم سے کی گئی تو تمہارے خلاف طلباء میں شور مچ جائے گا وہ تمہیں نالائق ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور پڑھا نہ سکنے اور سمجھا نہ سکنے کا الزام لگائیں گے پھر تم نالائق قرار دے کر مدرسہ سے الگ کر دیئے جاؤ گے" (۲۷)

چنانچہ مذکورہ نصیحت پر عمل کرتے ہوئے پورا ایک ہفتہ اصول الشاشی کے ایک ہی ورق پر تقریر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہفتہ بعد میرے پاس اصول الشاشی کی نہایت مؤکد تحریری اور زبانی درخواست پہنچی کہ اصول الشاشی تجھ سے اوّل سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ۰ (۲۸)

۲۳۔ شیخ کو مدرسہ کی روایات اور نو عمری کے لحاظ سے اصول الشاشی قبل از وقت مل گئی تھی لیکن انہوں نے اپنی محنت، مطالعہ اور تیاری سے اپنی اہلیت اور استحقاق کا پورا پورا ثبوت دیا نتیجۃً طلباء مطمئن اور گرویدہ ہو گئے۔(۲۹)

۲۴۔ اس پہلے سال میں مولانا زکریا کے یہاں مندرجہ ذیل کتب ہوئی علم الصیغہ، کافیہ، عامل، نحو میر، نفحۃ الیمن، منیۃ المصلی، اصول الشاشی تا الاوّل، دوسرے سال شوال ۲۵ تا ۲۶ھ پہلے سال سے درسی اور فنی لحاظ سے اونچی کتب پڑھانے کو ملیں جس کی تفصیل یہ ہے، مرقات، قدوری، شرح تہذیب، کافیہ نور الایضاح، اصول الشاشی، شرح جامی، بحث فعل، بحث اسم عجب العجاب اور نفحۃ الیمن ہوئیں۔

تیسرے سال از شوال ۳۶ھ تا شعبان ۳۷ھ ___ مقامات سبعہ معلقہ، قطبی، میر، کنز، قدوری اور اصول الشاشی ہوئیں، سبعہ معلقہ بڑے تردّد اور تذبذب کے بعد دیا گیا تھا جس کی تفصیل اس طرح ہے مولانا خلیل احمد سہارنپوری صدر مدرس کے زمانے میں اسباق کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ تعلیمی سال کے آغاز میں مہتمم مدرسہ اسباق کا نقشہ اور مدرسین کا نقشہ لیکر بیٹھ جاتے، کتاب کا نام پکارا جاتا اور اکابر مدرسین میں سے کوئی شخص کسی مدرس کا نام تجویز کرتا اور اگر کسی کی طرف سے کوئی

اعتراض نہ ہوتا تو حضرت کی منظوری پر اس کے نام لکھ دی جاتی لیکن اعتراض کی شکل میں حضرت کا فیصلہ ناطق ہوتا کوئی مدرس ازخود اپنے لیئے کوئی کتاب نہیں مانگ سکتا تھا۔ مولانا زکریا لکھتے ہیں۔

"مجھے ادب سے کچھ شوق بھی تھا اور پڑھا بھی کچھ محنت سے تھا لہٰذا اہتمم صاحب سے عرض کیا کہ اگر نامناسب نہ ہو تو مقامات تقسیم اسباق کے وقت میرے لیئے تجویز فرمادیں انہوں نے بڑی شفقت سے جواب دیا کہ ابھی ایک سال تیری مدرسی کا ہوا ہے انشاء اللہ مقامات بھی پڑھائے گا اور حدیث بھی پڑھا دے گا۔ جلدی نہ کر ابھی ہرگز مناسب نہیں،، (۳۶)

مہتمم کے انکار پر زکریا رحمہ مایوس ہو گئے لیکن جب اسباق کی تقسیم شروع ہوئی اور ادب کی کتب کا نمبر آیا تو ادب کے تینوں اکابر اساتذہ کو ان کی مرضی کے مطابق کتب مل گئیں سبعہ معلقہ ابھی باقی تھی اور کسی اور مدرس کا گھنٹہ فارغ نہ تھا مولانا زکریا رحہ کا نام تجویز کیا گیا جس کی بھرپور تائید مولانا ظفر احمد اور مولانا محمد الیاس نے کی اور حضرت سہارنپوری نے منظوری دے دی اس کے بعد مقامات کا نام لیا گیا تو ذکریا رحہ نے ازخود اس کا مطالبہ کیا جو منظور ہوا اور مقامات بھی ان کے نام لکھ دی گئی۔

مقامات پر تو کوئی شور نہ ہوا لیکن سبعہ معلقہ کی جماعت دورے کے بعد کی جماعت تھی اور یہ وہ لوگ تھے جو گزشتہ سال دورے میں ذکریا کے ہم سبق رہ چکے تھے اس لیئے معلقہ کی کلاس نے ابتداً بہت شور کیا لیکن مولانا ذکریا نے محنت، لگن، تیاری اور تندہی سے پڑھایا سبعہ معلقہ کے تمام اشعار عشقیہ مضامین کے تھے زمانہ جوانی کا تھا انہیں تمام اشعار حفظ تھے لہٰذا زبانی حافظہ سے اشعار پڑھتا اور حفظ ہی سے ترجمہ اور تشریح کرتا جس سے تمام کلاس نہ صرف مطمئن ہو گئی بلکہ تعداد میں بھی اضافہ ہوا حتیٰ کہ مدرسہ کے ناظم عنایت الٰہی، (م۔ ۱۳۴۷ھ) شیخ کی اہلیت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا، "مولوی ذکریا! تم نے تو میری آنکھیں نیچی کر دیں بھائی معاف کر دیجیو،، (۳۷)

اگلے سال شوال ۴۷ھ میں مولانا ذکریا رحہ کو ہدایہ اولین اور حماسہ بھی پڑھانے کو مل گئیں۔ ہدایہ اولین کے ملنے پر مخالفین کو غصہ نکالنے کا پھر موقعہ ملا اور تقسیم اسباق کا نقشہ چسپاں ہوتے ہی ایک زبردست محاذ ذکریا کے خلاف بن گیا لیکن مولانا رحہ نے اسقدر محنت تیاری اور ذہانت سے پڑھایا کہ ساری شورش خودبخود ختم ہو گئی۔ مولانا رقم طراز ہیں۔

"میں نے دو تین دن تک تو مسلسل فقہ کی لغوی، اصطلاحی تعریفیں، ان کا درجہ، مصنف کے احوال اور جو

سمجھ میں آیا سب کچھ کہا اور تین دن کے بعد بسم اللہ سے لے کر کتاب الطہارۃ تک ایک صفحہ پانچ دن میں پڑھایا اس سے وہ شریر طلبا بھی ڈھیلے پڑ گئے جو میرے خلاف درخواست دینے کا ارادہ کر رہے تھے (۳۲)

حسد اور مخالفت انسانی کمزوری ہے۔ جو شخص ترقی کی طرف گامزن ہو اس کا محسود اقران بن جانا فطری بات ہے لیکن مولانا ذکریا کی یہ محسودیت بہت جلد محبوبیت میں بدل گئی وہ فرماتے ہیں۔

"اللہ کے فضل سے ان دو کے علاوہ کوئی واقعہ ان ۴۸ سالہ زمانۂ مدرسی میں طلباء کی طرف سے اعتراض یا ناگواری کا پیش نہیں آیا بلکہ طلب اور اس سیاہ کار کی طرف اسباق کے منتقل ہونے کی مساعی کے پیش آتے رہے۔" (۳۳)۔

۵۔ ۳۵ سے ۱۳۴ ہجری تک مولانا ذکریا کے ہاں فن حدیث کے سوا دیگر فنون ادب و فقہ وغیرہ کی کتب زیر تدریس رہیں، رجب ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء میں تدریس حدیث کا آغاز ہوا اور انہیں بخاری شریف کے تین پارے تدریس کے لئے دیئے گئے پھر تین سال ۔۔۔ شوال ۱۳۴۱ھ سے شعبان ۱۳۴۴ھ تک مسلسل آپ کے پاس مشکوٰۃ شریف زیر تدریس رہی۔ بعد ازیں آپ کو مختلف اوقات میں صحاح ستہ کی کتب کی تدریس کا موقعہ ملتا رہا اور یہ سلسلہ تدریس حدیث پاک ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء تک جاری رہا (۳۴) انہی ایام میں قیام مدینہ کے دوران مدرسہ علوم شرعیہ کے طلبہ کو ابو داؤد شریف عربی میں پڑھائی۔ نیز دیگر کتب حدیث پڑھائیں جتی کہ عوام و خواص حدیث میں آپ کے شغف، اہلیت اور مناسبت کے قائل ہو گئے آخر آپ کے مرشد و استاد حضرت سہارنپوری نے آپ کی علوم حدیث میں غیر معمولی استعداد، لگن اور اعلیٰ علمی صلاحیت کے اعتراف میں آپ کو "شیخ الحدیث" کے خطاب سے نواز اور فرمایا۔

"ماشاء اللہ مولوی ذکریا اس خطاب کے اہل ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ حدیث میں ان کا کتنا تبحر ہے۔" (۳۵)

آخر یہی خطاب آپ کی شخصیت کی شناخت اور نام کا لازمی جزو بن گیا۔ ۱۳۸۹ھ میں آنکھوں میں نزول ما شروع ہونے سے یہ سلسلہ تدریس بند کر دیا گیا لیکن مسلسلات کی اجازت دینے کا سلسلہ سہارنپور کے قیام کے آخر تک رہا۔ چنانچہ خود ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"علی میاں! بہت ہی امراض کا شکار ہوں لیکن تمام تکالیف کے اندر آرام و راحت ہے۔ البتہ آنکھوں کی تکلیف

سے تکلیف ہے اس وجہ سے کہ علمی کاموں سے معذور ہو گئی باوجود شدید اصرار کے مدرسہ والوں نے بخاری نہیں بدلی ابھی تک حافظ بن کر پڑھا رہا ہوں"(۳۶).

اس طرح حضرت شیخ رحہ کی تدریسی زندگی چون ۵۴ برس پر محیط ہے اور اسے تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ۳۵ھ سے ۴۱ھ تک ابتدائی اور متوسط کتب زیر تدریس رہیں۔

۲۔ ۴۱ھ تا ۵۷ھ تک دیگر علوم و فنون کے ساتھ کتب حدیث بھی ہوتی رہیں۔ اور

۳۔ ۴۶ تا ۸۸ھ تک صرف کتب حدیث کا درس دیا چنانچہ حضرت شیخ کے نواسے مولانا سید محمد شاہد رقم طراز ہیں۔ اس چون[۳۸] سالہ مدت میں حضرت والد نور اللہ مرقدہ نے (۲۵) کتابوں کا درس دیا جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف اور ابوداؤد شریف جیسی بلند پایہ کتابیں شامل ہیں ان میں بعض کتابیں بلکہ سبھی مکرر سہ کرر پڑھائیں۔۔ ......چنانچہ نور الانوار تین مرتبہ، مشکوٰۃ شریف تین مرتبہ ابوداؤد شریف تقریباً ۳۰ دفعہ بخاری شریف صرف جلد اول ۲۵ مرتبہ اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھانے کی سعادت ملی۔(۳۷)

طلباء و مستفیدین:۔

مولانا محمد زکریاؒ نے تدریس کا سلسلہ ۱۳۳۵ھ سے شروع کیا تھا درس و افادہ کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک چل کر ۱۳۸۸ھ پر منتہی ہوا اور ایک کثیر مخلوق نے استفادہ کیا۔ ۱۳۴۱ھ سے درس حدیث کا سلسلہ شروع ہوا اس مدت میں آپ کے سامنے باضابطہ درس حاصل کرنیوالوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	سن ہجری	تعداد	نمبر شمار	سن ہجری	تعداد	نمبر شمار	سن ہجری	تعداد
۱	۱۳۴۱ھ	۱۷	۳	۴۳ھ	۳۰	۵	۴۶ھ	۳۱
۲	۴۲	۲۳	۴	۴۵ھ	۲۵	۶	۴۷ھ	۴۴
۷	۴۸ھ	۸۴	۲۱	۶۲ھ	۴۵	۳۵	۷۶ھ	۴۹
۸	۴۹ھ	۲۸	۲۲	۶۳ھ	۵۶	۳۶	۷۷ھ	۵۳
۹	۵۰ھ	۲۳	۲۳	۶۴ھ	۴۴	۳۷	۷۸ھ	۴۹
۱۰	۵۱ھ	۲۶	۲۴	۶۵ھ	۶۲	۳۸	۷۹ھ	۵۹
۱۱	۵۲ھ	۳۱	۲۵	۶۶ھ	۴۲	۳۹	۸۰ھ	۶۰
۱۲	۵۳ھ	۲۱	۲۶	۶۷ھ	۳۹	۴۰	۸۱ھ	۷۴
۱۳	۵۴ھ	۲۴	۲۷	۶۸ھ	۳۰	۴۱	۸۲ھ	۵۳
۱۴	۵۵ھ	۳۹	۲۸	۶۹ھ	۳۸	۴۲	۸۳ھ	۷۱
۱۵	۵۶ھ	۵۱	۲۹	۷۰ھ	۳۶	۴۳	۶۴ھ	۳۹
۱۶	۵۷ھ	۲۰	۳۰	۷۱ھ	۵۹	۴۴	۸۵ھ	۸۰
۱۷	۵۸ھ	۲۲	۳۱	۷۲ھ	۲۳	۴۵	۸۶ھ	۶۷
۱۸	۵۹ھ	۴۰	۳۲	۷۳ھ	۴۷	۴۶	۸۷ھ	۸۶
۱۹	۶۰ھ	۴۰	۳۳	۷۴ھ	۵۹			
۲۰	۶۱ھ	۴۴	۳۴	۷۵ھ	۵۱	کل میزان		۲۰۰۰

(دو ہزار)

مذکورہ ٹیبل کے مطابق فارغ التحصیل طلباء کی تعداد ۲۰۰۰ بنتی ہے۔ لیکن بقول صوفی محمد اقبال یہ تعداد ۱۸۲۱ ہے۔
جس کی تفصیل مولانا محمد شاہد نے اس طرح بیان کی ہے کہ مولانا محمد زکریا نے مظاہر علوم میں ۴۳ سال دورہ حدیث پڑھایا
اس عرصہ میں ۱۸۲۱ طلباء نے آپ سے پڑھا ان میں گیارہ سو دس ہندوستان کے مختلف علاقوں کے ہیں اور باقی ۷۱۱ خارجین
سعودی عرب، نیپال، افریقہ، انگلستان، پاکستان، برما، بنگلہ دیش اور افغانستان کے ہیں۔ (۳۸)
۔ علاوہ بریں وہ حضرات بھی سینکڑوں کی تعداد میں ہیں جن کو آپ نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی جس کا
سلسلہ ہندوستان سے نکل کر عرب و عجم تک پھیلا ہوا ہے۔ مولانا زکریاؒ کے کتنے ہی لائق شاگرد ایسے ہیں، جنہوں نے اپنی
تعلیم سے فراغت۔ پاکر مسند درس و تدریس سنبھال اور وقیع دینی خدمات بالخصوص علم حدیث میں انجام دیں ان
میں سے چند کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔ (۳۹)

۱۔ مولانا محمد یوسف سابق امیر تبلیغی جماعت

۲۔ حضرت مولانا انعام الحسن موجودہ امیر تبلیغی جماعت

۳۔ مولانا اظہار الحسن۔ استاذ حدیث مدرسہ کاشف العلوم دہلی۔

۴۔ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، انڈیا۔

۵۔ مولانا منور حسین۔ شیخ الحدیث دارالعلوم لطیفی کیٹھار۔ (انڈیا)

۶۔ مولانا عبدالجبار شیخ الحدیث جامعہ قاسمی شاہی مراد آباد

۷۔ مولانا اکبر علی سہارنپوری سابق استاذ الحدیث دارالعلوم کراچی

۸۔ مولانا عبیداللہ بلیاوی استاذ الحدیث مدرسہ کاشف العلوم دہلی

۹۔ مفتی مظفر حسین استاذ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۰۔ مولانا محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ جنہیں شیخؒ نے اپنے سہارنپور کے قیام ہی کے دوران
تدریس حدیث کی مسند پر بٹھا دیا تھا اور انہوں نے ۲۵ شوال ۱۳۸۸ھ سے بخاری کا درس شروع کیا۔ افتتاح حضرت شیخ نے کرایا۔

۱۱۔ مولانا عاشق الٰہی استاذ الحدیث دارالعلوم کراچی

۱۲۔ مولانا محمد سلمان استاذ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور۔

۱۳۔ مولانا تقی الدین ندوی مظاہری جو پہلے ابوظبی کے ریاستہ القضاء میں مستشار علمی تھے اور اب جامعۃ العین میں حدیث کے استاذ اعلیٰ ہیں حال میں انہوں نے امام بیہقی کی کتاب الزہد پر تحقیق کی ہے اور اسے ایڈٹ کرکے قاہرہ سے شائع کیا ہے جس پر ان کو جامع ازہر سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

۱۴۔ مولانا بشیر اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم تانبوے رنگون۔

یہ جملہ حضرات دور حاضر کے ممتاز اساتذہ معروف علماء اور ماہرین ہیں اور سب علوم حدیث کی درسی و تدریس میں آپ ہی کے رہون احسان ہیں۔

تدریسی خصوصیات:۔

انسانی تخلیق کی غرض عبادت الٰہی ہے جو تمام اخلاق فاضلہ کی اساس ہے اور رسالت محمدیہ کی امتیازی خصوصیت تکمیل اخلاق حسنہ تھا جیسا کہ فرمان رسول ہے انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (۴۲)

تعلیم تشکیل اخلاق کا بہترین ذریعہ ہے جس سے دل و دماغ میں انقلاب لایا جاتا ہے۔ اور طلباء کی سیرت و کردار کی تشکیل ہوتی ہے جیسا کہ امام غزالی نے لکھا ہے۔

"تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھاوے بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاق کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہیئے۔" (۴۳)

اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر ہندوپاک میں اسلامی سلطنت کے سیاسی زوال کے بعد اسلامی تہذیب و تمدن کے اختتام کا خطرہ تھا اس خطرہ کے پیش نظر علماء نے دینی مدارس قائم کئے چنانچہ ۱۵ محرم ۱۲۸۲ھ/ ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا جبکہ اس کے چھ ماہ بعد یکم رجب ۱۲۸۳ھ / ۹ نومبر ۱۸۶۷ء کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور قائم کیا گیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) نے دارالعلوم دیوبند کے قیام کا علاً مقصد یہ ٹھہرایا کہ

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ

کے لحاظ سے اسلامی ہوں جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جذبات بیدار ہوں اور دین و سیاست کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہو"(۴۲)

مدرسہ مظاہر علوم کا آغاز کار ہی سے یہ امتیاز رہا ہے کہ اساتذہ طلباء کے تزکیہ نفس اور اصلاح باطنی کی فکر بھی کرتے تھے۔ اور انہیں ہر وقت یہ خیال دامنگیر رہتا تھا کہ طلبہ کا معیار علم ہی بلند نہ ہو، ان کا معیار اخلاق بھی بلند ہو۔ اور وہ اچھے انسان اور اچھے مسلمان بن کر نکلیں چنانچہ مدرسہ مظاہر علوم میں اساتذہ کی کارگزاری اور کامیابی کا معیار "حسن تعلیم و درستی اخلاق رکھا گیا" (۴۳)

اخلاقی تربیت اور تشکیل سیرت:۔

مولانا محمد زکریا رحمہ مظاہر علوم کے تربیت یافتہ اور اس کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں ابتداء سے لے کر انتہا تک یہیں پڑھا پھر ساری عمر مظاہر کی ترقی اور بہبود کے لیے وقف کر دی۔ وہ خود اسلامی اخلاق اور دینی اقدار کے نمونہ تھے اور با مقصد تعلیم کے حامی تھے۔ لہٰذا ان کی مسلسل اور ہمیشہ کوشش رہتی تھی کہ طلباء میں اسلامی اخلاق پیدا کریں اور وہ تشبہ بالکفار سے اجتناب کریں اور مظاہر علوم سے فارغ التحصیل طلباء اپنی چال ڈھال، رفتار گفتار لباس اور وضع قطع میں دین اسلام کے صحیح نمائندے ہوں اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن، مفید اور مناسب تدابیر اختیار کرتے تھے اپنے اسباق کے دوران حکمت اور موعظہ حسنہ سے اکابر کا اسوۂ حسنہ اپنانے کی تاکید کرتے تھے مولانا خود لکھتے ہیں۔

"یہ ناکارہ اکثر اپنے اسباق میں ان مہمانانِ رسول کو ان کا مقام، ان کی شان، ان کی دینی حیثیت اور ذمہ داری مختلف عنوان سے یاد دلاتا رہتا تھا۔"(۴۴)

اخلاقی تربیت اور تشکیل سیرت ہی کے سلسلے میں مولانا محمد زکریا رحمہ کی مساعی جمیلہ سے مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لینے کے لیے بعض شرائط اور قوانین کا اضافہ کیا گیا مثلاً

★ بیڑی سگریٹ وغیرہ نہ پی سکو گے۔ ★ اساتذہ و ملازمین مدرسہ کا اور علم و علماء کا احترام تم پر ضروری ہوگا۔

★ ظاہراً و باطناً ہمیشہ کے لیے اور مدت قیام مدرسہ میں خصوصاً اپنی وضع ہیئت کو بالخصوص داڑھی اور لباس کو موافق شرع شریعت رکھنا ہوگا۔

"پنج وقت بلاناغہ انتہائی پابندی سے نماز باجماعت ادا کرنا ہوگی الا بعذر شرعی (۴۵)"

الغرض مولانا محمد زکریا کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ دینی مدارس کے طلباء جنہیں نیابت نبوی ؐ کے اہم فرائض انجام دینے ہیں ان کے لئے علم و علماء کا احترام جنگ و جدل سے احتراز، ظاہر و باطن کی یکسانیت اور ان کی شریعت مطہرہ کے ساتھ مطابقت از بس ضروری ہے۔

اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ وہ فارغ التحصیل طلبہ میں سلوک کے سلسلہ کے بھی حامی تھے، چنانچہ ان کی رائے تھی کہ مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی اور لغویات میں اشتغال کی ایک وجہ ذکراللہ میں کمی ہے لہٰذا فارغین میں سے کچھ مقدار ذاکرین کی تیاری کرنی چاہیئے، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں مولانا محمد یوسف بنوری (   ) کو مشورہ دیا کہ "روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ مدارس میں تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدابیر ذکراللہ کی کثرت ہے" (۴۶)

بلا معاوضہ تدریس:۔

اسلامی نظام تعلیم کی اساس اخلاق عالیہ پر ہے، اسلام زہد و قناعت اور ایثار و قربانی کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ قدیم درس نظامی میں اساتذہ نے تدریس کو کاروبار یا مال منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ تدریس کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ اور تنخواہ بقدر کفاف لیتے تھے اور یہی خصوصیت ہم مدرسہ مظاہر علوم کے اساتذہ میں دیکھتے ہیں جنہوں نے ہمیشہ معمولی تنخواہوں پر کام کیا اور اصل معاوضہ اور حقیقی اجر اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا انہوں نے ہمیشہ اپنی تنخواہوں کو اپنی حیثیت سے زیادہ سمجھا اور جب بھی ارباب مدرسہ نے تنخواہوں میں اضافہ کرنا چاہا تو ان بے لوث خادمان مدرسہ نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ موجودہ تنخواہ کے بقدر ہی مدرسہ کی ذمہ داریاں پوری ہو جائیں تو غنیمت ہے چنانچہ ارباب مدرسہ نے بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"یہ مدرسہ شکر گزاری کرتا ہے یہاں کے مدرسوں کی کہ یہاں سے مشاہرہ قلیل پر قناعت فرما کر باہر کے زرکثیر پر طمع نہیں فرماتے یہ اللہ سبحانہ کا احسان ہے اس مدرسہ پر کہ جو لوگ یہاں کام کرتے ہیں ان کے دل لگ گئے ہوئے ہیں دوسری طرف نظر نہیں لگاتے گویا مضمون ربنا قنعنا بما رزقتنا و بارك لنا فيه بزبان حال ادا کر رہے ہیں۔ (۴۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دہ میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا مدرسہ میں ان کا تقرر ۱۳۲۵ھ میں ۲۰ روپے مشاہرہ پر ہوا ۱۳۹۸ھ تک آپ مدرسہ کی تدریسی خدمات باحسن طریق انجام دیتے رہے اس عرصہ میں آپ مشیر ناظم استاذ حدیث شیخ الحدیث اور سرپرست مدرسہ سب کچھ بنائے گئے لیکن تنخواہ کو کبھی در خور اعتنا نہیں سمجھا حضرت مولانا قریباً ۷۰ سال مظاہر علوم میں تدریسی خدمت انجام دی اس طویل عرصے میں صرف شروع کے چند سالوں میں اپنے مرشد مولانا خلیل احمد کی تکمیل حکم میں انہوں نے تنخواہ لی جس کی مجموعی رقم دو ہزار سات سو سترہ ۲۷۱۷ ہوتی ہے اس تنخواہ کے بارے میں انہوں نے ایک تحریر ناظم مدرسہ کو لکھی جس میں رقم کی ادائیگی کا یہ انتظام فرمایا کہ اگر وہ میری حیات میں ادا نہ ہو سکی تو کتب خانہ یحیوی سے ہر ماہ وصول کی جائے۔ مولانا کی یہ تحریر روئیداد ۱۳۹۱ھ میں موجود ہے جس کی ضروری اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت ناظم صاحب!! یہ ناکارہ محرم ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ میں ۲۰ روپے ماہانہ پر مدرس مقرر ہوا تھا......

....

ان تمام ایام کی تنخواہ جو اس ناکارہ نے مدرسہ سے وصول کی تھی /۲۷۱۷ روپے تھی اس ناکارہ کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ یہ تنخواہ جو ملتی رہی وہ میری حیثیت اور استعداد سے زیادہ تھی گو اس ناکارہ نے مدرسہ کے اوقات کا ہمیشہ بہت اہتمام کیا اور شدید بخار وغیرہ دوسرے امراض میں بھی رخصت بیماری بہت کم لی، لیکن اکابر کے جو واقعات مدرسہ کی تنخواہ اور تحفظ اوقات کے سنتا اور دیکھتا رہا وہ بہت شدید ہیں..........

.... اس قسم کے متعدد واقعات کی بنا پر مجھ ہمیشہ اپنی تنخواہ کے واپس کرنے کا داعیہ رہا، مگر بعض دوسرے خیالات اس کی تکمیل میں مانع رہے۔

مندرجہ بالا تعداد میں سے تقریباً ایک ہزار روپے کی رقم میں تو مجھے خصوصی اشکال تھا اس لیئے اس کی پیش کش تو بندہ ۱۳۸۵ھ میں کر چکا تھا۔ بقیہ /۱۷۱۷ روپے کی پیش کش اس وقت کرتا ہوں، اس طرح پر کہ پانچ سو سترہ روپے تو نقد پیش اس بقیہ ۱۲۰۰ روپے میں سے اس ناکارہ کی حیات تک مبلغ ۲۰ روپے ماہانہ بندہ سے وصول فرماتے ہیں، اور تکمیل رقم سے قبل اگر اس ناکارہ کا انتقال ہو جائے تو جتنا اس وقت باقی ہے اس کی وصیت کرتا ہوں کہ بندہ کے کتب

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ مدرسہ میں ان کا تقرر ۱۳۲۵ھ میں ۱۰ روپے مشاہرہ پر ہوا ۱۳۸۸ھ تک آپ مدرسہ کی تدریسی خدمات باحسن طریق انجام دیتے رہے اس عرصہ میں آپ مشیر ناظم، استاذ حدیث، شیخ الحدیث اور سرپرست مدرسہ سب کچھ بنائے گئے لیکن تنخواہ کو کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ حضرت مولانا قریباً ۶۰ سال مظاہر علوم میں تدریسی خدمت انجام دی اس طویل عرصے میں صرف شروع کے چند سالوں میں اپنے مرشد مولانا خلیل احمد کی تکمیل حکم میں انہوں نے تنخواہ لی جس کی مجموعی رقم دو ہزار سات سو سترہ ہوتی ہے ۲۷۱۷ اس تنخواہ کے بارے میں انہوں نے ایک تحریر ناظم مدرسہ کو لکھی جس میں رقم کی ادائیگی کا یہ انتظام فرمایا کہ اگر وہ میری حیات میں ادا نہ ہو سکی تو کتب خانہ یحیوی سے ہرماہ وصول کی جائے۔ مولانا کی یہ تحریر روئیداد ۱۳۸۹ھ میں موجود ہے جس کی ضروری اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

"حضرت ناظم صاحب!! یہ ناکارہ محرم ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ میں ۲۰ روپے ماہانہ پر مدرس مقرر ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

....

ان تمام ایام کی تنخواہ جو اس ناکارہ نے مدرسہ سے وصول کی تھی /۲۷۱۷ روپے تھی اس ناکارہ کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ یہ تنخواہ جو ملتی رہی وہ میری حیثیت اور استعداد سے زیادہ تھی گو اس ناکارہ نے مدرسہ کے اوقات کا ہمیشہ بہت اہتمام کیا اور شدید بخار وغیرہ دوسرے امراض میں بھی رخصت بیماری بہت کم لی۔ لیکن اکابر کے جو واقعات مدرسہ کی تنخواہ اور تحفظ اوقات کے سنتا اور دیکھتا رہا وہ بہت شدید ہیں۔..................

.... اس قسم کے متعدد واقعات کی بنا پر مجھے ہمیشہ اپنی تنخواہ کے واپس کرنے کا داعیہ رہا۔ مگر بعض دوسرے خیالات اس کی تکمیل میں مانع رہے۔

مندرجہ بالا تعداد میں سے تقریباً ایک ہزار روپے کی رقم میں تو مجھے خصوصی اشکال تھا اس لئے اس کی پیش کش تو بندہ ۱۳۴۵ھ میں کر چکا تھا۔ بقیہ /۱۷۱۷ روپے کی پیش کش اس وقت کرتا ہوں، اس طرح پر کہ پانچ سو سترہ روپے تو نقد پیش اس بقیہ ۱۲۰۰ روپے میں سے اس ناکارہ کی حیات تک مبلغ ۲۰ روپے ماہانہ بندہ سے وصول فرماتے ہیں، اور تکمیل رقم سے قبل اگر اس ناکارہ کا انتقال ہو جائے تو جتنا اس وقت باقی ہے اس کی وصیت کرتا ہوں کہ بندہ کے کتب

خانہ سے وصول کرلی جائے۔ ۴۸؎ محمد زکریا، ۱۰ شوال ۱۳۸۰ھ

الغرض مولانا نے اپنی وصول کردہ تنخواہ اپنی زندگی میں ہی مدرسہ کو لوٹا دی تھی۔

مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں آپ کے پاس ملک و بیرون ملک کے بڑے بڑے جامعات اور اداروں کی جانب سے دعوت نامے آئے جس میں آپ کو معقول خدمات پر گرانقدر مشاہرے، پرکشش آسائش اور سہولتیں لکھ کر اس پر راضی کیا گیا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں لیکن آپ نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور قناعت، فقر اور استغنا کو ترجیح دی اور اپنی پوری زندگی مظاہر علوم میں گزار دی (۴۹)

یہاں پر ہم اس ضمن میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل کا ایک خط نمونۃً درج کرتے ہیں۔

۲۱ جنوری ۱۹۴۷ء مکرمی مولانا محمد زکریا صاحب!

السلام علیکم۔

کلکتہ مدرسہ عالیہ کے صدر المدرسین کا عہدہ خالی ہے چار سو روپے تنخواہ اور گرانی الاؤنس وغیرہ ایک سو روپیہ مجموعہ پانچ سو روپیہ۔

اگر اس عہدہ کے لئے جناب کو بلایا جائے اس کو قبول کریں گے یا نہیں؟ کلکتہ میں آج کل امن ہے کوئی خطرہ کا اندیشہ نہیں۔ رہنے کے لئے مکان بھی دیا جائے گا۔

" ازراہ مہربانی جواب سے سرفراز کرنا۔

خادم محمد ضیاء الحق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ"

مولانا ذکریا نے اس دعوت نامہ کا یہ جواب تحریر فرمایا!

"بعد سلام مسنون۔ گرامی نامہ موجب عزت ہوا اس ذرہ نوازی اور عزت افزائی کا شکریہ بندہ ناکارہ نہ تو اس عہدہ جلیلہ کی اہلیت رکھتا ہے، نہ سردست کسی جگہ ملازمت کا ارادہ ہے اس لئے معذوری ہے۔

زکریا مظاہر علوم یکم ربیع الاوّل ۱۳۶۶ھ

الغرض مولانا موصوف توفیق الٰہی سے ایسے متعدد امتحانات میں سرخرو رہے انہیں اللہ تعالیٰ پر کامل توکل اور پختہ یقین تھا کہ رزق مقدر ہے اگر اللہ کو رزق کی کشائش منظور ہے تو یہیں حاصل ہوگی ورنہ ہزار جتن کرنے کے بعد بھی اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ اس طرح مولانا زکریا نے اپنی جوانی کے بیش قیمت لمحات اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا وقت للہیت اور حسن خلوص سے مدرسہ کی چار دیواری میں گزار دیا اور اپنی ان عظیم خدمات کا کوئی بھی معاوضہ نہیں لیا۔ جو مثالی خدمت کی قابلِ قدر مثال ہے۔

وقت کی پابندی:۔

مولانا محمد زکریا رح کی تدریس کا ایک خصوصی امتیاز وقت کی پابندی تھی شادی غمی، سردی گرمی بارش آندھی کوئی چیز اس میں حائل نہیں ہوتی تھی کبھی مہینوں میں بھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ مولانا ٹھیک وقت مقررہ پر درس گاہ میں نہ پہنچے ہوں اور چند منٹ کی بھی تاخیر ہو گئی ہو اس شدید پابندی کا ایک واقعہ مولانا تقی الدین نے لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ موسلا دھار بارش میں جب سڑک پر گھٹنے گھٹنے پانی تھا بارش کے تھمنے کا انتظار کر رہے تھے تو انہیں پتہ چلا کہ شیخ الحدیث بارش میں ہی چلے گئے ہیں تو وہ خود بھی بہ عجلت تمام دارالحدیث پہنچے وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرے میں ہی درس شروع ہو چکا تھا وہ خاموشی سے شریک درس ہو گئے لیکن شیخ الحدیث نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا:

> "جانتے ہو کیسے آیا ہوں؟ اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی۔ جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے بہ اصرار مجھے رکشہ پر سوار کر لیا اور یہاں پہنچانے کے بعد میرے پاؤں اور پائجامہ کے نچلے حصہ کو دھویا۔ ۔ ۔ ۔ یہ ناکارہ یہ سن کر پانی پانی ہو گیا" (۵۰)

مولانا زکریا رح نے خود بھی ایک مکتوب میں پابندی وقت کا تذکرہ کیا ہے:

"اس ناکارہ نے مدرسہ میں اوقات کا ہمیشہ بہت اہتمام کیا ہے اور شدید بخار وغیرہ دوسرے امراض میں

بھی رخصت بیماری کا بہت کم لی۔" (۵۰)

تعلقات سے پرہیز :۔

مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ

" طالب علم کے لئے نہایت اہم پرہیز تعلقات کی کمی ہے۔ دوستوں سے تعلقات اور مدرسہ سے باہر وقت کا ضیاع علم اور طالب علم کے لئے سم قاتل ہے۔ اساتذہ کرام کا احترام جہاں تک ہو سکے، کمی نہ ہو۔ اساتذہ کی بے احترامی سے علم کی برکت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔" (۵۱)

نصاب کی تکمیل :۔

مدرسہ مظاہر علوم میں نصاب تعلیم کو اعتدال اور باقاعدہ رکھنے کے لئے ہر کتاب کی ماہانہ مقدار خواندگی متعین کر دی جاتی تھی جس کی پابندی اساتذہ کو لازمی تھی اور اس کی نگرانی صدر مدرس کے ذمہ تھی مولانا زکریا رحمہ اللہ کو اس امر کا بھی شدید التزام رہا کہ ماہانہ متعینہ نصاب کی خواندگی میں کمی نہ رہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔

"اس سیاہ کار نے محض مالک کے فضل سے اوقات اسباق کی وہ پابندی کی جس پر سرپرستان مدرسہ نے بھی تحریراً استعجاب لکھا ہے۔" (۵۲)

چنانچہ مولانا ماہانہ نصاب کی پابندی کا انضباط معمول پر ملازمت، آندھی یا مینہ صحت ہو یا مرض عسر ہو یا یسر، ارادہ اور وعدہ بڑے سے بڑے مانع و مزاحم سے متزلزل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۳۵۲ھ کے تعلیمی نقشہ کا معائنہ کرنے کے بعد سرپرست مدرسہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا۔

" بالاجمال تعلیمی شعبہ میں ضعف محسوس ہوتا ہے اور نصاب مجوزہ کی رعایت بجز شیخ الحدیث کے اور کسی نقشہ میں پوری نہیں بعض میں تو بہت زیادہ کمی ہے۔"

اور ایک سینئر مدرس کے نقشہ پر مولانا میرٹھی نے تحریر فرمایا؛

" حسب نقشہ مجوزہ کتاب ایک سو پندرہ صفحات تک ہونی چاہیئے تھی جبکہ صرف پینتالیس صفحے ہوئے' وجہ تحریر فرمائیں کہ ستر صفحات کی کمی کیوں رہی؟ ہر مہینہ مسلسل کمی ہونا، جس کی تلافی اخیر سال میں

اوراق گردانی سے کی جائے بہت مفید ہے۔" (۵۳)

جبکہ مولانا زکریا رح کے مجوزہ تعلیمی نقشہ کی تکمیل پر استحسان فرماتے ہوئے لکھا:

"ماشاء اللہ! نصاب مجوزہ کی پوری تکمیل بایں ضروریات ذاتیہ وخارجیہ و مشاغل تصنیف و مہمانداری و عوارض امراض و حوادث حضرت ممدوح میں دیکھی ...... کاش میرے مخدوم و محترم و دیگر حضرات مدرسین اسکو اسوۂ حسنہ قرار دے کر صرف ضبط اوقات و تکمیل نصاب ہی میں اتباع فرمائیں ___ عاشق الٰہی (۵۴)

طلبہ کی حوصلہ افزائی:۔

مولانا محمد زکریا رح انعامات کے ذریعہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کے بھی قائل تھے تاکہ ان کا علمی ذوق پروان چڑھے اور پوری رغبت و شوق کے ساتھ تعلیمی میدان میں قدم بڑھاتے رہیں۔ چنانچہ ان کا معمول تھا کہ امتحانات میں اعلیٰ یا اول نمبر پر آنے والوں کو اپنی جدید مطبوعہ کتابوں میں سے کوئی کتاب انعام میں مرحمت فرماتے اس سلسلہ میں بذل المجہود، کوکب الدری اوجز المسالک، متفرق کتابیں دیجاتی رہیں دار العلوم دیوبند کے سالانہ انعام میں بھی بعض مرتبہ کامل بذل المجہود اول نمبر آنیوالے کے کیلئے ۱۳۴۶ھ میں بھی ایک انعام مولانا کی طرف سے مقرر تھا جو روئداد مدرسہ میں ان الفاظ میں تحریر ہے۔

"مولوی محمد زکریا کاندھلوی مدرس مدرسہ ھذا نے گذشتہ سال سے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جو طالب علم دورہ والا محض حدیث میں اول نمبر ہو اس کو تین روپے اور جو دوم نمبر پر ہو اس کو دو روپے مولوی صاحب خود عطا فرمایا کرینگے جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء چنانچہ امسال مولوی عبد الشکور کاٹھلوری کو تین روپے اور مولوی فضل اللہ چاٹگامی کو دو روپے مرحمت فرمائے"۔ (۵۵)

اس طرح ۱۳۵۰ھ شیخ الحدیث رح نے شرکاء ابوداؤد کے لیے ایک خصوصی انعام تجویز فرمایا۔ چنانچہ اعلان کیا گیا۔

"۱۔ ابوداؤد کے سہ ماہی امتحان میں پہلی مرتبہ پڑھنے والوں میں جو شخص اعلیٰ نمبر حاصل کرے گا اس کو ایک بذل المجہود مکمل (پانچ جلد) بادامی کاغذ کی انعام میں ملیں گی۔

۲۔ دوبارہ پڑھنے والوں میں سے جو شخص اعلیٰ نمبر حاصل کرے گا اس کو اوجز المسالک ج ۱ یا جلد ۲ جو وہ پسند

کرے اور ایک طبیب الشذی انعام میں ملیگی۔

اعلیٰ نمبران سے مراد یہ ہے کہ انیس یا اس سے زائد نمبروں میں سے فائق الاقران ہو گا وہ اس انعام کا مستحق ہو گا اگر کوئی شخص مساوی نمبروں میں پاس ہو تو یہی انعام ان میں تقسیم کیا جائے گا۔" (۵۶)

تعلیمی افکار

قدیم نصاب میں تبدیلی کا مطالبہ:۔

وقتاً فوقتاً بعض اہل علم نے درس نظامی میں عصری تقاضوں کے مطابق تغیر و تبدل کی ضرورت و افادیت پر زور دیا ہے۔ اس ضمن میں ہم مولانا محمد زکریا کے افکار پیش کرتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ مولانا محمد زکریا نے درس نظامی تقلیدی انداز میں ترتیب اور پابندی سے نہیں پڑھا تھا بلکہ ان کے والد مولانا محمد یحییٰ جو تدریس میں اجتہادی نقطۂ نظر کے حامل تھے، اپنی طرز پر انہیں درس نظامی کی تکمیل کرائی اس لیئے اپنی مدرسی کے آغاز میں تبدیلی نصاب کا خبط ان کے دماغ پر سوار تھا چنانچہ ۳۵ سے ۳۸ھ تک مختلف دینی اداروں مثلاً ندوہ، مدارس اہل حدیث حتیٰ کہ مدارس حرمین شریفین کے نصاب منگوائے اور ان کی روشنی میں عصری تقاضوں کے مطابق بڑی محنت اور سوچ بچار کے بعد دو نصاب مرتب کیئے۔ ایک مطول آٹھ سالہ نصاب تعلیم برائے تخصص اور دوسرا مختصر ۳ سالہ عمومی نصاب۔۔۔ اور رسالہ کی شکل میں اپنے مجوزہ نصاب کی اشاعت کا بھی ارادہ تھا لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ اور تجربہ بڑھتا گیا اور درس نظامی کے قدیم نصاب کی افادیت اجاگر ہوتی گئی دماغ سے تبدیلیٔ نصاب کا خبط بھی نکل گیا چنانچہ ان کی آخری اور پختہ رائے درس نظامی کے نصاب میں تبدیلی کے خلاف ہے سوائے ایک دو کتب کے جس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

ا۔ (م) انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات سے اندازہ ہوا کہ اگر مدارس عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تو ہر دس بارہ برس کے بعد تغیر ہوگا اور ہر مصنف اور با اثر عالم یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو جس سے مروجہ درس نظامی کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ حالانکہ درس نظامی میں عمومی کھپت کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ (ب) مروجہ نصاب کی اتنی خدمت ہو چکی ہے کہ شروح و حواشی ضرورت سے زیادہ لکھے جا چکے ہیں اور وہ گذشتہ ایک صدی سے اہل علم کے ہاں مقبول و معروف ہیں۔ تبدیلی نصاب کے لیئے یہ حواشی کی خدمت اس انحطاط کے دور میں ممکن نہیں نیز تبدیلی در تبدیلی کا ایک غیر ضروری اور لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

نئے اور تبدیل نصاب کو پڑھانے کے لیے موجودہ دور میں ذی استعداد اساتذہ کی دستیابی کا مسئلہ بھی ہے۔ اساتذہ موجودہ نصاب کی کتب کو تو شروح و حواشی کی مدد سے کسی نہ کسی درجہ میں پڑھا لیتے ہیں لیکن کوئی نئی کتاب جس کی نہ شرح ہو نہ حاشیہ تو نوّے فیصد اساتذہ اسے نہیں پڑھا سکتے۔ کیونکہ موجودہ اساتذہ میں اکثریت سفارش سے مدرس ہو گئے ہیں۔ وہ اردو کی شروح دیکھ کر کچھ دال دلیا کر سکتے ہیں۔ مگر ایسی کتاب جس کی کوئی شرح نہ ہو۔ اسے پڑھانے کی اساتذہ میں استعداد اور قابلیت نہیں۔(۵۷)

لیکن مولانا موصوف کی رائے صائب نہیں۔ ان کے دلائل قوی نہیں، کیونکہ جہاں تک درس نظامی کے نصاب میں تبدیلی کا تعلق ہے۔ تو یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی اہمیت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں اور اس امر پر قریباً اتفاق رائے ہے کہ درس نظامی کے نصاب میں بعض تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں۔

بہر حال مولانا زکریا ؒ اپنے طویل تجربہ اور مشاہدہ سے اس رائے کے کٹر حامی تھے کہ درس نظامی میں کسی اہم اور غیر معمولی تغیر و تبدل کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ گزشتہ سو سال سے یہی درس نظامی دینی مدارس میں بڑی کامیابی اور عمدگی سے چل رہا ہے۔

اسٹرائیک:۔

بلادِ اسلامیہ اور ممالک شرقیہ پر جب مغرب کا سیاسی غلبہ ہوا تو ساتھ ہی مغربی تہذیب اور افکارِ فرنگ نے ان ممالک پر تسلط جما لیا جس کی بنا پر مشرقی ممالک میں خلفشار اور انتشار نے راہ پائی جس سے امن و امان اور سکون و اطمینان کی دولت ختم ہو گئی۔ مغرب کی لعنتوں میں سے ایک لعنت اسٹرائیک اور ہڑتال کے ذریعے سے اپنے مطالبات پیش کرنا اور بالجبر اپنے حقوق منوانا ہے۔ گذشتہ صدی میں تو ہڑتال نے وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ حتیٰ کہ دینی مدارس جو اسلامی تہذیب اور دینی اقدار کے قلعے خیال کیے جاتے تھے وہ بھی اس وبائی مرض سے نہ بچ سکے زمانہ کے فساد اور ماحول کے خلفشار کا اثر ان پر بھی پڑا۔ مولانا محمد زکریا ؒ کو بھی اسٹرائیک سے واسطہ

پڑا چنانچہ ردِ عمل کے طور پر اپنے خیالات کا اظہار ایک مضمون کی شکل میں کیا جو بعد ازیں رسالہ اسٹرائیک کی شکل میں شائع ہو گیا اس رسالہ کی روشنی میں ہم مولانا کے افکار پیش کرتے ہیں۔

مدارس دینیہ اور عربیہ میں اسٹرائک کا آغاز ۱۳۴۵ھ کو دار العلوم دیوبند سے ہوا جبکہ طلباء نے چند لغو اور غیر معقول مطالبات منوانے کے لئے جبر کی راہ اختیار کی ہڑتالی طلبہ نے ممبران مدرسہ اور دار الشوریٰ کا محاصرہ کر لیا اور دار الشوریٰ کے سامنے لیٹ گئے اور لوگوں کو نماز میں شرکت سے روک دیا گیا حتیٰ کہ عین حالت نماز میں ہڑتالیوں نے مردہ باد کے نعرے لگائے حتیٰ کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) جو طلبہ پر اپنی نرمی شفقت اور حمایت کے لئے مشہور تھے۔ ان سے بھی گستاخی اور بدتمیزی سے پیش آئے اس طرح یہ لوگ دار العلوم کی بدنامی کا باعث بنے اور اس عظیم دینی درسگاہ کے تقدس کو مجروح کیا۔(۵۸)

مولانا زکریاؒ نے ان حالات سے متاثر ہو کر مجلس شوریٰ سے استعفاء دے دیا۔

اسی طرح ۱۳۸۶ھ/ستمبر ۱۹۶۶ء کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں اسٹرائیک ہوئی جو شہر کے بعض بے دین لوگوں کی انگیخت پر بعض ناعاقبت اندیش طلبہ نے کی اخبارات میں غلط سلط جھوٹے واقعات شائع کرائے گئے نیز مدرسہ کو بالکلیہ معطل کرنے اور تعلیمی مقاطعہ کی کوشش کی ایک پمفلٹ کے ذریعے عوام میں یہ غلط تاثر پھیلایا گیا کہ یہ پورا ہنگامہ حضرت شیخ الحدیث اور ناظم مدرسہ کے درمیان اقتدار کی لڑائی ہے یہ فتنہ مظاہر علوم میں عملی طور پر سات آٹھ ماہ تک رہا جس نے اہل مدرسہ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اور مدرسہ کی عزت خاک میں ملا دی اس اسٹرائیک سے مولانا کے دل پر بڑی چوٹ لگی چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"یہ ناکارہ اکثر اپنے اسباق میں ان مہمانانِ رسول کو ان کا مقام، ان کی شان ان کی دینی حیثیت اور ذمہ داری مختلف عنوانات سے یاد دلاتا رہتا تھا اس (اسٹرائیک کے) سال خاص طور سے چونکہ اس ناکارہ کی تقریر کا زور اس پر تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ چھ ماہ کی معروضات نے کچھ نہ کچھ تو اثر ضرور کیا ہو گا مگر جب معاملہ اس کے برعکس دیکھا تو بے ساختہ زبان پر شعر آگیا۔

سہ وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے (۵۹)

چنانچہ مظاہر علوم سہارنپور میں اسٹرائیک کے بعد مولانا کے خیالات ہڑتال طلباء کے متعلق بالکل بدل گئے ان کے متعلق خواہ کوئی ثقہ ترین اور مخلص دوست اہل مدرسہ کی ظالمیت اور طلباء کی مظلومیت انہیں بتاتا لیکن وہ اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ماننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔

چنانچہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مدرسہ کی اسٹرائیک کے دوران ہڑتالی طلبہ نے کتب حدیث اور کتب تفسیر محض اس لیئے پڑھنے سے انکار کردیا اور مدرسہ میں ہڑتال کروادی کہ مدرسہ سے جو سندیں ان کو ملتی ہیں وہ بہترین طباعت اور دیدہ زیب نہیں پھر عین امتحان کے موقع پر معمولی بات پر ایک محترم استاد کو برسرعام جوتوں اور گھونسوں سے مارا گیا[۶۰] نتیجۃً انہیں اس ناپاک حرکت سے انتہائی نفرت ہے اور انہیں ایسے ہڑتالی طلبا کی صورت دیکھنے سے کلفت ہوتی ہے اور وہ ان طلبہ کو جو اسٹرائیک میں قائدانہ حصہ لیں کسی رعایت حسن ظن واعتماد اور کسی دینی اعزاز کا اہل نہیں سمجھتے تھے اس لیئے مولانا زکریا رح اول تو ایسے لوگوں کو بیعت نہیں کرتے اور اگر ایسے لوگ بیعت ہوں تو ان سے یہ تعلق بالکل نہیں رکھنا چاہتے کیونکہ بیعت کا تعلق اور اسکے ثمرات و فوائد آپس کے تعلقات محبت اور عقیدت پہ ہوتے ہیں اور ہڑتال جیسی شنیع حرکت مخلصانہ تعلقات کے لیئے سم قاتل ہے چنانچہ ایک ہڑتالی طالب علم کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"........ جہاں تک رنج و قلق کا تعلق ہے وہ یقیناً انتہائی اور غالباً مرنے کے بعد تک رہے گا کہ آپ نے مدرسہ کو نقصان پہنچایا، علم کو پہنچایا یا ان ناسمجھ بچوں کو برباد کیا جو تمہارے پھندے میں پھنسے، ان کے والدین کو اذیت پہنچائی جنہوں نے ہم لوگوں کی وجہ سے مدرسہ میں بھیج دیا یہ رنج کبھی مٹنے والا نہیں اور خط و کتابت سے یہ زخم تازہ ہوتا ہے اسلیئے براہ کرم آئندہ زخموں پر نمک پاشی نہ کریں"[۶۱]

مولانا نے رسالہ اسٹرائیک میں اسٹرائیک کی شرعی حیثیت کو بھی زیر بحث لائے ہیں اور اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک فتویٰ ــــ ہڑتال کے عدم جواز کا بھی ذکر کیا ہے جس کے اہم دلائل یہ ہیں:[۹۲]

۱۔ ہڑتال اور اسٹرائیک قطع تعلقات پر دال ہے ایسی جماعت سے جو اس قاطع کی تعلیم دین میں معین ہے تعلیماً یا اہتماماً اور تعلیم دین عبادت ہے اور اس کے معین معاون فی العبادت اور بمصداق آیۃ تعاونوا علی البر والتقویٰ اس کے محسن ہیں۔ اور اپنے محسن سے تعلق و محبت رکھنا بمقتضا حدیث من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اور خصوصیت کے ساتھ اپنے معلم سے اور بالانضمام قضیہ مقدمۃ الشئی فی حکم ذلک الشئی اپنے معاون فی الدین سے تعلق عظمت رکھنا بفحوائے حدیث من علّم عبداً آیۃ من کتاب اللہ فھو مولاہ لا ینبغی ان یخذلہ ولا یستأثر علیہ مامور بہ ہے اور تعلقات مامور بہا کا قطع کرنا بنص ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض داخل فساد اور محل وعید ہے اس سے اس امر کا مذموم اور ممنوع ہونا ثابت ہو گیا یہ تو حکم شرعی ہے ــــ مقاطعہ کا باعتبار اس کی ذات کے۔ علاوہ ازیں ہڑتال اور اسٹرائیک میں متعدد مفاسد پائے جاتے ہیں اولاً غرض اس کی جبر ہے ایسے مطالبات میں جو ان مقاطعین کا حق واجب نہیں نیز اہل خیر کی جماعت کو بدنام کرتے ہیں ان پر تہمتیں لگاتے ہیں ان کی غیبتیں کرتے ہیں۔

ثانیاً ان کے طبقہ میں جو لوگ یکسو رہنا چاہتے ہیں ان پر جبر کرتے ہیں جس سے ان کا دنیوی نقصان یعنی اعانت مالیہ من المدرسہ اور دینی یعنی علمی ضرر ہوتا ہے جس سے "وعید یصدون عن سبیل اللہ" اور لاضرر فی الاسلام کے مورد بنتے ہیں بلکہ بعض اوقات ضرر شخص سے گزر کر خود تعلیم گاہ کے خطرہ میں پڑ جانے سے ضرر جمہور تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

ثالثاً اپنی اغراض کی تحصیل و تکمیل کے لیے اشرار و فجار سے مدد لیتے ہیں جو اس جماعت مقاطعہ سے منکرات مذمومہ سے کہیں زیادہ منکرات حقیقیہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان پر نکیر کی توفیق نہیں ہوتی جس سے وعید یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت اور کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ کا محل بنتے ہیں۔

والبعاً اہل باطل کے طریق کو اہل حق کے طریق پر ترجیح دیتے ہیں جس سے وعید یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اہدی من الذین آمنوا سبیلا کے مصداق ہوتے ہیں۔ خاصاً مقطوعین کی ضد و عداوت میں مدت محدودہ تک یا ہمیشہ کیلئے علوم دینیہ سے محروم ہو جاتے ہیں (۶۳)

کتاب میں ہڑتال کے تدارک کے لیئے مولانا حسین احمد مدنیؒ کی اس تجویز کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے دینی مدارس کا باہمی اتحاد ہونا چاہیئے تاکہ جو طلبہ کسی مدرسہ میں اسٹرائیک کے جرم کے مرتکب پائے جائیں اور ان کو خارج کر دیا جائے۔ تو ان کے نام شائع کر دیئے جائیں تاکہ وہ کسی دوسرے مدرسہ میں داخلہ نہ لے سکیں (۶۴)

بعض امور سے اجتناب :۔

شیخ الحدیث بہت سے امور میں مستقل رائے رکھتے تھے مثلاً

وہ طلباء کے لئے اخبار بینی، پارٹی بازی، انجمن سازی کے شدید مخالف تھے۔ کیونکہ مدارس عربیہ میں ہونیوالی اسٹرائیکوں میں زیادہ تر دخل انہیں چیزوں کا ہے۔ اخبارات و رسائل کے ذریعہ یہ دینی طلباء اسکول اور کالجوں میں ہونے والے شر و فسادات پر مطلع ہوتے ہیں وہاں پر اساتذہ اور ملازمین کے ساتھ جو ذلت آمیز حقارت سے بھرپور رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے یہ دینی طلبہ متاثر ہوتے ہیں اور پھر موقع ملنے پر وہی سب کچھ کر گزرتے ہیں جو ان کے دل و دماغ کو پہلے سے متاثر کیئے ہوئے ہوتا ہے۔ ۱۳۸۹ھ میں ہونے والی مظاہر کی اسٹرائیک میں ان کے اس نظریہ کو سو فیصد تائید حاصل ہو چکی ہے۔ (۶۵)

سخت کوشی کی زندگی :۔

شیخ الحدیث اہل دین کے لئے سادہ اور سخت کوشی کی زندگی پسند کرتے تھے اور آپ نے خود بھی زندگی بھر اس پر عمل کیا لہٰذا آپ چاہتے تھے کہ دینی مدارس کے طلبہ سخت کوشی کی زندگی اپنائیں تنعم کی زندگی ان کے لیئے مضر تصور کرتے تھے چنانچہ ۱۳۷۰ھ کی بات ہے کہ رنگون کے منتسبین مدرسہ نے ایک گرانقدر رقم مدرسہ کی مسجد اور درسگاہوں میں برقی پنکھے آویزاں کرنے کے لیئے دی تھی لیکن یہ رقم کئی سال تک

اپنے معرف میں حضرت شیخ کی مخالفت کی وجہ سے خرچ نہ کی جا سکی آخر ۱۳۷۹ھ میں احباب کے اصرار پر درسگاہ ہوا اور مسجد میں میٹنگ ہوئی جس سے شیخ الحدیث کافی رنجیدہ ہوئے کیونکہ وہ طلباء کے لیئے ایسی سہولتوں کو مضر سمجھتے تھے (۶۶) طلب کے لیئے سخت کوشی کی زندگی کی جدید یا ہرین تعلیم نے بھی حمایت کی ہے چنانچہ ولیم ہاٹیڈ رقم طراز ہیں۔

"It is certainly necessary to make a child endure hardness. By all means harden him to heats and cold to wind and sun and to dangers. Refuse him all softness and [illegible] bedding and in eating and drinking." (66 A)

مدرسہ میں صنعت و حرفت :-

مولانا محمد زکریا رحہ دینی مدارس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت سکھانے اور اس کے لیئے مستقل شعبہ کے قیام کو تحصیل علم کے لیئے مضر سمجھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ ہمارے ذکر و شغل، اصلاح و تربیت جیسی اہم چیز کو بھی طالب علم کے حق میں اس لئے مؤخر کردیا کرتے تھے کہ ایک وقت دونوں کا اجتماع تشتت کا سبب بنے گا پھر بھلا دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت کی پیوند کاری کیسے صحیح ہو جائیگی۔ علم و تعلیم ہمہ وقتی اور یکسوئی چاہتا ہے پھر علم بڑا غیور واقع ہوا ہے جس کے لیئے یہ مقولہ مشہور عالم ہے۔

" جب تک تو اپنے سارے کے سارے کو مجھے نہیں دیگا
اس وقت تک میں تھوڑا سا حصہ بھی تجھ کو نہیں دونگا،، ۶۷

انگریزی اور ہندی کی تعلیم :-

اسی طرح مولانا دینی مدارس میں انگریزی اور ہندی پڑھائے جانے کے بھی موافق نہیں ہیں ان کی دلیل ہے کہ انگریزی اور ہندی کی تدریس کے لیئے قریہ قریہ ہزار اسکول کھلے ہوئے حکومت کی طرف سے ان کے لیئے بڑی مراعات اور سہولتیں دستیاب ہے دینی تعلیم کے حصول کے لیئے لاکھوں افراد میں سے دو چار طلباء جو مدارس میں آجاتے ہیں،

ان کو بھی انہیں کی تحصیل میں لگادیا جائے یہ امر بے محل اور نامناسب بھی ہے اور عدل وانصاف کے بھی خلاف

جبریہ تعلیم :-

برٹش گورنمنٹ نے ۱۹۲۸ء میں ہندوستانی باشندوں کے لئے جبریہ تعلیم کا قانون نافذ کیا جس کی رو سے چھ تا گیارہ سال کی عمر کے بچوں کو سرکاری یا منظور شدہ اسکولوں میں داخل کرنا ضروری قرار دیا گیا اور اس قانون کی مزاحمت اور مخالفت کرنیوالوں پر مقدمات چلائے گئے اور جرمانہ کی سزائیں دی گئیں اس قانون کے نفاذ کا براہ راست اثر مسلمانوں کے دینی مدارس اور عربی مکاتب پر پڑا جس کے نتیجے میں مدارس اور مکاتب بند ہونا شروع ہو گئے چنانچہ دارالخلافہ دہلی میں جہاں قرآن پاک کی تعلیم کے ساٹھ ۶۰ بڑے بڑے مکتب تھے جن میں دو ہزار چھ سو ۲۶۰۰ بچے تعلیم پاتے تھے جبریہ تعلیم کے قانون کے نفاذ کے بعد دسمبر ۱۹۲۸ء تک ساٹھ میں سے ۳۰ مکتب جن میں ایک ہزار ساتوں بچے قرآن پاک پڑھ رہے تھے بند ہو گئے اور ان میں دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو جبراً سرکاری پرائمری سکولوں میں داخل کیا گیا جہاں قرآن خوانی اور دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا نیز جو سرپرست دینی مدارس سے ہٹا کر سرکاری پرائمری سکولوں میں اپنے بچے نہیں بھیجتے ان کے خلاف فوجداری مقدمات چلائے جاتے ہیں (۶۷-۹)

اسی طرح ریاست الور میں دینی تعلیم کو حکماً منسوخ قرار دے دیا گیا اور تمام مدارس و مکاتب بند کر دیئے گئے اسلامی تعلیم کی کڑی شرائط کے ساتھ صرف اتنی اجازت تھی کہ پانچ پارہ قرآن شریف اور اردو کی تعلیم دیدی جائے اس سے زائد کی اجازت نہیں تھی۔

مولانا محمد زکریا رح نے ان واقعات اور حالات سے متاثر ہو کر، ایک طویل مکتوب محرم ۱۳۵۰ھ کو مسلم ممبران اور ارباب حکومت کے نام لکھا بعد ازیں یہ مکتوب "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا جس میں "جبریہ تعلیم" کو بہ زور دلائل سے 'مداخلت فی الدین' قرار دیا گیا ہے مثلاً۔

۱۔ دین اسلام کی بقاء قرآن شریف ہی سے ممکن ہے اس کے بغیر دین کسی طرح باقی نہیں رہ سکتا قرآن پاک کو دین کی بقاء میں برتی تاثیر ہے گو بلا فعلی ہی ہو یہ تاثیر اور کسی چیز کو حاصل نہیں ـــــ لہٰذا قرآن مجید

اس کی درخواست کرتے رہے کہ اس خدمت سے مجھے معاف رکھیں چنانچہ آپ بیتی میں رقمطراز ہیں۔

"مع شیخ الحدیث اور نائب ناظم کے یہ دونوں عہدے ملنے پر) میرا دماغ چکرا گیا مجھے یہ خیال ہوا کہ اس انتظامی جھگڑے میں پڑ کر پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ تو جاتا رہے گا۔"

گمنام خطوط:۔

گمنام خطوط کے متعلق اکابر علماء کے دو نظریے ہیں مولانا اشرف علی تھانوی کا نظریہ یہ تھا کہ ایسے خطوط پر کوئی توجہ ہی نہ دی جائے۔ اور بغیر پڑھے چاک کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک گمنام خط حضرت کی خدمت میں آیا فرمایا اسے علیحدہ رکھ دیں پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ایک تو لکھنے والے نے لایعنی حرکت کی اور ایک میں لایعنی حرکت کروں کہ اس کو سنوں اور خواہ مخواہ اپنا دل خراب کروں، چنانچہ بلا کھولے ردی کی ٹوکری میں رکھوا دیا (۷۰)

اس کے برعکس مولانا محمد زکریا کا نظریہ یہ تھا کہ ایسے خطوط کو ضرور پڑھا جائے اور بار بار پڑھا جائے اگر شاکی نے صحیح اور سچی بات لکھی ہے تو اس کا ازالہ کیا جائے اور اگر اپنی ذات کے متعلق کچھ لکھا ہے تو اس کا احسان مند ہو اور اپنے غلط رویہ میں تبدیلی کرے کیونکہ اپنے عیوب انسان کو خود جلدی سے محسوس نہیں ہوتے۔ حضرت شیخ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"تنقید سے میرا جی بالکل برا نہیں ہوتا۔ اگر کہنے والا اخلاص سے کہے۔" (۷۱)

مذکورہ بالا دونوں نظریے اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں کہ اول میں تحفظ وقت اور ذہنی خلفشار سے بچاؤ ہے اور دوسرے میں تحفظ مکائد نفس ہے۔

زریں ہدایات

مولانا محمد زکریا کی ۶۵ سالہ زندگی دینی مدارس کے ماحول میں گزری۔ ان مدارس میں آپ نے مروجہ تعلیم حاصل کی۔ پھر تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ طلبہ کی اصلاح و تربیت، مدارس کے انتظامی و مالی معاملات سے واسطہ رہا۔ دینی مدارس کی فلاح و بہبود آپ کا مقصود تھا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور مدرسہ شاہی مرادآباد مولانا اپنے اکابر کے لگائے ہوئے باغ کہتے تھے۔ ہندوپاک کے باقی مدارس عربیہ جو اہلِ حق نے قائم کیے تھے وہ سب اسی کی شاخیں تھیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے مولانا کے تعلیمی افکار پر روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم ان کی تدریسی زندگی اور انتظامی تجربات کے متعلق ایک خط کا ذکر کرتے ہیں جو مدرسہ کے ایک ذمہ دار کے نام اہم مشورے اور اہم ہدایات ہیں۔ (۴۲)

۱) بڑے فتنہ کا زمانہ ہے۔ غیر معمولی امور میں سرپرستوں سے مشورے کا بہت ہی اہتمام رکھیں۔

۲۔ اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے مدرسہ میں کسی کو ہرگز ترقی نہ دیں، عملی نمونہ بہت ہی وثوق سے انشاء اللہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت سی جزئیات میں اس ناکارہ کا عمل ہمیشہ یہی رہا جن طلبہ کا مدرسہ سے اخراج ہوتا تھا میں نے کبھی کسی کی سفارش تحریری یا زبانی نہیں کی البتہ اس سے یہ ضرور کہنا کہ جب تک تیری معافی ہو یا گھر واپسی ہو اس وقت تک تیرا کھانا میرے ساتھ۔ اسی طرح کسی ملازم کی ترقی اپنے تعلقات سے نہ کبھی کی اور نہ کبھی سفارش کی۔

۳۔ اپنے مخالفوں کا کبھی برا ارادہ نہ کیجیو نہ انہیں گرانے کا نہ ان کی ترقی روکنے کا۔ میں نے اپنے حضرت کے یہاں اپنے سخت ترین مخالفوں کی بھی سفارش کی جس پر میرے حضرت کو بھی بڑا تعجب ہوا۔ اور میرا خیال ہے کہ میری وقعت میں حضرت کے یہاں اضافہ کا سبب بنا۔

۴۔ تعلیم مدرسہ اکابر کے زمانے میں بہت ہی مابہ الامتیاز رہا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے قاری طیب صاحب کے چھوٹے بھائی عزیز طاہر مرحوم کو مدرسہ میں میری نگرانی میں داخل کیا تھا اور میرا زمانہ کم عقلی کا تھا۔ جو اب بھی باقی ہے میں نے بغیر پوچھے کہیں جانے پر دو چھڑ رسید کیے جس کا مرحوم کو تحمل نہ ہوا اور آب وہوا کی عدم موافقت کا عذر کرکے چلا گیا۔ سو تمہارے لیے عمومی تنبیہ تو مشکل ہے یعنی ہر شخص کو ٹوکنا، اسے کرضرور۔ من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ الحدیث کی بنا پر تنبیہ کرتے رہا کریں اور جن سے تعلقات نہ ہوں ان کیلئے عمومی اطلاع نامہ مدرسین کے دستخطوں کیلئے بھیج دیا کریں جس میں کسی کا نام نہ ہو کہ بعض مدرسین کی یہ شکایت پہنچی ہے اس کا سب حضرات لحاظ کریں۔

۵۔ مدرسین یا ملازمین بلکہ طلبہ کی بھی بدتمیزیوں سے اعراض سے بھی کام لے لیا کریں۔

۶۔ اگر کوئی شخص کسی کی شکایت کرے تو محض شاکی کی روایت پر اس کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں اسی طرح کسی کی تعریف پہ بلکہ دوسرے ذرائع سے بھی چپکے چپکے شکایت اور تعریف کا تحقیقی جائزہ ضرور لے لیا کریں۔

۷۔ پارٹی بندی سے کون کون سی جگہ خالی ہے یا ہوئی ہوگی لیکن اکابر کے زمانے میں تو یہ لوگ دوروں میں یاد دلایا کرتے تھے اب کل سے زبانوں پر بھی آنے لگے ہیں تمہاری زبان سے کسی مجمع میں کوئی ایسا لفظ نہ نکلنا چاہیے جس سے کسی پارٹی کی موافقت یا مخالفت معلوم ہوتی ہو۔

۸) مدرسہ کی مالیات کا مسئلہ بہت ہی نازک ہے آخرت میں جو ہو گا ہو گا ہی دنیا میں بھی اس کے ثمرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اپنی ذات کی حد تک مالیات کے سلسلہ میں بہت ہی احتیاط رکھنا اور ملازمین کو وقتاً فوقتاً اس کی طرف متوجہ کرتے رہنا۔ کلما تکمرر فی السمع تکمرر فی القلب" آپ بیتی حصہ اول میں میں نے اکابر کے بہت سے معمولات میں نے اس سلسلہ میں لکھوائے تھے۔ ان کو خود بھی ملاحظہ فرمائیں اور اکابر اہل مدرسہ چاہے تعلیمی ہوں یا مالی ان کے دیکھنے کی ترغیب بھی دیتے رہا کریں۔

۹) اکابر کا طرز اگرچہ تم نے اکابر کا دور بہت ہی کم دیکھا ہے مگر اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو خوب دیکھا ہے ان کو اکابر کے اتباع کا بہت ہی اہتمام تھا۔ ان کے طرز عمل کو اپنانے کی بہت اہتمام سے کوشش کرتے رہیں۔

۱۰) مدرسہ کی شہرت یا اس کی خوبیاں تو جتنی بھی چاہے پھیلائی جائیں مگر اپنی ذاتی شہرت اور ذاتی تفاخر کو پھیلانے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔

۱۱) جن سے کسی وجہ سے تکدر ہو معاملات میں گفتگو میں اس کا ظہور نہیں ہونا چاہیے۔ خندہ پیشانی سے ضرور ملا کریں چاہے اپنے کو کتنی ہی مشقت اٹھانا پڑے۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "طلباء کی شرکت کی فکر کی بجائے ان کے دینی حالات کو بہتر سے بہتر بنانے کی زیادہ فکر کریں۔ کسی قسم کی کوئی امداد گورنمنٹ سے نہ لی جائے اس سے دینی مدارس کے مقاصد کو نقصان پہنچتا ہے۔"

۱۲) مدرسہ کمیٹی کا روڈ ساکو ممبر نہ بنایا جائے نیز روڈ سا سے بڑے چندوں کی امید مت کریں۔ بلکہ قبول ہی نہ کریں کہ فقراء کے پیسے میں برکت ہے دار العلوم اور مظاہر علوم کی ابتدا چھٹی فنڈ سے ہوئی دونوں مدرسوں کے اکابر کا متفقہ فیصلہ تھا کہ غرباء کے پیسے میں برکت ہوتی ہے امراء کے چندہ میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ اللہ کے لیے کرتے ہیں اور امراء نام ونمود کے لیے بالخصوص چندہ ایسے امراء سے نہ لیں جو مدرسہ کو بعد میں اپنی جائیداد سمجھ لیں مولانا قاسم نانوتوی کا واضح اصول تھا کہ امراء سے چندہ نہ لیا جائے۔

۱۳) مغربی نظام اساسی طور پر اسلامی نظام سے متناقض ہے۔ مغربی نظام مطالبہ حقوق پر زور دیتا ہے

جبکہ اسلامی نظام فرائض کی ادائیگی پر زور دیتا ہے۔ مغربی نظام میں ہر فرد اپنے حقوق کا مطالبہ تو کرتا ہے لیکن اپنے فرائض سے کوتاہی کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ادائیگی فرض کو اولیت دیتا ہے کیونکہ اگر ہر فرد معاشرہ میں اپنا اپنا فرض ادا کرنے لگے تو تمام افراد کے حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔

قول رسول ؐ: "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ"۔ ہمیشہ پیش نظر رہے۔

مولانا محمد زکریا نے رسالہ اسٹرائیک میں مغربی نظریہ مطالبہ حقوق کی قباحتوں پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

باب دوئم

تدریسی خدمات اور تعلیمی افکار

حوالہ جات و حواشی

۱۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمن "صفة الصفوة" ج ادائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن طبع اول ۱۳۵۵ھ صہ ۱۰۹

۲۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر "اسلام اور عصر رواں" شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۱ء صہ ۲۶

۳۔ سلیم، پروفیسر سید محمد "دینی مدارس کی روایات اور نصاب کی خصوصیات" ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور طبع اول ۱۹۸۷ء صہ ۱۸

۴۔ بلگرامی، غلام علی آزاد "ماثر الکرام فی آثار الکرام" دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد صہ ۲۱۲

۵۔ محبوب رضوی "تاریخ دیوبند" میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ط۔ن۔ صہ ۱۴۴

۶۔ سندھی، عبیداللہ "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" ادارہ اسلامیات لاہور ط۔ن صہ ۱۲۳

۷۔ یہ مدرسہ مولانا سعادت علی (م ۱۲۸۶ھ) فقیہہ سہارنپوری نے یکم رجب ۱۲۸۳ھ۔ ۹ نومبر ۱۸۶۶ء کو قائم کیا۔

۸۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے "تذکرۃ الخلیل" و "حیات خلیل"

۹۔ میرٹھی، محمد عاشق الٰہی "تذکرۃ الخلیل" کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور ۱۹۶۹ء صہ ۳۶

۱۰۔ حسنی، محمد ثانی "حیات خلیل" مکتبہ اسلام، گوئن روڈ لکھنؤ ط۔ن۔ صہ ۳۲۷

۱۰۔و فیوض الرحمٰن قاری، مشاہیر علماء دیوبند، ج ۱، المکتبۃ العزیزیہ، لاہور ۱۹۷۶ء ط ۱، صہ ۱۶۸

۱۱۔ "حیات خلیل" صہ ۲۵۱

۱۲۔ الحسنی، عبدالحی، مولانا "نزھتہ الخواطر ج ۸ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن صہ ۱۳۶

۱۳۔ دکتور یوسف ایبش "رحلات الامام محمد رشید رضا بیروت صہ ۷۹، بحوالہ حیات خلیل صہ ۲۲۵

۱۴۔ آپ بیتی نمبر ۲ صہ ۸۲، مشاہیر علماء دیوبند، صہ ۲۳۰

۱۵۔ ولی کامل صہ ۱۱۶

۱۶۔ علمائے مظاہر علوم ج ۱ صہ ۱۰۸

۱۷۔ ولی کامل، صہ ۱۱۷

۱۸۔ ایضاً صہ ۱۲۰

۱۹۔ علمائے مظاہر علوم ج ۱ صہ ۱۷۵

۲۰۔ ولی کامل صہ ۱۲۱

۲۱۔ ایضاً صہ ۱۲۳

۲۲۔ ایضاً صہ ۱۲۵) آپ بیتی صہ ۸۱

۲۳۔ ولی کامل، صہ ۱۲۶

۲۴۔ ایک اور تحریر بنام ناظم مدرسہ میں بھی ماھوار مشاہرہ ۲۰ روپے لکھا ہے۔
دیکھئے تاریخ مظاہر ج ۲ صہ ۱۷۸ جبکہ آپ بیتی نمبر ۲ صہ ۹۹ میں ابتدائی تقرر پندرہ روپے ماہوار لکھا ہے لیکن بیس روپے کی تحریر مورخہ ۱۱ شوال ۱۳۸۰ھ کے قابل ترجیح ہے۔

۲۵۔ تاریخ مظاہر ج ۲ صہ ۱۴ بحوالہ رجسٹر ڈاحکامات سرپرستان مدرسہ صہ ۱۵۴

۲۶۔ آپ بیتی نمبر ۲ صہ ۱۵ سے واضح ہوتا ہے کہ "۲۰ سبق مستقل تجویز کئے تھے جن میں آٹھ

کتابیں آخر سال تک ہوئیں۔

۲۷۔ آپ بیتی نمبر۲ صـ۹۷۔ یہ نصیحت سستی شہرت کے لئے تو بہتر ہے لیکن معیاری اور سنجیدہ تدریس کے تقاضے پورے نہیں کرتی علاوہ ازیں یہ رویہ مولانا محمد یحییٰ کے طریق تعلیم کے بھی خلاف ہے جس کے وہ بہت بڑے مداح ہیں۔

۲۸۔ ایضاً صـ۹۸

۲۹۔ بقول شیخ اصول الشاشی " کے مطالعہ اور تیاری میں کئی گھنٹے صرف ہوتے تھے آپ بیتی نمبر۲ صـ۹۸

۳۰۔ آپ بیتی نمبر۲ صـ۱۰۴

۳۱۔ آپ بیتی نمبر۲ صـ۱۰۸

۳۲۔ ایضاً صـ۱۱۵

۳۳۔ ایضاً صـ۱۱۹

۳۴۔ علمائے مظاہر علوم " ج ۲ صـ۱۰۳

۳۵۔ تذکرۃ الخلیل " صـ۳۲

۳۶۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ بحوالہ سوانح شیخ الحدیث صـ۱۰۷

۳۷۔ شاہد، سہارنپوری، سید محمد،

مقدمہ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات " مکتبہ دینیات رائے ونڈ لاہور صـ۷

۳۸۔ ولی کامل صـ۱۵۲، اقبال صوفی محمد، "مجالس ذکر" لاہور صـ۴

نیز پندرہ روزہ "یادگار شیخ " سہارنپور شمارہ ۱۵، نومبر ۱۹۹۱ء صـ۳

۳۹۔ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات صـ۷

۴۰۔ امام مالکؒ ، مؤطا

۴۱۔ امام غزالیؒ، کیمیائے سعادت صہ ۲۲۳ (اردو ترجمہ) لاہور صہ ۱۰۴

۴۲۔ طیب، محمد قاری "تاریخ دارالعلوم دیوبند،، دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی اشاعت اوّل ۱۹۷۲ء صہ ۱۹

۴۳۔ تاریخ مظاہر علوم ج ۱ صہ ۳۹ بحوالہ آئین مدرسین دفعہ نمبر ۲

۴۴۔ زکریا، محمد، رسالہ اسٹرائیک،، مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور ۱۳۸۹ھ صہ ۲۹

۴۵۔ تاریخ مظاہر ج ۲ صہ ۱۲۳

۴۶۔ علمائے مظاہر علوم ج ۱ صہ ۱۷۰

۴۷۔ روداد مدرسہ ۱۲۹۲ھ بحوالہ علمائے مظاہر علوم صہ ۱۷۴

۴۸۔ تاریخ مظاہر علوم ج ۲ صہ ۱۷۵۔ ۷۲

۴۹۔ آپ بیتی میں متعدد پیشکشوں کا ذکر ہے مثلاً دیکھیے آپ بیتی نمبر ۲ صہ ۱۰۹

۵۰۔ مقدمہ تقریر بخاری،، صہ ۱۷ مکتبہ شیخ کراچی صہ ۱۷، الفرقان ،، اشاعت خاص صہ ۲۴۴

۵۱۔ تاریخ مظاہر علوم ج ۲ صہ ۱۷۵

۵۱.۱ ماہنامہ الفرقان ،، خصوصی اشاعت صہ ۲۹۸

۵۲۔ آپ بیتی نمبر ۵، صہ ۳۴

۵۳۔ تاریخ مظاہر علوم ج ۲ صہ ۱۰۲

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ تاریخ مظاہر ج ۲ صہ ۴۲

۵۶۔ تاریخ مظاہر ص۹۹ بحوالہ بیاض حضرت شیخ الحدیث۔
لیکن یہاں تک درس نظامی کے نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ ہے تو یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی اہمیت وافادیت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور اس امر پر تقریباً اتفاق رائے ہے کہ درس نظامی کے نصاب میں بعض تبدیلیاں ناگزیر ہیں" تعلیم اسلامی تناظر میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز" اسلام آباد ۱۹۸۷ء ص۲۱

۵۷۔ آپ بیتی نمبر۲ ص۵۱ تا ۵۲

۵۸۔ زکریا، محمد، رسالہ اسٹرائیک، مکتبہ زکریا، لاہور ۱۳۸۹ھ ص۲۷

۵۹۔ ایضاً ص۲۹

۶۰۔ ایضاً ص۳۰

۶۱۔ تاریخ مظاہر ج ۲ ص۱۸۷

۶۲۔ ایضاً ص۴۵

۶۳۔ ایضاً ص۴۷

۶۴۔ ایضاً ص۲۵

۶۵۔ ایضاً ص۱۷۳

۶۶۔ ایضاً ص۱۷۲

66 A. William Boyd, The History of Western Education, London. Adam & Charles Black, 1947. P-226.

۶۷۔ تاریخ مظاہر ج ۲ ص۱۷۳

۶۷۔الف۔ زکریا، محمد "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" مکتبہ زکریا، لاہور، پاکستان میں پہلی بار ص۲۳

۶۸۔ ایضاً ص۱

۶۹۔ ایضاً ص۲۱

۷۰۔ تاریخ مظاہر ج ۲ ص۱۲۹

۷۱۔ تاریخ مظاہر ج ۲ صـ ۱۳

۷۲۔ "الفرقان" خصوصی اشاعت صـ ۳۱۰

باب سوم
تبلیغی خدمات
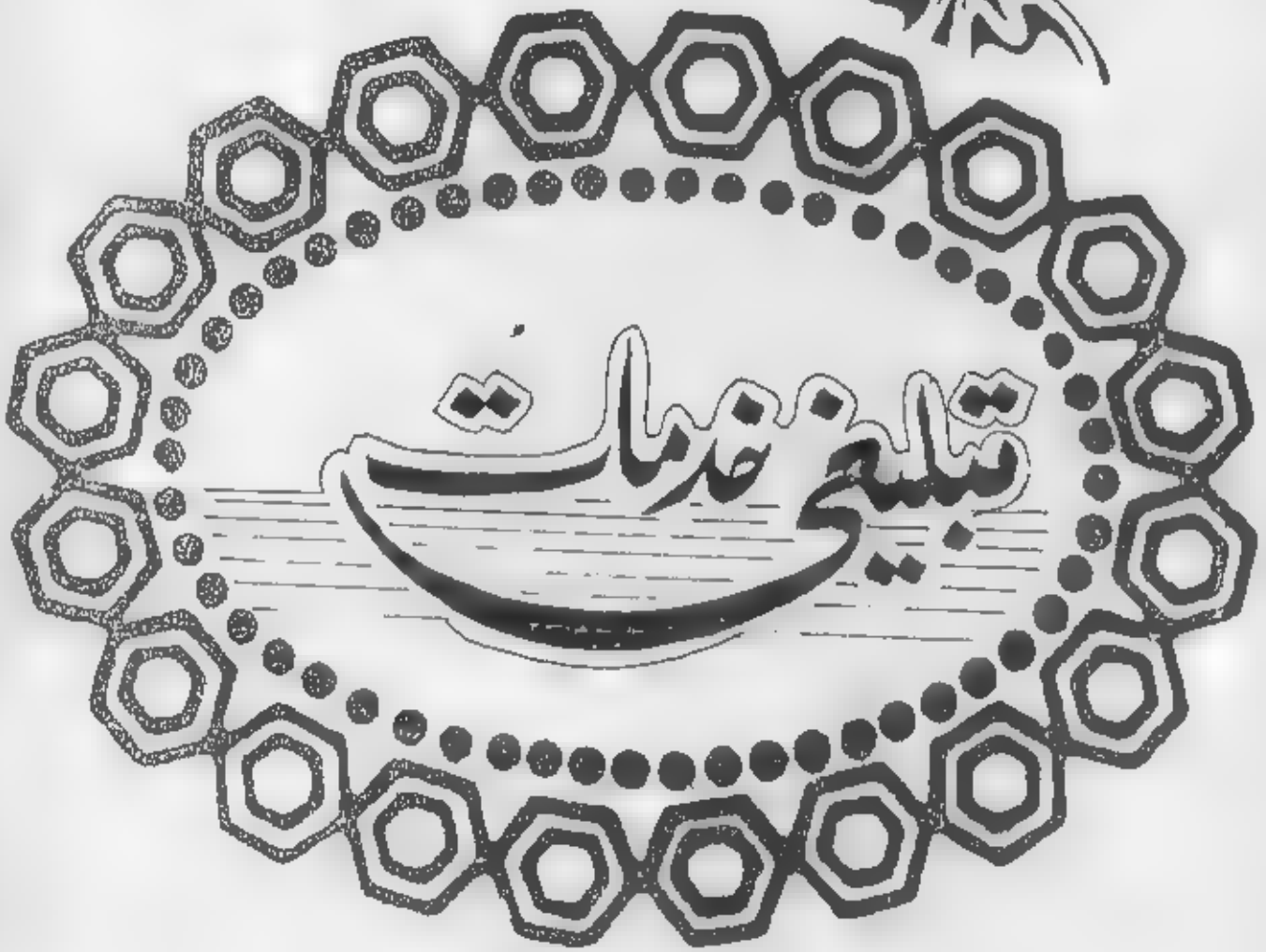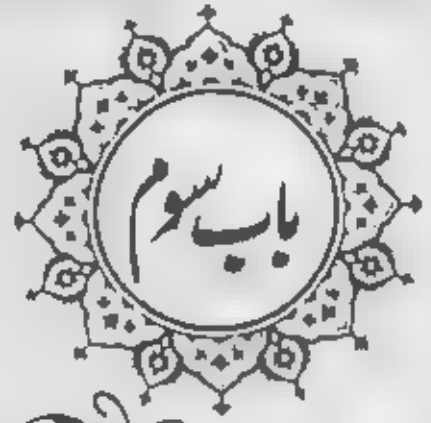
تبلیغی مذہب وہ ہے جس میں
سچائی کا پھیلانا اور غیر مذاہب والوں کو
اپنے مذہب میں لانا...... پھر ایمان والوں
کے دلوں میں سچائی کا وہ جوش ہے جو
چین سے نہیں بیٹھتا، تاوقتیکہ وہ ان کے
عقیدے سے اور قول و عمل سے اپنے تئیں
ظاہر نہیں کر دیتا۔ اور ان کو اس وقت
تک اطمینان نہ ہوتا جب تک وہ اپنا پیغام
ہر فرد بشر تک نہ پہنچا دیں۔ اور تمام نبی نوع انسان
اس چیز کو تسلیم نہ کرے۔ جسے وہ برحق یقین
کرتے ہیں۔

ٹی بی آرنلڈ
پریچنگ آف اسلام ص ۵
محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۲ء

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں ہر شعبہ میں سرکارِ دو عالم کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور آپ کی حیاتِ مبارکہ پوری انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۴)

دعوتِ دین اور تبلیغِ اسلام میں بھی آپؐ ہمارے لئے بہترین اسوہ ہیں کیونکہ آپ کی زندگی سراپا دعوت و تبلیغ ہے جس کے نمایاں امتیازات مندرجہ ذیل ہیں۔

نبوی تبلیغ کے اصول :

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال و کیفیات کا قرآنِ مجید میں بار بار تذکرہ ہے ان کی دعوت اور تبلیغ کا محرک بندگانِ خدا پر رحمت و شفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے بندوں کی اس ابتر حالت کو دیکھ کر ان کا دل جلتا ہے اور خیر خواہی سے ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان کی حالت سدھر جائے۔ امت کے غم سے یہ حالت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جینا بھی دوبھر معلوم ہوتا ہے۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا!

لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (۵)

اس محبت و رحمت کا اقتضاء تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمانوں کی ہر تکلیف شاق گزرتی تھی اور چاہتے تھے کہ ہر بھلائی اور خیر کا دروازہ ان پر کھل جائے۔

ارشاد ہے۔

لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (۶)

۲۔ دعوت و تبلیغ کا نبوی اصول یہ بھی ہے کہ نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے جس سے مخاطب متاثر ہو اور بات اس کے دل میں اتر جائے مثلاً منافقین نے اسلام کو نقصان

پہنچانا چاہا اور جس طرح اسلام کی دعوت اور رسالت محمدیہ کو ناکام کرنا چاہا وہ بالکل ظاہر ہے۔

با ایں ہمہ آپ کو یہی حکم دیا جاتا ہے :-

فاعرض عنہم وعظہم وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا (۷)

اس سے اندازہ لگائیے کہ جب اس نرمی اور سہولت اور دل میں گھر کر لینے والی بات کا طریق منافقوں سے برتنے کا حکم ہے، تو عام نادان مسلمانوں کو بتانے اور سمجھانے کا کیسا طریقہ ہونا چاہیے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے دعوت میں اس اصول کا حکم دیا ہے :-

(۸)
ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن میں دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو انہیں نصیحت فرمائی :-

یسرا ولا تعسرا و بشرا ولا تنفرا (۹)

بس مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس جماعت کو دعوت دے انہیں آسان سے آسان طریقے سے دین کو پیش کرے، سختی نہ کرے، ان کو خوشخبری اعمال کی بشارت اور مغفرت الہٰی کا تذکرہ کرے نیز ان کی حوصلہ افزائی کرے۔

۳۔ تبلیغ کا ایک نمایاں اصول الاہم فالاہم کی ترتیب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اور تبلیغ کا آغاز کیا۔ تو سب سے پہلے توحید و رسالت کی تاکید کی قریش پوچھتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا فقط ایک کلمہ اگر تم اس کو مان لو گے تو سارا عرب و عجم تمہارا مطیع ہو جائے گا۔ اللہ کی الوہیت اور رسول کی رسالت درحقیقت وہ تخم ہے جس کے اندر سارے احکام کا برگ و بار نکلتا ہے سب سے پہلے اسی کی تخم ریزی چاہیے۔ اس کے بعد احکام کا دور آتا ہے۔ قرآن پاک کا طریق نزول خود اس سے طریق دعوت کی صحیح مثال ہے۔ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ قرآن پاک میں پہلے قلوب کو نرم کرنے والی

آیتیں نازل ہوئیں جن میں جنت دوزخ کا ذکر ہے یعنی جن میں ترغیب و ترہیب ہے پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیات نازل ہوئیں اور اگر پہلے ہی اتر تا کہ شراب مت پیو تو کوئی نہ مانتا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے نزول میں بھی یہ تبلیغی ترتیب ملحوظ رہی ہے۔

۴۔ دعوت و تبلیغ کا ایک امتیازی اصول نبوی "عرض" ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپ اور آپ کے داعی خود لوگوں تک پہنچتے تھے اور دین کی دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے۔ اور دعوت حق پیش کرتے۔ مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے رؤسا کے گھروں میں جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا۔ حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے اور ان کی مخالفت اور استہزا کی پرواہ نہ فرماتے تھے۔ آخر اس تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب ملک میں امن و امان ہوا تو رسول اللہ وسلم کے سفرا مختلف سلاطین اور رؤسا کے پاس اسلام کی دعوت اور پیغام لے کر پہنچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی و مبلغ کا فرض ہے کہ وہ لوگوں تک خود پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔

۵۔ نبوی تبلیغ کا ایک اہم اصول "نفیر" ہے یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترک وطن کر کے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہو سکے، اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن میں آکر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا مثلاً سورت توبہ کی یہ آیت خاص اسی مفہوم کی ترجمان ہے۔

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ ط فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون (۱۰)

عہدِ نبوی میں اسی طرح وفود بنا بنا کر مختلف قبائل سے لوگ مدینہ منورہ آتے اور ہفتہ عشرہ بعض دو عشرے رہ کر دین کا علم اور عمل حاصل کر کے اپنے اپنے قبائل واپس جاتے اور یہ حاصل کردہ دین لوگوں کو پہنچاتے اور سکھاتے۔

۶۔ عہدِ رسالت میں مسجدِ نبوی کے چبوترے پر اصحابِ صفہ کا حلقہ تھا جن کا کہیں گھر نہ تھا گزر بسر کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اور بوقت ضرورت مختلف مقاموں میں بھی مبلغ بنا کر بھیجے جاتے، ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم اور حضورِ انورؐ کی صحبت سے فیض یابی اور عبادت میں انہماک ان کے کام تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایسے گروہ کا انتظام رکھنا بھی نظمِ جماعت سے ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ گروہ خاص تربیت سے پیدا ہوتا ہے اور صحبتِ نبوی کی برکت سے ظاہری و باطنی فیوض سے مالا مال رہتا تھا اور تبلیغی امور کو انجام دیتا تھا۔۔۔ اس طرح تعلیم کا طریقہ زیادہ تر فیض صحبت، زبانی تعلیم و احکام و مسائل کا ذکر اور مذاکرہ، اور ایک دوسرے سے پوچھنا اور سیکھنا اور بتانا تھا۔ ان کی راتیں عبادتوں سے معمور رہتی تھیں اور شب و روز کاروبارِ دین میں معروف۔ اور آخری بات یہ ہے کہ یہ تمام تبلیغ کا پروگرام اور دعوت کا عمل بلا اجرت ہوتا تھا۔

جیسا کہ تمام انبیاء نے اعلان فرمایا۔

وما اسئلكم عليه من اجر ان اجرى الا على رب العلمين (۱۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ اصولوں کو اپنائے ہوئے دینِ اسلام۔۔۔ آخری پیغامِ الٰہی بڑی وضاحت، تندہی، لگن اور کامیابی سے پہنچایا۔ پھر ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے اعلان فرمایا۔

یا ایها الناس! وانتم تسئلون عنی فما انتم قائلون

صحابہؓ نے جواب دیا۔

نشہد انک قد بلغت و ادیت و نصحت ۔

یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور تین بار فرمایا۔ اللھم اشہد اس کے بعد آپؐ نے فرمایا!

فلیبلغ الشاھد الغائب

تاریخ شاہد ہے کہ نبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے بڑی دیانت اور اخلاص سے انسانیت کو یہ بار امانت ـــــ خیر کی دعوت معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت فرمائی ـــــ

بعد ازیں حدیث خیر القرون کے مطابق جماعت تابعین اور جماعت تبع تابعین نے بڑی جانفشانی اور ایثار سے پیغام الٰہی چہار دانگ عالم میں پھیلایا ـــــ اور آج دنیا میں ایک ارب کے قریب فرزندانِ اسلام ـــ صحابہ کرامؓ اور بے شمار بے لوث مسلمان مبلغین کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہیں۔

تبلیغی جماعت۔ تعارف اور جائزہ

ہندو پاک کی تبلیغی جماعت جس کی اب تمام عالم میں صدائے بازگشت ہے۔ اس کے بانی مولانا محمد الیاسؒ ہیں جن کا تذکرہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کیا ہے۔ اس باب میں ہم دعوت و تبلیغ کے حوالے سے ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں مولانا محمد الیاس نے دعوت و اصلاح کا آغاز علاقہ میوات سے کیا جو دہلی سے جنوب کی طرف واقع ہے جہاں قدیم زمانہ سے میو قوم آباد ہے۔ یہ قوم کب اور کیسے مسلمان ہوئی؟ اس قوم کی ابتدائی تاریخ اور اس کے اسلام قبول کرنے کے زمانے پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں صرف چند متعارض روایات کے سوا کوئی مستند تاریخی ماخذ نہیں (۱۲) میو قوم نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنے قدیم عقائد پوری طرح نہ چھوڑے تھے ان کے قلوب میں اسلام راسخ نہ ہوا بلکہ یہ قوم اسلامی اور غیر اسلامی عقائد کا ایک معجون مرکب تھی جیسا کہ میجر پاؤلٹ جو انیسویں صدی کے آخر میں ریاست الور کا افسر بندوبست رہا ہے رقم طراز ہے۔

"میو اپنے عادات میں آدھے ہندو ہیں ان کے گاؤں میں شاذ و نادر ہی مسجدیں ہوتی ہیں تحصیل تجارا میں میوؤں کے ۵۲ گاؤں ہیں جن میں صرف آٹھ مسجدیں ہیں البتہ مندروں کو چھوڑ کر میوؤں کی عبادت کی ویسی ہی جگہیں بنی ہوتی ہیں جیسی ان کے ہمسایہ ہندوؤں کے یہاں ہوتی ہیں۔.........
جس پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں، شب برات میں سید سالار مسعود غازی کا جھنڈا ابھی ہر گاؤں میں پوجا جاتا ہے۔" (۱۳)

بھرت پور کے گزٹیئر میں ہے۔

"میوؤں کے رسوم ہندوؤں اور مسلمانوں کے رسم و رواج کا معجون مرکب ہے وہ ختنہ کرتے ہیں، نکاح کرتے ہیں اور اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں.......... ہندوؤں کے رسوم میں سے ہولی اور دیوالی مناتے ہیں ایک گوت میں کبھی شادی نہیں کرتے، لڑکیوں کو ترکہ نہیں ملتا وہ بچوں کے

اسلامی اور ہندووانہ نام رکھتے ہیں (۱۴)

میوات کے بعض علاقوں میں دینی مدرسے تھے جن کی وجہ سے مذہبی فرائض کی پابندی ہوتی تھی اور بعض لوگ لباس وشکل سے بھی مسلمان معلوم ہوتے تھے لیکن عام طور پر ناموں میں سنگھ لگتا تھا اور گوبر کی پوجا ہوتی تھی۔ اکثر علاقوں میں نماز تک سے ناواقفیت تھی۔ اگر کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے تو حیرت میں آجاتے اور سمجھتے کہ یہ شخص بیمار ہے اور کسی درد میں مبتلا ہے۔ میوات میں دینی تعلیم اور اصلاح کا آغاز مولانا محمد الیاس کے دادا مولانا محمد اسمٰعیل اور بھائی مولانا محمد کے ذریعے ہوا جس کا تذکرہ ضلع گوڑگانواں کے گزیٹیر میں اس طرح ہے۔

"کچھ عرصہ سے میوات میں کچھ مذہبی معلم پیدا ہو گئے ہیں اور کچھ ان میں رمضان کے روزے بھی رکھنے لگے ہیں، نمازیں بھی پڑھنے لگے ہیں ان کی عورتیں ہندوانہ گھگھروں کے بجائے پجامے پہننے لگی ہیں یہ مذہبی بیداری کی علامات ہیں۔ (۱۵)

ان خوش آئند تبدیلیوں میں میواتی حضرات کا بڑا دخل ہے جن کا تعلق بستی نظام الدین کے اس عالی مرتبت خاندان سے رہا ہے ان میں حاجی عبدالرحمٰن اور مولانا عبدالسبحان میواتی قابل ذکر ہیں انہیں حضرات نے حضرت مولانا محمد الیاس سے درخواست کی کہ وہ حسب سابق تعلقات کی بناء پر میوات تشریف لے چلیں اور والد و بھائی کے نیازمندوں کو زیارت اور پھر سے ارادت واخلاص کا رشتہ قائم کرنے کا موقع دیں۔

حضرت مولانا کو معلوم تھا کہ یہ میو قوم جہالت، دین سے ناواقفی اور تہذیب وتمدن سے دوری کے باوجود بعض اعلیٰ اخلاق ومحاسن اور فطری صلاحیتوں کی مالک ہے۔ سادگی وجفاکشی عزم اور قوت عمل، صلابت اور حمیت اس کے خاص جوہر ہیں جن کی بدولت وہ ارتداد کے سیلاب میں اب تک نہ بہہ سکی اور اسلام سے گو برائے نام سہی قائم رہی۔ یہ قوم ہندوستان میں اس چودھویں صدی میں بہت کچھ عرب جاہلیت کا نمونہ تھی۔

؎ وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی   خدا کی زمین بن جتی سر بسر تھی

مولانا کے نزدیک میواتی قوم کی اصلاح کی تدبیر صرف یہ تھی کہ ان میں دین کا علم پھیلایا جائے، شریعت کے

احکام سے وہ واقف ہوں اور جہالت و وحشت سے دور ہوں ۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا محمد نے یہی طریقۂ علاج اختیار کیا تھا میوات کے بچوں کو انہوں نے اپنے یہاں رکھ کر اور اپنے مدرسہ میں تعلیم دیکر میوات میں اصلاح و ارشاد کے لیے بھیج دیا تھا ۔ اور میو قوم میں جو تھوڑی بہت روشنی اور دینداری تھی وہ انہی اشخاص کی بدولت تھی جو ان بزرگوں کے تربیت یافتہ تھے ۔ مولانا الیاس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور خود میوات میں دینی مکاتب کا قیام ضروری سمجھا تاکہ دین کا حلقہ وسیع ہو اور میواتی قوم میں قدرے بڑے پیمانہ پر اصلاح و ارشاد ممکن ہو سکے چنانچہ ایک مرتبہ خود فرمایا ۔

" جب پہلی مرتبہ چند مخلصوں نے بڑے جوش و اخلاص کے ساتھ مجھ سے میوات چلنے کی درخواست کی تو میں نے کہا کہ میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کروگے " (۱۶)

اس وعدہ کے بعد حضرت مولانا میوات تشریف لے گئے اور اپنی شرط کے مطابق ایک مکتب قائم کر دیا اور اس طرح مکاتب کا سلسلہ شروع ہو گیا اس پہلے سفر میں دس مکتب قائم کیے اور تھوڑی مدت میں کئی سو مکتب قائم ہو گئے جن میں قرآن مجید کی تعلیم ہوتی تھی لیکن اس طرز سے میو قوم میں صرف جزوی اصلاح ہوئی ۔ اور جن مطلوبہ نتائج کے مولانا خواہشمند تھے وہ برآمد نہ ہوئے ۔ اپنے تجربات سے انہیں یہ بصیرت اور ادراک حاصل ہوا کہ خواص کی اصلاح اور دینی ترقی مرض کا علاج نہیں آپ کے اس ادراک کو ایک میواتی نے یوں بیان کیا کہ

" جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے کچھ نہیں ہو سکتا "

مکاتب کے ذریعے اصلاح پر آپ کا عدم اطمینان کئی شاہدات پر مبنی تھا مثلاً مکتب میں دینی تعلیم صرف بچوں کے لئے ہو رہی ہے اور بالغوں کی تدریس کا کوئی انتظام نہیں ۔

اس طرح پوری قوم کو ان مکاتب کے ذریعہ دین کی تعلیم اور اسلامی تربیت ممکن نہیں علاوہ ازیں پورے ماحول کی بے دینی اور عمومی جہالت کا اثر مکاتب پر بھی ہو رہا تھا اور ان مکاتب سے فارغ طلباء اس بے دینی اور جہالت

کے سیلاب کے سامنے بے بس ہے۔ اور خود بھی اس ماحول میں رنگ جاتے۔ مگر مولانا کا ایک نوجوان سے تعارف کرایا گیا کہ یہ فلاں مدرسہ سے فارغ ہے لیکن ان کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، چہرے اور لباس سے دین کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ اس واقعہ سے مولانا کا مکاتب کی طرف سے دل پھیکا ہو گیا۔ جس کا اظہار آپ نے ایک خط بنام مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری (م۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) اس طرح کیا ہے۔

" شاہ صاحب! میں نے شروع میں مدرسہ میں پڑھایا تو طلبہ کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کثرت سے آنے لگے۔ میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم مولوی بننے ہی کے لیے مدرسہ آتے ہیں مجھ سے پڑھنے کے بعد وہ بھی عالم مولوی ہی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل وہی ہوں گے جو عام طور سے اختیار کیئے جاتے ہیں۔ ....

....

اس کے بعد ایک وقت آیا جبکہ میرے حضرت نے مجھ کو بیعت کی اجازت دے دی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی .... اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا کیا نتیجہ نکلے گا زیادہ سے زیادہ یہی کہ کچھ اصحاب احوال اور ذکر شاغل لوگ پیدا ہو جائیں۔..... یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں بخشی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اس کام میں لگایا جائے جس میں حضورؐ نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں۔ اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص طور سے غافلوں بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا بس ہماری تحریک یہی ہے (۱۷)

الغرض مولانا اپنے تجربات سے اس نتیجے تک پہنچے کہ نہ بچوں کی تعلیم سے ہی کوئی دینی انقلاب آسکتا ہے اور نہ ہی خواص کی اصلاح سے کوئی مفید نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس مقصد کے لیے ایک عمومی دینی تحریک کی ضرورت ہے۔ جو اسوۂ نبوی پر مبنی ہو۔

اصُول وضوابط :-

اب مولانا نے اپنی دعوت واصلاح کا رخ عوام کی طرف کیا۔ اس سلسلہ میں قصبہ نوح ضلع گوڑگانواں میں ۲ اگست ۱۹۳۴ء کو ایک پنچایت کی گئی جس کی صدارت مولانا محمد الیاس ؒ نے کی جس میں میوات کے تمام سرکردہ لوگ اور مؤثر شخصیات جمع ہوئیں جن کی تعداد تقریباً ۱۰۷ تھی اس پنچایت میں اُصول اسلام کی اہمیت بیان کی گئی اور پھر عہد کیا گیا کہ ارکان اسلام کی پورے طور سے پابندی کی جائے۔ دین کی اشاعت اور دعوت کا کام اجتماعی طور سے عوامی سطح پر کیا جائے۔ نیز اس کام کے لئے پنچائتیں کی جائیں جن میں مندرجہ ذیل امور کی پابندی کا عہد لیا جائے۔

۱۔ کلمہ کا صحیح یاد کرنا۔

۲۔ نماز کی پابندی۔

۳۔ حصولِ تعلیم اور اس کی اشاعت۔

۴۔ اسلامی شکل وصورت۔

۵۔ اسلامی اسوم کا اختیار کرنا اور رسوم شرکیہ کا مٹانا۔

۶۔ عورتوں میں پردہ کی پابندی۔

۷۔ اسلامی طریقے سے نکاح کرنا۔

۸۔ خواتین میں اسلامی لباس کا رواج۔

۹۔ اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا۔

۱۰۔ باہمی حقوق کی نگہداشت وحفاظت۔

۱۱۔ ہر جلسے اور اجتماع میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا۔

۱۲۔ بغیر دینی تعلیم کے بچوں کو دنیوی تعلیم نہ دینا۔

۱۳۔ دین کی تبلیغ کے لئے محنت اور مشقت کرنا۔

۱۴۔ پاکی کا خیال رکھنا۔

۱۵۔ باہمی عزت و آبرو کی حفاظت۔

مذکورہ امور کے علاوہ پنچایت میں یہ طے کیا گیا کہ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں بلکہ سب مسلمانوں کا فریضہ ہے اور ہم سب اس کو انجام دیں یہ تمام طے شدہ امور تحریر میں لائے گئے پنچایت نامہ مرتب کیا گیا اور اس پر شرکاء نے دستخط کئے۔ (۱۸)

فی الحقیقت اس پنچایت سے تبلیغی جماعت کا باقاعدہ آغاز ہوا اور مندرجہ ذیل طریق کار وضع کیا گیا۔

۱۔ اس دینی تحریک میں دین سیکھنے کا نبوی، فطری اور عمومی طریق کار اپنایا گیا یعنی سارے طبقوں میں دینی دعوت کو عام کیا جائے اور جملہ طبقوں کو اس کا حامل اور داعی بنانے کی سعی کی جائے۔

۲۔ دین کے لئے عملی جدوجہد، نقل وحرکت اور سعی و محنت کو عام کیا جائے۔

۳۔ دینی تعلیم و تعلم نیز تبلیغ دین کو مسلمانوں کی زندگی کا جزء بنایا جائے۔ دین کے لئے عارضی ترکِ وطن کو لازمی قرار دیا گیا یعنی ہر مسلمان دین سیکھنے اور سکھانے کے لئے اپنے مشاغل اور ماحول کو چند دن کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ جائے اور بہتر ماحول میں یکسوئی سے دین سیکھے۔

اس کے لئے یہ چھ اصول ضروری قرار دیئے گئے۔

۱۔ کلمہ کی تصحیح

۲۔ نماز کی تصحیح

۳۔ علم و ذکر کی تحصیل

۴۔ اکرام مسلم

۵۔ تصحیح نیت

۶۔ تفریغ وقت یعنی وقت فارغ کرنا

اس طریق کار اور اصولوں کے ساتھ حسب ذیل مطالبے رکھے گئے۔

۱۔ ہر ماہ کچھ وقت اپنے ماحول میں ضروریات دین (کلمہ و نماز) کی تبلیغ کی جائے اور باقاعدہ جماعت بناکر ایک نظام کے تحت قرب و جوار میں گشت کیا جائے۔

۲۔ میواتی ہر مہینے میں تین دن کے لئے پانچ کوس کے حدود کے اندر دیہات میں جائیں اور شہری لوگ شہروں اور قریب کی آبادیوں میں جاکر تبلیغ کریں اس سلسلے میں گشت و اجتماع کیا جائے اور دوسروں کو نکلنے پر آمادہ کیا جائے۔

۳۔ کم سے کم چار مہینے دین سیکھنے کی غرض سے اپنے گھر اور وطن سے نکلیں اور ان مراکز میں جائیں جہاں دین اور علم زیادہ ہے۔

اس دعوتی سفر اور نقل و حرکت کے دنوں کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا جائے جس کے تحت جماعتیں کام کریں۔ ایک وقت میں گشت، ایک وقت میں اجتماع اور ایک وقت میں ضروریات کا پورا کرنا ہو اور یہ تمام کام ترتیب و تنظیم کے ساتھ ہونے چاہییں اس طرح تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ اور ایک اخلاقی تربیت گاہ بن جاتی ہے۔

تبلیغ کے لئے کم از کم دس آدمیوں کی جماعت نکلے سب سے پہلے اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنائے پھر سب مسجد میں جمع ہوں اگر وقت ہو تو وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کر لیں سب مل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں نصرت، کامیابی، تائید خداوندی اور توفیق الٰہی کے طلب گار ہوں اور اپنے ثبات و استقلال کے لئے دعا مانگیں دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور سارے محلے یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں اول ان کو نماز پڑھوائیں پھر تبلیغ کے لئے آمادہ کریں۔

جو لوگ اس کام کے لئے تیار ہوں ان کی ایک جماعت بنادی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو امیر مقرر کیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرایا جائے ہر تبلیغ کرنے والے کو اپنے امیر کی اطاعت کرنی چاہیے اور امیر کو چاہیے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گزاری، راحت رسانی، ہمت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرنے اور باہمی مشورہ سے امور طے کئے جائیں نیز ان امور کی پابندی کیجائے۔

۱۔ ہر فرد کھانے پینے اور کرائے کا خرچ خود برداشت کرے اگر گنجائش ہو تو اپنے ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

۲۔ اپنے ساتھیوں کی خدمت گزاری و ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اور ان کے ادب و احترام میں کمی نہ کریں۔

۳۔ عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کا برتاؤ رکھے بات کرنے میں نرم لہجہ اور تواضع کا پہلو اختیار کرے کسی مسلمان کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے بالخصوص علمائے دین کی عزت اور احترام میں کوتاہی نہ کرے۔

۴۔ فرصت کے اوقات کو جھوٹ، غیبت، لڑائی فساد کھیل تماشے کی بجائے مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور اہل دین کے پاس بیٹھنے میں گزارے جس سے خدا اور رسول کی باتیں معلوم ہوں۔ ایام تبلیغ میں اپنے اوقات کو تین حصّوں میں تقسیم کرے۔

الف۔ تعلیم جو منظم جماعت کی زیر نگرانی ہو۔

ب۔ ذکر تلاوت قرآن اور دیگر اوراد میں مشغولیت۔

ج۔ دوسروں کو تبلیغ کی ترغیب دینا اس کی اہمیت وضرورت بتانا یہ تمام عمل امیر جماعت کے زیر نگرانی ہو۔

۵۔ جائز طریقوں سے حلال روزی کمانا اور کفایت شعاری کے ساتھ اسے خرچ کرے اپنے اہل و عیال اور دیگر اقرباء کے شرعی حقوق ادا کرے۔

۶۔ کسی نزاعی مسئلے اور فروعی بات کو نہ چھیڑے بلکہ صرف تبلیغ کے چھ اصولوں کی دعوت دے۔

۷۔ اپنے افعال و اقوال کو خلوص نیت سے انجام دے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجب خیر و برکت ہے بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں کوئی ثمرہ ملتا ہے اور نہ آخرت میں اجر و ثواب۔

ایک موقع پر مولانا الیاسؒ نے فرمایا تھا:

"کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اسلام کے پورے علمی و عملی مقام سے اُمّت کو وابستہ کرنا ہے قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت اس کا ابتدائی ذریعہ ہیں اس طرح کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے نصاب کی الف۔ ب۔ ت ہے۔ ہمارے کارکن ہر جگہ پہنچ کر اپنی جد و جہد سے ایک حرکت بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے مقامی اہل دین سے وابستہ کر دیں۔ (۱۹)

اس سلسلے میں مولانا نے ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف کارکنوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ

"ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ و فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے آپ لوگوں نے بددینی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے جو اشتعال انگیز ہوں بلکہ اس قسم کے الفاظ نکلنے چاہییں جس سے کسی خاص فرقے یا جماعت پر طعن نہ ہو۔ بہرکیف تحریر و تقریر میں نہ ایسے الفاظ نکلیں جن سے اندیشہ و خطرہ ہو فساد کا اور نہ ایسے خیالات کا اظہار ہو جس سے بدگمانی اور بدظنی پڑھے سارے مسلمان اپنے ہی بھائی ہیں جب نرمی اور طریقے سے لایا جائے گا تو خود ہی حق پر آجائیں گے۔ (۲۰)

مولانا نے تعلیم و تذکیر پر بڑا زور دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہیے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں بلکہ اس ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے۔ لہذا نکلنے کے زمانے میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے۔ (۲۱)

تبلیغی جماعت کے نظم و ضبط اور طریق کار کے سلسلے میں یہ چند اشارات ہیں۔

اس تحریک نے عوام و خواص میں ایک حرکت پیدا کر دی۔ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی میوات گئے اور فیروز پور نمک میں قیام کیا۔ اس سال ۱۳۴۴ھ میں مولانا محمد الیاس مولانا خلیل صاحب کی معیت میں دوبارہ حج کے لئے گئے اور ۱۳۴۵ھ میں حج سے واپس آئے واپسی پر مولانا نے عمومی دعوت کا پروگرام جاری رکھا۔

۱۳۵۱ھ میں مولانا محمد الیاس تیسری مرتبہ حج کے لئے گئے اور ۱۳۵۲ھ میں حج سے واپسی کے بعد اس کام کو تیز تر کر دیا مولانا نے بڑی جماعت کے ساتھ میوات کے دورے کئے اور پھر اس علاقے کے لوگوں کی

جماعتوں کو یوپی کے تمام شہروں اور قصبوں کاندھلہ رائے پور، سہارنپور بھیجیں۔

مولانا محمد الیاس نے تبلیغی کام کو سائنٹفک بنیاد پر منظم کیا چنانچہ انہوں نے میوات کی تحصیلوں کے نقشے اور سارے ضلع گڑگانواں کا نقشہ تیار کروایا سمتیں اور خطوط مقرر کئے مبلغین کا کارگزاری لکھنے کی ہدایت کی گاؤں کی آبادی فاصلہ اور نمبرداروں کے نام لکھنے کا ڈول ڈالا اور اس طرح تبلیغ کا ایک باقاعدہ نظام قائم کردیا لوگوں میں دین کے لئے کام کرنے کی تڑپ پیدا ہوگئی اور سارا ماحول ہی بدل گیا۔

جماعتوں کے باہر نکلنے سے بڑے مفید اثرات مرتب ہوئے ۱۳۵۶ھ میں مولانا چوتھے حج کے لئے گئے اور تبلیغ و دعوت کے نظام کو مرکز اسلام میں متعارف کرایا اور حج سے واپس آکر مولانا نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں اور بڑھا دیں مولانا محمد الیاس نے اہل علم، ارباب درس و تدریس اور علماء کو اس طرف متوجہ کیا شروع شروع میں لوگوں نے بے اعتنائی کی مگر جب انہوں نے اس دعوت و تبلیغ کے ثمرات دیکھے تو اس کی طرف متوجہ ہوئے اور خود مولانا نے مدرسہ مظاہر العلوم کے اساتذہ کے ساتھ نواح کے دیہات و قصبات میں دورے کئے یہاں تک کہ دہلی اور باہر کے لوگوں کو مولانا کے کام سے دلچسپی پیدا ہوگئی دہلی کے پنجابی سوداگران نے خصوصی دلچسپی لینی شروع کردی دیگر اہل الرائے حضرات نے بھی توجہ کی یہاں تک دور کے شہر و قصبات خورجہ، علی گڑھ، آگرہ و بلند شہر میرٹھ، مراد آباد، لکھنؤ اور کراچی تک جماعتیں جانے لگیں نہ صرف میوات میں اصلاح کا کام باحسن وجوہ انجام پانے لگا بلکہ برصغیر پاک و ہند اس کے برکات و فیوض سے مستفید ہونے لگا۔

مولانا محمد الیاس نے دعوت و تبلیغ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ حتیٰ کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی سوز دروں کا یہ عالم ہے کہ جب انہیں شدید علالت اور زندگی کے خطرے کی وجہ سے بولنے سے روکا جاتا ہے تو ان کا جنون نما سودا پکارتا ہے:

"دعوت الی اللہ دین کی عمومی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و اصلاح کے جن نبوی طریقے کے زندہ کرنے

اور رواج دینے میں لگا ہوا ہوں زندگی کے خطرے کی وجہ سے اس کے کاموں کو نہ کرنا میں کسی حال میں اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ نماز میں قیام کی فرضیت کا علم و احساس میوات میں عام طور پر الحمد اللہ پائی جاتی ہے لیکن دعوت الی اللہ اور تبلیغ و اصلاح کی کوشش کے فریضہ کو عام طور سے بھلا دیا گیا ہے حالانکہ یہ وہ فریضہ ہے کہ دین کے باقی تمام فرائض اور شعائر کا قیام و بقا اس پر موقوف ہے اس لئے میں اس بارے میں اپنے لئے کوئی رخصت نہیں سمجھتا۔ اگر ایک معتد بہ تعداد اس فریضہ کی واقعی اہمیت کا احساس کما حقہ کرنے لگے تو پھر میرے لئے بھی اس میں رخصت ہو جائے گی لیکن جب تک ایسی ایک جماعت پیدا ہو نہیں جاتی جو اس کام کی اہمیت کا پورا احساس اور اندازہ کر کے اس کے تقاضے کے لئے تیار ہو اس وقت تک میرے لئے جائز نہیں ہے کہ تخوف جان میں اس کام کو چھوڑ دوں یا ملتوی کر دوں" (۲۲)

مولانا محمد الیاس کا ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) بروز جمعرات صبح صادق کے وقت انتقال ہوا اس داعی الی اللہ کے وصال پر مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا کے وصال سے بظاہر تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان یا ہزاروں عالموں اور بزرگوں میں ایک بزرگ عالم اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور یہ سب کچھ اس دنیا میں روز ہی ہوتا رہتا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے رہتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا اکیلا وجود لاکھوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے، اور وہ پتھروں کی کان میں لعل اور ہیرا ہوتے ہیں بے شک حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی رجالِ عظام میں سے تھے اور ایسوں کی موت و حیات روحانی دنیا میں بڑا تغیر اور انقلاب عظیم ہے۔"

"آہ جنہوں نے نہیں جانا ان کو کس طرح بتایا جائے اور کیسے باور کرایا جائے کہ کتنی بڑی چیز کھو گئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

مولانا محمد الیاس کے انتقال کے بعد ان کے فرزند رشید مولانا محمد یوسف ان کے جانشین مقرر ہوئے اور انہوں نے جانشین کا صحیح حق ادا کر دکھایا انہوں نے اس دعوت و تحریک کو برصغیر پاک و ہند کے حدود سے نکال کر عالمی اور بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا۔

مولانا محمد یوسف :۔

مولانا محمد یوسف ۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء) کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے اس زمانے میں مولانا محمد الیاس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا ان کی تربیت پر والدین نے خاص نظر رکھی وہ عام طلبہ کے ساتھ ان کے مشاغل اور ذمہ داریوں میں برابر کے شریک رہتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے اس طرح شروع ہی سے ان میں فرائض کی ذمہ داری، وقت کے قیمتی ہونے کا احساس اور تعلیم کا شوق بھی پیدا ہو گیا اور صحابہ کرام کے مقدس حالات اور خدا کی راہ میں ایثار و قربانی کے واقعات سے مولانا محمد یوسف کو گہری دلچسپی ہو گئی "فتوح الشام" کا منظوم اردو ترجمہ "صمصام الاسلام" بچپن میں ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ اس کتاب میں صحابہ کرام کے جہاد اور فتوحات کا ذکر ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے تجوید قاری معین الدین سے سیکھی اور گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد مولانا محمد الیاس سے مدرسہ نظام الدین میں عربی کی تعلیم شروع کر دی آپ کو اکثر دینی کتابیں حافظ منیر الدین نے پڑھائیں اور کنز الدقائق حافظ حسن گنگوہی سے پڑھی۔

جب مولانا الیاس حج کے لئے تشریف لے گئے تو مولانا محمد یوسف ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں داخل ہو گئے اسی سال وہاں انہوں نے میبذی اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں ۱۳۵۴ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر العلوم میں داخل ہوئے اور صحیح بخاری مولانا عبد اللطیف سے صحیح مسلم مولانا منظور احمد سے سنن ابو داؤد مولانا زکریا سے اور جامع ترمذی مولانا عبد الرحمٰن کمال پوری سے پڑھیں مولانا انعام الحسن صاحب مولانا محمد یوسف کے ہم سبق رہے ہیں۔

مولانا محمد یوسف کی علالت کی وجہ سے انہیں نظام الدین آنا پڑا مولانا انعام الحسن صاحب بھی ہمراہ

آئے اور صحاح اربعہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد جامع ترمذی) کا بقیہ حصہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں (ابن ماجہ اور نسائی) شرح معانی الآثار طحاوی اور مستدرک حاکم مولانا محمد الیاس سے ختم کیں۔

۳ محرم ۱۳۵۴ھ کو مولانا محمد یوسف کا عقد مولانا محمد زکریا کی صاحبزادی سے ہوا مولانا حسین احمد مدنی رح نے نکاح پڑھایا اس کے بعد مولانا انعام الحسن کی معیت میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رح کی تحریک پر اپنے والد مولانا محمد الیاس سے بیعت ہوئے۔

۲ جولائی ۱۹۴۴ھ بروز چہار شنبہ جب مولانا محمد الیاس سفر آخرت کی تیاری میں تھے مولانا محمد زکریا رح مولانا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا ظفر احمد تھانوی کو ان کا پیغام پہنچا کہ

"مجھے اپنے آدمیوں سے ان چند پر اعتبار ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر لوگوں کو بیعت کروا دیں۔

۱۔ حافظ مقبول حسین

۲۔ قاری داؤد صاحب

۳۔ مولوی احتشام الحسن صاحب

۴۔ مولوی محمد یوسف صاحب

۵۔ انعام الحسن صاحب

۶۔ مولوی رضا حسن صاحب

ان حضرات نے آپس میں مشورہ کر کے مولانا مرحوم کی خدمت میں عرض کیا مولوی محمد یوسف صاحب ماشاءاللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھی ہیں وہ سب بحمد للہ ان میں پائی جاتی ہیں عالم ہیں۔ متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں اس کے بعد مولانا نے اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا:

" مجھے منظور ہے اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اس میں خیر و برکت فرمائے گا پہلے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی اب بہت اطمینان ہو گیا ہے امید ہے کہ میرے بعد انشاءاللہ کام چلے گا" (۲۲)

کام کی وسعت :۔

مستقبل نے بتایا کہ جماعت کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ثابت ہوا تحریک کو یوماً فیوماً ترقی ہوئی اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور اس کے فیوض و برکات تمام عالم کو محیط ہو گئے عرب ۔عراق ۔افغانستان، شام، افریقہ، یورپ جاپان، سیلون اور برما غرض سارے عالم میں جماعتیں پہنچیں۔

مولانا محمد یوسف نے اس تحریک کو عزم و استقلال اور انہماک کے ساتھ آگے بڑھایا اور ان کے دل میں دین کا درد اور لگن تھی وہ اللہ پر اعتماد و یقین رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ معارف و حقائق کے فیضان سے مستفیض تھے اس لئے اس تحریک کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہوئی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :۔

" اپنی دعوت کے ساتھ ساتھ ان کا ایسا شغف و انہماک تھا جس کی مثال دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی، وللہیت جذب کی کیفیت نظر نہیں آتی۔ (۲۴)

دوسرے عرب ممالک میں بھی کام کا آغاز ہوا اگرچہ شروع میں بہت سی رکاوٹیں اور مشکلات سامنے آئیں مگر آہستہ آہستہ نصرت الٰہی سے کامیابی کے آثار ظاہر ہونے لگے، اس سلسلے میں مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

" تبلیغی احباب اپنے غیر ملکی سفر عموماً حرمین سے شروع کرتے تھے خواہ وہ ممالک عرب کے ہوں یا یورپ وغیرہ کے، خصوصاً مدینہ منورہ سے روانگی ہوتی تھی جس میں باطنی برکات کے علاوہ ظاہری مصالح بالخصوص کرنسی وغیرہ کی مشکلات سے ایک حد تک امن تھا اس کے ساتھ ہی ایک

سہولت اس میں منجانب اللہ ہوتی تھی کہ حج کے موقع پر چونکہ اطراف عالم کے لوگ شریک ہوتے تھے۔
وہ لوگ اس دینی کام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اس لئے ان میں اس کام کے جذبات پیدا ہوتے
تھے اور وہ جانے والوں کے لئے فی الجملہ معین بنتے تھے اس سب کے باوجود جماعت کو اس مبارک
کام کے اندر جو مجاہدے اختیار کرنے پڑتے تھے مثلاً پیدل چلنا، چنوں اور کھجور پر کبھی کبھی گزر کرنا یہ
چیزیں آنے والی تھیں اور آئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی جانب سے بہت سی کھلی ہوئی نصرتیں
اور مددیں ہر ہر موقع پر ہوتی رہتی تھیں۔ (۲۸)

لہٰذا مصر، سوڈان، عراق، شام، اردن، فلسطین، لبنان حضر موت لیبیا، تیونس، الجزائر، مراکش وغیرہ
میں دعوت و تبلیغ کا کام متعارف ہوا علاوہ ازیں افغانستان، انڈونیشیا، ملایا، برما، سیلون کے دور دراز ممالک میں
تبلیغی جماعتیں پہنچیں۔ براعظم افریقہ میں کینیا، یوگنڈا، تنزانیا، زمبیا، موزمبیق، مشرقی افریقہ روڈیشیا، جنوبی افریقہ
وغیرہ میں تبلیغی کام کا تعارف کرایا گیا ان جماعتوں میں گجراتی حضرات کی اکثریت تھی۔

ایشیا و افریقہ کے بعد تبلیغ و دعوت کا کام یورپ اور جاپان میں بھی پہنچا اُن ملکوں میں مادیت کا دور دورہ
ہے جدید تہذیب نے اخلاق و روحانیت کا جنازہ نکال دیا ہے لیکن اللہ کے بندوں نے وہاں بھی اللہ اور رسول کا
پیغام پہنچایا لندن، مانچسٹر، بریڈ فورڈ میں خوب کام ہوا ایک تاثر ملاحظہ ہو:

"الحمد للہ۔ جماعتوں کی نقل و حرکت کی برکت سے مختلف جگہ مساجد قائم ہو گئیں ہیں
اذان اور باجماعت نمازوں کا اہتمام ہونے لگا ہے۔ اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں کے احباب ان
کے بنانے کی فکر کر رہے ہیں انشا اللہ بہت جلد بہت سی مساجد ہو جائیں گی یہاں مختلف شہروں
میں لوگ اس عمل کے لئے فکر مند ہیں اور مقامی طور پر ہفتہ وار گشت، تعلیم، اجتماع اور شب گزاری
کرتے ہیں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں کی جماعتیں مختلف اوقات کے لئے ہر مہینے باہر نکلتی ہیں
ہر جگہ کے احباب ہماری جماعت کی خوب نصرت کرتے ہیں ان کے دلوں میں کام کی بڑی عظمت

ہے اور جماعت کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ مختلف شہروں کے احباب ہمارے ساتھ پھر رہے ہیں ہفتہ اتوار میں خوب کام ہوتا ہے اور عام طور سے لوگ ان دو دن میں خوب محنت کرتے ہیں اور اجتماعات ہوتے اور ترغیب و دعوت دی جاتی ہے اور لوگ چلوں کے لئے تیار ہو رہے ہیں" (۲۶)

بعدازیں امریکہ واشنگٹن، ڈیٹرائٹ، مڈبورن، شکاگو، میڈاریڈ، سان فرانسکو میں بھی دعوت و تبلیغ کی آواز پہنچی۔

مولانا محمد یوسف کا وصال:۔

مولانا محمد یوسف ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ / مارچ ۱۹۶۴ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے یہ ان کا آخری حج تھا۔ اس سفر میں مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث اور تبلیغی کام کرنے والوں کی ایک جماعت ہمراہ تھی مکہ معظمہ پہنچ کر صبح و شام مولانا محمد یوسف کی تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا حرم شریف نیز دیگر اجتماعات میں مولانا خطاب فرماتے رہے مدینہ منورہ پہنچنے پر بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لئے ۲۶ جماعتیں بنیں جن میں ۱۸ جماعتیں یورپ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لئے اور ۸ جماعتیں ممالک عربیہ کے لئے روانہ ہوئیں۔ بعدازیں مولانا خود پاکستان رائے ونڈ کے اجتماع میں چلے آئے اور لاہور میں ہی ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ / ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ إنا لله وإنا اليه راجعون۔

مولانا انعام الحسن:۔

حضرت مولانا محمد یوسف کے انتقال کے بعد مولوی انعام الحسن ان کے جانشین مقرر ہوئے وہ ۱۹۱۸ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے ان کے والد مولوی اکرام الحسن مولانا محمد الیاس کے بھانجے تھے مولوی انعام الحسن صاحب عمر میں مولانا محمد یوسف مرحوم سے ایک سال چھوٹے ہیں لیکن تعلیم و تربیت تمام تر ساتھ ساتھ ہوئی۔

ان کی ابتدائی تعلیم کاندھلہ میں ہوئی ۱۹۲۸ء میں وہ دہلی آگئے اور فارسی و عربی کی تعلیم میں مشغول ہو گئے ۱۹۳۱ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے مولانا محمد زکریا سے ابوداؤد پڑھی۔ ۱۰ محرم ۱۳۵۴ھ کو مولانا محمد یوسف اور مولوی انعام الحسن

کا عقد مولانا محمد زکریا کی صاحبزادیوں کے ساتھ ہوا دونوں حضرات ایک ہی ساتھ مولانا محمد الیاس سے بیعت ہوئے۔ دونوں نے حج بھی ایک ہی ساتھ کیا تبلیغ ودعوت میں بھی دونوں ایک ساتھ رہے اور جس سفر میں مولانا محمد یوسف کا انتقال ہوا اس میں مولوی انعام الحسن ساتھ تھے وہ بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی حیات میں تو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بالکل خاموش رہتے تھے البتہ مشوروں اور اجتماعات میں ضرور شرکت فرماتے تھے لیکن حضرت جی کے انتقال کے بعد جب آپ کی جانشینی عمل میں آئی تو میں نے ایک ساکت اور خاموش انسان کو متحرک اور فعال پایا اور ہر صادر اور وارد کو ہدایات تبلیغ کرنا اور اجتماعات میں تقریریں غرضیکہ مولانا اب ناقابل تسخیر عزم و حوصلہ کے انسان ہیں امید ہے کہ آپ کی رہنمائی میں یہ کام اور بڑھ جائے گا۔ (۲۷)

تبلیغ میں مولانا محمد زکریا کی شرکت و معاونت

مولانا محمد الیاس، مولانا محمد زکریا کے شفیق چچا، استاد اور مربی تھے۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کا مبارک کام نبوی اصولوں پر شروع کیا۔ ان کی لگن، اخلاص اور شب و روز کی محنت سے دعوتی کام وسیع ہوا جس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ حضرت مولانا محمد زکریا روزِ اوّل سے تبلیغی کام میں اپنے چچا کے معاون اور مشیر خاص رہے۔ مولانا محمد زکریا باقاعدگی سے مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی کی حاضری دیتے رہتے تھے۔ نظام الدین مدرسہ اور تبلیغ کی ذمہ داری بھی ان کے ذمہ تھی۔ مولانا الیاس کا ان سے متعلق ایک مشہور مقولہ تھا جو وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

میری تبلیغ کا جتنا زکریا مخالف ہے اتنا بڑے سے بڑا مخالف بھی مخالف نہیں ہوگا اور میری تبلیغ کی تقویت اور حمایت جتنی اس سے حاصل ہے اتنی میرے کسی موافق سے موافق اور معین کارکن سے بھی حاصل نہیں ہے اور دونوں ارشادات ان کے صحیح تھے۔" (۲۸)

پہلے ارشاد کی شرح یہ ہے کہ مولانا محمد زکریا مولانا محمد الیاس پر علمی زور پر اشکالات خوب کیا کرتے تھے جس کی وضاحت وہ خود فرماتے ہیں:

"چچا جان کے سامنے میری حیثیت ایک شاگرد نہ خورد کی تھی۔ میرے اعتراض سے نہ تو ان کی شان پر کوئی اثر پڑتا تھا اور نہ کام پر۔"

دوسرے ارشاد کی تشریح مولانا الیاس خود اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

"میرے معاصرین خصوصاً حضرت مدنی اور مولانا عاشق میرٹھی وغیرہ جتنا اس (زکریا) سے دبتے تھے اتنا مجھ سے نہیں دبتے تھے یہ میرے لیے نعمت ہے اگر یہ نہ ہو تو وہ مجھے دبا لیں۔" (۲۹)

اور یہ بات بالکل صحیح تھی۔ ان دونوں اکابر کے ہاں مولانا زکریا کی بہت شنوائی تھی۔ ایک دفعہ مولانا الیاس نے خواب دیکھا کہ سب سے آگے وہ چل رہے ہیں۔ ان کے پیچھے مولانا زکریا اور ان کے پیچھے مولانا خلیل سہارنپوری۔ جس کی تعبیر یہ کی گئی کہ مولانا الیاس کی

پشت پناہی مولانا زکریا سے ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین پر غالب آتے ہیں اور حضرت زکریا کی پشت پناہی حضرت سہارنپوری سے ہو رہی ہے کہ ان حضرات کی وجہ سے یہ حضرات زکریا سے دب جاتے ہیں۔ (۲۹ ۔ ۱)

اسی طرح ایک دفعہ لکھنؤ میں مولانا عاشق میرٹھی کے ہاں مولانا الیاس، مولانا عبدالرحیم رائے پوری اور مولانا زکریا بیٹھے ہوئے تھے کہ مولانا میرٹھی نے مولانا الیاس پر اعتراض کیا:

آپ کی تبلیغ تو سر آنکھوں پر اس سے تو کسی کو انکار نہیں اس کے ضروری ہونے میں بھی اور اس کے مفید ہونے میں بھی مگر جتنا غلو آپ نے اختیار کر لیا یہ اکابر کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ آپ کا اوڑھنا بچھونا سب تبلیغ ہی بن گیا ہے آپ کے یہاں نہ مدارس کی اہمیت نہ خانقاہوں کی۔"

مولانا الیاس نے غصہ سے جواب دیا:

"جب ضروری آپ بھی سمجھتے ہیں تو خود کیوں نہیں کرتے اور جب کوئی کرتا نہیں تو مجھے سب کے حصے میں فرض کفایہ ادا کرنا ہے۔"

اس طرح دونوں بزرگوں میں تلخ کلامی ہوئی اور ماحول بدمزہ ہو گیا آخر مولانا زکریا نے خاموشی توڑی اور مولانا میرٹھی سے یوں مخاطب ہوئے:

"کام کوئی دین کا ہو یا دنیا کا یکسوئی سے اس کے پیچھے پڑ جانے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سہارنپوری نے آپ سے کہا تھا میرے ساتھ تعلق ہے تو مدرسے کے ساتھ تعلق ہے اتنا ہی مجھ سے ہے۔ اس طرح حضرت چچا جان اپنے تبلیغ کے حال میں مغلوب ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ کوئی کام بغیر غلبہ حال کے نہیں ہوتا۔"

اس پر دونوں حضرات ہنس پڑے اور ماحول دوبارہ خوشگوار ہو گیا۔ (۳۰)

مولانا الیاس کے ان تبلیغی سلسلہ میں جب بھی کوئی بات پیش آتی تو وہ بے تکلف فرما دیتے کہ شیخ (زکریا) کے یہاں جب تک پیش نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا میرے دہلی کے ہر سفر میں کئی کئی شئے ایسے ہوا کرتے تھے کہ جن کے متعلق میں سنا تھا کہ وہ میرے مشورے اور منظوری پر رکھے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ میں حاضر ہوا تو چچا جان نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں کا اصرار یہ ہے

کہ تبلیغی جماعت جب گشت کے واسطے جائے تو ایک مختصر جھنڈا ان کے پاس ہونا چاہیے تاکہ صحابہ کرام کے وفود کے ساتھ مشابہت ہو جائے میں نے عرض کیا بالکل نہیں فرمایا کیوں؟ میں نے کہا وہ تو جہاد کیلئے ہوتا تھا۔ اور آپ کی جماعتیں نماز کیلئے بلانے جاتی ہیں اور مسجد میں جمع کرتی ہیں اور نماز کے لیے جھنڈا انصار ہو چکا ہے فرمایا کہ جزاکم اللہ بس بھائی ٹھیک ہے۔ (۳۱)

مولانا الیاس اس حقیقت سے آشنا تھے کہ دعوت و تبلیغ کا یہ کام کار نبوت ہے۔ اور اس بار گراں کو اٹھانے کیلئے ظاہری اور مادی وسائل سے بڑھ کر اکابر اولیاء اللہ کی دعا، ہمت و توجہ کی دولت درکار ہے اور جب تک ان سے قلبی رابطہ پیدا کر کے ان سے روحانیت کا انجذاب نہ کیا جائے اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ حضرت شیخ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

"میرے عزیز! اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر خط لکھتا ہوں۔ میرے عزیز! اس پر شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے نیز تمہاری اس ہمت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے۔ حق تعالیٰ مجھے آپ کے شکر کی توفیق بخشے۔ (۳۲)

ایک اور خط میں زکریا کو رقمطراز ہیں۔

"مجھے آپ کے اور حافظ (عبداللطیف) صاحب کے خط کا خصوصیت سے انتظار رہتا ہے کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی اہمیت آپ کی متانت اور استقلال ہر دل تسلیم کئے ہوئے ہے۔ باقی سب آپکے طلوب کی کٹھ پتلی ہیں۔" (۳۳)

جانشینی کا مسئلہ:۔

مولانا محمد الیاس کی مرض الموت میں سب سے بڑا مسئلہ ان کی نیابت اور جانشینی کا تھا اس موقعہ پر بھی مولانا زکریا نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور بصیرت کا ثبوت دیا جسکی تفصیل یہ ہے اس وقت تبلیغی مرکز دہلی مسجد میں بڑے بڑے بزرگ اور مشائخ جمع تھے جن میں مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا منظور نعمانی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نمایاں تھے ان سب کو اس معاملہ پر تشویش و فکر تھی مولانا ابوالحسن ندوی اور مولانا منظور نعمانی نے مولانا زکریا سے کہا کہ آپ مولانا الیاس کی جانشینی کے ہر طرح سے اہل ہیں اور اصرار کیا کہ ان کے جانشین کی حیثیت سے نظام الدین میں مستقل قیام فرمائیں۔ لیکن شیخ الحدیث

نے جواب دیا۔

"اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ ان کے بعد بھی ان کے کام اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اکثر و بیشتر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں کچھ لوگ ان کی محنت اور تربیت سے تیار ہو جاتے ہیں اور ان سے امید ہوتی ہے کہ اس بندہ کے بعد انشاءاللہ اس کا سلسلہ اور فیض ان کے ذریعے جاری رہے گا۔ مشائخ کے یہاں خلافت کا سلسلہ دراصل اسی کی ایک عملی شکل ہے۔"

"اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کی عمر بھر کی محنت اور تربیت سے ایک آدمی بھی ایسا بنتا ہوا نظر نہیں آتا جس سے توقع کی جاسکے کہ اس کے ذریعے اس بندہ کا جلایا ہوا چراغ روشن رہے گا۔ لیکن اس بندہ کا وصال ہوتے ہی اچانک اس کے لوگوں میں سے کسی ایک میں غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جانے والے کی نسبت دفعتاً اس کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔"

"حضرت چچا جان کے لوگوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تیار ہو چکا ہے اور ان کے کام کو وہ جاری رکھ سکے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ وہ ان کے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا اس سے مجھے توقع ہے کہ غالباً یہاں دوسری شکل واقع ہونے والی ہے۔" (۱۲۴)

انتقالِ نسبت :-

انتقالِ نسبت" صوفیائے کرام کے یہاں ایک اصطلاح ہے۔ جس سے مراد وہ خلافت اور جانشینی ہے، جو بلا محنت و مجاہدہ کے ہر شخص کو وہبی طور پر مل جاتی ہے۔ اور لوگوں کے خیال کے علی الرغم وہ خلافت کے عالی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد یوسف کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ انتقال سے کچھ دیر قبل مولانا محمد الیاس نے اپنے فرزند محمد یوسف کو بلایا اور فرمایا

"یوسف! آ مل لے ہم تو چلے۔"

یہ جملہ مقناطیسی ثابت ہوا جس سے سوز و سازِ عرفانِ الٰہی اور یقین و ایمان کی دولت ان کے اندر منتقل ہو گئی اور وہ خلاء جو ایک عظیم داعی الی اللہ کے وصال سے پیدا ہو رہا تھا وہ اس انتقالِ نسبت اور فضلِ الٰہی سے پُر ہوا اور مولانا محمد زکریا کی بات درست ثابت ہوئی۔

ع این سعادت بزور بازو نیست

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں،

"مولانا محمد الیاس کی زندگی میں تین باتیں بہت ہی غیر معمولی درجہ میں دیکھیں۔

(i) دین کا درد و فکر۔

(ii) اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین۔

(iii) اور معارف و حقائق کا فیضان۔

مولانا الیاس کے وصال کے بعد یہ تینوں باتیں دفعتاً مولانا محمد یوسف میں آگئیں اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری سے بڑھتے رہے۔ (۲۵)

امیر ثانی سے تعاون :-

مولانا الیاس کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف کی امارت کے دور میں مولانا زکریا پر تبلیغ کی سرپرستی کا بارگراں دو چند ہو گیا۔ مولانا محمد یوسف کو حضرت شیخ سے والہانہ محبت تھی اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت شیخ ان کی ہمہ وقت نگرانی اور سرپرستی فرمائیں۔ مولانا زکریا نے اس دور ثانی میں مولانا یوسف کے ساتھ بے مثال شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا اور ان کی دلداری اور ہمت افزائی کی خاطر اپنی علمی مصروفیات کو قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔

مولانا محمد یوسف آپ کے چچازاد بھائی، داماد اور شاگرد تھے آپ باقاعدگی سے تبلیغی مراکز ——— نظام الدین دہلی مظاہر علوم سہارنپور، رائے ونڈ پاکستان، مسجد نور مدینہ منورہ اور مسجد حضار مکہ مکرمہ میں حاضر ہوتے رہے۔ اور اپنی بزرگانہ حیثیت سے مبلغ اور اہل تبلیغ کی سرپرستی فرماتے رہے۔ (۲۶)

مولانا زکریا خود لکھتے ہیں:

"جب تک معذور نہیں ہوا، چچا جان اور عزیز مولوی یوسف کے ابتدائی دور کا کوئی اجتماع ایسا نہیں چھوڑا جس میں شرکت نہیں ہوئی ہو۔" (۲۷)

چند واقعات کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

امیر ثانی مولانا محمد یوسف کی زندگی میں سہارنپور میں ایک سہ روزہ اجتماع ہوا مولانا زکریاؒ اس میں برابر شریک رہے بلکہ آخر تک بیٹھے رہے عام لوگوں اور دیگر علماء دوران اجتماع اِدھر اُدھر بھی وقت گزار لیتے تھے لیکن حضرت شیخ آغاز سے اختتام تک اسٹیج پر موجود رہے اور نہایت شوق اور توجہ کے ساتھ تقاریر اور بیانات کو سنتے رہے۔ حتیٰ کہ نصف رات گئے دولت خانہ تشریف لے گئے اور پھر علی الصبح تشریف لے آئے۔ اور یہ معمول اجتماع کے اختتام تک رہا۔ (۳۸)

اس طرح مولانا محمد یوسف کے وصال کے بعد ۱۹۶۷ء میں کراچی، رائے ونڈ، ڈھاکہ سے ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور اگست کے تبلیغی اجتماع سہارنپور میں شرکت کی۔ اور اہل تبلیغ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عصر کے بعد کی مجلس اجتماع گاہ میں ہوتی۔ چاروں طرف عقیدت مند بیٹھ جاتے اور علمی و عرفانی مسائل کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ ایک دن قاری محمد طیب بھی تشریف لے آئے فوراً ہی معذوری کے باوجود کھڑے ہو گئے اور اپنے پیچھے سے تکیہ اٹھا کر ان کے پیچھے رکھا۔ غرضیکہ اجتماع کے ختم تک آپ کے معمولات اجتماع گاہ میں ہی انجام پاتے تھے۔

اسی طرح ۱۹۶۶ء میں میوات کے ایک مقام کا میٹھہ میں اجتماع ہوا۔ مولانا باوجود طویل مسافت کے وہاں تشریف لے گئے عام لوگ تو دوران اجتماع تھکان دور کرنے کے لئے آرام کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ . . .

لیکن حضرت شیخ کا یہ عالم تھا کہ اجتماع کی تمام مجالس میں بخوشی شریک رہے۔ ہجوم سے بالکل کبیدہ خاطر نہ ہوئے۔ ایک دن تو ایسا اتفاق ہوا کہ اختتام جلسہ پر بہت سے میواتی قیام گاہ میں گھس آئے۔ بہت سے کھڑکیوں اور جنگلوں پر کھڑے ہو گئے۔ تب آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ؔ میرا ایک کھیل دنیا نے بنایا
تماشا کو بھی تو میرے نہ آیا

مولانا محمد زکریا اپنے مخصوص احباب کو خصوصیت کے ساتھ تبلیغی کام میں لگنے کی ترغیب دیتے۔ جو نئے لوگ بیعت ہوتے ہمیشہ ان سے فرماتے۔

"جماعت میں کچھ دنوں کیلئے نکل جاؤ، یاد بھی ہو جائے گا، اور معمولات پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔"

علماء واہل مدرسہ کو ہمیشہ تبلیغی کام کی مخالفت سے سختی سے منع کرتے۔

تبلیغی جماعت سے آپ کا رابطہ برابر رہتا تھا، وہ اکثر و بیشتر آپ کے در دولت پر روزانہ حاضر ہوتے۔ آپ ان کے کھانے پینے اور چائے کا انتظام فرماتے۔ گرانی کے زمانے میں تبلیغی جماعتوں اور دیگر مہمانوں کی مدارات میں کوئی فرق نہ آتا، ہر ایک کی مہمان نوازی و نیز خندہ پیشانی سے ملنا، آپ کا خصوصی جوہر تھا۔ ایک مرتبہ ایک تبلیغی بھائی نے مصافحہ کیا، دعا کیلئے عرض کیا تو فرمایا:

"بھائی آپ لوگ بڑا کام کر رہے ہیں۔ دین کے لیے ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں، میرا کیا ہے میں یہاں ایک جگہ بیٹھا رہتا ہوں۔ آپ لوگ میرے لیے دعا کریں۔" (۳۹)

تبلیغی کام سے شغف کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

"جب میری صحت ٹھیک تھی اور جسمانی اعذار پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو ہفتہ میں ایک دن جماعت لیکر میں بھی آس پاس کے دیہات میں جایا کرتا تھا اور چچا جان قدس سرہ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق گشت کیا کرتا تھا۔"

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں مولانا زکریا سے ایک شخص نے اشکال کیا کہ حضرت مسجد نبوی کی نماز چھوڑ کر مسجد النور (مرکز تبلیغ) چلے جاتے ہیں؟ جواب دیا:

"پیارے سنو! میرے نزدیک یہ علم و ذکر کی مثال ایسی ہے جیسے ہیرے و جواہرات اور اس تبلیغ کی مثال ایسی ہے جیسے روٹی و کھانا، ہیرے اور جواہرات کتنے قیمتی ہوں، ان سے پیٹ نہیں بھرتا، بھوکے کا پیٹ تو روٹی اور کھانے سے ہی بھرے گا۔ ہاں البتہ اس کی وجہ سے ہیرے جواہرات کی قیمت نہیں گھٹتی۔ اس وقت چونکہ دینی قحط ہے۔ ہر جگہ بھوک عام ہے۔ اس لیے اپنا حرج کرکے چلا جاتا ہوں، کہ اس کام میں میرا بھی کچھ حصہ ہو جائے۔" (۴۰)

امیر ثالث سے تعاون :۔

مولانا محمد یوسف کے بعد مولانا انعام الحسن امیر جماعت مقرر ہوئے اور ان کی تقرری میں مولانا زکریا کا ہاتھ اور مشورہ شامل تھا جس کی تفصیل مولانا ابوالحسن ندوی نے اس طرح بیان کی ہے ؛

"مولانا محمد یوسف کے انتقال پر باوجود ایک حلقہ کی خواہش تقاضہ اور جذباتی تعلق کے اپنے لخت جگر عزیز مولوی ہارون کو اپنے والد، دادا کا جانشین بنانے کی بجائے (جن سے اہل میوات کو جذباتی تعلق تھا) زمانہ کی نزاکتوں اور وقت کے فتنوں کے پیش نظر مولانا انعام الحسن کو جانشین بنایا جو مولانا محمد یوسف کے شریک کار، دست راست اور مشیر و معاون تھے۔ اور جو اپنے ہم تجربہ علم و ہنر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح راہنمائی کر سکتے تھے۔ شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا اور بعض عمائد اہل نے شیخ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کی کوشش بھی کی لیکن شیخ اس پر مضبوطی سے قائم رہے اور بعد کے تجربات اور دعوت کی موجودہ ترقی، مقبولیت اور عالمگیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ و انتخاب صحیح و حق بجانب تھے۔" (۴۱)

حضرت مولانا انعام الحسن کے دور میں بھی حضرت شیخ نے تبلیغ کی سرپرستی جاری رکھی۔ اس دور میں تبلیغی حلقہ نے عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کی دعوت ہندوستان سے نکل کر ایک طرف مراکش اور دوسری طرف انڈونیشیا تک نیز یورپ اور امریکہ تک پھیل گئی ہے۔ اس دعوتی حلقہ کے آپ ہی مرکز و مرجع تھے۔ اس سلسلہ کو باقی رکھنے اس کو زمانہ کے خطرات اور اس دور کے فتنوں سے بچانے اس کے مسلک و اصول کی حفاظت اُس کے سرگرم کارکنوں کی دینی نگرانی، روحانی تربیت و تکمیل کی ساری ذمہ داری اور نظام الدین کے دعوتی مرکز اور اس کے ذمہ داروں کی سرپرستی کا پورا بوجھ آپ ہی کے کاندھوں پر پڑ گیا اس کے ساتھ جتنا جتنا یہ حلقہ وسیع ہوتا گیا کام کی مقبولیت بڑھتی گئی، مشائخ کبار اُٹھتے جاتے اور آپ کی مرجعیت و مرکزیت اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا رہتا اور ملک کے اندر اور باہر سے آنے والی جماعتوں اور وفود کی آمد و رفت بھی بڑھتی رہی اور اس کے مطابق آپ کی تبلیغی مشغولیت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ (۴۲)

الغرض آخری سانس تک تبلیغی کام کے فروغ و اشاعت کیلئے اپنی انتہائی معذوری اور مجبوری کے باوجود مولانا انعام الحسن کی سرپرستی فرماتے رہے۔

مولانا محمد زکریا کا ایک قدیم معمول اہم واقعات وحوادث اور اپنے بزرگوں، احباب اور اہل تبلیغ کی آمدورفت اور نقل وحرکت کے قلم بند کرنے کا بھی تھا۔ جس کی حیثیت ایک مکمل و مفصل ۔ روزنامچہ کی سی تھی۔ اس روزنامچہ میں قمری و شمسی سنہ اور مہینہ اور تاریخ کی قید کے ساتھ گردوپیش کے اہم واقعات درج ہیں۔ اس کی مدد سے حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کی سوانح مرتب کی جا سکی اس میں بہت سے اہل تبلیغ کے آنے جانے اور ان کے متعلق واقعات کی تفصیل ملے گی۔ یہ ایک طرح کا "جام جہاں نما" ہے جو مولانا زکریا کی بلاواسطہ وتبیع تبلیغی خدمت ہے۔ ۔ (۴۳)

رسائل فضائل :۔

تبلیغی جماعت اور تبلیغی کام کا آغاز حضرت مولانا محمد زکریا کے خاندان سے ہوا۔ مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت آپ کے چچا تھے۔ مولانا محمد زکریا ان کے دست راست اور مشیر خاص ہونے کی حیثیت سے تبلیغی کام میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔ آپ فی الحقیقت تبلیغی جماعت کے دماغ اور ذہن تھے۔ انہوں نے اس عظیم الشان تحریک کو نظریاتی بنیاد مہیا کی جس کی بہترین مثال کتب فضائل تبلیغی نصاب کی شکل میں ہے۔ شیخ کی گرانقدر تبلیغی خدمت رسائل فضائل کی ترتیب و تالیف ہے۔ تبلیغی جماعت کا تبلیغی نصاب نو کتب فضائل پر مشتمل ہے۔ (۴۴) جو مولانا محمد زکریا کا مقبول عام تالیف ہے۔ اور تبلیغی جماعت کیلئے علمی غذا، علمی دماغ اور بہترین تحریکی سرمایہ ہے۔ جو تبلیغی جماعت کے ہر کارکن کا اوڑھنا بچھونا ہے ۔

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس کے تفقہ فی الدین اور فراست ایمانی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی میں فضائل کی اہمیت اور قوت کا ادراک کیا اور انہوں نے اس حقیقت کو سمجھا کہ جو طاقت زندگی کے پہیہ کو تیزی کیساتھ حرکت دیتی ہے۔ اور جس کے دم سے دنیا کا بازار گرم ہے۔ اور اس کی رونق قائم ہے۔ وہ نفع پر یقین ہے۔ یہی وہ یقین ہے۔ جو کسان کو سخت سردی کے موسم میں اپنے بستر سے اٹھا دیتا ہے۔ اور منہ اندھیرے کھیت میں پہنچا دیتا ہے۔ اور لو کے تھپیڑوں اور سورج کی تپش میں کھیت جوتنے اور پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے۔ یہی یقین ایک تاجر کو گھربار، راحت و آرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے یہی یقین ایک فوجی کیلئے موت کو آسان اور زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے۔ الغرض نفع پر یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع زندگی کا محور ہے۔

اس یقین کے سوا ایک یقین اور ہے۔ جو اپنی قوت و تاثیر میں اس یقین سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کی مثالیں اوپر بیان کی گئی ہیں۔ یہ ان منافع کے حصول کا یقین ہے۔ جس کی خبر انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے۔ اور وحی اور تمام آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی جس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا و آخرت میں اعمال کے بدلے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ (۴۵)

مولانا محمد الیاس فرماتے تھے :۔

”فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے۔ فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے۔ جو ایمان کا مقام ہے۔ اور اس سے آدمی

عمل کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا اسیئے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے۔" (۴۶)

مولانا محمد زکریا نے اس ضرورت کی تکمیل کے لیے فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل قرآن، فضائل ذکر، فضائل حج فضائل صدقات، فضائل تبلیغ اور فضائل درود لکھیں۔ جو تبلیغی تحریک کے بنیادی اصول کی ترجمانی ہیں۔ اور وہ دعوتی مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی۔ جن پر صرف فضائل کا ذکر ہے۔ اور ترغیب و ترہیب سے کام لیا گیا ان کتب فضائل میں مسائل کا ذکر شاذ و نادر ہی ہے۔ قصداً ان کے لکھنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ خواہ وہ اجتماعی مسائل ہو یا اختلاف۔

اکثر کتب فضائل مولانا محمد الیاس کے پیہم اصرار اور خواہش پر لکھی گئیں جیساکہ ایک مکتوب میں وہ خود لکھتے ہیں۔

"میرا یوں جی چاہتا ہے کہ تبلیغ کے ہر نمبر کے متعلق ایک رسالہ آپ ہی کا مرتب کیا ہوا ہو۔"

ایک دوسرے مکتوب میں اس مضمون کو دوسرے انداز میں اس طرح تحریر فرمایا:

"اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی اور انشاءاللہ تمہاری تصانیف اور غرض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔" (۴۷)

تبلیغی نصاب یا رسائل فضائل موجودہ زمانے میں اردو مطبوعات کا مقبول ترین سلسلہ ہیں۔ جو تبلیغی تحریک کے نصاب میں داخل ہونے کی وجہ سے نہایت کثرت سے پڑھی جاتی ہیں۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو۔ بعض حضرات کے اندازے کے مطابق دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی خطہ میں کتب فضائل کا مذاکرہ نہ ہو رہا ہو۔ تبلیغی جماعت کے پوری دنیا میں حرکت و گشت میں تبلیغی نصاب کا بڑا حصہ ہے۔

کتب فضائل بار بار کثرت کے ساتھ اردو کے علاوہ متعدد زبانوں میں طبع اور شائع ہو رہی ہیں۔۔ برصغیر پاک و ہند کے تیس مختلف اشاعتی ادارے تبلیغی نصاب کو بار بار طبع کروا چکے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف ادارہ اشاعت دینیات دہلی نے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۹ء تک چودہ سالہ عرصہ میں اس کے چوبیس ایڈیشن نکالے جن کی طباعت کی مجموعی تعداد بیاسی ہزار پانچ سو (82500) بنتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ اعداد ان کے یہاں صرف عکسی ایڈیشن کے ہیں۔ ۱۹۶۵ء سے قبل ایک عرصے تک جو لیتھو

پر طبع ہوتا رہا۔ وہ اس تعداد کے علاوہ ہے۔ (۲۸)

تبلیغی نصاب کی زبان سادہ سلیس اور عام فہم ہے۔ اس کا اسلوب دل نشین اصلاحی اور پرسوز ہے۔ فروعی اختلافات سے مکمل اجتناب ہے۔ اسی لیے تبلیغی نصاب نہ صرف عوام کیلئے بلکہ علماء و طلباء کیلئے بھی اکسیر ہدایت اور نسخہ شفا ہے اور فضائل اعمال سے متعلق احادیث آثار اور سلف صالحین کی حکایات اور واقعات کو ایسے دل نشین انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں ان تصانیف کی بدولت اصلاح اور انقلاب آیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کی تبلیغی تحریک کیلئے فکری و علمی مواد فراہم کرنے اور امت میں دینی بیداری پیدا کرنے کی خاطر مولانا ذکریا نے فضائل کے رسائل لکھے اور اس دعوت کی ہر طرح سرپرستی کی۔ ان کے رسائل فضائل نے جیسی عام مقبولیت و محبوبیت حاصل کی ان سے لوگوں کے دلوں میں جس قدر ذوق طاقت و عبادت اور فکر آخرت پیدا ہوئی! اور ان سے جس طرح اور جس بڑے پیمانے پر لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ وہ تاریخ دعوت و اصلاح میں ایک ممتاز باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عہد نفتہ میں جبکہ دنیا میں دہریت و الحاد لادینیت و اباحیت کی باد صر صر ہر طرف چل رہی ہے تو شیخ الحدیث کی یہ تحریر بیابان کی شب تاریک میں قندیل رہبانی اور حدود ربانی کا حکم رکھتی ہے۔

موجودہ مادیت کے دور میں زندگیوں میں دینی انقلاب لانے دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت پیدا کرنے حضرات صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین اور اسلاف کے ساتھ سچی عقیدت و محبت اور سلف صالحین پر مکمل اعتماد اور ان کی عظمت قلوب میں راسخ کرنے نیز ان حضرات کی اتباع کا ولولہ بیدار کرکے ــــــ امت مسلمہ کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے میں تبلیغی نصاب نے عظیم الشان، قابل قدر اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ فروعی اختلافات کے خارزاروں سے دامن بچاتے ہوئے اصل دین کی اساسی تعلیمات مثبت انداز میں پیش کی گئی۔ تبلیغی نصاب سلف صالحین پر مکمل اعتماد اور عصر حاضر کی تجدد پسندی مادیت اور تشکیک سے بھی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ الغرض تبلیغی جماعت کے کام کی وسعت پوری دنیا میں پھیلاؤ اور روز افزوں اثر و نفوذ میں تبلیغی نصاب کا نمایاں حصہ ہے۔

تبلیغی اسفار:۔

مولانا محمد زکریاؒ نے آخری عمر میں انگلستان اور جنوبی افریقہ کے دعوتی اور تبلیغی اسفار کیئے ان کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ مولانا محترم کی عمر اس وقت چھیاسی ۸۶ سال تھی متعدد امراض اور عوارض نے اس قدر ضعیف اور معذور کر دیا تھا کہ خود اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے سے بھی عاجز تھے اس حالت میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے دعوتی اور اصلاحی کام کرنا، آپ کا انتہائی درجہ کا ایثار تھا۔ اور آپ کی گراں قدر تبلیغی خدمت تھی۔ اس کی تفصیل باب اول میں گزر چکی ہے۔

بعض اشکالات

مولانا محمد زکریا کی تبلیغی خدمات کے ضمن میں ان کا ایک اہم کارنامہ تبلیغی جماعت کے خلاف مخالفانہ پروپیگنڈا، معاندانہ اور علمی اشکالات کا دفاع ہے۔ جب بھی کوئی علمی اشکال پیش آیا۔ تو مولانا نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا۔

قرآن وحدیث اور اکابر کے فرمودات کی روشنی میں ان کے واضح اور شافی جوابات تحریر کیے۔

انہی اشکال میں سے ہم عمومی اور مشترک اشکالات جو اکثر وبیشتر عوام کے ذہنوں میں آتے رہتے تھے۔ مع جوابات نقل کرتے ہیں جن میں تبلیغی جماعت کی ضرورت اور افادیت کے علاوہ بعض مفید علمی و دینی معلومات بھی آگئی ہیں۔

اشکال :۔

تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنی تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں ؟ (۴۹)

جواب :۔ جہاد کے اسفار میں قتال اگرچہ عرفاً زیادہ معروف ہے۔ لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے اصل جہاد کی تعریف اعلاء کلمۃ اللہ کی سعی ہے۔ جس کا آخری درجہ قتال ہے۔ قتال اصل مقصود نہیں۔ بدرجۂ مجبوری ہے۔ تفسیر مظہری میں :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (۵۰)

کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے زیادہ ہے۔ کہ وہ اشاعتِ اسلام اور ہدایتِ خلق کا سبب ہے۔ پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا۔ اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی۔ اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لئے کہ اس میں حقیقتِ اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے۔ اس سے تو کسی مخالف سے مخالف کو بھی انکار نہیں ہو سکتا ہزاروں آدمی بلکہ لاکھوں بے نمازی نمازی بن گئے۔ سینکڑوں غیر مسلم ان لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی مساعی سے مسلمان بن گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ ۔

اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ابن عربی نے ترمذی شریف کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ جہاد اکبر نفس کا جہاد ہے۔ اور قرآن پاک کی آیت : وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۵۱)

میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے۔ کہ وہ اصل مجاہد نہیں جو دور کے دشمن سے جہاد کرے۔ اصل مجاہد وہ ہے جو اس دشمن سے جہاد کرے جو ہر وقت ساتھ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا ہ

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں جہاد اکبر کا مصداق جہاد بالسیف اور جہاد مع الکفار نہیں ۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ

فرائض نماز روزہ وغیرہ چونکہ مقاصد لعینہ ہیں ، وہ جہاد سے افضل ہیں ۔ اس لیے کہ جہاد کی اصل غرض ایمان اور اعمال حسنہ ہی پر عمل کرنا ہے ۔

لامع کے حاشیہ میں ابن عابدین سے نقل کیا ہے ۔ کہ اس میں ذرا بھی تردد نہیں اس لیے کہ وہ فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے ۔ اور جہاد صرف ایمان اور نماز ہی کے قائم کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے ۔ اس لیے اس کا حسن لغیرہ ہے ۔ اور نماز کا حسن لعینہ اس لئے یہ افضل ہے اور ظاہر ہے کہ جو کوشش بھی نماز وغیرہ کے قائم کرنے کے لیے کی جائے گی ۔ وہ افضل الجہاد ہی کے حکم میں شمار کی جاوے گی ۔ امام بخاریؒ نے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے پر باب المشی الی الجمعۃ میں حضرت ابو عبسؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے ۔

مَنْ اَغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ (۵۲)

جو شخص کہ اس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو اس پر حرام کر دیتے ہیں ۔

اگر امام بخاریؒ اس حدیث پاک سے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے کی فضیلت پر استدلال کر سکتے ہیں ۔ تو پھر اگر مبلغین اللہ کے راستہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت کے لیے پاؤں چلنے پر اس حدیث سے استدلال کریں تو ان پر کیا الزام ہے ۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کلمۃ اللہ سے مراد دعوت الی الاسلام ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے درمیان میں جو وجوہ وارد ہوئی ہیں۔ ان میں ریا اور شہرت بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں حمیت بھی آئی ہے۔ اور ایک روایت میں "یقاتل غضباً" بھی آیا ہے یعنی اپنے حظ نفس کے واسطے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کا اطلاق قتال کے علاوہ دوسرے امور پر بھی جو اس مقصد میں معین و مددگار ہوں کثرت سے احادیث میں کیا گیا ہے۔ جو اہل علم سے تو مخفی نہیں،

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے۔

"اسلامی سرحد پر ایک رات جاگنا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے افضل ہے"۔ اور سرحد پر ٹھہرنا ظاہر ہے کہ اسلام ہی کی حفاظت کیلئے ہے۔

اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کے لفظ کو جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جبکہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اس کے عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن پاک کی آیت :۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الی الآخر آیۃ

میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جن کو اوجز جلد ثالث میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ باجیؒ کی رائے یہ ہے :۔

اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ امام مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم سے یہ قول نقل کیا گیا ہے

امام احمدؒ کا ارشاد یہ ہے :۔

"اس سے مراد حج ہے"۔ یہی امام محمدؒ کی رائے ہے۔

اور صاحب بدائع فرماتے ہیں :

"فی سبیل سے مراد جملہ امور خیر ہیں"۔

اس میں ہر وہ سعی داخل ہے جو اللہ کی طاعت کے بارے میں ہو مشکوٰۃ میں عبداللہ بن عمرو سے نقل کیا گیا ہے۔
ایک صحابی نے آکر حضور اقدس ؐ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ حضور ؐ نے دریافت کیا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں جہاد کر یعنی ان کی خدمت کر۔ یہاں نبی کریم ؐ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ مشکوٰۃ[1] میں بروایت خریم بن فاتک حضور ؐ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

"جو اللہ کے راستہ میں کوئی خرچ کرے۔ سات سو گنا ہو جاتا ہے۔"

جبکہ اللہ کا راستہ جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا تو پھر اگر اہل تبلیغ اس حدیث سے تبلیغی اسفار میں خرچ کو داخل کریں تو کیا اشکال کی بات ہے۔

اشکال :۔

ایک اعتراض یہ بھی کثرت سے کانوں میں پڑتا رہا کہ اہل تبلیغ لوگوں پر جبر کرتے اور زبردستی کرتے ہیں۔

جواب :۔ میرا خیال یہ ہے کہ جبر و زبردستی اور اصرار و الحاح میں بہت فرق ہے۔ عوام کے سمجھنے کی چیز تو نہیں مگر علماء کے سمجھنے کی چیز ضرور ہے۔ کہ اصرار کی کیا تعریف ہے مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی اور اصرار اور ترغیبیں تو بہت کثرت سے سننے میں آئیں۔ لیکن زبردستی کرتے تو میں نے دیکھا نہیں اور اصرار کو زبردستی کہنا مشکل ہے۔

حضرت دہلوی کا ارشاد ہے :۔

"جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں۔ اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لیے ضروری ہے اور ان کی خدمت اور راحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم و صلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سرپرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں۔"

حضرت دہلوی اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"اہل علم ایک سلسلہ یہ شروع فرمادیں کہ پہلے سے طے کرلیں کہ آئندہ جمعہ فلاں مسجد یا فلاں گاؤں میں پڑھنا ہے اور اپنے متعلق کو بھی اسکی اطلاع دیدیں وہاں پہنچ کر نماز سے پہلے تبلیغی گشت اور لوگوں کو آمادہ کرکے مسجد میں لائیں پھر تھوڑی دیر کیلئے انہیں روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعت میں نکلنے کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقہ پر وہ چند روز میں دین کا ضروری علم و عمل سیکھ سکتے ہیں۔ اگر اس دعوت پر تھوڑے سے تھوڑے آدمی بھی تیار ہوجائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کے بھیجنے کا بندوبست کریں۔"

حضرت دہلوی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"آپ لوگ خوب یقین فرمالیجئے کہ ہماری تحریک اور اصلاح تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے۔ اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے۔" (۵۳)

مولانا محمد یوسفؒ نے کارکنوں کے لیے ہدایات کا جو طویل مکتوب لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتی ہے۔ اگر مطالبہ پر جم کا محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی ...... اعذار کا دل جوئی کے ساتھ حل بتائیں۔ صحابہؓ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں۔ اور پھر آمادہ کریں۔"

مولانا یوسف صاحب اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"کارکنوں کو تشکیل کی صورت لکھنے کے بعد ...... اپنی دعوت میں تو پورے چار ماہ کا مطالبہ کریں۔ لیکن اس پر زور اتنا دیں جتنی لوگوں میں استعداد ہو۔ اگر وہ اس دعوت کے بعد صرف ایک گھنٹہ روز کا بھی لگانے پر آمادہ ہوجائیں تو اس کی قدر کریں۔ اور اس کا وقت اتنا قیمتی بتائیں کہ اس کے سامنے اس محنت کی قیمت اچھی طرح کھل جائے۔"

یہ تو نظام الدین کے حضرات کا عمل ہے لیکن میرے نزدیک اگر جبر بھی دین کے کاموں میں ہو تو اپنی استطاعت اور قدرت کے موافق کوئی مضائقہ نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (۵۲)

کافروں کے حق میں ہے کہ ان کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن مسلمان کے بارے میں حضور کا پاک ارشاد ہے۔

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ الخ (الحدیث)

مشہور ہے کہ اگر کوئی ناجائز بات کرتے ہوئے دیکھو اور قدرت ہو تو ہاتھ سے روکے اور ہاتھ سے قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کا برا سمجھنا تو ایمان کا سب سے کمترین درجہ ہے۔

اشکال:۔

۱: عالموں کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنایا جاتا ہے۔

جواب:۔ بظاہر تو یہ اعتراض یقیناً اہم ہے۔ مگر درحقیقت امارت کے مناسبات الگ ہوتے ہیں ـــــ جس سے محض علم کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں، غور و فکر وغیرہ اُمور بھی ضروری ہیں۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا عہدِ نبوت سے چلا آرہا ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو متعدد سرایا میں امیر بنا کر بھیجا۔ طعن کرنے والوں سے تو کوئی زمانہ خالی ہوتا نہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا۔ حضور اقدسؐ نے خطبہ فرمایا، اور حمد و صلوٰۃ کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے ان کے والد زید کی امارت میں اعتراض کر چکے ہو، اور خدا کی قسم کردہ امارت کا زیادہ مستحق تھا۔ اور مجھے محبوب، اعتراضات کی وجوہ میں یہ بھی تھا کہ اس نوعمر لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنا دیا۔

حضور اقدسؐ نے حضرت اسامہؓ کو اپنے مرضِ وصال میں امیر بنایا۔ جس کی تنفیذ حضرت ابوبکرؓ نے حضور اقدسؐ کی وفات کے بعد کی کتبِ حدیث و سیرت میں مفصل اُن کی احادیث موجود ہیں کہ اول تو اس لشکر کو اس حالت میں بھیجنے ہی میں لوگوں کو اشکال تھا۔ لیکن جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر اصرار کیا کہ جس لشکر کو حضور اقدسؐ نے مقرر فرمایا ہے میں اس کو روک نہیں سکتا۔ تو پھر انصار نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا کہ اگر اس کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر ہمارے اوپر کسی ایسے شخص کو امیر بنا دیں جو سن رسیدہ ہو، جب حضرت عمرؓ یہ پیام لے کر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے داڑھی مبارک کو پکڑ کر یہ کہا کہ "تو مر جاوے۔ حضورؐ نے اسکو امیر بنایا اور تو مجھے یہ کہتا ہے کہ میں اس کو اس کی امارت سے ہٹا دوں۔" حضرت عمرؓ نے جا کر کہا کہ تمہیں تمہاری مائیں روئیں مجھے تمہاری وجہ سے آج خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پیش آیا۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر بنایا جب کہ ان کے ماتحت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ مفصل حدیث حیات الصحابہ میں ہے۔

حضور اقدسؐ نے جہینہ پر جو وفد بھیجا اس میں عبداللہ بن جحش کو امیر بنایا۔ اور یہ ارشاد فرمایا:۔

"یہ تم میں افضل نہیں ہے۔ لیکن بھوک اور پیاس پر زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔" (حیاۃ الصحابہ ج ۲)

حضرت حکیم الامت کا ارشاد منقول ہے :-

محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کے داماد تھے۔ جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی اسوقت ۱۷ سال کی عمر تھی لشکر میں بڑے بڑے پرانے تجربہ کار ہمراہ تھے۔ مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ سبب برکت ایمان اور فہم صحیح کی تھی۔ ۱۷ سال کی عمر میں اور دوسرے ملک پر چڑھائی، زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا۔ اس وقت فہم عام تھی۔ اب جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بُعد ہوتا جا رہا ہے اس قدر اس میں کمی ہو رہی ہے۔ درحقیقت امارت کے واسطے صرف شخصیت یا افضلیت یا اعلمیت کافی نہیں۔ اس میں ان چیزوں سے زیادہ ضرورت بالخصوص اسفار کے موقعہ پر ایسے شخص کی ہوتی ہے جو ہمت، قوت، مشقتوں کے برداشت میں زیادہ تحمل کرنے والا ہو۔

تبلیغ والے امارت کے لیے خاص طور پر اس کی رعایت ضرور رکھتے ہیں۔ کہ پہلے سے کسی دورہ وغیرہ میں نکل چکا ہو کہ وہ فی الجملہ تجربہ کار ہوتا ہے۔ واقف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض جماعتوں میں کسی پرانے کارکن کو ایسے اکابر پر بھی امیر بنا دیا جاتا ہے اور بنانا ضروری ہے جو پہلے کسی گشت میں نہ گئے ہوں۔ کہ وہ اصول طریق کار سے اپنی علوشان کے باوجود ناواقف ہوتے ہیں۔

مقولہ مشہور ہے :

"سَلِ المُجَرِّبَ وَلَا تَسْئَلِ الحَكِيمَ."

کہ بات تجربہ کار سے پوچھنی چاہیئے۔

اشکال :-

تبلیغ علماء کا کام ہے جاہلوں کا کام تبلیغ کرنا نہیں ۔

جواب :- یہ اعتراض بہت ہی مختلف عنوانات میں مختلف عبارات میں مجھ تک پہنچتا رہا۔ یہ اعتراض دراصل تبلیغ و وعظ میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وعظ در حقیقت صرف عالموں کا کام ہے۔ جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے تاکہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ وہ شریعت کے موافق ہو۔ کوئی چیز اس میں قرآن و حدیث کے خلاف نہ کہی جا سکے۔ اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں جن اکابر کے کلام میں تبلیغ علماء کے ساتھ مخصوص ذکر کی گئی ہے وہ حقیقت میں تبلیغ کے لفظ کو عام سمجھ کر اس کا اطلاق کر دیا گیا ہے ورنہ نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل نہیں وارد ہوتا۔ اس لیے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں انہی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور انہی کو پیام کے طور پر لیجا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے۔ ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو۔

حضرت حکیم الامت کا ارشاد ہے :-

"کہ جو مسائل منصوص صاف صاف شریعت کے ہیں ان کی تبلیغ صرف علماء کے ساتھ خاص نہیں ہر شخص بآواز بلند کہہ سکتا ہے امور اجتہادیہ سے خطاب کرنا البتہ علماء کے ساتھ خاص ہے۔ کہ عوام اس میں غلطی کریں گے۔"

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ان پر یہ اعتراض ہے کہ جاہلوں کو تبلیغ کے واسطے بھیجا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے دوسرے امور کو نہیں لیتے۔ شریعت اور دین ان چھ نمبروں میں موقوف نہیں، بہت سے اوامر، نواہی، منکرات ایسے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے مگر یہ تبلیغ والے ان کو نہیں چھیڑتے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عامی لوگ ہوتے ہیں ان کو وعظ کہنے کی بالکل اجازت نہیں اور یہ کہ ان میں علماء ہوں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ عالم

کا وعظ کہنا حق ہے۔ مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیزیں نہ چھیڑیں کہ مسائل میں اختلافات ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں مناظرہ وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں ان کے چھ امور اجتماعی اور متفق علیہ ہیں جن میں کوئی چیز اختلافی نہیں اور یہ بات کہ تبلیغ کے لیے عالم ہونا ضروری نہیں احادیثِ کثیرہ اور آثار صحابہ سے بہت ہی کثرت سے ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر متعدد اعلانات فرمائے۔ جو کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہیں۔ اور ان پر یہ بھی اشارہ فرمایا کہ جو حاضر ہیں وہ غائبین کو میرا یہ پیام پہنچا دیں۔ حالانکہ حجۃ الوداع میں سوا لاکھ کا مجمع تھا۔ کیا سارے ہی عالم تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے اس سے پہلے حضور اقدسؐ کی زیارت بھی نہیں کی تھی۔ مگر چونکہ صرف ایک خاص پیام پہنچانا تھا اس کے لیے عالم ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع میں یہ اعلان فرمایا۔

"حاضرین غائبین کو یہ پیام پہنچا دیں۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے باب "رُبَّ مبلغٍ اوعیٰ من سامعٍ" باب باندھا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو کم پڑھے ہوئے ہوں ایسوں کو پیام پہنچاتے ہیں۔ جو زیادہ پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کا قول ہے:۔

"تبلیغ کی دو قسمیں ہیں۔ خاص و عام، تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے۔ اور تبلیغ عام علماء کے ساتھ خاص ہے اس طرح خطاب بغیر المنصوص علماء کا کام ہے۔ اور خطاب بالمنصوص کے ساتھ ہر مسلمان تبلیغ کا کام کر سکتا ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کو میں نے شروع میں کہا کہ وعظ صرف علماء کا کام ہے اور مخصوص چیزوں کا پہنچا دینا علماء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے۔ حضرت تھانوی نے اپنے وعظ آداب التبلیغ میں بہت تفصیل سے اس کو بیان فرمایا ہے۔ اس میں بھی تبلیغ عام اور خاص کی تعریف فرمائی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ تبلیغ خاص کے لیے تو مسئلہ کی حقیقت کا معلوم ہونا اور اس کے بیان پر قدرت ہونا شرط ہے۔

اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسائل سن سن کر عالم ہو گیا ہو۔ اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لیے معین کیا ہو۔"

اشکال:۔

یہ کہ تبلیغ والے فضائل کی کتابوں پر زور دیتے ہیں مسائل کی کتابوں پر نہیں ؟

جواب:۔ اس اعتراض سے بھی بڑی حیرت ہے کہ جب کسی عالم کی زبان سے سنتا ہوں ، واقعہ صحیح ہے اور ایسا ہی ہے کہ تبلیغی نصاب میں فضائل کی کتابوں کو زیادہ اہمیت ہے جس کی وجہ خود حضرت دہلوی کے ملفوظات میں مذکور ہے۔

وہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے ، فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اسی سے آدمی عمل کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا۔ اس لیے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے۔"

اور بھی متعدد ملفوظات حضرت دہلوی اور مولانا محمد یوسف صاحب کے اس مضمون کے ہیں ۔ جو ان کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہو سکتے ہیں ۔ ہدایات بالا میں اس کی مفصل وجہ لکھی جا چکی ہے کہ فضائل میں اختلاف نہیں مسائل میں اختلاف ہے اور ان حضرات کا یہ فعل اللہ اور اس کے پاک رسول کی عین سنت ہے ۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضہ سے نقل ہے :۔

" قرآن پاک میں جو ابتداء میں نازل ہوا وہ آخر قرآن میں مفصل ہوا اس میں جنت و دوزخ کا ذکر تھا یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس کے بعد حلال و حرام کے احکام اترے اگر شروع ہی میں یہ احکام اتر جاتے کہ شراب مت پیو تو لوگ کہنے لگتے کہ اس کو تو ہم نہیں چھوڑ سکتے ۔ اور اگر نازل ہوتا کہ زنا چھوڑ دو تو وہ کہتے کہ ہم سے تو کبھی بھی نہیں چھوٹنے گا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں جبکہ میں کمسن لڑکی تھی ۔

بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی و امر (۵۵)

(بلکہ قیامت ہے ان کے وعدے کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی)۔

اور سورہ بقرہ سورہ النساء (جن میں احکام کی آیتیں ہیں وہ اس وقت نازل ہوئیں جب میں حضورؐ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ (یعنی مدینہ منورہ میں)۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے :-

پہلے مجھ کو شبہ تھا۔ کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے صرف ترغیب و ترہیب پر اکتفا کرتے ہیں اور جو علماء محض واعظ ہیں صرف ان پر یہ سوال نہیں تھا بلکہ حقیقت میں جو علماء ہیں ان کے متعلق یہ شبہ تھا اور اپنے بزرگوں پر بھی یہی شبہ تھا لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ بدفہمی کا بازار گرم ہے صرف ترغیب دینا ہی مناسب ہے ترغیب ہی دینا چاہیئے۔ یہ تجربہ مجھ کو ایک وعظ سے ہوا میں نے چند مسئلے ربوا کے متعلق ایک دم سے بیان کر دیئے سامعین میں بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا میرے پاس مکرر تحقیق کے لیے آئے۔ معلوم ہوا کہ قلت فہم یا سوء حفظ سے کسی مقدمہ کا مقدم دوسرے کی تالی سے جوڑ دیا اور بالعکس اس لیے گڑبڑ ہوگئی اور جب خود واقعہ پیش آوے گا۔ تو اس کے پوچھنے پر صرف واقعہ نظر میں ہوگا۔ اس میں غلطی نہیں ہو سکتا۔ (افاضات یومیہ)

ایک دوسرے ملفوظ میں اسی واقعہ کو دوسرے عنوان سے تعبیر فرما کر آخر میں فرمایا :-

"اس مصلحت کی بنا پر علماء صرف مضامین ترغیب و ترہیب ہی کے وعظ میں بیان فرماتے ہیں۔"

ایک جگہ ارشاد ہے :-

میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں۔ ترہیب بہت کم ہوتی ہے۔ میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہو جائے۔ گو خیال ہوتا ہے کہ جرأت معصیت پر نہ ہو جائے لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہو جائے تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ حضرت حاجی صاحب کا طریق ہے۔ وہاں بس تسلی ہی تسلی تھی کسی حال میں مایوس نہ ہونے دیتے تھے یوں فرماتے تھے :-

ہم لوگ عبد احسانی ہیں احسان اور لطف کے بندے اور جبتک آرام اور آسائش میں ہیں تب تک تو

عقائد بھی درست ہیں اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے اور جہاں کوئی مصیبت پڑی بس سب رخصت ۔

مولانا قاری محمد طیب نے اس اعتراض کا جواب اپنے وعظ میں بہت تفصیل سے دیا ہے، فرمایا :۔

"یہ لوگ ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والے صرف فضائل بیان کرتے ہیں مسائل نہیں بیان کرتے۔ اور دین درست ہوتا ہے مسائل سے۔ فضائل سننے کے بعد دل میں امنگ تو پیدا ہو جاتی ہے مگر جب آگے مسئلہ نہ معلوم ہوگا تو ممکن ہے کہ لوگ امنگ اور جذبات کی رو میں بہہ کر من گھڑت عمل شروع کر دیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بدعت میں مبتلا ہوں گے۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ اس طرز عمل سے لوگ بدعت کے اندر مبتلا ہوتے چلے جائیں گے اولاً تو محض احتمال اور امکان کی بات ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کیا ہے۔ چالیس برس کے اندر کتنے لوگ بدعت میں مبتلا ہوئے۔ رہا مسائل کا نہ چھیڑنا اس کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ ہم پہلے فضائل بیان کر کے جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں بعد میں مسائل چلائیں گے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ چالیس سال سے تبلیغ چل رہی ہے کیا آج تک جذبہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ تبلیغ والے فضائل ہی تو بیان کرتے ہیں مسائل سے انکار تو نہیں کرتے۔ کیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسئلہ کسی سے نہ پوچھو۔ ہرگز وہ ایسا نہیں کہتے۔ دوسرے یہ کہ کام کرنے کے مختلف میدان اور مختلف لائنیں ہوتی ہیں۔ کوئی درس و تدریس کی لائن اختیار کرتا ہے کوئی وعظ و تبلیغ کی تو کوئی سیاست و حکمت کی۔ ان حضرات نے بھی ایک لائن اختیار کر لی ہے۔ فضائل بیان کرتے ہیں۔ لوگوں کے اندر دینی جذبہ اور امنگ پیدا کرتے ہیں۔ اب ساری لائن وہی اختیار کر لیں یہ نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی ممکن۔ جب آپ کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو آپ کام کرنے سے پہلے کچھ مقاصد اور اصول مقرر کرتے ہیں اور اپنی لائن متعین کرتے ہیں۔ اس میں آپ سب چیزوں کو داخل نہیں کرتے تو پھر آپ اس میں سب چیزوں کو کیوں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال جب کوئی اعتراض کرے تو اسے سن لینا چاہیئے۔ اور اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے۔ عمل ہی سب اعتراضات کا جواب ہے بس تبلیغ والوں کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے اندر دین کا جذبہ

اور دینی امنگ پیدا کر دی جائے۔ اب اس امنگ سے آدمی دین کی جس لائن میں بھی کام لینا چاہے لے سکتا ہے۔ نیز دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جب کسی چیز کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی خود ہی اس امنگ کو صحیح طریقہ سے پورا کرنے کی جدوجہد اور سعی کرتا ہے۔ اگر آپ کے اندر صحیح امنگ پیدا ہو گئی ہے اور آپ کو مسائل کی طلب ہے تو علماء سے ملئے، مدرسہ میں جائیے اور مسائل معلوم کیجئے۔ باقی کام میں نہ لگنا اور اعتراضات کا کرنا یہ حیلہ حوالہ کرنے والوں کا کام ہے جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ ہر جماعت کا ایک نصب العین اور طریقہ کار ہوتا ہے آپ پر اس کا دوسری چیزوں کا لادنا کہ فلاں چیز کو بھی اس میں شامل کر لیجئے کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ جب اس جماعت نے اپنا ایک موضوع متعین کر لیا۔ تو آپ کو چاہیئے کہ آپ اسے اس پر کار بند رہنے دیں۔ بہرحال تبلیغ سے نفع اظہر من الشمس ہے کہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں دین کی امنگ اور طلب پیدا ہوئی اور اسی امنگ اور طلب کی وجہ سے کتنی بدعات ختم ہو گئیں۔ ورنہ لاکھوں آدمیوں کا محض اللہ اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا پیسہ خرچ کر کے سفر کرنا اپنا کھانا اپنا پینا پہلے یہ جذبہ کہاں تھا۔ تو اس سے جو نفع پہنچا اس کو تو آپ بیان نہ کریں اور جو ان کا منصوبہ نہیں اس کو آپ اعتراض کی بنیاد بنائیں۔ یہ تو کوئی مناسب بات نہ ہوگی۔

اور پھر اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو کام میں گھس کر کیئے جاویں اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے۔ اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے اس کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں۔ یوں تو اعتراضات سے مدرسے والے بھی خالی نہیں۔ اللہ و رسول بھی اعتراضات سے خالی نہیں۔"

اشکال:۔

اہل علم کی طرف سے یہ اشکال بھی کان میں پڑا کہ یہ چلہ تبلیغ والوں نے کہاں سے نکالا اور اس کی اصل کیا ہے؟

جواب:۔ حالانکہ چلہ کی اصل قرآن پاک میں بھی ہے حدیث پاک میں بھی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے :۔

وواعدنا موسیٰ ثلٰثین لیلۃ" واتممنٰھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ" (پ۹)

حضرت حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہ نے تفسیر بیان القرآن میں اس آیت شریفہ کو مشائخ کے چلوں کی اصل فرمایا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :۔

وفیہ اصل الاربعین المختار عند المشائخ الذی یشاھدون البرکات فیھا

یعنی آیت شریفہ صوفیہ کے چلوں کی اصل ہے جس میں وہ حضرات بہت سی برکات کا مشاہدہ کرتے ہیں،

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے ترجمہ کے فوائد میں لکھا ہے :۔

جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھائیں۔ موسیٰؑ نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زائد سے زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے در پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی، .... چالیس دن کی میعاد پوری ہونے پر حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی مشہور حدیث ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بخاری اور مسلم دونوں سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الصادق المصدوق ہیں ارشاد فرمایا ہے "آدمی کی ابتدائی خلقت ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ رہتی ہے اور پھر چالیس دن تک خون کا

لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک وہ بوٹی بنا دیتا ہے۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تغیر حالت میں چالیس دن کو خاص دخل حاصل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا، دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔ (۵۷)

نقد و تبصرہ

گذشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ تبلیغی جماعت ایک عالمی اور بین الاقوامی تحریک ہے جو دنیا کے ہر گوشے میں دعوت دین اور اشاعتِ اسلام میں مصروف ہے اس کا تبلیغی اور دعوتی کام دن بدن وسعت اختیار کر رہا ہے اور جماعت کا اثر و نفوذ روز افزوں ہے۔ پھر تبلیغی جماعت کے کام کی افادیت وسعت اور عالمی سطح پر پھیلاؤ اور اس کے اثر و نفوذ میں کتب فضائل یعنی تبلیغی نصاب کا کردار مرکزی اور کلیدی ہے۔ اسی لئے وہ لوگ جو تبلیغی جماعت کے طریق کار سے اختلاف رکھتے ہیں، وہ تبلیغی نصاب پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ ہذا ذیل میں طریق کار سے اختلاف اور تبلیغی نصاب پر اعتراض کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

تبلیغی جماعت نے ہجرت اور جہاد وقتال کی خالص دینی اصطلاحات کا غلط استعمال کیا ہے اور اپنے مخصوص طریقِ کار پر اصرار کرتے ہوئے ان اصطلاحات کا مفہوم بدل دیا ہے۔

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے مطابق ہر نقل مکانی کا نام ہجرت نہیں ہے۔ بلکہ جب مسلمانوں کیلئے کسی مقام میں اپنے دین و ایمان پر قائم رہنا دشوار ہو جائے۔ پھر اسے چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر منتقل ہو جانا۔ جہاں انہیں اپنے دین و ایمان کی حفاظت مل سکے۔ تو وہ ہجرت ہے۔ جبکہ تبلیغی جماعت اپنے مخصوص طریقِ دعوت کے مطابق سفر کی صعوبت اور محنت کو ہجرت قرار دیتی ہے۔ پھر ان کے نزدیک ہجرت میں اصل چیز "محنت" ہے۔ جس طریقہ سے بھی محنت کر لی جائے۔ تو وہ ہجرت کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

وہ کہتے ہیں :۔

"دین کے ضروری مسائل اور ضروری علم سیکھنے سکھانے کی غرض سے جماعت لے کر نکلنا ہجرت ہے اور جہاد بھی ہے۔ اس لیے اس نکلنے کو مہاجرانہ و مجاہدانہ زندگی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح موسوم کرنے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ جو لوگ دین کی راہ میں جماعتیں لیکر گھروں سے دور نکل جاتے ہیں۔ وہ دراصل دین و ایمان کی حفاظت کے جذبے ہی سے نکلتے ہیں۔ اس لئے وہ ہجرت ہے۔"

تبلیغی جماعت اپنی گشت اور چلوں کو صرف ہجرت کہنے پر اکتفا نہیں کرتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو جس مخصوص اجرِ عظیم کا مستحق قرار دیا ہے۔ اس مخصوص اجر کا مستحق بھی اپنے نکلنے والوں کو قرار دیتی ہے۔

چنانچہ مولانا محمد الیاس ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

"جب تک تبلیغ کیلئے چار مہینے ملک در ملک پھرنے کو اپنی قوم میں جزوِ زندگی بنانے کی کوشش کیلئے پورے اہتمام کے ساتھ آپ لوگ کھڑے نہیں ہونگے۔ اس وقت تو میت! یہ صحیح دینداری کا مزا نہیں چکھے گی۔ اور حقیقی ایمان کا ذائقہ کبھی نصیب نہ ہوگا۔" (۵۸)

اسی طرح "جہاد فی سبیل اللہ" دراصل حق پرستی کی وہ جنگ ہے۔ جو نفسانی اغراض سے بالاتر ہے خالص

اللہ کی خوشنودی اور اس کے بندوں کی بھلائی کیلئے کی جاتی ہے۔ جس کی بنا پر اسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد فوقیت حاصل ہے۔ اور اس کی فضیلت پر قرآن کی متعدد آیات شاھد ہیں ـــ سورۃ توبہ میں جہاد کو بہترین تجارت کہا ہے۔ نیز مجاہدین کو اجرِ عظیم اور یقینی کامیابی کی خوشخبری دی گئی ہے۔

احادیث کے مطابق جہاد میں ایک رات جاگنا۔ نوافل میں ہزار راتیں جاگنے سے ارفع ہے۔ ایک دن میدانِ جنگ میں صبر و استقامت، گھر میں ساٹھ برس نمازیں پڑھنے سے افضل بتایا گیا ہے۔ نیز مجاہدین پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ جہاد کے انہی فضائل کی بنا پر آنحضور ؐ نے میدانِ جنگ میں شہادت کی باہا تمنا کی تھی ـــ

آج پوری دنیا میں شر و فساد پھیل چکا ہے۔ امن و امان تباہ ہو چکا ہے۔ غیر مسلم اقوام ہر سو مسلمانوں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ مسلمان اقلیتیں جور و جفا کا شکار ہیں۔

مسلمان ممالک سے امریکہ اور مغربی اقوام ظالمانہ اور ذلت آمیز سلوک کر رہی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کا جہاد سے روگردانی ہے۔ اسلام میں جہاد تمام مکارمِ اخلاق کی روح ہے۔ اور نظام تمدن کی اصلاح کیلئے اساسی اہمیت کی حامل ہے۔

اسلام کا شرف اور مسلمانوں کا اعزاز جہاد سے وابستہ ہے۔ اسی لئے اسلام دشمن قوتیں ہر دور میں کوشاں رہتی ہیں۔ کہ مسلمانوں میں روحِ جہاد ختم کر دیں۔ انگریزوں کے دورِ حاکمیت میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی یہی فریضہ سونپا گیا تھا۔

تبلیغی جماعت نے بھی جہاد کی ہر قسم حتیٰ کہ جہاد بالسیف کی تمام فضیلتوں کو اپنے تبلیغی طریق کار میں مختص کر لیا ہے۔ اور جہاد بالسیف جو قرآن و سنت کے مطابق افضل ترین عبادت ہے۔ اسے نہ صرف عباداتِ نفلیہ میں شمار کیا ہے۔ بلکہ ذکر کو ترک جہاد پر فوقیت دی ہے۔

مثلاً:۔ تبلیغی نصاب میں یہ روایت درج ہے۔

حضور ؐ کا ارشاد ہے:۔

جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے اور بخل کی وجہ سے مال بھی خرچ نہ کرتا ہو اور

بزدلی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکتا ہو۔ اسے چاہیئے کہ ذکر کثرت سے کرے۔"

اس حدیث کے آخر میں عربی میں لکھا ہے۔ " ضعفه الجمهور یعنی جمہور علماء نے اسے ضعیف کہا ہے
لیکن مولانا زکریا نے " ف " کا نوٹ لگا کر لکھا ہے۔

"یعنی ہر قسم کی کوتاہی جو عبادات نفلیہ میں ہوتی ہے۔ اللہ کے ذکر کی کثرت اس کی کمی پوری کر سکتی ہے" (۵۹)
پھر فضائل حج میں مولانا زکریا رقمطراز ہیں۔

"طاؤس کہتے ہیں۔ کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے بھی جو روزہ دار شب
بیدار اور مجاہد فی سبیل اللہ ہو" (۶۰)

اسی طرح فضائل نماز میں ایک روایت درج ہے :-

" حضور اقدس نے نجد کی طرف ایک مرتبہ جہاد کیلئے ایک لشکر بھیجا۔ جو بہت جلد واپس لوٹ آیا اور
ساتھ ہی بہت سارا مال غنیمت لیکر آیا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ کہ اتنی ذرا سی مدت میں ایسی بڑی
کامیابی اور مال و دولت کے ساتھ واپس آگیا۔

حضور نے ارشاد فرمایا :-

" میں تمہیں اس سے بھی کم وقت میں اس مال سے بہت زیادہ غنیمت اور دولت کمانے والی جماعت
بتادوں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو صبح کی نماز میں جماعت میں شریک ہوں اور آفتاب نکلنے کے بعد جب مکروہ وقت
نکل جائے۔ تو دو رکعت اشراق کی نماز پڑھیں۔" (۶۱)

اسلام میدان جنگ میں شہادت کو بلند ترین درجہ دیتا ہے۔ لیکن مولانا محمد زکریا ایک بے سند روایت بیان
کرتے ہیں :-

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :-

" ایک قبیلے کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے۔ ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے۔

اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا۔ ان شہید سے پہلے جنت میں داخل ہو گئے ہیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے۔ میں نے حضورؐ سے خود عرض کیا۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے

جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا۔ ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی ہو گئیں ایک رمضان المبارک کے پورے روزے ان کے زیادہ ہو گئے۔ اور چھ ہزار اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ان کی بڑھ گئیں۔ (۶۲)

اسی طرح تبلیغی نصاب کی مذکورہ روایات میں ذکر کو جہاد پر فوقیت دی گئی ہے۔ نیز بیت اللہ کا دیدار اور اشراق کی نماز کو جہاد سے افضل گردانا گیا ہے۔

جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

بدر و حنین و خیبر ہیں اس کے گواہ ہیں
یہ کام کبھی ہو سکا نہ کبھی خانقاہ میں سے

ایک اور بلا سند روایت لکھتے ہیں :۔

"حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ کہ کیا کوئی بغیر شہادت کے بھی شہیدوں کے ساتھ ہو سکتا ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا :۔

"جو شخص دن رات میں ۲۰ مرتبہ موت کو یاد کرے وہ ہو سکتا ہے۔" (۶۳)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا شمار اپنے زمانہ کے اکابر صوفیا میں بھی ہوتا ہے اور حضرات صوفیاء کے نزدیک جہاد سے بڑھ کر ذکر اور مجالس ذکر کی اہمیت ہے، ان کے خیال میں ان مجالس میں سرکش نفس کو اپنے قابو میں کیا جاتا ہے اس لیے یہ جہادِ اکبر ہے جبکہ میدانِ جنگ کا جہاد، جہادِ اصغر ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے ہاں ایک موضوع روایت

متداول اور زبان زد عام ہے۔

وہ یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے کامیاب ہوکر واپس مدینہ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

ہم جہادِ اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

تمام محدثین نے اس حدیث کو وضعی قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"صوفیہ کی کتابوں میں رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر کو صحیح حدیث کہا گیا ہے۔ لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عیلہ کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی مستند اول کتابوں میں شاہ عبد العزیزؒ جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے بس احادیث اور غیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول و قواعد کی رو سے کیا جائے گا۔ ۔ ۔ صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے . . . . . . ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسولؐ ہونا ثابت نہیں ہوجائے گا۔" (۶۴)

نہی عن المنکر سے اجتناب :۔

تبلیغی جماعت کے لوگ معروف کی تبلیغ تو برابر کرتے ہیں۔ مگر منکر کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ اہل تبلیغ کو منکرات سے تعرض سے منع کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ شرک و بدعات سے بھی لوگوں کو نہیں روکتے۔

جیسا کہ مولانا حامد میاں صدر جمعیت علمائے اسلام لاہور نے فرمایا :۔

"تبلیغی جماعت کے لوگ صرف امر بالمعروف کرتے ہیں اور امر بالمعروف میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اصل میں نہی عن المنکر میں اختلاف ہے۔ اور آنحضور نے جب کفار مکہ کو منع کیا۔ کہ بت پرستی چھوڑ دو۔ تو وہاں مخالفت ہوئی۔ لڑائی منکر سے تعرض پر پڑی۔ تبلیغی جماعت نے جو طریق کار اپنایا ہے۔ اور سمجھا ہے کہ اس دور میں زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ امر بالمعروف کرتے رہو اور جب اس طرف لوگ آجائیں گے تو نہی عن المنکر خود بخود ہو جائے گا۔ پھر نہی عن المنکر تبلیغی جماعت کے چھ اصولوں میں شامل نہیں ہے۔"

مولانا نعیم صدیقی مدیر "ترجمان القرآن" لاہور فرماتے ہیں۔

"تبلیغی جماعت کفر یا طاغوت نہیں یعنی معروف کی دعوت ہے۔ نماز اور ذکر کی دعوت ہے۔ اکرام مسلم ہے۔ لیکن منکر پر نکیر نہیں۔ طاغوت اور پھر اس کے خلاف جہاد نہیں۔ اگر منکرات اور فواحش کے خلاف جدوجہد نہ ہو تو امر بالمعروف اپنے مطلوبہ نتائج نہیں دکھاتا۔ ہم تبلیغی جماعت کی مخالفت نہیں کرتے وہ اچھا کام کر رہی ہے۔ لیکن جزوی ہے۔ وہ باطل نہیں لیکن باطل کی مکمل بیخ کنی نہیں کرتی۔"

تبلیغی جماعت چونکہ نواہی اور منکرات پر نکیر نہیں کرتی۔ لہٰذا کوئی حکومت ان سے خائف نہیں ہوتی وہ جانتے ہیں کہ یہ دینی گروہ ضرور ہے۔ لیکن بے ضرر! ان سے کوئی خطرہ نہیں حتیٰ کہ غیر مسلم کافر ممالک میں بھی ان کو تبلیغ کی اجازت ہے کافر حکومتیں بھی ان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتیں۔

رائے ونڈ میں جتنی تعداد تبلیغی بھائیوں کی جمع ہوتی ہے (لاکھوں میں) وہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ اگر کسی ملک

میں اتنی تعداد میں کمیونسٹ پائے جاتے۔ تو وہ اس ملک کو آگ میں کر رکھ دیتے لیکن یہ پاکستان اور ہندوستان میں کثیر تعداد میں ہیں۔ اس کے باوجود کسی گوشہ میں ارتعاش پیدا نہیں کرتے۔ کوئی برائی مثلاً اگر کہیں رقص ہو رہا ہو۔ اگر شراب اڑائی جا رہی ہے تو ان کے پروگرام میں اس کے خلاف آواز اٹھانا نہیں ہے۔

مولانا محمد اسلم صدیقی خطیب جامع مسجد شیر گیریسن لاہور فرماتے ہیں۔

"تبلیغی جماعت کے طریقہ کار سے عوام الناس میں پورے اسلام کا فہم اور مزاج پیدا نہیں ہوتا۔ اسلامی زندگی کا تعلق انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ لیکن وہ دعوت صرف چھ باتوں کی دیتے ہیں۔ جس میں زیادہ تر ایمانیات، اخلاقیات اور چند اعمال سے ہے۔ اور جن کا تعلق ہمارے معاملات، معاشرت، حکومت اور بین الاقوامی امور سے ہے۔ اس بارے میں وہ لب کشائی نہیں کرتے۔ حالانکہ جب تک ان تمام شعبوں میں اسلام غالب یا نافذ نہیں ہوتا۔ پوری زندگی تبدیل نہیں ہو سکتی۔"

دین کے اس مخصوص نقطۂ نظر کا ایک نتیجہ اور مشاہدہ یہ بھی ہے۔ کہ ملک میں دینی اور لادینی قوتوں کی کشمکش جاری رہتی ہے۔ لیکن یہ تبلیغی بھائی بالکل لاتعلق اور غیر جانبدار ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ اپنا وزن بالکل اسلامی قوتوں کے پلڑے میں نہیں ڈالتے۔ تو نتیجہ یہ ہے۔ کہ ملک میں لادینی قوتیں مضبوط ہوتی جا رہی ہیں۔ اور دینی قوتیں پسپا ہوتی جا رہی ہیں ....

قرآن مجید نے امتِ مسلمہ کی بعثت کا مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر بتا کر اس اہم فریضہ کو قیامت تک ضروری قرار دے دیا ہے۔

نہی عن المنکر سے قرآن کا مقصد امتِ مسلمہ کو دنیا میں ایک زندہ قوم کی حیثیت سے رکھنا ہے اور وہ یہ بھی چاہتا ہے۔ کہ دنیا میں نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی اشاعت ہو۔ اور تمام برائیوں کا سدِباب اور قلع قمع ہو۔ مگر کتاب و سنت کے اس اصول کے خلاف اربابِ تبلیغی جماعت یہ کہتے ہیں۔ کہ اس جماعت کے پاس منکرات سے روکنے کا بارہا آزمودہ طریقہ اور خاص مجرب نسخہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس کی بصیرت پر منکشف فرمایا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ منکرات سے براہِ راست ہرگز تعرض نہ کیا جائے۔ صرف اور صرف معروفات کا ذکر کیا جائے۔ کیونکہ معروفات کے فروغ سے خود بخود منکرات زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔ اگر منکرات سے تعرض کیا جائے۔ تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ (۶۵)

"نہی عن المنکر" کے متعلق مولانا الیاس کا موقف قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ قرآن میں نہی عن المنکر کے صریح احکام اور نصوص موجود ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے۔ صحابہ کرام و خلفاء راشدین کا عمل ہے۔ سلف صالحین کا اجماع ہے۔ مفسرین و محدثین اور علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے۔

علاوہ ازیں ہمیں دین میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم ہے۔

ادخلوا فی السلم کافۃ (البقرۃ)

اس طرح اگر دین سے کوئی جزو خارج کر دیا جائے۔ تو وہ نامکمل رہ جائے گا۔

دینِ اسلام سے نہی عن المنکر کے خارج کرنے کی صورت میں اسلام کا پورا فوجداری نظام ختم ہو جائے گا۔ حدود و تعزیرات کا نفاذ موقوف ہو جائے گا اور لوگ جرائم پر دلیر ہو جائیں گے۔ پھر یہ "تفریق بین احکام اللہ" بھی ہے۔ یہ مسئلہ اولاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں "صلوٰۃ و زکوٰۃ" میں تفریق کی شکل میں سامنے آیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس فتنہ کے متعلق بڑا مضبوط موقف اختیار کیا۔ صحابہ نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور آپؓ نے اس فتنہ کا سدِباب کیا۔

اسی طرح متقدمین سے لیکر متاخرین تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کبھی تفریق اور امتیاز نہیں رہا ہے

اور کسی صاحب ایمان کیلئے ایسا کرنے کی فی الواقع قطعاً گنجائش بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے سارے احکام کو بے چوں چرا س برحق تسلیم کرنا ایمان کا اولین تقاضا اور فریضہ ہے۔

قرآن میں اللہ نے تخلیق انسان کا مقصد عبادت الٰہی اور خلافت الٰہی بتایا ہے۔ عبادت و خلافت کا مفہوم انسان کا اپنی زندگی منشائے الٰہی کے مطابق گذارنا اور اسکی ناراضگی کے کاموں یعنی منکرات و نواہی سے بچنا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الانعام ۱۶۲

اسی تصور کا نام اقامت دین اور حکومت الٰہیہ ہے۔ قوت واقتدار کے حصول کیلئے مسلمانوں کی جدوجہد دراصل قیام خلافت ہی ہے۔ جب انہیں اقتدار حاصل ہو جائے تو اسلام کے فکری و اخلاقی نظام کی بنیادوں پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کی جائے۔ تاکہ امت کی پوری زندگی اللہ و رسول کے احکام کی بجاآوری میں گزرے۔

چنانچہ مولانا ابوالحسن ندوی نے اپنی معروف تصنیف "سیرت سید احمد شہیدؒ" کا اولین مقصد ہی یہ لکھا ہے۔

" اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے جو اس کتاب میں بتایا گیا ہے۔ اور وہی ہے جس کے مطابق جناب رسول اللہ صلعم آپؐ کے خلفائے راشدین اور بعض مجددین امت نے عمل کیا یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی اور سیاسی غلبہ کی کوشش کرنا ہے۔ (۶۶)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی تبلیغی جماعت کے ابتدائی کام کو سراہتے ہوئے لکھا تھا کہ

"یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بس مذہبی اور اخلاقی حالت کی اصلاح اور اسلامی نظام جماعت کا قیام ہی وہ آخری منزل ہے۔ جس پر پہنچ کر ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ پہلی منزل جسے طے کرنے کے بعد آگے بڑھنے کیلئے راستہ کھلتا ہے۔ کلمہ طیبہ پر ایمان اور اس مرکز پر بیشتر قوتوں کا مجتمع ہونا اور احکام شریعت کی پابندی سے لوگوں کے اندر انضباط اور منظم عادات و خصائل پیدا ہو جانا تو دراصل وہ چیز ہے۔ جس سے زمین ہموار ہوتی ہے تاکہ اس پر عمارت تیار کی جاسکے۔ جہاں یہ زمین ہموار ہو جائے۔ جیسے میوات کے علاقے میں اس وقت ہو چکی

ہے۔ وہاں ان لوگوں کیلئے کام کا موقع ہے۔ جنہوں نے تنظیم شؤونِ انسانی کی جدید طریقوں کی تعلیم حاصل کی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہاں جاکر مذہبی مصلحین کے ساتھ تعاون کریں۔ ان کی معاشی حالت کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اور اسلامی اصول پر عملیات کا ایک نیا نظام تعمیر کریں۔ غرض کہ مختلف پہلوؤں سے اس علاقے کے لوگوں کو ترقی کے راستے پر لگائیں۔ اور ان کو ایک ایسی مضبوط اور منظم حالت تک پہنچا کر دم لیں۔ جس کا طبعی نتیجہ یہ ہو کہ خدا ان کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمائے۔ اور وہ زمین کے صالح وارث بن جائیں۔ (۶۷)

پھر یہی بات مولانا محمد الیاس نے تبلیغی جماعت کے آغاز کے وقت فرمائی تھی۔ کہ

" ہماری تحریک کا اصل مقصد ہے۔ مسلمانوں کو جاجاء النبی سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کردینا یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت یہ اس مقصد کیلئے ابتدائی ذریعہ ہے۔ اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی الف۔ ب ت ہے۔ (۶۸)

لیکن بعد کے آنے والوں نے اس بلند مقصد کو نظر انداز کر دیا اور مولانا الیاس کی تنبیہ کے باوجود چلت پھرت کے ابتدائی کام کو ہی اصل کام اور دین بنا دیا ہے۔ اور اب تک اس روش اور طریق کار پر کاربند ہیں۔

تبلیغی جماعت اور اس کے پروگرام کی ابتداء اور تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ میوات کے مقامی ماحول اور جاہل مسلمانوں میں دینی تعلیم و تربیت کے پیش نظر یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔ جن کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ دین سیکھنے اور سکھانے کی نیت سے باہر نکلنا شروع ہو گئے! اس لیے ساٹھ سال سے پہلے کے میواتی ماحول میں تبلیغی جماعت کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور آج بھی اگر اس طرح کے علاقوں میں علمائے کرام چل کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ تو مسلم عوام میں دینی بیداری پیدا کرنے کیلئے یہ ایک مؤثر ہتھیار ہو سکتا ہے۔

پھر یہ امر بھی پیش نظر رہے۔ کہ معاشرے میں طبقات مختلف ہیں۔ اذہان کا تفاوت ہے۔ ماحول اور حالات کا فرق ہے۔ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کر سکتی۔ کہ وہ تمام طبقات کیلئے یکساں مفید ہے۔ تمام اذہان کو تمام حالات میں متاثر کر سکتی ہے۔ کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک استدلال اور دلیل کا طالب ہے۔ تو دوسرا جذبات و عواطف کی تسکین چاہتا ہے

ایک ہی طریق سے ہر جگہ، ہر ماحول اور ہر زمانے میں کامیابی مشکل ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ تبلیغی جماعت اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کرے۔ صرف اپنے ہی طریق کار کے درست ہونے پر اصرار نہ کرے۔ بلکہ دوسری اسلامی تحریکیں اور دینی جماعتیں جو دیگر شعبہ ہائے زندگی میں ان سے مختلف طریقہ کار سے دعوتِ دین اور اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہیں۔ اُن سے تعاون کریں۔ اس طرح اگر تمام جماعتیں اخلاص، محنت، ایثار اور رواداری کا مظاہرہ کریں اور نفاق کی بجائے اتفاق، تصادم کی بجائے تعاون کی راہ اپنائیں تو امتِ مسلمہ یقیناً اپنی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ جو ہر جماعت اور تحریک کا مقصود اور نصب العین ہے۔

باب سوئم

تبلیغی خدمات

حوالہ جات و حواشی

۱۔ آل عمران: ۱۱

۲۔ صحیح مسلم ۔ رواہ مسلم عن ابی سعید خدریؓ باب امر المعروف و نہی عن المنکر، کتاب الایمان
ایچ، ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۔ الصف ۔ ۹

۴۔ الاحزاب ۔ ۲۱

۵۔ الکہف ۔ ۶

۶۔ التوبہ ۔ ۱۲۸

۷۔ النساء ۔ ۶۳

۸۔ النحل ۔ ۱۲۵

۹۔ صحیح بخاری ج ۲، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۱۶۴ ۔ ایچ، ایم سعید کمپنی کراچی

۱۰۔ التوبۃ ۔ ۱۲۲

۱۱۔ الفرقان ۔ ۵۷

۱۲۔ لاکھوں افراد کی پوری قوم کا مسلمان ہو جانا بہت ہتم بالشان واقعہ تھا جس کا تاریخ میں ذکر نہ ہونا ایک تعجب انگیز امر ہے

۱۳۔ "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" صہ ۴۷ بحوالہ الور کا گزیٹیر شائع شدہ ۱۸۷۸ء

۱۴۔ ایضاً صہ ۴۷

۱۵۔ "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" ص۴۲ بحوالہ گزٹیر شائع شدہ سنہ ۱۹۱۰ء

۱۶۔ حسنی، محمد ثانی، سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص۱۴۹، بیس بڑے مسلمان ص۵۸۷

۱۷۔ "حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دعوت" ص۲۴۶

۱۸۔ "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی" ص۱۵۱

۱۹۔ نعمانی، منظور، مولانا "ملفوظات محمد الیاس" ص۱۳۱

۲۰۔ ندوی، ابوالحسن علی "مکاتیب مولانا محمد الیاس" ص۱۴۰

۲۱۔ "ملفوظات مولانا محمد الیاس" ص۱۰، بیس بڑے مسلمان ص۵۹۴

۲۲۔ "الفرقان" لکھنؤ جمادی الاولیٰ ۔ ۱۳۶۲ھ ص۱۵۔۴

۲۳۔ "سوانح مولانا محمد یوسف" ص۲۰۶

۲۴۔ ایضاً مقدمہ ص۲۳

۲۵۔ ایضاً ص۴۴۸، ۴۴۷

۲۶۔ ایضاً ص۵۲۱

۲۷۔ عزیز الرحمٰن، مفتی، "سوانح حضرت جی" ص۳۸

۲۸۔ آپ بیتی نمبر۴ ص۱۱۲

۲۹۔ ایضاً ص۱۱۳

۲۹۔ م۔ یوسف، لدھیانوی، مولانا "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" ج اول ص۴۳۲

۳۰۔ آپ بیتی نمبر۴ ص۱۲۰

۳۱۔ ایضاً ص۱۲۲

۳۲۔ "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" ص۲۲۶۔۲۲۷

۳۳۔ اقبال، صوفی، محمد "محبوب العارفین" مکتبہ دینیات تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور ۱۴۰۱ھ ص۲۴
۳۴۔ "سوانح مولانا محمد یوسف" ص۲۰۲ تا ص۲۰۴
۳۵۔ ایضاً ص۲۰۴۔ "انتقال نسبت" کے اس صوفیانہ تصور پر تنقید کی گئی ہے۔ اور اسے غیر قرآنی اور غیر اسلامی قرار دیا گیا ہے۔ آیات قرآنیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فیضان الٰہی اور ہدایت کسی کی خواہش کے تابع نہیں، نیز کوئی صاحب نسبت بزرگ اپنی صلاحیت کسی دوسرے میں منتقل کرنے پر قادر نہیں حتیٰ کہ انبیاء کرام کو بھی اختیار حاصل نہیں جسکی واضح مثال حضرت نوح ؑ کی ہے۔ جو اپنی خواہش کے باوجود اپنے بیٹے کو ہدایت سے سرفراز نہ کر سکے اسی طرح آنحضور ؐ اپنی خواہش کے باوجود اپنے محبوب چچا ابوطالب کو مشرف باسلام نہ کر سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (عمری، مولانا عبدالرحمٰن، "تبلیغی جماعت اور اس کا نصاب" دارالکتاب نئی دہلی ۱۹۸۹ء ص۵۵

۳۶۔ "مولانا زکریا اور ان کے خلفاء" ج ۱ ص۳۶۷، ۳۶۶
۳۷۔ ایضاً ص۵۳۵
۳۸۔ "ولی کامل" ص۲۴۰
۳۹۔ ولی کامل ص۲۴۲
۴۰۔ "خدام الدین" لاہور اشاعت خاص نومبر ۱۹۸۲ء ص۵۱، ۵۲
۴۱۔ "سوانح حضرت شیخ الحدیث" ص۲۲۲
۴۲۔ ایضاً ص۸۹
۴۳۔ ایضاً ص۱۰۵
۴۴۔ "کتب فضائل" کا تفصیلی تذکرہ تالیفات کے باب میں آ رہا ہے۔ یہاں صرف تبلیغی جماعت کیلئے اس کی

احادیث اور ضرورت، بطور تبلیغی نصاب، مجمل طور پر بیان کی جا رہی ہے۔

۴۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، "ارکان اربعہ" مجلس نشریات اسلام کراچی ص۶۵

۴۶۔ زکریا، محمد "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات" شاہین ٹریڈنگ، کراچی، ص۱۸۳

۴۷۔ شاہد، سہارنپوری، محمد "اکابر کے خطوط" کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور ص۶۳

۴۸۔ "کتب فضائل پر اشکالات" ص۴۹

۴۹۔ زکریا، محمد "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات" ص۵

۵۰۔ البقرہ۔ ۲۱۵

۵۱۔ الحج۔ ۷۸

۵۲۔ التوبہ۔ ۶۰

۵۳۔ "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات" ص۱۹

۵۴۔ البقرہ۔ ۲۵۶

۵۵۔ القمر۔ ۴۶

۵۶۔ الاعراف۔ ۱۴۲

۵۷۔ "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات" ص۱۳۰

۵۸۔ "مولانا محمد الیاس اور ان کی دعوت" ص۱۹۳

۵۹۔ زکریا، محمد "فضائل ذکر" ص۴۳

۶۰۔ زکریا، محمد "فضائل حج" ص۷۷

۶۱۔ زکریا، محمد "فضائل نماز" ص۱۸

۶۲۔ زکریا، محمد فضائل نماز ص۱۳-۱۴

۶۳۔ زکریا، محمد، موت کی یاد ص۱۳

۶۴۔ مدنی، حسین احمد، مکتوب شیخ الاسلام ج ۱، ص۳۰۷-۳۰۸ ؟

۶۵۔ "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت"، ص۲۴۴

۶۶۔ ندوی، ابوالحسن علی "سیرت سید احمد شہید" ص ۳۰

۶۷۔ ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور شمارہ شعبان ۱۳۵۸ھ

۶۸۔ نعمانی، محمد منظور "ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس"، ص۱۳۱

باب چہارم
تالیفی و تصنیفی خدمات

”حضرت شیخؒ کی تصنیفات و تالیفات
عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہیں
اور ان کی تاثیر، جاذبیت، شہرت و
مقبولیت حافظ شیرازی کے اس مصرع
کی مصداق ہے :-
؎ قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است“

مولانا نسیم احمد امروہی

تالیفی و تصنیفی خدمات

مولانا زکریاؒ کی علمی خدمات کا دوسرا میدان تالیف و تصنیف تھا۔ مولانا کے تالیفی کام کی ابتدا زمانۂ طالب علمی سے ہو چکی تھی۔ پہلی کتاب جو آپ کے قلم سے نکلی وہ علم نحو کی مشہور کتاب 'الفیہ' امام مالک کی شرح تھی۔ اور یہ مولانا کی طالب علمی کا دوسرا سال تھا جبکہ آپ کی عمر تیرہ چودہ کے درمیان تھی مولانا آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

"درس کے دوسرے سال جب میں نے الفیہ شروع کیا تو ساتھ ساتھ اس کی اردو شرح بھی شروع کی جو کل تین جلدوں میں پوری ہوئی۔ پہلا جزو بہت مفصل شرح کے طور پر تھا اس کے بعد مختصر ہوتی چلی گئی اور ۱۸ شعبان ۲۹ھ پنجشنبہ کو پوری ہوئی۔ اس کا مسودہ الماری میں موجود ہے۔" (۱)

اسی طرح شرح سلم العلوم، اضافہ بر اشکال اقلیدس، تقریر مشکوٰۃ اور تقاریر کتب حدیث بھی زمانہ طالب علمی میں تحریر کی گئیں (۲) طالب علمی سے فراغت کے بعد جب مولانا ۳۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے تو اس سال دو کتابیں تالیف فرمائیں ایک مظاہر علوم کے احوال پر جو بعد میں تاریخ مظاہر کے نام سے شائع ہوئی۔ اور دوسری اپنے مشائخ سلسلہ کے احوال پر جو تاریخ مشائخ چشت کے نام سے طبع ہوئی

بذل المجہود کی تالیف میں شرکت:

مولانا زکریاؒ کے سلسلہ تالیف میں بخت نے بھی ساتھ دیا۔ اور آپ کو ایسا موقع مہیا ہوا جو نہ صرف تاریخی

سفر میں سب سے بڑا محرک اور سرپرست بنا بلکہ علوم حدیث میں آپ کی خدمات کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔ یہ بذل المجہود کی تالیف میں مولانا کی بھرپور شرکت ہے جس کی تفصیل باب میں گزر چکی ہے۔ علم کا یہ مقولہ مشہور عالم ہے

"جب تک تو اپنے سارے کے سارے کو مجھے نہیں دیگا، اس وقت تک میں تھوڑا سا حصہ بھی تجھ کو نہیں دونگا"

فی الحقیقت مولانا زکریاؒ نے بذل المجہود کی تالیف میں اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں کھپا دیں۔ اور اپنا سب کچھ اس تالیف کی نذر کر دیا اور اپنی تمام دیگر مصروفیات معطل کر کے اس کے لیے وقف ہو گئے۔ اس کا اعتراف مولانا موصوف کے مرشد اور معلم مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"وھو جدیر بان ینسب ھذا التعلیق الیہ" (۳)

اور وہ اس لائق ہے کہ اس شرح کی نسبت انہی (زکریا) کی طرف کی جائے۔ الغرض بذل المجہود کی ابتدا ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ سے ہوئی اور ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ کو پورے دس برس پانچ ماہ دس دن میں یہ شرح بڑی تقطیع کے قریباً دو ہزار صفحات میں پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی بعد ازیں اس پر نئے سرے سے کام ہوا اور وہ عربی ٹائپ میں بیس جلدوں میں مکمل ہوئی۔ کتاب کے شروع میں حضرت مولانا کا پیش لفظ مولانا حسین احمد مدنی کے قلم سے مصنفِ کتاب کے حالاتِ زندگی اور روح پرور تذکرہ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک بسیط مقدمہ ہے۔ جس میں وجہ تالیف، اس کے محرکات، مولانا کا ذوق و شوق اور اس شرح کی خصوصیات اور امتیازات کا تذکرہ ہے۔

اس تالیف کا طریق یہ تھا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری شرح حدیث اور ماخذ کی نشاندہی کر دیتے، مولانا زکریا متعلقہ مواد جمع کر لیتے اور حضرت کی خدمت میں اسے پیش کر دیتے۔ بعد ازیں مولانا خلیل احمد اسے اپنے الفاظ میں ترتیب کر کے اسے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے، تسوید تحریر کا کام مولانا زکریا انجام دیتے، اثنائے تالیف میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی

(۴) مولف کی روایات کو ترجمہ (عنوان باب) کے ساتھ تطبیق دینے میں دقت فہم نکتہ رسی اور باریک بینی کا بڑا واضح ثبوت پیش کیا ہے جہاں ابواب مکرر آئے ہیں وہاں اس تکرار کی حکمت اور افادیت کا ذکر کیا ہے مثال کے طور پر "باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور "باب سہم الصفی" دیکھے جا سکتے ہیں دیکھیے کتاب "الخراج والفئ"۔

(۵) جہاں پر شارحین نے کسی حدیث یا متعلقات حدیث کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے وہاں اس تکرار پر انہوں نے اپنا رجحان جس پر ان کا دل منشرح ہوا اور جو بات خدا تعالیٰ نے انہیں سمجھائی ہے کم و کاست ذکر کردی اور اختلافات کو اس طرح حل کیا ہے کہ دل کو اطمینان کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور گتھی سلجھ جاتی ہے۔ (۵)

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک

بذل المجہود تکمیل کے آخری مراحل میں تھی کہ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو اقدام عالیہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر موطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک کا آغاز کیا جبکہ ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔ مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں :

"بذل کے ختم ہونے تک تو دو چار سطریں لکھی جاتی تھیں اور بذل کے ختم کے بعد ۱۳ ، شعبان ۱۳۴۵ھ سے مدینہ پاک روانگی تک تقریباً ڈیڑھ جلد کا مسودہ ہو گیا(۶) لیکن ہندوستان واپسی کے بعد مشاغل کا ایسا ہجوم رہا اور اس کے درمیان دوسری تصانیف کا سلسلہ بھی رہا جیسا کہ آئندہ رسالوں سے معلوم ہوگا۔ تدریس کے علاوہ مدرسہ کے مشاغل نے بہت وقت لیا، اس لئے ۳۰ سال سے زائد(۷) اس کی تالیف میں لگ گئے۔" (۸)

یہ کتاب چھ جلدوں میں مکمل ہوئی جس کے کل صفحات ۲۳۶۶ ہیں ۱۳۴۸ھ میں یہ کتاب پہلی مرتبہ ۲۰ x ۲۹ / ۸ کے سائز پر کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوئی تھی اس کے بعد سے مکتبہ سے متعدد ایڈیشن مصنف کی جانب سے بہت سے اضافات کے ساتھ شائع ہوئے۔ ممالک عربیہ کے اہل علم کے مسلسل اصرار پر یہ کتاب ٹائپ کے ذریعے مطبع السعادۃ قاہرہ مصر سے بہترین طباعت کے ساتھ شائع ہو چکی ہے یہ جدید طباعت ۲۰ x ۳۰ / ۸ سائز کی پندرہ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فاضلانہ مقدمات بھی شامل کتاب ہیں۔ حال ہی میں اس کتاب کا ایڈیشن فضیلۃ الشیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک کے زیر اہتمام امارات متحدہ سے شائع ہوا۔ یہ طباعت شیخ زاید بن سلطان آل نہیان رئیس دولۃ الامارات العربیۃ المتحدہ کے حکم سے ہوئی۔

اوجز کے شروع میں ۹۰ صفحات کا ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں فن حدیث کے تعارف، تاریخ اور تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور پھر کتاب اور صاحب کتاب امام مالکؒ کا مفصل تعارف ہے۔ اور ان دونوں کی خصوصیات اور امتیازات پر سیر حاصل تذکرہ ہے نیز اس کے شروح اور عہد بعہد خدمات اس کیساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے پھر اپنے مشائخ اور سلسلہ ولی اللہی کے اسانید کی تفصیل ہے ، نیز امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ، ان کی محدثانہ حیثیت، ان کے اصول و مسلک کا تذکرہ ہے، مولانا ذکریاؒ نے اس عظیم شرح میں جن امور کا التزام فرمایا ان کا ذکر مقدمہ میں کر دیا ہے۔ اوجز کی اہم امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

اول یہ کہ اس کے اکثر مباحث اکابر مشائخ سے منقول ہیں البتہ بعض جگہ روایات کی توجیہہ و تطبیق میں حضرتؒ نے منفرد نکات بھی پیش فرمائے ہیں۔

دوم: مشائخ کا کلام جہاں بھی نقل کیا ہے باحوالہ نقل کیا ہے البتہ بذل المجہود اور شرح زرقانی چونکہ بہت ہی کثرت سے نقل کیا گیا اس لیے ان کا حوالہ بطور خاص دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اسی طرح رجال سند پر کلام بیشتر حافظ کی تہذیب، تقریب، تعجیل، جامع الاصول کے رجال سے منقول ہے اس لئے ان چار کتابوں کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ جہاں کہیں ان چار کے علاوہ کسی کتاب سے نقل کیا گیا ہے وہاں اس کا حوالہ ضرور دیا گیا ہے۔

سوم: مؤطا کے رواۃ میں جس راوی کا ذکر سب سے پہلی جگہ آیا ہے وہاں اس کے حالات درج کر دئیے ہیں آخر میں رجال مؤطا کی فہرست درج کر دی ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اوجز میں کسی راوی کا ترجمہ کس جگہ آیا ہے

چہارم: مصنف امامؒ نے جن روایات کو مرسلاً یا تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ شیخ نے جہاں تک مل سکیں ان کی اسانید کی تخریج کر دی ہے۔

پنجم: اس شرح میں صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب ذکر کیے گئے ہیں دیگر مذاہب کو غیر ضروری سمجھ کر ذکر نہیں کیا گیا۔

ششم: اس شرح میں نقل مذاہب میں یہ اچھوتا التزام کیا گیا ہے کہ ہر مسلک کو اس کی کتب فروع سے نقل کیا جائے، شیخ فرماتے ہیں :۔

"بیان مذاہب میں میں نے عام طور پر ائمہ اربعہ کی کتب فروع پر اعتماد کیا ہے اور صرف شارحین کی نقل و حکایت پر اکتفا نہیں کیا۔ کیونکہ شارحین کے درمیان کسی امام کا مسلک نقل کرنے میں اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مسلک غلط نقل کر دیا جاتا ہے۔"

یہ اس کتاب کی ایسی منفرد خصوصیت ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

ہفتم: چونکہ مؤطا امام مالک کی تصنیف ہے اس لیے اس کی تائید میں مدونہ وغیرہ سے امام مالک کے اقوال کثرت سے نقل کیے گیے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں کتب مالکیہ کی مراجعت میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اوجز میں امام مالک اور حضرات مالکیہ کے اقوال اس کثرت سے جمع کر دیئے گئے ہیں کہ خود کسی مالکی عالم کے لیے ان کی تلاش آسان نہ تھی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں :۔

"میں نے علامہ حجازی مفتی مالکیہ سید علوی مالکی سے جو نہ صرف حجاز کے بلکہ اپنے دور کے نہایت متبحر اور وسیع النظر عالم تھے وسعت علم اور استحضار میں انہیں علامہ انور شاہ کشمیری سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اوجز کی تعریف سنی وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ خود مالکیہ کے اقوال و مسائل کا اتنا ذخیرہ، اتنی صحیح نقل موجب حیرت ہے وہ فرماتے تھے کہ :۔

"اگر شیخ زکریا مقدمہ میں خود کو حنفی نہ لکھتے تو میں کسی کے کہنے سے بھی انہیں حنفی نہ مانتا۔ میں ان کو مالکی بتاتا اس لیے کہ اوجز المسالک میں مالکیہ کے جزئیات اتنی کثرت سے ہیں کہ ہمیں اپنی کتابوں میں تلاش میں دیر لگتی ہے۔"

مالکی علماء و قضاۃ نے اس کی بڑی قدردانی کی ہے، امارات خلیج کے رئیس القضاۃ، شیخ احمد عبدالعزیز ابن مبارک نے بھی اس کی طباعت و اشاعت میں بڑی دلچسپی لی۔

ہشتم: کتاب میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کے دلائل اور وجوہِ ترجیح کو بڑی جامعیت و وضاحت مگر اختصار کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ "ایک مالکی مسلک عالم نے اس شرح کو دیکھ کر کہا تھا کہ ھذا المصنف حنفی المؤطا۔ اس مصنف نے تو موطا کو حنفی کر دیا۔ فضیلۃ الشیخ سید علوی مالکی استاذ الحرم مکۃ المکرمہ نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اپنی مجلس میں ان الفاظ کے ساتھ اس شرح کی پذیرائی کی کہ: "متقدمین میں بھی اس کتاب کی نظیر نہیں ملتی۔" (۱۰)

نہم: حضرت شیخؒ فرماتے ہیں۔

"باوجود کہ میں نے اپنے فہم قاصر کے مطابق بعض ائمہ مشائخ کے اقوال کو بعض پر ترجیح دینا ترک نہیں کیا لیکن بحمداللہ میں نے ان اکابر کی شان میں سوءِ ادب سے اجتناب کیا ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق روایات کی تنقیح اور مسائل کی تحقیق میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔"

اوجز المسالک کی انہی امتیازی خصوصیات کے پیش نظر اہل علم حضرات کے لیے کتاب کی افادیت نیز حدیث و فقہ اور ان کے متعلقہ علوم میں مولانا کی مہارت اور جامعیت عیاں ہے۔ الغرض 'اوجز' حدیث و فقہ کے اعتبار سے مؤطا کی سب سے زیادہ جامع و مفصل شرح ہے یہ علماء اور طلباء کو سینکڑوں شروح و حواشی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

چنانچہ مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں:

"اوجز المسالک طالب علمی کے زمانہ سے میرے مطالعہ میں ہے اس وقت تو زیادہ شعور نہ تھا۔ کہ اس کے بعد جب تصنیف و تالیف اور افتاء کی ضرورتیں نمودار ہوئیں تو مجھ میں نے اوجز المسالک کو ایک کتب خانہ پایا جس میں حدیث و فقہ، تفسیر، لغت، معانی و بیان، اسماء الرجال ہر قسم کی معلومات کے ذخیرے ہیں۔ میں اگر یہ کہہ دوں کہ اسلام کے مطالعہ کے لیے بس اسی کتاب کا مطالعہ کافی ہے، تو مبالغہ نہ ہوگا۔" (۱۱)

اس کتاب کی تالیف وطباعت کے موقعہ پر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے ایک قصیدہ تحریر فرما کر بھیجا تھا اسے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ایا طالبی نور الہدیٰ فی المالک — خذوا وخذوا شرح الموطا لمالک

لخیر اخ فی الدین کہل وصالح — ومصباح تاری العلم نبراس سالک

وذا زکریا عالم وابن عالم — ربیب التقیٰ والعلم قدوۃ ناسک

لقد بذل المجہود فی حل ما حویٰ — کتاب الموطا من دقیق المدارک

فجاء بحمد اللہ شرحاً ممتعاً — کبدر مبین فی دجی اللیل حالک

جزاہ ملیک العرش خیر جزائہ — ودارلہ من فضلہ المتدارک

ویا رب انزل رحمۃ وکرامۃ

علی خاتم الرسل الکرام وبارک (۱۴)

الکوکب الدری علی جامع الترمذی

دیوبندی علماء میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا درس حدیث مشہور ہے۔ ۱۲۷۶ھ میں الزام بغاوت سے بری ہو کر انہوں نے گنگوہ میں مستقل قیام فرمایا۔ اور درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۱۱ھ میں مولانا محمد یحییٰ گنگوہ میں تھے اس وقت مولانا گنگوہی کی خدمت دورہ حدیث کے لیے حاضر ہوئے۔ جب انہوں نے نزول ماء کے مرض سے درس حدیث ترک کر دیا تھا۔ لیکن مولانا محمد یحییٰ کی خاطر انہوں نے پھر دورہ حدیث شروع کر دیا تھا یہ آخری دورہ حدیث تھا۔

مولانا گنگوہی کے ہاں صحاح ستہ کا دورہ ہوتا تھا اور دو کتابیں بخاری و ترمذی بڑے اہتمام سے پڑھائی جاتی تھیں ان دونوں کتابوں کی تقریرات کو مولانا محمد یحییٰ نے عربی زبان میں قلمبند کیا۔ تقریر ترمذی کے بارے میں کہتے ہیں:

"انی کنت فی ایام کتابۃ التقریرات لا اشتغل بعمل ما لم افرغ من الکتابۃ المذکورۃ۔"(۱۵) یعنی میں تقریرات کی کتابت کے دنوں میں اس وقت تک کسی بھی کام میں مشغول نہ ہوتا تھا جب تک کہ کتابت سے فارغ نہ ہو جاتا۔ مولانا محمد یحییٰ کے انتقال کے بعد یہ تقریرات مولانا زکریا کے ہاتھ آئیں مولانا گنگوہی کے اکثر عقیدتمندوں نے اسے نقل کیا۔ اور اکابر نے خصوصاً مولانا حسین احمد مدنی نے اصرار کیا کہ وہ اسے طبع کرا دیں۔ خود مولانا زکریا کی خواہش تھی کہ یہ علمی خزینہ طبع ہو جائے لیکن مولانا حضرت گنگوہی کے مختصر جملوں کی تشریح و توضیح کے لیے حواشی کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اسی اثناء میں بعض حضرات نے اس تقریر کے بعض اجزاء کو شائع کر دیئے جو اصل کے مطابق نہ تھے۔ اس پر مولانا اوجز المسالک کا کام روک کر اس میں مصروف ہو گئے۔ مولانا خود لکھتے ہیں۔

"جب میں نے دیکھا کہ لوگوں نے اصل نسخہ میں تحریف کر دی تو میں اس تقریر کو جو میرے پاس تھی اسی حالت میں طبع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی تائیدات بھی شامل ہوئیں اور جلد ثانی کی بعض تقریرات میرے والد کے زمانے میں ضائع ہو چکی تھیں والد صاحب نے کوشش بھی کی تھی کہ کسی طرح اس کو پورا کر دیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پھر میں نے کوشش کی تو مجھے حضرت مولانا فتح محمد تھانوی کے پاس سے اصل ہاتھ آ گئی۔ موصوف نے یہ ۱۳۱۲ھ میں نقل کی تھی(۱۶)۔

مولانا زکریاؒ نے بڑی محنت سے اور عقیدت سے اس پر حواشی اور فوائد لکھے۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں:-

"فحيث ما ظهرلي في بادى الرأي شئ من سبق قلم او اجمال مخل او غير ذالك اشرت له في الحاشية" ۔ جہاں کہیں مجھے بظاہر سبقت قلم یا اجمال سلطب مخل یا کوئی اور چیز معلوم ہوئی اس کی طرف میں نے حاشیہ میں اشارہ کر دیا"۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

"وزدت في بعض الامكنة ترجمة الباب قبل القول"[17] "میں نے بعض جگہ لفظ قولہ سے پہلے ترجمۃ الباب کا بھی اضافہ کیا ہے"

الغرض مولانا زکریا نے کوکب کے حواشی کا کام شروع کیا وسط ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں اس کی جلد اول اور ۱۶ رجب ۱۳۵۳ کو جلد ثانی مکمل ہوئی۔ یہ کتاب $\frac{20 \times 26}{8}$ سائز کے ۴۴۴ صفحات پر مشتمل ہے پہلے یہ مکتبہ یحیوی سہارنپور سے دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی پھر حضرت شیخ کی یہ کتاب عربی ٹائپ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے چار جلدوں میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اب تیسری بار اس کو جامع ترمذی کے متن کے ساتھ "لجنۃ التراث والتاریخ ابوظبی" کی جانب سے شائع کیا جارہا ہے۔ کتاب پر پہلا مقدمہ مولانا ابوالحسن ندوی کا ہے اور دوسرا مقدمہ مولانا محمد عاقل رئیس الاساتذہ مدرسہ مظاہر علوم کا ہے۔

اگرچہ الکوکب الدری مولانا گنگوہی کی تقریرات ترمذی پر مشتمل ہے جسے مولانا محمد یحییٰ نے ع۔ق میں قلمبند کیا لیکن مولانا محمد زکریا کے حواشی نے اسے صرف ایک مستقل تصنیف بنایا بلکہ اس کے ایجاز واختصار اور مجمل ومبہم و غامض عبارات کی تفصیل کردی نیز بہت سی تحقیقات کو حدیث کے مراجع ومصادر سے اخذ فرما کر حسب موقع نقل فرمادیا ہے۔

پھر آئمہ کے اقوال اور مذاہب کی پوری تحقیق ان کتب سے کردی جو مولانا گنگوہی کی حیات میں مطبوعہ نہ تھیں اس کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ وتحقیق کا اضافہ بھی کردیا۔ علاوہ ازیں اپنے مشائخ کے علوم و تحقیقات جن کا تعلق ذوقی اور وجدانی علوم سے ہے ان کو بھی جابجا نقل فرمایا ہے۔ ترمذی کی عبارتِ غامضہ حل کرنے میں اس سے بہتر کوئی کتاب اسلامی کتب خانہ میں نہیں ہے اس وجہ سے اہل علم اس کتاب کی افادیت

کے تلامذہ اور اکابر علماء حدیث اس کے مطالعہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ مولانا زکریا لکھتے ہیں۔

میرے حضرت مدنی قدس سرہ کو ترمذی کے سبق میں کوکب الدری کے دیکھنے کا بہت اہتمام تھا اور طلبہ کو ترغیب بھی فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مستقل سفر دیوبند سے سہارنپور کا وہ جزو کوکب کے سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے۔،، (۱۸)

اسی طرح مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں۔

"یہ کتاب طالب علم سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے ترمذی پڑھانے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں جب سے یہ طبع ہوئی ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بڑے اہتمام سے کرتا ہوں۔،، (۱۹)

الغرض الکوکب الدری علی جامع الترمذی،، مولانا گنگوہی ؒ کے زندگی بھر کے تجربات کا نچوڑ اور علوم و معارف کا سمندر ہے۔ جس پر مولانا زکریا نے مفید حواشی تحریر فرما کر اسے ایک مستقل تصنیف بنا دیا ہے۔

لامع الدراری علی جامع البخاری

لامع الدراری صحیح بخاری کی شرح ہے بخاری شریف کی تقریر بھی مولانا محمد یحیی نے عربی میں قلمبند کی تھی۔ مولانا زکریا لامع الدراری کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں۔ "حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں میرے جد محترم اور میرے مرشد خلیل احمد سہارنپوری نے میرے والد کے دورہ حدیث کی بہت سفارش کی۔ چنانچہ حضرت قطب العالم نے اوائل ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ میں ترمذی شریف کا درس شروع کرایا۔ چونکہ حضرت بہت کمزور ہو چکے تھے اور بہت زیادہ مصروف رہتے تھے اس لیے بہت کوشش کر کے ترمذی شریف کو ۱۸۔ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ یعنی کچھ کم ایک سال میں۔ اس کے بعد فوراً ہی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ ابو داؤد شروع کرادی گئی۔ اس وقت حضرت نزول الماء آشوب چشم میں مبتلا ہو چکے تھے۔

اندیشہ تھا کہ کہیں درمیان میں کام رک نہ جائے لہٰذا عادت کے خلاف دورہ حدیث کی طرف بہت زیادہ توجہ فرمائی اور صبح و شام کے خالی اوقات بھی اس میں صرف کر دیئے۔ اس طرح ۷، ربیع الاوّل ۱۳۱۴ھ کو تین مہینہ سے کم میں اس شان کے ساتھ ابوداؤد شریف ختم کرائی کہ اس کی کوئی چیز پڑھانے سے نہ چھوڑی اور وہ معارف بیان فرمائے کہ بایدوشاید ان کا تذکرہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری نے اپنی شرح بذل المجہود میں بھی کیا ہے۔ پھر ۹، ربیع الاوّل ۱۳۱۴ھ کو بخاری شریف جلد اوّل شروع کرائی اور جمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ کی چاندرات کو ختم کرادی اس کے بعد جلد ثانی شروع کرائی اور ۱۷، جمادی الآخر کو ختم کرادی اس کے بعد بقیہ کتب حدیث کا دورہ کرایا۔ غرضیکہ آخر شعبان ۱۳۱۴ھ کو اس سے فارغ ہو گئے۔ (۳۰)

اسی زمانہ کی تقریریں ہیں جن میں سے ایک کا نام "الکوکب الدری" اور دوسری کا نام "لامع الدراری" ہے۔ قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کا طریقہ اس دورہ میں یہ رہا کہ جو ابحاث ترمذی میں گذر چکے ہیں اس کا اعادہ نہیں فرماتے تھے بلکہ ان ہی چیزوں کو بیان فرماتے تھے جو صرف ابو داؤد اور بخاری شریف میں مخصوص ہیں۔ اس لیے ابوداؤد میں ترمذی کے مقابلہ میں کم اور بخاری شریف میں ابوداؤد کے مقابلہ میں اور کم تقریر فرماتے تھے۔

جب احباب اور مخلصین کو علم ہوا کہ یہ دولت حضرت شیخ الحدیث کے پاس ہے تو انھوں نے کوکب دری کی طرح اس کی اشاعت کے لیے بھی اصرار کیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے بہت زیادہ تقاضہ کیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: "لاسیما حضرت شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرۃ مولانا الحاج السید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کثیراً ما امرنی بالجد علی ترک تسوید الاوجز الی طباعۃ تقریر البخاری وربما قال قدس سرہٗ اذا طبعت بعد موتی فماذا ینفعنی لو طبعت فی حیاتہ لانتفعت بہ۔ یعنی خصوصاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت مرتبہ بہایت شدّت کے ساتھ مجھے امر فرمایا کہ اوجز کو چھوڑ کر میں بخاری کی طرف متوجہ ہوں بعض اوقات حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے میری زندگی میں طبع کرایا تو مجھے بھی فائدہ ہو جائے گا میرے مرنے کے بعد طبع کرایا تو اس وقت مجھے فائدہ نہ ہوگا۔"

حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں کہ "میں اپنے اعذار اور مرض جسمانی کی وجہ سے یہ خیال کرتا رہتا تھا کہ کہیں

مدت نہ آجائے کہ اوجز ناتمام رہ جائے"۔ بہرحال حضرت شیخ الحدیث آخری ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ کو اوجز کی تکمیل سے فارغ ہو گئے۔ اور حضرت مدنی کی حیات ہی میں بتاریخ چہار شنبہ ۷ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ لامع کی ابتدا فرمادی۔ افسوس کہ حضرت مدنیؒ کا انتقال ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ کو ہو گیا۔ حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں۔

"لکن کثرۃ المشاغل لم تمکنی فی حیاتہ من النظر فیہ غیر عدۃ اوراق فی حیاتہ ولما قدمتہا الیہ استہل وجہہ سرورًا وبہجۃ۔ لیکن کثرت مشاغل نے مجھے مولانا کی حیات میں چند اوراق کے علاوہ مہلت نہ دی انھیں میں سے میں نے چند ورق طبع کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کیے تو ان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا"

غالباً اسی مناسبت اور پس منظر کے پیش نظر اس کتاب کا نام لامع الدراری ٹوٹیوں کی چمک رکھا۔

مولانا زکریا نے لامع الدراری کی ابتداء ۷ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ میں کی اور دس ربیع الاول ۱۳۸۸ھ میں یہ تالیف مکمل ہوئی ۲۷×۱۷/۴ سائز پر یہ کتاب تین جلدوں میں ہے جس کے مجموعی صفحات ۲۰۰۸ ہیں۔ اب تک یہ کتاب لیتھو پر طبع ہوتی رہی لیکن اب بڑے اہتمام اور کثیر اخراجات کے بعد عربی ٹائپ میں شائع ہو رہی ہے۔ مطبوعہ ٹائپ کا سائز ۲۰×۳۰/۸ ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اس پر ایک فاضلانہ و عالمانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے یہ مقدمہ کتابی شکل میں علیحدہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ جس کے صفحات ۱۲۲ ہیں اور سائز ۲۰×۳۰/۸ ہے۔

کتاب کے مقدمہ میں مولانا زکریاؒ نے ان ہی امور کا ذکر کیا ہے جو بخاری شریف کیساتھ مخصوص ہیں۔ اور فن حدیث کے متعلق بحث نہیں فرمائی کیونکہ اس بحث کو مفصل اوجز کے مقدمہ میں تحریر کر دیا ہے اس مقدمہ کی چند فصلیں ہیں پہلی فصل میں نو فوائد کے تحت امام بخاریؒ کے حالات و مناقب کا ذکر ہے اس فصل کے ساتویں اور آٹھویں فائدے میں امام بخاری کے مسلک اور ان پر جرح کرنے والے کو اس طرح تنبیہ فرمائی ہے "انہ لا یقاس علیہم محدثوا زماننا فانا نحن لسنا من المحدثین اصلاً"۔ قدیم اکابر کو موجودہ محدثین پر قیاس نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ ہم لوگ بالکل محدثین نہیں ہیں اس لئے کہ ہمارے حافظے کمزور اور تفقہ فی الدین راسخ نہیں۔

دوسری فصل میں بخاری شریف کے متعلق طویل کلام کیا ہے۔ اور آخری فائدے میں بخاری شریف کی تمام شروحات

کو جن کی تعداد ۱۱۰ ہے کا مع مختصر تعارف ذکر کیا ہے ۔ ۱۵۲ صفحات کے اس طویل مقدمہ کے بعد تقریر بخاری مع تعلیقات شروع فرمائی ہے ۔ جس کا طرز الکوکب الدری کا ہے ۔ اس تالیف پر خاص طور سے امام بخاری کے تراجم کے اغراض اور احادیث کی مطابقت پر وضاحت سے کلام کیا گیا ہے ۔ "لامع" میں نہ صرف امام بخاری اور ان کی نادر روزگار "الجامع الصحیح" کے مختلف گوشوں، مباحث و مسائل پر مبسوط کلام ہے اور اس میں وہ معلومات، فوائد و نکات جمع کر دیے گئے ہیں جو اصول رجال اور تذکروں کے ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے بلکہ مراتب کتب حدیث، ابواب حدیث تقریر و اجتہاد اور احناف کے دفاع کے سلسلہ میں تحقیقات بھی جمع کر دی گئی ہیں ۔ جن سے یہ شرح طالبین علم حدیث بالخصوص حنفی المسالک علماء کے لیے ایک اچھا علمی کشکول بن گیا ہے ۔

اس شرح کی تکمیل پر مولانا ذکریا ؒ نے ۱۲ ، جون ۱۹۶۸ء بروز جمعہ ہندوستان بھر کے علماء کو جمع کیا دور دراز سے علماء کرام اس تقریب سعید کی شرکت کے لیے بہار تپور آئے ۔ مولانا نے قسم قسم کی ماکولات سے ان کی تواضع کی اس موقع پر مولانا کی خوشی دیدنی تھی ۔

مولانا زکریاؒ کی یہ ایک قدیم تالیف ہے جو مسودہ کی شکل میں محفوظ تھی مولانا محمد عاقل اور مولانا محمد سلمان نے اس کی تکمیل کی ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ٹائپ پر اس کی طباعت ہوئی کتاب کے صفحات ۱۰۷ ہیں اور سائز ۲۰×۳۰/۸ ہے۔

الابواب والتراجم للبخاری

صحیح بخاری کو اسکی اہمیت کے پیش نظر دانسح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے اس لئے امت نے بھی اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے اس کے متعلق بے شمار کتب اور شروح لکھی ہیں وہ ہر زمانہ میں درس و تدریس کا لازمی جز رہی ہے منجملہ دیگر اسباب کے صحیح بخاری کی دوسری کتب حدیث پر فضیلت و تقدم کی ایک اہم وجہ اس کے ابواب و تراجم بھی ہیں جو امام بخاریؒ کی جلالت شان، جودت طبع نکتہ آفرینی، بالغ نظری رسوخ فی العلم، تفقہ اور استنباط کا حیرت انگیز نمونہ ہیں۔ یہ تراجم بخاری محدثین اور علمائے فن کے جولانی فکر کا خاص محور رہے ہیں۔ اور انہوں نے ان کی حقیقت و کنہ تک رسائی کی مساعی کی ہے۔ صحیح بخاری کی بعض شرحوں میں ابواب و تراجم کی جانب خاص توجہ کی گئی ہے اور ان کے متعلق مستقل کتب اور علیحدہ رسائل بھی لکھے گئے ہیں۔ مگر متقدمین کی اکثر کتب کی طرح اب یہ ناپید ہیں۔ اور محض متداول شرحوں میں کہیں کہیں ان کے حوالے ملتے ہیں علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور زمانہ مقدمہ میں لکھا ہے[۱۲] کہ بخاری کی شرح امت پر قرض ہے مگر بقول حافظ سخاوی، حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دیا ہے لیکن حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کہا کرتے تھے[۱۳] کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے چنانچہ شیخ الہند نے تراجم ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھنا شروع کیا تھا مگر افسوس مکمل نہ ہو سکا اس رسالہ میں حضرت شیخ نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اس طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔

مولانا محمد زکریاؒ کی عمر کا بیشتر حصہ درس حدیث میں گزرا، صحیح بخاری بھی عرصہ دراز تک حضرت کے درس و مطالعہ میں رہ چکی ہے اس دوران انہیں اس کے ابواب و تراجم پر غور و فکر کا موقع ملا اور وہ اپنے مطالعہ و تحقیق کے نتائج قلم بند کرتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے شیخ الہند اور شاہ ولی اللہ کے دونوں مذکورہ رسالوں نیز حضرت گنگوہیؒ کی تراجم کے

سلسلے کی تحقیقات اور اپنی ذاتی تحقیق کے بعد ان اصولوں کی تعداد ۷۰ تک بیان کی ہے جن کو علیحدہ شائع کیا گیا ہے جو چار حصوں میں منقسم ہے۔

پہلے حصے میں بخاری کے تراجم کی اہمیت اور ان پر لکھی جانیوالی کتب کا تذکرہ ہے دوسرے میں ان مجمل اصولوں و قواعد کا ذکر ہے جو بخاری سے متعلق کتابوں اور شرحوں میں تراجم کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں تیسرا حصہ اس کی تفصیل ہے اس میں نمبروار ۷۰ اصولوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے چوتھے حصے میں ان اقوال واردہ کا جواب دیا گیا ہے جو ابواب و تراجم کی عدم مناسبت کے متعلق ظاہر کئے گئے ہیں آخر میں ان ابواب و تراجم کا جدول دیا گیا ہے جس میں مسند حدیثیں درج نہیں ہیں یہ جدول شیخ الہند کے رسالہ تراجم سے ماخوذ اور حسب ذیل چار نوعیتوں کا ہے۔

۱، وہ ابواب و تراجم جو گو مسند حدیثوں سے خالی ہیں مگر ان میں کوئی آیت، حدیث، اثر یا سلف کا قول موجود ہے۔

۲، وہ ترجمے جن میں نہ مسند روایت ہی ہے اور نہ کوئی اور آیت و حدیث وغیرہ، مگر نفس آیات ان کے ابواب کا عنوان

۳، ایسے تراجم جو مسند روایتوں سے بھی خالی ہیں اور ان میں کوئی حدیث و اثر اور آیت بھی درج نہیں ہے بلکہ مصنف نے ان کا ترجمہ اپنے قول کو بنایا ہے۔

۴، وہ ابواب جو بلا ترجمہ ہیں

اس رسالہ کے تیسرے حصہ میں جن ۷۰ اصول تراجم کا مفصل ذکر ہے، وہ مصنف کی کتاب لامع الدراری کے مقدمہ میں بھی شامل ہیں، ان میں زیادہ تر حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شیخ الہندؒ کی کتابوں، حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، قسطلانیؒ اور سندھیؒ کی شروح و حواشی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے افادات و امال سے ماخوذ و مستنبط ہیں لیکن متعدد اصول خود حضرت شیخ الحدیثؒ کے فکر و مطالعہ اور ذوق و جدان کا نتیجہ ہیں یہ حصہ مصنف کے رسوخ فی الحدیث، وسعتِ علم اور کثرت مطالعہ و تدبر کا شاہکار ہے۔

صحیح بخاریؒ کے جن ابواب و تراجم سے عام شارحین سرسری گزر گئے ہیں یا ان کی ایسی دور از کار تاویل و توجیہ کی ہے جس نے امام بخاریؒ کی ذات کو ہدف طعن و اعتراض بنا دیا ہے۔ ان ابواب میں مصنف علام کے ذوق سلیم اور نکتہ سنج ذہن نے عجیب عجیب حقائق و معارف کا سراغ لگایا ہے اور حدیثوں سے ان کی مناسبت کے ایسے دقیق پہلو اور لطیف

نکتے واضح کئے ہیں جن سے امام صاحب پر عائد کردہ الزامات نہ صرف رفع ہو گئے ہیں بلکہ وہ ان کی عظمت و کمال کی دلیل بن گئے ہیں جن ابواب و تراجم اور ان کی احادیث کے درمیان عدم مناسبت کو عموماً نقل کی مسامحت امام صاحب کے وہم یا مسودہ کی تکمیل اور باقاعدہ ترتیب سے پہلے ان کی وفات ہو جانے یا ان کی اپنی شرط اور معیار کے مطابق حدیث نہ ملنے یا راویوں کے اضافہ و تصرف وغیرہ کا نتیجہ بتایا جاتا ہے، مولانا نے اس طرح کے تمام ابواب و تراجم اور ان کی حدیثوں کے درمیان ایسی دل نشین مناسبت بیان کی ہے کہ ان سب الزامات کی مکمل تردید ہو گئی ہے اور وہ خود شارحین کے قصور فہم اور قلت تدبر وغیرہ کا نتیجہ معلوم ہونے لگے ہیں۔

کتاب کا زیادہ حصہ اخذ و اقتباس پر مشتمل ہے اور مصنف علام نے عموماً متقدمین کے اقوال اور اکابر کے بیانات کے دائرے کے اندر رہ کر ان کی روشنی میں صحیح بخاری کے ابواب و تراجم کے اسرار و غوامض حل کئے ہیں مگر جہاں یہ صورت ممکن نہیں تھی وہاں اپنے نتائج تحقیق بیان کئے ہیں اور کہیں کہیں پورے ادب و احترام کے ساتھ اسلاف کے نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے یا ان کی مختلف آرا میں تطبیق دے کر اپنے نزدیک راجح رائے تحریر کی ہے، حضرت شیخ نے بالکل غیر جانبداری سے بخاری شریف کا مطالعہ کیا ہے، اس لیے ان کو عام شارحین کے نقطہ نظر سے اختلاف کرنے اور ان کی آرا پر نقد و جرح کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے ان کی حق طلبی اور انصاف پسندی نے ان کو علامہ عینی حنفی کے مقابلہ میں حافظ ابن حجر شافعیؒ کی ہمنوائی اور اپنی جماعت کے ممتاز بزرگ حضرت شیخ الہند سے بھی کہیں کہیں اختلاف کرنے پر آمادہ کر دیا ہے۔

دوسرے بزرگوں کے جو اصول تحریر کیے ہیں ان کی توضیح کے لیے ان کے حوالے سے مثالیں بھی نقل کی ہیں اور جن مثالوں میں ان کو کوئی غلطی نظر آئی ہے اس کی تصحیح کر دی ہے اور اگر اصول و مباحث کے سلسلہ میں ان بزرگوں کے یہاں مثالیں نہیں ملی ہیں تو خود تلاش و تفحص کر کے ان کی مثالیں دی ہیں، کسی بزرگ کے اصول کے ضمن میں اس کی تائید میں ملنے والے دوسرے بزرگوں کے بیانات بھی نقل کئے ہیں اور خود اپنے اصولوں کی تائید میں اگر متقدمین کے یہاں اس نوعیت کی معلومات ملی ہیں، تو ان کو ذکر کر دیا ہے، جن ابواب و تراجم کے متعلق الفاظ مروی ہیں ان کی تصریح اور مرجح روایت کی نشاندہی کی گئی ہے بعض اصولوں میں بڑی یکسانیت ہے اس لیے ان کے دقیق فرق کو واضح کر کے التباس رفع کیا گیا ہے۔

غرض بخاری کے ابواب وتراجم کے متعلق مختلف کتابوں میں جو کچھ منتشر مواد تھا وہ سب اس میں مفید اضافہ وتشریح کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے اس اعتبار سے یہ کتاب نہایت جامع اور معلومات افزا ہے اور یہ حضرت شیخ رحمہ کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے حدیث کے طلبہ واساتذہ کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (۲۳)

جزء حجۃ الوداع والعمرات

اس کتاب میں نبی اکرم صلعم کے سفر حجۃ الوداع کی مکمل تاریخ اور آپ کے عمرات کی تفصیل ہے یہ کتاب ماہ شوال ۱۳۴۱ھ میں ایک دن اور ڈیڑھ رات میں لکھی گئی اور ۱۳۹۱ھ میں کثیر اضافوں کے بعد پہلی مرتبہ کتب خانہ یحیوی کی جانب سے شائع ہوئی یہ کتاب ۲۰×۳۰/۸ سائز کے (۲۰۱) صفحات پر مشتمل ہے ۱۳۹۱ھ میں ہی اس کا دوسرا ایڈیشن عربی ٹائپ پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا جس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کا مفید اور علمی مقدمہ بھی ہے، تیسرا ایڈیشن دیدہ زیب طباعت کے ساتھ دارالقلم بیروت لبنان سے شائع ہوا مولانا محمد یوسف بنوری نے بھی اس ایڈیشن پر ایک عالمانہ ومحققانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو الماع الی خصائص حجۃ الوداع کے نام سے شائع ہو چکا ہے یہ ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے پاکستان کے ایک ممتاز عالم دین مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے یہ ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ رسول اکرم صلعم نے زندگی میں صرف ایک بار فریضہ حج ادا کیا اور اس حج کے متعلق جو احادیث وواقعات مروی ہیں ان میں بہ کثرت اختلافات ہیں چنانچہ انہیں منکرین حدیث نے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے امام شافعی رح نے اختلاف الحدیث اور امام خطابی نے معالم السنن میں اس کا جواب دیا ہے علامہ ابن حزم نے حجۃ الوداع پر مستقل رسالے لکھے ہیں۔

شوال ۱۳۴۱ھ میں مولانا زکریا مشکوٰۃ شریف کی تدریس کے دوران کتاب الحج پر پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ حجۃ الوداع میں اہم حدیثی وفقہی مباحث کے پیش نظر مذکورہ رسالہ کی تالیف کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ۲۲ ربیع الاول شب جمعہ کو ۱۲ بجے اس کی تالیف شروع کی اور تنبیہ کی صبح کو اس کی تکمیل ہو گئی جیسا کہ مولانا آپ بیتی میں فرماتے ہیں۔[81] (۲۴)

اب تو مشائخ اکابر دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ ایک دن ڈیڑھ رات میں تو اس کی نقل بھی مشکل ہے۔

یہ رسالہ مسودہ کی شکل میں تھا اور بہت سے اکابر نے اس کی نقلیں بھی حاصل کیں لیکن طباعت کی نوبت نہ آئی شعبان ۹۰ھ میں مولانا کو یکایک اس کی طباعت کا خیال ہوا آنکھوں میں نزول آب کی وجہ سے حضرت مولانا خود لکھنے پڑھنے سے معذور تھے اس لئے مولانا محمد عاقل اور مولانا محمد سلمان سے اس کی تبییض کروائی اور بین السطور اور حواشی میں جن احادیث و عبارات کی طرف اشارات تھے ان کو نقل کروایا ۲۶ ربیع الثانی ۹۰ھ پنجشنبہ کو اس کی تبییض مکمل ہوئی۔

کتب فضائل (تبلیغی نصاب)

مولانا محمد زکریاؒ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد ۱۰۰ سے زائد ہے لیکن ان مؤلفات میں کتب فضائل جو نو۹ کتب پر مشتمل ہے مولانا زکریاؒ کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ کتب تبلیغی نصاب کے نام سے مشہور ہے تبلیغی نصاب یا رسائل فضائل موجودہ زمانے میں اردو مطبوعات کا مقبول ترین سلسلہ ہے جو تبلیغی جماعت کے نصاب میں داخل ہونے کی وجہ سے نہایت کثرت سے پڑھی جاتی ہیں بقول مولانا محمد شاہد سہارنپوری

"کتب فضائل بار بار کثرت کے ساتھ اردو کے علاوہ متعدد دوسری زبانوں میں طبع اور شائع ہو رہی ہیں اور برصغیر پاک و ہند کے ۲۰ مختلف اشاعتی ادارے تبلیغی نصاب کو بار بار طبع کروا چکے ہیں ایک اندازے کے مطابق صرف ادارہ اشاعت دینیات دہلی نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۴ء تک چودہ سالہ عرصہ میں اس کے ۴۳ ایڈیشن نکالے جن کی طباعت کی مجموعی تعداد ۸۲۵۰۰ بنتی ہے یاد رہے کہ یہ اعداد ان کے یہاں صرف عکسی ایڈیشن کے ہیں ۱۹۴۰ء سے قبل ایک عرصے تک جو ٹیپو پر طبع ہوتا رہا وہ اس تعداد کے علاوہ ہے۔"(۲۵)

اکثر کتب فضائل بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ کے پیہم اصرار اور خواہش پر لکھی گئیں جیسا کہ ایک مکتوب میں وہ خود لکھتے ہیں۔

"میرا یوں جی چاہتا ہے کہ تبلیغ کے بہر نمبر کے متعلق ایک رسالہ آپ لکھ دیں۔"

ایک دوسرے مکتوب میں اس مضمون کو دوسرے اسلوب میں اسی طرح تحریر فرمایا کہ

"اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی اور انشاء اللہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گی اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔" (۲۶)

کتب فضائل کی زبان سلیس، سادہ اور عام فہم ہے اس کا اسلوب دل نشین اور صلاحی ہے تبلیغی نصاب نہ صرف عوام کیلئے بلکہ علماء و طلباء کے لیے بھی اکسیر ہدایت اور نسخہ شفاء ہے جس سے لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں ان تصانیف کی بدولت اصلاح اور انقلاب آیا ہے اور ہنوز یہ اصلاح و تعمیر کا عمل جاری ہے۔

کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات

یہ کتاب کتب فضائل پر اشکالات، اعتراضات اور استفسارات کے جوابات پر مشتمل ہے "کتب فضائل" یا تبلیغی نصاب کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ مولانا زکریا کی ان شہرہ آفاق تصنیفات اور ان کی عالمگیر مقبولیت اور وسیع اشاعت کے ساتھ ساتھ موافق و مخالف اہل علم حضرات نے وقتاً فوقتاً اس پر اعتراضات اور اشکالات کئے اور ان کے جوابات کے لئے کتابۃً "کتب فضائل کے فاضل مصنف مولانا محمد زکریا کی طرف رجوع کیا مولانا نے بھی ان اشکالات کے شافی علمی تحقیقی جوابات دینے کی سعی کی ہے جس میں قرآن و حدیث کے متعلق مفید اور بیش بہا معلومات آگئی ہیں مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے ان مکتوبات مع جوابات کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے جمع کیا ہے نیز انہیں کتب وار ترتیب دیا ہے اس طرح کتاب ۶۲ مکتوبات مع جوابات پر مشتمل ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے

فضائل قرآن ۵ مکتوب، فضائل رمضان ۶ مکتوب، حکایات صحابہ ۲۴، فضائل نماز ۱۰، فضائل ذکر ۸، فضائل حج ۲، فضائل صدقات ۸، اور فضائل درود شریف ۲ مکتوب۔۔۔

پہلی مرتبہ یہ کتاب ۱۹۷۵ء مکتبہ یحیوی سہارنپور نے شائع کی پاکستان میں اسے مکتبہ دینیات تبلیغی مرکز، رائے ونڈ نے ۲۲×۱۸ سائز پر شائع کیا ہے جس کے کل صفحات ۲۲۳ ہیں۔ بعض مکتوبات میں معترضین کی تحریر کا لب و لہجہ کافی درشت اور الفاظ سخت ہیں لیکن مولانا نے اپنی طبعی نرمی تحمل اور کمال وسیع الظرفی سے جوابات دیئے ہیں لیکن ایک بات کھٹکتی ہے کہ ان مکتوبات پر لکھنے والوں کے نام پتے اور تاریخ درج نہیں جس سے ان کا علمی پایہ متعین کیا جاسکے

"فضائل کتب" پر ایک عمومی اور مشترک اعتراض روایات ضعیفہ کا پایا جاتا ہے مولانا زکریا اس کا جواب یہ تحریر کرتے ہیں کہ اولاً جو روایات ضعیفہ ذکر کی گئی ہیں ان کے لئے بطور خاص بہت سے طرق اور شواہد تحریر کئے گئے ہیں کیونکہ ضعیف روایت

کے لیے اگر دوسرے طرق سے تائید اور شہادت پیش کی جائے تو اس کو ایک حد تک تقویت مل جاتی ہے یہی وہ ضابطہ ہے جو محدثین کے یہاں الحدیث الضعیف یشتد بعضہ ببعض جیسے الفاظ سے لکھا ہوا ملتا ہے چنانچہ مولانا زکریا خود ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ فضائل کی روایات کے متعلق اصولاً یہ ذہن میں رہے کہ فضائل میں معمولی ضعف قابل اغتفار ہے اس لئے جن روایات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں اس اصول کی رعایت کی گئی ہے اور جن روایات پر کسی نے کلام کیا ہے اس کو ظاہر کر کے اس کے انجبار ضعیف کی دلیل بھی ظاہر کر دی گئی اس چیز کا تعلق چوں کہ عوام سے نہیں تھا بلکہ اہل علم سے تھا اس لیے اس کو عربی میں لکھا کہ عوام کی عقول سے یہ چیزیں بالاتر تھیں۔ (۲۷) کتاب کے آغاز میں مرتب مولانا شاہد کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ۸۵ صفحات کا ہے جس میں کتب فضائل کے متعلق تفصیلی تعارف ان کے مختلف تراجم کی نشاندہی فہرست ماخذ نیز دیگر مفید معلومات دی گئی ہیں۔

الحل المفہم لصحیح مسلم

یہ بھی لامع الدراری اور کوکب الدری کی طرح مولانا گنگوہیؒ کی تقریر پر مشتمل ہے جسے دوران درس مسلم مولانا محمد یحیٰی نے نوٹ کیا اور بعد ازاں عربی میں منتقل کیا نیز حضرت گنگوہیؒ کے ایک اور نامور شاگرد مولانا محمد حسن مکی صاحب "غنیۃ الناسک" کے تحریر کردہ افادات پر مشتمل ہے مولانا محمد حسن نے مولانا گنگوہیؒ سے دو مرتبہ پڑھا اور دونوں مرتبہ دوران درس نوٹ فرما لیتے تھے (۲۸) یہ دونوں مجموعے بھی اس کتاب میں اختصاراً شامل ہیں اور اس کا سب سے قیمتی حصہ مولانا زکریا کی تعلیقات پر جو آپ کے عمر بھر کا نچوڑ ہے۔ صحیح مسلم کی یہ مختصر اور جامع شرح مولانا نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں باوجود ضعف پیرانہ سالی، اور متعدد امراض کے بڑی محنت اور شوق سے تکمیل کروائی معذوری کے سبب اس کی تکمیل میں ان کی اعانت مولانا محمد عاقل اور مولانا حبیب اللہ نے فرمائی یہ دو جلدوں میں مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوئی اس پر مولانا محمد عاقل نے بے حد محنت کی ہے۔

تقریر بخاری

مولانا محمد زکریاؒ نے تقریباً نصف صدی تک بخاری شریف کا درس دیا ہزاروں تشنگانِ علم اس چشمہ سے فیض یاب ہوئے یہ کتاب مولانا کے درس بخاری کی تقاریر کا وہ دلآویز مجموعہ ہے جو متفرق سالوں کے درس افادات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے مولانا زکریا کے درس بخاری کی متعدد تقاریر بالخصوص مولانا محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث مظاہر علوم جنہوں نے ۸۰-۱۳۸۱ھ میں دو سال مولانا سے بخاری شریف پڑھی مولانا حافظ محمد سلیمان صدر مدرس مظاہر علوم نے مولانا سے ۸۶ھ میں بخاری شریف پڑھی مولانا احسان الحق مدرس مدرسہ عربیہ رائے ونڈ نے مولانا سے ۷۰ھ میں بخاری پڑھی مذکورہ تینوں حضرات نے مولانا کی تقاریر کو بسوط قلمبند کیا تھا مولانا شاہد نے ان سب کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا ہے اور مسودہ پر نظر ثانی مولانا محمد یوسف نے کی ہے۔ اس مجموعہ تقریر کو شیخ کے انداز پر ہی قلم بند کیا گیا ہے عبارت آرائی اور مضمون نویسی کی کوشش پوری کتاب میں نہیں ہے مولانا شاہد تقریر بخاری سے ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ سے فارغ ہوئے اور ۱۳۹۱ھ میں اس کا پہلا ایڈیشن کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے طبع ہوئی اس کا دوسرا ایڈیشن بڑے سائز تین جلد میں مولانا محمد یحییٰ مدنی نے مکتبۃ الشیخ کراچی سے شائع کرایا ہے جس کے کل صفحات (۱۲۰۹) ہیں۔

آغاز میں کلمات طیبات مولانا زکریا کے قلم سے اور ایک مفید اور عالمانہ مقدمہ مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کے قلم سے ہے جس میں ہندوستان میں علم حدیث اور مولانا زکریا کے درس بخاری کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ (۲۹)

یہ کتاب نہ صرف ایک عالم دین یا استاد حدیث کے لیے مفید ہے بلکہ ایک طالب علم اور عامی کے لئے بھی بہترین علمی خزینہ ہے اس میں آئمہ اربعہ کے اختلافات، احادیث متناقضہ کے مابین تطبیق سہل اور جامع انداز میں پیش کی ہے کتاب کا آغاز مقدمۃ العلم اور ۲۰ اہم علمی اور مفید مباحث سے کیا گیا ہے جس میں علم حدیث اور فن حدیث کے متعلق بیش قیمت معلومات دی گئی ہے۔ الغرض تقریر بخاری اردو میں حدیث پر قیمتی سرمایہ ہیں۔

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی :-

کتب سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں شمائل ترمذی کو امتیازی مقام حاصل ہے گو کتب احادیث میں خصائل نبوی مذکور ہیں لیکن منتشر طور پر ہیں امام ترمذی نے ان خصائل مبارکہ کو یکجا ذکر کیا ہے اس طرح اخلاق و شمائل پر سب سے جامع حدیث کی کتاب ہے، اردو زبان میں شمائل ترمذی کے گو متعدد ترجمے تھے لیکن حل لغات اور فوائد سے خالی تھے مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی تالیف خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی میں اس کمی کو پورا کر دیا ہے مولانا نے یہ شرح اپنے ایک کرم فرما محمد عثمان خان سے اصرار پر لکھی[۳۰] ہے یہ کتاب اس طرح تالیف ہوئی کہ بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں مولانا کی آمد و رفت دہلی میں ہوتی رہتی تھی دہلی کے قیام میں جب بذل المجہود کے پروفوں کو دیکھنے سے فرصت ملتی تو خصائل نبوی کی تالیف میں مشغول ہو جاتے اس کی ابتدا ۱۳۴۴ھ میں ہوئی اور جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ شب جمعہ میں یہ مکمل ہوئی بعد ازیں مولانا عبد الرحمٰن صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اس کی بالاستیعاب نظر ثانی اور اصلاح کی چنانچہ اس کا اول ایڈیشن ۱۳۴۴ھ میں مکتبہ یحیویہ سے شائع ہوا اس کے بعد دوسرا نظر ثانی ایڈیشن ۱۳۵۲ھ میں اغلاط کی اصلاح اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا اس کے کل صفحات ۲۴۴ ہیں بر صغیر ہند و پاک کے اکثر ناشران کتب اس کے کئی ایڈیشن شائع کر چکے ہیں متعدد زبانوں میں یہ کتب ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہے ..... انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ مولانا محمد میاں افریقی نے کیا ہے جو المعہد الاسلامی جوہانسبرگ سے شائع ہوا ہے ۔

مولانا زکریاؒ کی یہ تالیف خالص علمی و تحقیقی نیز خالص دعوتی و اصلاحی اسلوب کی جامع ہے۔ زبان سلیس اور عام فہم ہے کتاب میں علامہ ترمذی کی مرتب کردہ ۴۰۰ احادیث کا ترجمہ و تشریح ہے مولانا نے اس تالیف میں مندرجہ ذیل امور کا خصوصی اہتمام کیا ہے (۳۱)

۱: اس رسالہ کے زیادہ تر ماخذ۔ ۔ جمع الوسائل از ملا علی قاری حنفیؒ، مناوی، شیخ عبد الرؤف مصری، مواہب لدنیہ، شیخ ابراہیم بیجوری، تہذیب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی

اسی طرح اکثر مضامین اکابر قدماء کے کلام سے لئے گئے ہیں اور خود رائی سے احتراز کیا گیا ہے ۔

۲، ترجمہ چونکہ عوام کے لیے کیا گیا ہے اس لئے مطلب خیز ترجمہ کیا گیا ہے لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی۔

۳، ترجمہ سے زائد امور بطور فائدہ کے ذکر کئے گئے ہیں جن کے شروع میں ف کا لفظ بھی لکھ دیا ہے۔

۴، اکثر جگہ ترجمہ سے زائد امور جو ربط کے لئے بڑھائے گئے ہیں وہ قوس میں لکھے گئے ہیں۔

۵، احادیث کا اگر بظاہر آپس میں تعارض معلوم ہوا تو اس کو مختصر طور سے حل کیا گیا ہے۔

۶، اختلاف مذاہب کا بھی مختصر طور پر کہیں کہیں ذکر کیا گیا مذہب حنفیہ کو اکثر جگہ خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

۷، نیز احناف کے قول کی دلیل بھی کہیں کہیں حسب ضرورت مختصراً ذکر کی گئی ہے۔

۸، جس جگہ حدیث میں کہیں کسی غزوہ یا قصہ کی طرف اشارہ تھا فائدہ میں اس قصہ کو اختصار سے ذکر کر دیا ہے نیز جس حدیث کی باب سے مناسبت مخفی تھی اس کی بھی وضاحت کر دی ہے۔

۹، جو مضامین اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کئے گئے اکثر جگہ ان کتب کا حوالہ لکھ دیا جہاں ان کی تفصیل مل سکتی ہے۔

الغرض یہ کتاب علماء طلباء اور عوام کے لئے یکساں مفید ہے۔

تبلیغی جماعت پر اعتراضات:۔

یہ کتاب تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے جو سلسلہ دعوت و تبلیغ کے استفسارات اور اشکالات کے بارے میں ایک ہزار سے زائد خطوط جو کہ علیحدہ علیحدہ لکھے گئے کا خلاصہ ہے وہ اشکالات جو اکثر و بیشتر عوام کے ذہنوں میں آتے رہتے ہیں مولانا نے قرآن، حدیث اور اکابر کے فرمودات کی روشنی میں ان کے شافی جوابات تحریر کر دیئے ہیں اپنے اعذار اور مشاغل کی کثرت کے باوجود بہت مختصر عرصہ میں یہ کتاب لکھی ۱۳۹۲ھ میں یہ تالیف مکمل ہوئی اور پہلی مرتبہ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۲۲۴ صفحات پر کتب خانہ یحیوی سے طبع ہوئی اس کے بعد ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے ۱۸×۲۲/۸ سائز پر طبع ہوئی پاکستان میں بھی اس کے اردو ایڈیشن کئی جگہ دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں گجراتی زبان میں بھی یہ کتاب منتقل ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

مولانا زکریا تبلیغی جماعت کے علمی راہنما اور روحانی پیشوا تھے لہٰذا اکثر کارکنوں کو ان کی کوتاہیوں پر تنبیہہ بھی فرما دیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ان تنبیہات کو دفات کے بعد مخالفت قرار نہ دیا جائے، کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"اپنے اکابر بالخصوص حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدھما کی طرح سے اپنے متعلق بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو اس ناکارہ کی طرف سے غلط روایات کے نقل کرنے کا موقع نہ مل جائے اس لئے کہ کوئی ادارہ، مدرسہ ہو یا خانقاہ اس زمانہ میں کوتاہیوں سے تو خالی نہیں اور جبکہ میرے اکابر کی طرف سے جو بعض موقعوں پر بعض جزوی تنبیہات ہوتی ہیں ان کی وجہ سے ان اکابر کو جماعت تبلیغ کا مخالف قرار دیکر کہا اب ہوا دی جارہی ہے اس طرح سے اس ناکارہ کی طرف سے کسی تنبیہہ سے کوئی غلط فائدہ اٹھایا جائے" (۳۲)

نیز فرمایا کہ "میں اس مبارک کام کو اس زمانہ میں بہت اہم اور بہت ضروری سمجھ رہا ہوں اور خود اہل مدرسہ اور اہل خانقاہ ہونے کے باوجود ببانگ دہل اس کا اعلان کرتا ہوں کہ یہ عمومی اور ضروری کام بعض حالات میں مدارس اور خانقاہ سے زیادہ مفید اور افضل ہے۔ (۳۳) مخالفین اور معترضین کے مندرجہ ذیل اہم استفسارات اور اعتراضات کے کافی وشافی جوابات دیئے گئے ہیں!

۱۔ تبلیغی جماعت کے لوگ جہاد کی احادیث اور روایات کو اہل تبلیغ پر محمول کرتے ہیں۔

۲۔ عہد رسالت میں اہل اسلام کے پاس تبلیغی جماعت نہیں بھیجی جاتی تھیں۔

۳۔ اہل تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کے خلاف ہیں اور انہیں بے کار بتایا جاتا ہے۔

۴۔ تبلیغی جماعت سے مدارس کو نقصان پہنچ رہا ہے

مذکورہ اعتراضات کے تفصیلی و مدلل جوابات کے علاوہ جماعت کے حق میں اکابرین مثلاً حضرت رائپوری ــــــ، مولانا اسعد اللہ، قاری محمد طیب، سید سلیمان ندوی مفتی محمد شفیع، شاہ یعقوب مجددی، مفتی کفایت اللہ، مولانا منظور نعمانی جیسے حضرات کی آراء تحریر فرمائیں نیز مزید

سینکڑوں اشکالات کے جوابات تحریر فرمائے اس طرح یہ تالیف اہل تبلیغ کے لئے مخالفین کے خلاف بہترین ہتھیار ہے اور معترضین کو مسکت جواب ہے۔

تاریخ مظاہر علوم (جلد اوّل)

مولانا زکریا کے تاریخی ذوق اور اپنے مادر علمی مدرسہ مظاہر علوم سے محبت و تعلق کے نتیجے میں انہوں نے ۱۳۲۵ھ میں ہی تاریخ مظاہر لکھی جو نا تمام تھی لیکن ۷۵ سال بعد ۱۳۹۲ھ میں مکمل ہو کر کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور کی جانب سے شائع ہوئی اس میں مدرسہ مظاہر علوم کے ابتدائی پچاس سال ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۳۲ھ حالات درج ہیں کتاب کا سائز $\frac{۲۰×۲۶}{۸}$ ہے اور صفحات ۱۷۰ ہیں۔ مولانا موصوف اس رسالہ کی وجہ تالیف بتلاتے ہیں کہ

"مجھے فراغ علمی کے بعد سے، ہمیشہ اس کا خیال رہا کہ مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور کی کوئی خدمت کروں جو اس کے اس احسان عظیم کی کچھ مکافات کر سکے جو مجھ پر مدرسہ کی جانب سے تحصیل علوم کی اعانت کی صورت میں رونما ہوئے ہیں۔ . . . . ان میں سب سے بہترین صورت میں نے اس کو سمجھا کہ مدرسہ کے پچاس سالہ حالات جس سے مدرسہ کی ابتداء اور اس کا تدریجی نشو نما اور ترقی کے حالات اور مدرسہ کی وہ علمی خدمات جو اس طویل زمانے میں مدرسہ نے کی ہیں" (۲۴)

تاریخ مظاہر میں مدرسہ مظاہر علوم کے قیام و ترقی،

بانیوں اور ذمہ داروں کے اصول و طریق کار، اساتذہ و مدرسین کے اخلاص و انہماک انتظامی اور تدریسی تغیرات اور کتب درسیہ نیز ہر سال کی آمد و خرچ کا میزانیہ، فارغ التحصیل طلبہ کی تعداد اور تقرر، علیحدگی ملازمین وغیرہ ایسی تفصیلات و جزئیات آگئی ہیں جو کم مدارس کے متعلق محفوظ ہوئی ہونگی، ان جزوی تفصیلات سے مولانا زکریاؒ کا مدرسہ سے شدید تعلق و شگفتگی کا اور اس کے حالات سے مکمل واقفیت عیاں ہے۔ کتاب مظاہر علوم ج ا میں مدرسہ مظاہر علوم کے ابتدائی پچاس سال کے حالات و واقعات درج ہیں۔ اس ہیچ پر مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے

کتاب مظاہر علوم ج ۲ مرتب کی جس میں مدرسہ مظاہر علوم کے آخری پچاس سالہ احوال کا تذکرہ ہے جس کی تالیف ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں مکمل ہوئی۔

تاریخ مشائخ چشت:-

مولانا محمد زکریا جب ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے تو اس سال دو کتابیں تالیف فرمائیں، ایک مظاہر علوم کے احوال میں جو بعد میں تاریخ مظاہر ج ا کے نام سے شائع ہوئی اور دوسری اپنے سلسلہ مشائخ کے احوال پر جو "تاریخ مشائخ چشت" کے نام سے طبع ہوئی مولانا کے تاریخی ذوق و تحقیق کی آئینہ دار نیز سلسلہ تالیفات کی یہ اولین کتاب ہے جو ۵۸ سال بعد پہلی مرتبہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں کتب خانہ اشاعت علوم محلہ مفتی سہارنپور کی جانب سے طبع ہوئی اس کی ضخامت ۲۷۰ صفحات کی ہے۔ اور سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ ہے پاکستان میں یہ کتاب مجلس نشریات اسلام۔ ناظم آباد کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

چنانچہ حرف آخر کے طور پر مولانا زکریا رقم طراز ہیں

اس رسالہ کی تسوید تو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ۱۳۳۵ھ میں شروع ہو چکی تھی مگر دوسرے بہت سے مسودات کی طرح میری حدیث پاک کی مشغولیت کی وجہ سے جو روز افزوں بڑھتی رہی یہ مسودہ بھی ناقص و ناتمام رہ گیا اور تبییض کی نوبت نہیں آئی آج کل میرا نواسہ عزیز مولوی شاہد میرے مسودات پر مسلط ہے اس کی محنت شاقہ اور جانفشانی کی وجہ سے کئی ماہ میں اس کی تبییض پوری ہوئی۔ اس موقعہ پر اس میں حذف و اختصار بھی ہوا اور بہت سے اہم اضافے بھی ہوئے . . . . . . اور آج ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ کو محض مالک کے لطف و کرم سے یہ کتاب پوری ہو گئی (۳۵)

کتاب کا موضوع اور مقصد نام سے ظاہر ہے اس میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشائخ کبار اور شیخ فریدالدین شکر گنج کے بعد اس سلسلہ کی خاص شاخ سلسلہ صابریہ کے شیوخ کا تذکرہ ہے مولانا زکریا کا تعلق بھی اسی شاخ سے ہے۔

یہ شاخ خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری سے لے کر مولانا خلیل احمد پر منتہی ہے اس طرح مولانا زکریاؒ نے تاریخ مشائخ چشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے مرشد مولانا خلیل احمد تک اپنے سلسلہ کے (۴۲) مشائخ کے وقیع حالات ان کی زندگی کے اہم کارنامے اور گوناگوں اوصاف ان کے تعلق مع اللہ اور اللہ کی ذات پر توکل و اعتماد کے دلچسپ اور معلومات افزا واقعات تحریر فرمائے ہیں اس کی ترتیب و تکمیل مولوی محمد شاہد سہارنپوری نے خود حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے حالات کا تکملہ شامل کر کے کی ہے۔

کتاب کی اہمیت اس مشکل کے پیش نظر اور بھی بڑھ جاتی ہے جو سلاسل اور ان کے شیوخ کے تذکرے نیز ان کی سوانح اور حالات کی کڑیوں کو جمع کرتے ہیں تذکرہ نگاروں کو پیش آتی ہے۔

آپ بیتی :-

مولانا محمد زکریا نے بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ متعدد عنوانات کے تحت اپنے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں یہ کتاب ۷ جلدوں میں ہے جس کے کل صفحات ۱۶۶۷ ہیں کتاب کا سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ہے پاکستان میں یہ کتاب مکتبہ رشیدیہ علامنڈی ساہیوال سے شائع ہوئی ہے۔

وجہ تالیف :-

اس آپ بیتی کی وجہ تالیف یہ ہوئی کہ تبلیغ جماعت کے امیر ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ کی وفات کے بعد ان کی سوانح حیات مولانا محمد زکریا کے ہی ایما پر مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم نے لکھی تو اس میں مولانا زکریا کا تذکرہ بھی لکھنا تھا اس کے لیے انہوں نے اپنے خال مولانا ابوالحسن ندوی سے درخواست کی چنانچہ مولانا موصوف ہی نے تحریر فرمایا جس میں حضرت شیخ کی شخصیت سے واقف کرانے کے لیے ان کی زندگی کے وہ حالات :؛ واقعات اور امتیازات و کمالات اور خداوندی انعامات خاص طور سے ذکر کیجئے۔ جو قارئین کیلئے سبق آموز اور ہدایات افروز ہو سکتے تھے۔ طباعت و اشاعت کے بعد جب اس کو مولانا زکریا نے (بینائی کی کمزوری کی وجہ سے) پڑھوا کر سنا تو سوانح یوسفی کے مؤلف مولانا محمد ثانی حسنی کو ایک مکتوب لکھوایا کہ "ایک باب کے سوا جو تم نے علی میاں سے لکھوایا ساری کتاب میں بہت لطف آیا۔ (اس طرح) تم نے نفیس مخمل میں پرانے ٹاٹ کا پیوند لگا کر کتاب کو بدنما کر دیا۔ اس کے باوجود اس باب میں بہت سی خامیاں رہ گئیں اگر میں اس کا مسودہ پہلے سن لیتا تو اس کی بہت سی اصلاحیں کراتا جو باتیں نہ لکھنے کی تھیں ان میں اطناب مخل کر دیا اور جو لکھنے کی تھیں ان میں ایجاز مخل کر دیا۔"

پھر اس مکتوب میں اپنے بچپن اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے دور کے وہ واقعات لکھائے جو مولانا زکریا کے نقطہ نظر سے لکھنے کے قابل تھے اور یقیناً کوئی دوسرا لکھنے کیلئے ان کا انتخاب بھی نہیں کر سکتا تھا یہ مکتوب ایک چھوٹا سا رسالہ بن گیا جو اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا بعد میں۔ بعض مخلصین کے مشورے اور اصرار سے اس کی اشاعت کا فیصلہ کر لیا گیا اور یہی آپ بیتی نمبر۱ قرار پائی ــــ آپ بیتی نمبر ۲، ۳ کی تالیف اس طرح ہوئی کہ مولانا آنکھ کے آپریشن کے لئے علی گڑھ میں مقیم تھے۔

جو وقت خالی ہوتا خصوصاً شام کے وقت مولانا اپنی سرگزشت حالات اور واقعات

بیان فرماتے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلم بند کرتے جاتے۔ علی گڑھ کے اس قیام میں آپ بیتی نمبر ۲، ۳ اسی طرح مرتب ہوئی بعد میں اس میں اضافہ اور تنقیح کا عمل بھی ہوا

بعد ازیں مختلف اوقات اور مختلف مقامات کے قیام میں اس سلسلۂ آپ بیتی کے بعد کے نمبر بھی اسی طرح مرتب ہوئے کہ مولانا واقعات بیان کرتے تھے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلم بند کرتا رہتا تھا۔ اس طرح اس سلسلے کے سات نمبر تیار ہو کر شائع ہو گئے نمبر ۱ مولانا محمد ثانی حسنی کے نام مولانا کا مکتوب اس کے آخر میں ۴ شعبان ۱۳۸۷ھ اور آخری نمبر کے آخر میں یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ / ۱۵ فروری ۱۹۸۱ء پڑی ہوئی ہے۔ اس طرح قریباً ۱۴-۱۵ سال کے عرصے میں مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں یہ آپ بیتی مرتب ہوئی۔

آپ بیتی نمبر ۲ کے آغاز پر مولانا لکھتے ہیں۔

" ابتداً خیال یہی تھا کہ جس طرح اس کے حصّہ نمبر ۱ کے درمیان میں مختصر واقعات آئے ہیں ایسے اس میں بھی آجائیں گے اور اس کے برابر آپ بیتی نمبر ۲، ۳ میں لیکن آغاز میں ہی یہ بہتر معلوم ہوا کہ مضامین کو الگ الگ حصوں اور ابواب میں تقسیم کر دیا جائے اس طرح آٹھ ابواب کا ذہن پر تھا کہ علی گڑھ کے دوران قیام آٹھوں بابوں پر کچھ اجمال اور کچھ تفصیلی واقعات لکھے جا چکے تھے واپسی پر اسے صاف نقل کرایا تو وہ ایک مستقل اور طویل رسالہ بن گیا متعدد احباب بالخصوص مولوی عبدالرحیم متالا نے اصرار کیا کہ ان رسالوں کو یادِ ایّام کے نام سے شائع کرایا جائے۔ اور ہر حصہ دو ابواب پر مشتمل ہو چنانچہ انہیں آپ بیتی یا یادِ ایّام سے موسوم کیا گیا۔ آپ بیتی کے مضامین کے لحاظ سے رسالہ نمبر ۱ میں

باب اوّل، اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

باب ثانی، درس و تدریس اور تالیفات۔

باب سوم، میری چند بری عادتیں۔

باب چہارم، حوادث اور شادیاں اور ان میں میرا طرزِ عمل۔

باب پنجم، تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اکابر کی شفقتوں کا حال۔

باب ششم :۔ حجاز مقدس کے اسفار کی تفصیل۔

باب ہفتم :۔ تقسیم ہند

باب ہشتم :۔ متفرقات

سیر و سوانح میں آپ بیتی سب سے دلچسپ اور مبنی بر حقائق تصنیف اور کسی نابغہ شخصیت کی آپ بیتی تمام زہادگی اور کسر نفس کے باوجود محض دلچسپ ہی نہیں حکمت آگیں اور سبق آموز بھی ہوتی ہے ۔۔۔۔ آپ بیتی سے مصنف کی شخصیت اس کے اخلاق و عادات اور نفسیات کے رقیق سے رقیق پہلو بھی بلا حجاب سامنے آجاتے ہیں۔ مولانا زکریا کی آپ بیتی صرف آپ بیتی ہی نہیں بلکہ ایک عہد کی داستان ہے اپنے اکابر کے حالات و سوانح کا حسین مرقع اور مختصر سا انسائیکلوپیڈیا ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف دل و دماغ اور قلب و نظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ملکوتی صفت اہل اللہ کی محفل علم و عرفان سے مستفید ہو رہا ہے۔ بقول مفتی محمد شفیع

"آپ بیتی نصائح و عبر کا خزانہ ہے"۔ (۳۶)

سید ابوالحسن ندوی نے اسے بجا طور پر "جام جہاں نما" کہا ہے (۳۷) جس میں ہندوستان اور بیرون ہند کے متعدد واقعات اور شخصیات کی سوانح آگئی ہیں۔

مولانا زکریا کی پوری زندگی دینی مدارس عربیہ میں گزری۔ ان کی ساری تعلیم و تربیت ذہنی و اخلاقی نشوونما دینی مدارس میں یا مدرسہ کے ماحول یا اہل مدرسہ کی آغوش میں ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے ایک مثالی ادارہ اور آئیڈیل دینی مدرسہ مظاہر علوم کا وہ زریں دور دیکھا تھا جب منتظمین اور اساتذہ مدرسہ اخلاص و للہیت، ایثار و قربانی اور صدق و تقوی کے نمونہ ہوتے تھے۔ اور طلبہ علم کے متلاشی، اپنے اساتذہ سے محبت، عقیدت، اور اطاعت کے نمونہ ہوتے تھے۔ اس لیے مدرسہ ان کی فکر و توجہ کا مرکز ان کے عزائم و مقاصد کا محور اور ان کی ذہن کی غذا اور روح کا نشیمن بن گیا تھا۔ مولانا فی الحقیقت علی وجہ البصیرت دینی مدارس کو علوم دینیہ کی بقا، مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی اور اغیار کے تہذیبی حملوں کے خلاف آخری حصار خیال کرتے تھے لہذا انہوں نے "آپ بیتی" کا سلسلہ مدارس کے اس کردار کی عکاسی اور یاد دہانی اور انہی خصائص کو دوبارہ پیدا

کرنے اور باقی رکھنے کے خیال سے مرتب فرمایا اور یہی مضمون ہے جو اس کے زیادہ تر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ دراصل آپ بیتی کتابی شکل میں نہ صرف ایک قدیم روایتی اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے بہترین نمائندہ کی پوری زندگی کی نقم ہے۔ بلکہ قابل فخر اسلامی اقدار دینی روایات، تہذیبی ورثہ کی ترجمان ہے اور ایک پورے عہد کی داستان ہے۔ مولانا ذکریا لکھتے ہیں

"عزیز مولوی محمد ثانی کے پاس جو مضمون میں نے بھیجا تھا وہ سوانح یوسفی کے ایک باب پر تنقیدی استدراک تھا۔ جس دوستوں کا اصرار ہوا کہ میں نے چند روز ہوئے جو مضمون مدرسین و ملازمین مدرسہ مظاہر علوم کی خدمت میں بھیجا تھا، وہ بھی ایکے ساتھ شائع ہونا ضروری ہے۔ مجھے بھی مناسب معلوم ہوا کہ اپنے ساٹھ سالہ قیام مظاہر علوم کے دوران جو کچھ دیکھا، وہ اکابر کے متعلق سنا وہ بھی کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ اجمالاً دوستوں کے سامنے آجائے۔ کہ یہ واقعات اب سے کچھ پہلے تو سب کو معلوم اور زبان پر جاری تھے مگر اب ان واقعات کے دیکھنے اور سننے والے بھی ختم ہوتے جا رہے ہیں[۲۸]"

ارباب نقد و نظر کے لیے مولانا زکریا کی آپ بیتی "اردو زبان میں خود نوشتہ سوانح کے شعبہ میں ایک ایسا ادب پارہ ہے۔ جس میں سادہ بے تکلف مجلسی زبان اور روزمرہ میں قصہ کہانی کے سہل اور دل نشین انداز میں ہندی مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی معاش اور معاشرتی زندگی، ان کے علوم و فنون، ان کے مدارس اور خانقاہوں اور سب سے زیادہ باکمال علماء اور اساتذہ اور اہل کمال اولیاء اللہ کے کارنامے ہیں، جنھوں نے اپنی زندگیاں دردمندی اور اخلاص کے ساتھ بزرگانِ خدا کو راہِ حق دکھانے میں وقف کر دی تھیں اور باوجود باد مخالف کے ایمان اور حقانیت کے چراغ کو فروزاں رکھا۔ لاکھوں دلوں کو منور کرتے رہے یہ مولانا زکریا کے قلم کا اعجاز ہے کہ بعض بے حد دقیق مسائل کو جو نہی باتوں باتوں میں پانی کر کے تمام اہل دل محققین اور بقول کلیم کے "علماء و اساتذہ مدارس اور تازہ واردان بساط علم" کو گویا گھول کر پلا دیا اس آپ بیتی میں مولانا زکریا کا کردار ایک مرکزی کردار ہے۔ جس کے گرد اس دور کی پوری زندگی گردش کرتی ہے۔ یہ نہ صرف مولانا کی سوانح ہے بلکہ اس دور کے اکابر و اسلاف کی متدین زندگیوں کا بیان ہے۔ اس طرح آپ بیتی کے ساتوں حصوں میں بے تکلف بیان کا تسلسل رواں دواں ہے۔

الاعتدال فی مراتب الرجال

مولانا زکریا کتاب الاعتدال فی مراتب الرجال کی تالیف کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ

”۵۶ اور اوائل ۱۳۵۷ھ کانگریس اور لیگ کے اختلاف نے اتنی شدت اختیار کی کہ اکابر کی شان میں بے حد گستاخیاں اور بے ادبیاں ہوئیں اور بعض لوگوں نے دوسرے خیال کے امام کو فرائض جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں مصلیٰ سے بھی ہٹا دیا اور جس جگہ جس فریق کا غلبہ ہوا اس جگہ دوسرے خیال کے مُردوں کو بھی دفن نہیں ہونے دیا اس سیہ کار کے پاس اس زمانہ میں خطوط کی بڑی بھرمار تھی۔ علیحدہ علیحدہ جواب دینا بہت مشکل تھا ایک عزیز نے سب اشکالات کو ایک خط کی صورت میں لکھ کر اس کے جواب کا مطالبہ کیا میں نے بھی علیحدہ علیحدہ جواب لکھنے سے اس کو آسان سمجھا اور ۲۱ شعبان ۱۳۵۷ھ کو یہ جواب ختم کیا۔“ (۳۹)

پس یہ کتاب ۱۳۵۷ھ میں لکھی گئی اور ہندوستان میں پہلی مرتبہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوئی اس کے صفحات ۲۵۲ ہیں اور سائز $\frac{20\times30}{16}$ ہے پاکستان میں کتنے ہی کتب خانے ایک طویل عرصہ سے اس کو شائع کر رہے ہیں۔ مثلاً

۱۔ ۱۳۸۹ھ میں مولانا عبدالرحیم متالا گجراتی فاضل مظاہر علوم سہارنپور خلیفہ مجاز مولانا زکریا نے اس کے چوتھے باب کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا جو ”درد اور دوا“ کے نام سے شائع ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں اس کی طباعت ہوئی۔ (۴۰)

۲۔ اس کتاب کا خلاصہ گجراتی زبان میں ماہنامہ ”تبلیغ“ گجرات میں بالاقساط شائع ہوا۔

۳۔ ۱۳۹۰ھ میں اس کتاب کا چوتھا باب مسلمانوں کی پریشانیوں کا علاج کے نام سے طبع ہوا کتاب کی اثر انگیزی اور مقبولیت کی بنا پر متعدد ناشران کتب نے اس کو شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا۔

۴۔ اس چوتھے باب کا عربی ایڈیشن ”اسباب سعادت المسلمین وشقائہم فی ضوء الکتاب والسنۃ“ کے نام سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے مصری ٹائپ پر طبع ہوا۔ یہ عربی ترجمہ مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی کے قلم سے ہے اس کے صفحات ۸۶ ہیں۔ اور سائز $\frac{20\times30}{16}$ ہے یہی عربی ترجمہ ۱۳۹۶ھ میں دار القلم دمشق سے اور پاکستان میں مکتبہ دینیات رائے ونڈ ضلع لاہور سے شائع ہوا۔ (۴۱)

الاعتدال ایک

ذاتی مکتوب تھا جس کو مولانا زکریا نے مدتوں چھپائے رکھا آپ کے معتقد خاص مولانا نصیر الدین نے بہت اصرار کیا تو یہاں تک اجازت دی کہ کو مطالعہ کیا جا سکتا۔ لیکن جب اس کو شاہ عبد القادر رائے پوری اور شاہ محمد الیاس نے سنا تو بہت پسند فرمایا اور طباعت کا تقاضا کیا، اس طرح یہ ذاتی مکتوب بہت سے عوام وخواص کی اصلاح راہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ بنا

الاعتدال مندرجہ ذیل سات سوالات کا جواب ہے۔

۱۔ مسلمان تباہ ہوتے جا رہے ہیں، آخران کو کیا کرنا چاہیے۔

۲۔ اغراض آج کل زیادہ کام کر رہی ہیں، ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے۔

۳۔ علماء کا وقار عمداً گرایا جا رہا ہے۔ بے تکلف سب وشتم کیا جاتا ہے۔

۴۔ علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔

۵۔ حضرت تھانوی اور حضرت مدنی میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے؟ کیا مخلصوں اور دینداروں میں ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔

۶۔ تیرے نزدیک کون حق پر ہے؟ اور ان مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟

۷۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے تم کسی گروہ میں شریک کیوں نہیں ہوتے؟ (۴۲)

الاعتدال بظاہر مذکورہ سوالات کے جواب میں ایک مختصر کتاب ہے مگر فی الحقیقت اسلامی سیاست' اختلافات میں اسلامی روش'، افراد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات کی توضیح' اسلام کے معاشرتی نظام کے خدوخال' ملت اسلامیہ کے عروج وزوال کے اسباب جیسے بہت سے اہم مباحث اس میں بڑے مؤثر پیرائے میں جمع کر دیئے گئے ہیں جس میں آغاز اسلام سے ہی اختلاف کی حدود، صحابہ کرام اور اکابر علماء کا عمل' متعدد مثالوں سے واضح کیا گیا ہے جو عوام وخواص سب کے لئے یکساں افادیت رکھتے ہیں اور بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب اصابت رائے' ذہنی توازن اور فکری اعتدال اور دینی امور میں راہنمائی کے لحاظ سے ایک قابل قدر گائیڈ بک ہے۔ تحریک پاکستان میں مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر گئے اور اکابر علماء اور ان کے متعلقین ارادتمند اور پھر ان کے توسط سے عوام دو گروہوں میں بٹ گئے اور افراط وتفریط کا شکار ہو گئے لیکن مولانا زکریاؒ نے اس پورے دور اختلاف میں توازن برقرار رکھا مولانا مدنیؒ سے

ان کی خصوصی تعلق و محبت ساتھ ساتھ مولانا تھانوی رح سے ان کی عقیدت ارادت قائم رہی فی الحقیقت یہ تالیف مولانا کے اس عدم تشدد، رواداری توسط و اعتدال کی آئینہ دار ہے، ہم الجواہر مولانا مدنی اور مولانا تھانوی کے بارے میں کتاب سے ایک اقتباس دیتے ہیں مولانا لکھتے ہیں۔

مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا...... سو چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں اس لئے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات بلکہ کسی ایک طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا، اگر خدانخواستہ ایسا کروگے تو اپنا ہی نقصان کروگے ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا...... کس قدر اپنے اوپر یہ (مخالف) شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر اور مجرم بن رہا ہے۔ (۴۳) اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ (مقدمہ او جزء) درمختار اور شامی میں لکھا ہے کہ مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے اور جتنا بھی اختلاف زیادہ ہوگا رحمت زیادہ ہوگی اور میں پوچھتا ہوں کہ علماء کا اور اہل حق کا اختلاف نہیں ہوا خود حق تعالیٰ نے سارے ہی انبیاء پر کیا ایک ہی دین اتارا، اصول دین میں اتحاد رہا اور فروع میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ (۴۴)

الغرض 'الاعتدال' علماء و عوام میں بے حد مقبول ہوئی مولانا مدنی اس کا نسخہ ہمیشہ اپنے سفری بیگ میں رکھتے تھے مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ حضرت شیخ الحدیث کیا ہیں؟ تو میں کہوں گا،'' الاعتدال پڑھو (۴۵) مولانا ابوالحسن ندوی کہتے ہیں!'' الاعتدال فی مراتب الرجال (مولانا زکریا) ان کے اس ذوق اس جامعیت اور اس توسط و اعتدال کا آئینہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا اور جس نے بارہا ان دینی گروہوں میں جو سب کے سب ایک ہی مرکز ایک ہی مسلک سے وابستہ تھے وصل و اتحاد کا بہت کام انجام دیا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ مختلف مذاق کے لوگ اور مختلف مشائخ سے تعلق رکھنے والے اپنے علمی و عملی مشکلات کی الجھنوں کے موقعوں پر شیخ کی طرف رجوع کرتے، اور ان کو اطمینان بخش اور فیصلہ کن جواب ملتا (۴۶) آخر میں رسالہ البلاغ کراچی کا تبصرہ سنیئے ''جب غیر منقسم ہندوستان میں مسلم لیگ اور کانگریس کے سیاسی معرکے گرم تھے اور حضرت تھانوی رح اور حضرت مدنی رح کے درمیان بھی اس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا بعض مسلمان

پریشان تھے کہ اکابر کے اس اختلاف میں کیا راہ عمل اختیار کریں؟ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اس مکتوب میں اس اختلاف کی شرعی حیثیت بھی واضح فرمائی ہے اور ایسے مواقع پر عوام کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کی بھی تشریح فرمادی ہے۔

.. کہنے کو تو یہ ایک وقتی سیاسی مسئلہ پر تبصرہ ہے لیکن اپنے ہمہ گیر مباحث کی وجہ سے یہ ایک مستقل تصنیف ہے جو ہر دور میں کارآمد ہے۔"

(۴۷)

اکابر کا رمضان

مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی کتاب فضائل رمضان اور آپ بیتی میں اکابر کے چند معمولات کا تذکرہ فرمایا تھا اس ضمن میں مولانا زکریاؒ نے خواجہ عزیز الحسن خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کو مکتوب لکھا کہ وہ مولانا تھانوی کے معمولات رمضان کے متعلق تفصیلی معلومات بہم پہنچائیں سہولت کی خاطر ایک سوال نامہ مرتب کیا جس میں مندرجہ ذیل اہم معلومات طلب کی گئیں تھیں۔

۱۔ رمضان المبارک میں افطار، سحر، تہجد کے اوقات کے معمولات کیا ہیں؟

۲۔ افطار میں کھجور یا زمزم کا اہتمام تھا؟

۳۔ نوافل اور تلاوت کے معمولات پر نماز سے قبل اور بعد نیز رمضان کی شب میں۔

۴۔ تراویح میں تلاوت قرآن کی کیفیت اور کمیت کیا تھی۔

۵۔ اعتکاف کا معمول ہمیشہ کیا رہا ہے عشرہ سے زیادہ بھی معمول رہا ہے؟

خواجہ عزیز الحسن نے مذکورہ استفسارات کا مفصل جواب دیا، بعد ازیں احباب کا اصرار ہوا کہ اسی طرز پر دیگر اکابرین کے معمولات کی تفصیل جمع کی جائے چنانچہ مختلف ذرائع سے مندرجہ ذیل اکابر کے متعلق مفصل معلومات اکٹھی کی گئیں مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یحییٰ، مولانا محمد قاسم نانوتوی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، شاہ عبدالرحیم رائے پوری شیخ الہند مولانا محمود الحسن مولانا حسین احمد مدنی، شاہ عبدالقادر رائے پوری اور مولانا محمد الیاس رحمۃ

رسالہ "اکابر کا رمضان" مذکورہ اکابرین کے شوق انگیز احوال اور معمولات پر مشتمل ہے رمضان المبارک کے عبادت

ریاضت، تلاوتِ قرآن اور تزکیہ نفوس کے ایسے ایمان افروز واقعات اور معمولات کا ذکر کیا گیا ہے جو آج کے دور میں ناقابل یقین معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا محمد زکریاؒ اپنی یہ تالیف رجب ۱۳۹۰ھ میں مکمل کی اور پہلی مرتبہ ۲۲×۱۸/۸ سائز کے ۷۱ صفحات پر مشتمل کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوئی پاکستان میں بھی اس کتاب کے متعدد ایڈیشن مختلف کتب خانوں سے شائع ہو چکے ہیں۔

اکابر علماء دیوبند

کتاب کی وجہ تالیف اس عام اعتراض اور معروف اشکال کا جواب ہے کہ جن اقوال پر دوسروں کی تکفیر کی جاتی ہے۔ انہی اقوال میں اپنے اکابر کی تاویل کی جاتی ہے ۱۰ صفحات کا مقدمہ کتاب اس اعتراض کا مدلل جواب ہے اس مسکت جواب کے بعد اکابر علمائے دیوبند کے اتباع شریعت، شغف نماز، اہتمام رمضان انفاق فی سبیل اللہ وشوق حرمین شریفین، احیاء سنت اور سب سے بڑھ کر زہد و تقویٰ اور علم و عمل کی جامعیت کے واقعات مؤثر اور دل نشین انداز میں لکھے گئے ہیں مولانا زکریاؒ نے کتاب کی تکمیل قیام مدینہ منورہ کے دوران ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ کو کی اسے کتب خانہ یحیوی سہارنپور (انڈیا) نے ۲۰×۳۰/۱۶ کے سائز پر شائع کیا کتاب کے صفحات ۱۱۷ ہیں پاکستان میں اسے ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز فیصل آباد نے شائع کیا ہے۔(۴۸)

اختلاف الائمہ

(۴۹)

مدرسہ مظاہر العلوم سے رمضان ۱۳۴۹ھ میں ایک ماہوار رسالہ "المظاہر" مولانا جمیل احمد مدرس مدرسہ کی زیر ادارت نکلنا شروع ہوا مولانا موصوف کے اصرار پر مولانا زکریا کے ایک مضمون کا سلسلہ شروع ہوا کہ:۔

آئمہ اربعہ میں اتنا وسیع اختلاف کیوں ہے جبکہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال و افعال ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

مولانا زکریا ۱۳ / ۱۴ ماہ تک قسط وار مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب پر مضمون لکھتے رہے۔ رسالہ کے بند ہونے پر مضمون بھی بند ہو گیا بعد ازیں گوناگوں مشاغل و امراض کے سبب مولانا اسے قلمبند نہ کر سکے اور مکمل نہ ہو سکا۔ کافی عرصہ کے بعد ۲۹ھ جمادی الاول کو مولانا محمد شاہد نے کتابی شکل میں اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپوری کی جانب سے شائع کروایا۔ اس کا سائز $\frac{20\times30}{16}$ ہے اور صفحات ۹۶ ہیں۔ پاکستان میں بھی اس کے کئی ایڈیشن مختلف جگہوں سے شائع ہو چکے ہیں۔

"رسالہ اختلاف الائمہ" اپنے موضوع پر بڑا معرکۃ الآرا رسالہ ہے افسوس کہ یہ مکمل نہ ہو سکا تاہم جو بحثیں اس ضمن میں مولانا کی ہیں وہ علمی لحاظ سے بڑی وسیع اور دینی لحاظ سے بڑی اہم معلومات افزا اور تحقیقی ہیں۔ لہٰذا یہ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ عوام، علماء، اساتذہ اور تلامذہ سبھی کے لیے مفید ہے (۵۰)

مولانا نے تحقیقی اور علمی انداز سے ثابت کیا ہے کہ اختلاف امت رحمت ہے۔ اس کے مضامین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسائل کی صورت اور اختلاف کی روایات کی ۱۰ وجوہ، دور صحابہؓ و تابعین (جو اختلاف روایات کا دوسرا دور رہا) میں آٹھ وجوہ وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ نیز عہد رسالت سے آج تک ہر مسئلہ میں اختلاف کیوں ہے؟ آئمہ اربعہ اور اقوال صحابہؓ میں یہ تعارض کیوں ہے؟ نیز تیسرے دور یعنی ائمہ مجتہدین کے مابین اختلاف کی بڑی وجوہ کا بیان ہے۔ پھر یہ ساری بحث کتب احادیث اور دیگر اساسی کتب سے ماخوذ ہے جس سے کتاب کی حیثیت مستند، معتبر اور وقیع ہو گئی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ماہنامہ "المظاہر" میں جب یہ مضمون

ملاحظہ فرمایا تو مدیر رسالہ کو تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"اختلاف الائمہ کی مدح کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ ایسی ذات کا لکھا ہوا ہے جو حضرت مولانا سہانپوری کی خدمت میں نہایت اعتبار کے ساتھ مدۃ طویلہ خدمت حدیث میں مشغول رہے" فقط اشرف علی (۵۱)

اور حضرت مولانا مفتی مہدی حسن علیہ الرحمۃ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے تحریر کیا تھا کہ:۔

"اس نوعیت کا میرے خیال میں اردو میں یہ پہلا مضمون ہے جو مدرسہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث کے قلم سے نکل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کو کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچائے۔"

تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن۔

مولانا محمد زکریاؒ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ پاک یک سالہ قیام کی نیت سے گئے اور وہاں تجوید سیکھنے کا شوق ہوا۔ حرمین شریفین کے مشہور قاری شیخ حسن ابراہیم شاعر سے قرأت و تجوید کی مشہور کتاب شاطبی شروع کی لیکن یہ سلسلہ تو زیادہ دیر نہ چل سکا البتہ ان کی عربی تالیف "تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن" کا اردو ترجمہ کر دیا جس کا سبب یہ ہوا کہ قاری حسن شاعر کے پاس اکثر ہندی تلامذہ قرأت پڑھتے تھے اس لیے انہوں نے مولانا زکریا سے اپنی کتاب کے ترجمہ کے لیے کہا جو انہوں نے ایک دو دن میں کر دیا۔ ۸ رجمادی الاوّل کو یہ ترجمہ مکمل ہوا اور ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں پہلی مرتبہ $\frac{20\times30}{16}$ سائز کے اٹھائیس صفحات پر طبع ہوا بعد ازیں طویل عرصہ کے بعد یہ کتاب کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہانپوری کی جانب سے شائع ہوئی۔

شمائم خوان خلیل

خوان خلیل مولانا خلیل احمد سہانپوری کے حالات میں مولانا اشرف علی تھانوی کی تالیف ہے۔ مولانا محمد زکریاؒ نے اس پر حواشی اور تعلیقات لکھ کر اس کی معنویت اور ضخامت دونوں میں اضافہ کر دیا ہے اور اپنے مربی اور مرشد کی حق خدمت ادا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ اصل کتاب کے صفحات ۲۱ ہیں۔ حواشی کے بعد ۴۷ صفحات پر آ گئی ہے سائز $\frac{18\times22}{8}$ اور سن تالیف ۱۳۹۱ھ ہے۔

نصائح حج اور مکتوب گرامی

یہ مختصر سا رسالہ مولانا زکریاؒ کے ایک مکتوب پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے حاجی محمود حسین بجولی کو لکھا جس میں دوران حج حرمین شریفین کے متعلق قیمتی مشورے اور مفید نصائح دی گئی ہیں۔ یہ کتابچہ ہر حاجی کے لیے بہت مفید ہے جس میں عازمین حج کے لیے ہدایات وضوابط، آداب اور نصائح مختصر مگر جامع طریقہ سے لکھ دی گئیں ہیں۔ آخر میں مولانا محمد یوسف امیر ثانی تبلیغی جماعت کی طویل دعاء عرفہ بھی شامل کتاب ہے یہ رسالہ ۱۳۹۳ھ میں پہلی مرتبہ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز پر طبع ہوا کتاب کے صفحات ۳۲ ہیں۔

ام الامراض

مولانا محمد زکریاؒ کی گراں مایہ کتاب "ام الامراض" کے متعلق ایک ممتاز معاصر عالم کا قول ہے۔

"ان کے ذریعے ہزاروں بندگانِ خدا ولایت کے درجہ تک پہنچ گئے"

یہ رسالہ عوام وخواص، عالم وجاہل، شیخ ومرید سب کے لئے یکساں طور پر نورِ ہدایت اور مشعل حق ہے کتاب میں اخلاق رزائل کی جڑ تکبر پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اور اسے ہی ام الامراض کہا گیا ہے۔ کتاب کی چار فصول ہیں۔

پہلی فصل تکبر کی مذمت میں

دوسری علامات تکبر میں

تیسری فصل تکبر کے علاج میں

اور چوتھی فصل متقی حضرات کے لیے لمحۂ فکریہ پر مشتمل ہے۔

آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال سلف اور خود مولانا زکریاؒ کی دل نشین تحریر وعبرت آموز واقعات سے مزین یہ رسالہ موجودہ دور فتن میں تحفۂ عجیبہ ہے۔

شریعت وطریقت کا تلازم

مولانا زکریاؒ نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ شریعت وطریقت کا تلازم ہے ایک دوسرے الگ نہیں بلکہ

اس کا جز ولاینفک ہے اس طرح شریعت اور طریقت کی اہمیت اور ان میں آپس باہمی ربط و اتحاد، دونوں کی ضرورت پر تحقیقی مضامین کا ایک مجموعہ ہے۔ جو مولانا زکریاؒ نے ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں مرتب فرمایا۔ اس مجموعہ میں عمل بالقرآن، حدیث، فقہ، اجتہاد، آئمہ مجتہدین کا چار میں انحصار، تقلید، طریقت، بیعت، پاس انفاسؒ تصور شیخ، شطحیات وغیرہ اہم عنوانات قائم کر کے، ان کا شرعی مقام اور صحیح رخ بتلایا گیا ہے، الغرض مولانا زکریاؒ نے اس رسالہ میں شریعت اور طریقت کے ہر موضوع اور عنوان پر گفتگو کی ہے۔

۱۳۹۸ھ/۱۹۷۹ء میں پہلی مرتبہ یہ کتاب کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور طبع ہوا۔ اس کے صفحات ۲۵۶ ہیں، اور سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ہے۔

عربی زبان میں اس کا ترجمہ مولانا عبدالحفیظ مکیؒ نے الشریعۃ والطریقۃ کے نام سے کیا ہے یہ ترجمہ عالم اسلامی کے لیے خاص طور پر شائع کیا ہے۔

طریقت کے نام سے اس کتاب کے چند اجزاء کا انگریزی ترجمہ المعہد الاسلامی وراٹروال جنوبی افریقہ سے شائع ہو چکا ہے۔

نسبت و اجازت

مولانا محمد زکریاؒ نے اس کتاب میں مشائخ کرام کی جانب سے ملنے والی نسبت، اجازت و خلافت کے متعلق ضروری ہدایات اور نصائح قلم بند فرمائی ہیں۔ جن امور سے اس نسبت کو خطرات و خدشات لاحق ہوتے ہیں ان کا بھی تذکرہ ہے۔ رمضان ۱۴۰۰ھ میں فیصل آباد میں لکھی گئی۔ اس کے صفحات ۱۶ ہیں اور سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ہے۔ ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار فیصل آباد پاکستان نے اسے شائع کیا۔

فتنۂ مودودیت

علماء دیوبند اور مولانا ابوعلی مودودی مرحوم میں کئی مسائل میں اختلاف تھا۔ مثلاً تقلید، تصوف، سلوک اور اکابر سلوک وغیرھا زیر نظر کتاب بھی اس مذکورہ بالا سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ۱۳۹۵ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

میں پہلی مرتبہ "فتنۂ مودودیت" کے نام سے رسالہ کی شکل میں کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور نے شائع کی جس کے صفحات ۱۶۷ اور سائز $\frac{20\times30}{16}$ ہے۔ اس کی اشاعتِ ثانی "جماعتِ اسلامی ایک لمحہ فکریہ" کے نام سے ہوئی۔ پاکستان میں مختلف اداروں نے اس کو متعدد مرتبہ شائع کرچکے ہیں۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ "الاستاذ المودودی ونتائج بحوثہ وافکارہ" کے نام سے ملک سنز کارخانہ بازار (لائل پور) فیصل آباد پاکستان سے شائع ہوچکا ہے

وجہ تالیف:۔

فی الحقیقت کتاب "فتنۂ مودودیت" مولانا زکریا کا ایک نجی مکتوب ہے جو ۱۳۷۰ھ میں لکھا گیا تھا جس کا سبب یہ بنا کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ایک قدیم استاذ التفسیر مولانا محمد زکریا قدوسی جماعت اسلامی سے متاثر ہوکر اس کے پرجوش داعی اور مبلغ بن گئے مدرسہ کے اسباق میں علی الاعلان مودودی صاحب کے اجتہادات سنائے جاتے، ان کی حمایت کی جاتی اور آئمہ کرام کے اقوال میں ان کو ترجیح ملتی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کتاب الفضائل پڑھاتے وقت مجتہد ہونے کی شرائط اور اجتہاد کا دروازہ بند ہوجانے کے خلاف زوردار تقریر کی اور اپنے زمانے میں اس کی شدید ضرورت کا احساس دلایا۔ (۵۲)

مولانا زکریا قدوسی کے افکار و خیالات کا اثر طلبہ پر بھی پڑا۔ جسے اہل مدرسہ نے تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور مولانا کو سمجھانے کی سعی کی۔ اس ضمن میں مولانا زکریا شیخ الحدیث نے مولانا زکریا قدوسی کو ایک طویل مکتوب لکھا تھا جس میں مولانا مودودی صاحب کی موٹی موٹی اور بنیادی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی مگر مولانا قدوسی قائل نہ ہوئے۔ نتیجتاً انہیں ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء میں مدرسہ سے فارغ کردیا گیا۔

یہ مکتوب غیر مطبوعہ پڑا تھا۔ اس کی طباعت پر اصرار ہوا آخر ۱۹۷۵ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ مضمون کے اعتبار سے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا البتہ نظرثانی کے موقع پر چند امور کی رعایت کی گئی، اس کا مقدمہ اور حواشی مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے لکھا۔ مولانا مودودیؒ کی جن تالیفات کے اقتباسات دیئے گئے ہیں ان کی اصل سے مراجعت

کرلی گئی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب میں ذکر کردہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے نہ ترجمے تھے اور نہ ہی کوئی توضیح وتشریح اور ان دونوں حضرات کے لیے اس کی کچھ ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ایک طرف انس خط کے کاتب اگر شیخ الحدیث تھے تو دوسری طرف مکتوب الیہ شیخ التفسیر تھے۔ لیکن افادۂ عامہ کے لیے اشاعت کے وقت آیات احادیث کا ترجمہ مستقل حواشی میں لکھ دیا گیا اور اس کی تشریح کردی گئی قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا تھانوی کا ہے۔ اور احادیث کا ترجمہ مظاہر حق سے لیا گیا ہے۔

اس ضمن میں مولانا زکریاؒ نے مولانا مودودیؒ کی تالیفات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جیسا کہ وہ لکھتے ہیں :۔

"۱۳۷۶ھ میں مودودیت کی کتابیں بہت ہی کثرت سے پڑھنے کی نوبت آئی تقریباً تین سو رسائل اور کتب مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی شب و روز جاگ کر پڑھیں اور یاد داشتیں ایک رسالہ کی صورت میں جمع کی تھیں اور یہی رسالہ حضرت مدنی قدس سرہ کی اکثر تالیفات کا بھی ماخذ ہے اور قاری سعید صاحب کی تالیف کشف حقیقت کا بھی ماخذ ہے"۔ (۵۳) مولانا زکریا کی جماعت اسلامی کے لٹریچر کے متعلق ابتدائی رائے یہ تھی :۔

"جو لوگ انگریزی تعلیم اور دوسرے ماحولوں کی وجہ سے نفس اسلام ہی سے بیگانہ ہیں۔ ان کے لیے یہ کتابیں مفید ہیں"۔ (۵۴)

مولانا مودودیؒ کے تصوف، سلوک اور اکابر سلوک، تقلید و اجتہاد کے متعلق افکار چونکہ متنازع تھے اس لیے مولانا زکریا کی آخری رائے یہ تھی :۔

"مودودی جماعت اور جماعت کے لٹریچر سے عام لوگوں پر یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کہ آئمہ ہدایت کے اتباع سے آزادی اور بے تعلق پیدا ہو جاتی ہے جو عوام کے لیے مہلک اور گمراہی کا باعث ہے"۔ (۵۵)

رسالہ اسٹرائیک :۔

مولانا زکریاؒ کو اسٹرائیک اور ہڑتالیوں سے شدید نفرت تھی۔ حتیٰ کہ ان کی بیعت تک نہ لیتے تھے اپنے اسی جذبہ نفرت کے اظہار نیز تلامذہ مدارس عربیہ کی اصلاح کے لیے گوناں گوں نصائح پر مشتمل یہ رسالہ پڑھنے

یہ احساس ہوتا ہے کہ مولانا کی دوربین نگاہوں نے آج سے ۵۰ سال قبل اسٹرائیک کے مفاسد بھانپ لئے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"مدارس عربیہ میں اسٹرائیک کی رو روز افزوں وبا ہے جتنی نفرت اس سیہ کار کو ہے اتنی شاید ہی کسی کو ہو اور اس میں میرے دو بزرگ حضرت تھانوی رح اور حضرت مدنی رح بھی بہت مخالف تھے۔" (۵۶)

۱۳۸۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں بھی اسٹرائیک ہوئی نیز اس دور میں اسٹرائیک کے باعث متعدد مدارس دینیہ میں شر و فساد پھیلا، اس موقع پہ یہ کتاب لکھی گئی جس میں اسٹرائیک کے بارے میں مولانا تھانوی کا ایک فتوی مع دلائل شرعیہ، حضرت مدنی کے افکار نیز اپنے دیگر اکابر کا تعامل اور اپنا نظریہ واضح کر دیا گیا۔ یہ رسالہ پہلی مرتبہ ۱۳۸۸ھ میں کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوا اس کے صفحات ۹۲ ہیں۔ اور سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ ہے بعد ازیں ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے شائع ہوا پاکستان میں اسے مکتبہ زکریا، عالمگیر مارکیٹ۔ لاہور نے شائع کیا۔ سن اشاعت نہیں ہے۔

اسٹرائیک پر مولانا زکریا رح کے دلی دکھ، قلبی حزن اور ذہنی کرب کا مظہر و ترجمان یہ شعر جس سے وہ رسالہ کی ابتدا کرتے ہیں:

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے (۵۷)

قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم:۔

برطانوی گورنمنٹ نے ۱۹۲۸ء میں ہندوستانی باشندوں کیلئے جبریہ تعلیم کا قانون نافذ کیا جس کی رو سے چھ تا گیارہ برس کی عمر کے بچوں کو سرکاری سکولوں میں داخل کرانا ضروری قرار پایا اور خلاف ورزی کے مرتکب لوگوں کو سزائیں دی گئیں۔ جبریہ تعلیم سے براہ راست مسلمانوں کے دینی اور عربی مدارس متاثر ہوئے چنانچہ دارالخلافہ دہلی میں قرآن پاک کے ۶۰ میں سے ۴۰ مکتب بند ہو گئے ان میں دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو بالجبر سرکاری سکولوں میں داخل کیا گیا جہاں قرآنی اور دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ علماء نے جبریہ تعلیم کی مخالفت کی جن میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد الیاس پیش پیش تھے اس سلسلہ میں مولانا

محمد زکریاؒ نے ایک طویل مکتوب ۲۱ محرم ۱۳۵۰ھ کو مسلم ممبران اسمبلی اور دیگر سربرآوردہ مسلمانوں کے پاس بھیجا جو بعد ازیں "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا جس میں جبریہ تعلیم کو محکم دلائل سے مداخلت فی الدین قرار دیا گیا۔

رسالہ کا سائز $\frac{18\times22}{8}$ ہے اور صفحات ۳۰ ہیں۔ پہلی مرتبہ یہ رسالہ ۱۳۵۰ھ میں یحیوی کتب خانہ سہارنپور سے شائع ہوا۔ پاکستان میں پہلی بار یہی رسالہ مکتبہ زکریاؒ عالمگیر مارکیٹ لاہور سے شائع ہوا۔

رسالہ کے آخر میں مولانا نے اپنے نام کے ساتھ "مجروح القلب" لکھا ہے اس مختصر رسالہ میں مولانا نے قرآنی تعلیم کی اہمیت و فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ واضح کیا کہ؛

"مسلمانوں کیلئے کونسی تعلیم دین و دنیا میں نجات اور سعادت کا باعث ہے نیز یہ کہ پرائمری جبریہ تعلیم میں کن کن امر کا لحاظ ضروری ہے۔"

موت کی یاد

مولانا محمد زکریا کتاب "موت کی یاد" کے دیباچہ میں اس کی وجہ تالیف بتاتے ہیں کہ "میرے مخلص دوست الحاج محمد بنوری بن محمد یوسف بنوری نے یہ رسالہ "بینات" کے دو پرچے بابت ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ بھیجے اس میں ماہ ذی قعدہ کے پرچہ میں دو عربی قصیدے موت کی یاد اور اس کی تصویر کشی میں بہت پسند آئے ان قصیدوں کو آپ بیتی نمبرے میں شامل کرنے کا ارادہ کیا تو صوفی محمد اقبال مدنی نے ان قصیدوں کے ساتھ فضائل صدقات حصہ دوم میں موت کے متعلق مضمون کو بھی شامل کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ ان کا یہ مشورہ پسند آیا۔ علاوہ ازیں خواجہ عزیز الحسن کی دو غزلیں درس عبرت اور مراقبہ موت بھی آخر میں شامل کر دی گئیں" (۵۸) اس طرح یہ تمام مجموعہ رسالہ "موت کی یاد" کے نام سے۔ مدینہ منورہ کے زمانہ قیام میں ۱۳۹۲ھ میں تالیف ہوا۔ کتاب کے صفحات ۸۰ اور سائز $\frac{20\times30}{16}$ ہے۔ پاکستان میں یہ کتاب شاہین ٹریڈنگ کمپنی کراچی اور مکتبہ دینیات تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور سے طبع ہو چکی ہے۔

مولانا زکریاؒ نے اس رسالہ میں آخرت اور موت سے متعلق پند و نصائح، واقعات اور بزرگان دین کے عجیب و غریب قصے

جمع کردیے ہیں ۔ جو ہر انسان کو یاد دلاتے ہیں ۔

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا کل کی خبر نہیں

داڑھی کا وجوب :۔

مولانا محمد زکریاؒ نے ۱۳۹۵ھ میں ہندوستان کا سفر کیا ۔ سہارنپور کے زمانہ قیام میں اس مرتبہ خلاف معمول داڑھی کے مسئلہ پر ، ان پر اشتعال غالب رہا ہر موقع پر قاطع اللحیۃ کو دیکھ کر طبیعت میں جوش پیدا ہوتا اور ہر مجمع میں اس پر نکیر کرتے اور بیعت میں بھی قطع اللحیہ سے اجتناب کی تاکید کرتے ۔ اس اشتعال کی وجہ یہ خیال تھا کہ گناہ کبیرہ زنا ، لواطت ، شراب نوشی ، سود خوری وغیرہ وقتی ہیں جبکہ قطع لحیۃ ایسا گناہ ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے ، ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے لہذا بار بار خیال ہوا کہ ایک رسالہ "وجوب داڑھی" پر لکھوں چنانچہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مسجد نبوی میں اس کا آغاز ہوا اور ۵ صفر ۱۳۹۶ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا ۔ (۵۹)

اس رسالہ کی دو فصلیں ہیں فصل اول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات "وجوب داڑھی پر اور دوسری فصل میں آنحضورؐ کے علاوہ دوسروں کی "وجوب لحیہ" کے بارے میں تحریریں ہیں ۔ اس کتاب میں آیات قرآنیہ ، احادیث نبویہ فقہا اور مشائخ کے ارشادات ، فرمودات اور اقوال کی روشنی میں داڑھی کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے نیز جدید ڈاکٹری اور قدیم طب کے اقوال "وجوب لحیہ" میں نقل کیے گئے ہیں ۔

۱۳۹۶ھ میں مدینہ منورہ کے زمانہ قیام میں یہ کتاب لکھی گئی اور پہلی مرتبہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوئی اس کے ۴۰ صفحات ہیں اور سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ہے پاکستان میں یہ کتاب متعدد کتب خانوں مثلاً مکتبہ دینیات رائے ونڈ لاہور سے شائع ہو چکی ہے ۔ عربی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ مولانا عاشق الہی بلند شہری نے "وجوب اعفاء اللحیۃ" کے نام سے کیا ہے ۔ عربی ایڈیشن

پاکستان اور مکہ مکرمہ سے کثیر تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ کتاب کی اہمیت میں مفتی محمود حسن کا یہ شعر کافی ہے۔

؎ در وجوب لحیہ ہم دارد کتابے با اثر

ریش دشمن چوں بخواند ریش را شد پاسباں

فضائل زبان عربی

اس کتاب میں عربی زبان کی ضرورت، اہمیت اور فضیلت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے مولانا محمد زکریاؒ جب کہ زمانہ قیام میں متعدد اعذار اور کثیر عوارض میں مبتلا تھے۔ اس کے باوجود فضائل زبان عربی پر ایک رسالہ لکھوانا شروع کیا اس کی ابتدا ۲۵ صفر ۱۳۹۶ھ قبل ظہر مسجد نبوی میں ہوئی۔ اور ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ کو تکمیل ہوئی کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک خواب تھا (۶۰) جس میں اشارہ نبوی شامل تھا۔ رسالہ کی تالیف میں مولانا زکریاؒ کو ایسا انہماک ہوا کہ یہ ان کے ذہن و دماغ پر ایسے مستولی ہوا کہ انہوں نے مدینہ طیبہ سے مولانا ابوالحسن ندوی کو ایک خط لکھا۔

"مجھے عربی زبان کی فضیلت پر ایک رسالہ لکھنے کا خیال چار ماہ سے ہو رہا ہے۔ یہ تو یاد نہیں کہ اس کا پس منظر بھی آپ کو لکھ چکا ہوں یا نہیں مگر اس مضمون کی کوئی کتاب یہاں نہیں ملتی جس میں روایات حدیث ہوں۔ تقریباً دو ماہ ہوئے جب آپ کی آمد کی پہلی خبر سنی تھی اس وقت میں نے دو تین خط لکھوائے تھے اس مضمون کے کہ آپ یہاں کچھ رسائل ندوہ میں یا آپ کے پاس ہوں تو اپنے ہمراہ لیتے آئیں" (۶۱)

شیخ نے بڑی تحقیق اور محنت شاقہ سے یہ کتاب لکھی ہے۔ آیات قرآنیہ، احادیث نبوی، تاریخی واقعات، اکابر کے فرمودات سے عربی زبان کی ضرورت، اہمیت اور فضیلت کا حصہ واضح کردی ہے کہ ہر قاری کو عربی سیکھنے سکھانے پر ابھارتی ہے ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ میں یہ کتاب مدینہ منورہ میں لکھی گئی اس کے صفحات چالیس ہیں اور سائز $\frac{۲۲×۱۸}{۸}$ ہے پاکستان میں یہ کتاب مکتبہ زکریا، عالمگیر مارکیٹ لاہور نے شائع کی ہے۔

فضائل تجارت

مولانا زکریاؒ نے کتاب "فضائل تجارت" اپنے چچا مولانا محمد الیاسؒ کے حکم پر لکھی ان کی علالت کے دوران مسودہ لکھا گیا مگر وہ شائع نہ ہو سکا اور ضائع ہو گیا بعد ازیں شیخ کے دوران قیام مدینہ منورہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ میں مسجد نبوی میں اس کی دوبارہ بسم اللہ کی اور ۵ صفر ۱۴۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔

کتاب کی ابتداء میں مولانا اشرف علی تھانوی کی شہرہ آفاق تصنیف بہشتی زیور سے ایک مضمون شامل کیا گیا ہے جس کو حضرت نے

بہشتی زیور نمبر ۵ کے ضمیمہ میں کسب حلال کے عنوان سے درج کیا ہے۔ جو توکل سے متعلق تین اصول، زراعت کو دین افضل کی بحث اور دینی کاموں کے لیے نوکری تجارت سے افضل ہے پر مشتمل ہے۔ باقی کتاب میں فضائل تجارت، اسباب معاش، کسب حلال کی اہمیت حرام سے پرہیز کی ضرورت، اس ضمن میں اکابر کے واقعات کا ذکر ہے نیز توکل وغیرہ پر مفصل کلام کیا ہے۔

صفر ۱۳۹۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء میں یہ کتاب مدینہ طیبہ میں لکھی گئی اس کے صفحات بیانوے ہیں اور سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ ہے کتاب کی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کے مختلف اداروں نے شائع کی ہے بنگالی زبان میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے

معارف شیخ

کتاب معارف شیخ مولانا محمد زکریا کے علمی افادات و معارف کا بیش قیمت اور وقیع مجموعہ مضامین ہے جسے مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے ترتیب دیا اور ۱۴۰۲ھ میں شائع کروایا یہ کتاب $\frac{22 \times 18}{8}$ سائز کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ معارف شیخ کی اس پہلی جلد میں چھ مضامین شامل ہیں جو مختلف اوقات میں لکھے گئے جنکی تفصیل اس طرح ہے۔[۶۴]

پہلا مضمون امارت شرعیہ کی حقیقت و اہمیت اور اس کے اصول و قوانین کے متعلق ہے جس کا سن تالیف ۱۳۶۴ھ ہے اس مضمون میں امیر شریعت کا انتخاب، امیر کی تعریف اور اس کی شرائط، اجتماعی زندگی میں امیر کی اہمیت، قومی و ملکی اور انفرادی اور اجتماعی مسائل میں اس کے اقوال و احکام کی حیثیت پر گراں قدر علمی و تحقیقی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جسے فقہ اسلامی اور اسلامی قوانین پر مشتمل وقیع کتابوں کے اہم اقتباسات اور حوالہ جات سے مستند بنایا گیا ہے۔

دوسرا مضمون حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہے۔ جو ۱۳۷۸ھ میں لکھا گیا اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۳۷۸ھ میں پاکستان کے بعض اہل علم حضرات کے یہاں حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے دقیق اور علمی مسئلہ پر بحث و مباحثہ نے شدت اختیار کی فریقین سے اس موضوع پر کتب لکھی گئیں، اشتہارات شائع ہوئے حضرات اکابر کے مسلم عقائد بھی متاثر ہونے لگے تھے غرضیکہ ایک عجیب و غریب حالت اور کیفیت پیدا ہو چکی تھی بعض دردمند حضرات نے اس صورت حال کی اطلاع مولانا زکریا کو کر دی اور مسئلے پر متوازن، جامع اور معتدل تحریر لکھنے کی درخواست کی کتاب میں شامل یہ مضمون اس موقعہ پر جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ میں لکھا گیا۔[۶۵]

تیسرا مضمون "حدیث غزوہ قسطنطنیہ اور مغفرت یزید" کے موضوع پر شوال ۱۳۸۰ھ میں لکھا گیا۔ یہ مضمون اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث پر علمی و تحقیقی بحث غزوہ قسطنطنیہ پر شرکاء مجاہدین کی مغفرت اور یزید ابن امیر معاویہؓ کے لیے بشارت اور مغفور لہم میں داخل ہونے یا نہ ہونے پر ایک گرانقدر اور قیمتی تحریر ہے تاریخ اسلام کے اس معرکۃ الآراء موضوع پر دل و دماغ اور قلب و نگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ جامعیت اور اعتدال سے بھرپور تحریر ہے۔

چوتھا مضمون "اسلام لانے کا طریقہ" ہے ۱۳۸۲ھ میں لکھا گیا جس میں ہندوستان میں آزادی کے بعد پیدا ہونے والی مشکلات مسلمانوں کیلئے دقتیں، اسلام قبول کرنے والوں کے لیے ضروری ہدایات، قبولیت اسلام کا طریقہ اور نومسلموں کیلئے دینی معلومات حاصل کرنے کیلئے مفید اور آسان کتب کا انتخاب پر اظہار خیال کیا گیا۔

پانچواں مضمون "جامعہ مظاہر علوم سہارنپوری کیلئے زریں ہدایات اور قیمتی مشورے" کے موضوع پر ہے جو ۱۳۸۸ھ میں لکھا گیا یہ مضمون فی الحقیقت تمام مدارس دینیہ اور عربی جامعات کے ذمہ داروں اور اساتذہ کرام کیلئے سرمہ بصیرت اور دل و دماغ کی گہرائیوں کے ساتھ پڑھنے اور عمل کرنے کیلئے ہیں۔(۴۴)

چھٹا اور آخری مضمون "استدراک رسالہ اختلاف الائمہ" ہے جو ۱۳۹۵ھ میں لکھا گیا ۱۳۹۲ھ میں مولانا زکریاؒ نے ایک گرانقدر فاضلانہ اور محققانہ مضمون اختلاف الائمہ کے نام سے تحریر کیا تھا جو ۱۳۹۱ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوا(۴۵) ۱۳۹۵ھ میں مولانا زکریاؒ نے اس مضمون پر استدراک تحریر فرمایا جو "معارف شیخ" میں شامل کیا گیا ہے۔

مکتوبات شیخ ج ۲

مولانا زکریاؒ اپنے علم و فضل کی بناء پر مرجع الخلائق تھے اہل تبلیغ اور ان کے ارادت مند دینی مسائل اور مشاغل کے متعلق انہی سے رجوع کرتے تھے جماعت اسلامی اور اسکے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی شخصیت علماء کے درمیان متنازع تھی اس لیے اہل تبلیغ اور عقیدت مند اکثر و بیشتر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے عقائد کے بارے میں مولانا زکریا سے وقتاً فوقتاً کتابۃً استفسارات کرتے رہتے تھے۔ مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے وہ تمام مکاتیب جمع کئے جن کا تعلق جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے تھا اور انہیں ترتیب دیکر کتابی شکل میں مکتوبات شیخ جلد ۲ کے نام سے ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور

کی طرف سے شائع کر دیا کتاب کا سائز ۲۰×۳۰/۱۶ اور کل صفحات اسی ہیں[۱۴۰]۔

مکتوبات شیخ چالیس مکتوبات اور ان کے جوابات کا مجموعہ ہے۔ اکثر مکتوبات میں لکھنے والوں کے اسماء اور مقامات کا ذکر نہیں کیا گیا جسکی وجہ مرتب یہ بیان کرتے ہیں کہ اخفاء کے پیش نظر بہت سے مقامات پر نام کی تصریح کی بجائے نقطے لگا دیئے گئے ہیں اور یہ چیز شیخ کی طبیعت اور منشاء مبارک کے عین مطابق تھی[۱۴۱]

مکتوبات تصوف

اہل دل حضرات کے مکتوبات سے ہر دور میں اہل ذوق و اہل دین طبقہ نے استفادہ کیا مکتوبات کے عظیم ذخائر میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے مکاتیب طالبین و ذاکرین کے لیے بہترین تربیتی مجموعے اور سلوک و احسان کے سالکین کے لیے امراض روحانی کی شفاء کیلئے بہترین رفیق سفر ثابت ہوئے مکتوبات کے اسی روحانی پہلو کے پیش نظر مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے مولانا محمد زکریا کے ان مکاتیب کو شائع کرنے کا ارادہ کیا جن میں سالکین کے امراض روحانی کی شفاء ہے۔ مولانا زکریا کا ابتداء ہی سے معمول تھا کہ موصول آمدہ خطوط کی پشت پر اپنے جواب کی نقل ضرور تحریر کیا کرتے تھے اس معمول کی بنا پر مولانا محمد شاہد کو ان مکاتیب کی جمع و ترتیب میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی چنانچہ مولانا شاہد نے ۱۱۹ مکاتیب کا انتخاب کیا جن کا تعلق سلوک، احسان تصوف اور روحانی تربیت سے تھا مزید افادیت کے پیش نظر شروع کتاب میں فہرست رجال و مضامین اور آخر میں شخصیت، کتابیات، اور مقاصد کا اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ جس سے کتاب مفید اور مستند ہو گئی ہے۔

ان مکتوبات کو مولانا شاہد نے ۱۳۹۲ھ میں پہلی (مرتبہ) دفعہ شائع کیا کتاب کا سائز ۲۰×۳۰/۱۶ اور کل صفحات ایک سو چوالیس[۱۴۲] ہیں پاکستان میں یہ کتاب ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

کتاب میں برصغیر پاک و ہند کے ہر علاقے کے علماء و متقدین کے خطوط ہیں۔ مکتوب نگار کا نام مقام اور تاریخ دی گئی ہے ان مکتوبات میں دینی اشکالات، روحانی امراض، سلوک و احسان کے مسائل، اذکار و اوراد کے متعلق شافی جوابات دیئے گئے ہیں بعض مکاتیب غیر معلوم لاکم ہیں۔ مکاتیب نگاروں میں مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا عبدالجبار اعظمی، مولانا محمد منظور نعمانی شاہ عبدالقادر رائے پوری اور مولانا محمد ثانی حسنی شامل ہیں۔

مکتوبات علمیہ

مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے مولانا محمد زکریاؒ کے ذخیرہ خطوط سے علمی مکاتیب کو الگ کیا انہیں جمع اور مرتب کیا اور آخر میں ایک انڈکس کا اضافہ کیا جو مکاتیب میں شامل آیات کریمہ، احادیث شریفہ، ابواب کتب احادیث، شخصیات کتابیات اور مقامات سے متعلق ہے۔ کتاب کے آغاز میں مولانا ابوالحسن ندوی کے قلم سے ایک مقدمہ ہے۔ جس میں مکاتیب علمیہ کی اہمیت اور افادیت بتائی گئی ہے۔ مکتوبات علمیہ کا یہ مجموعہ مولانا محمد شاہد نے ۱۳۹۳ھ میں شائع کروایا جس کا سائز ۱۸×۲۲ ہے اور کل صفحات 65 ہیں پاکستان میں یہ کتاب ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی نے شائع کی ہے۔

کتاب میں صحاح ستہ کے متعلق ۲۱ سوالات جمع کیے گئے ہیں جن کا مولانا زکریا نے بڑی تحقیق اور جانفشانی سے محدثانہ حیثیت سے جوابات دیئے ہیں ان کے علاوہ اٹھاون خطوط، متفرق مضامین اور مختلف النوع اشکالات پر مشتمل ہیں اس طرح پوری کتاب ۸۰ مکاتیب کا مجموعہ ہے۔

مرتب نے کتاب کے "حرف اولین" میں اس کی مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔[۴۴]

۱۔ مرتب کردہ سوالات کتاب کی ترتیب کے مطابق جمع کر دیئے گئے ہیں مثلاً پہلا سوال وہ لکھا گیا ہے جو بخاری شریف کے صفحہ نمبر ۲۴ پر ہے جبکہ دوسرا وہ نقل کیا گیا ہے جو صفحہ نمبر ۷۴ پر ہے۔

۲۔ سوالات صحاح ستہ کی ترتیب پر جمع کئے گئے ہیں اس طور پر کہ پہلے ان سوالات کو لیا گیا ہے جو بخاری شریف کے متعلق ہے، پھر مسلم شریف کے سوالات ذکر کئے گئے ہیں بعد ازیں ابوداؤد شریف، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے سوالات ہیں۔

۳۔ جن سوالات کا تعلق صحاح کی کسی کتاب سے نہیں ان کو متفرقات کے زیر عنوان لکھ دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ محض علمی فقہی فوائد کی حد تک ہیں یا ان کا کسی اور کتاب سے تعلق ہے۔

۴۔ سوالات و جوابات میں ذکر کردہ تمام ماخذ کی مراجعت کی گئی اور اس کی صحت کا اطمینان کرنے کے بعد حاشیہ پر اس کا صفحہ اور جلد نمبر تحریر کر دیا تاکہ رجوع الی الاصل میں دشواری نہ ہو۔

۵۔ مولانا محمد عاقل صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے ان کا مکاتیب پر نظر ثانی کی پھر کتاب کے آخر میں "مکتوبات علمیہ ایک

نظر میں کے عنوان سے ان تمام آیات اور احادیث کو جمع کیا گیا جو زیر بحث آئی ہیں۔

مولانا محمد زکریا کی غیر مطبوعہ کتب

مولانا محمد زکریا نے آپ بیتی نمبر ۲ میں صفحات ۱۳۹ تا ۱۴۹ اپنی غیر مطبوعہ کتب کی مندرجہ ذیل فہرست دی ہے :۔

تقریر مشکوٰۃ

یہ حضرت نے اپنے تدریس مشکوٰۃ کے زمانے میں مرقاۃ اور دیگر شروح وحواشی سے ملخص کر کے تحریر فرمائی ہے بہت سے اہل علم و مدرسین نے اس کی نقلیں لی ہیں یہ ایک حد تک مکمل شرح ہے۔

شذرات الحدیث

صحاح ستہ، موطئین، طحاوی اور ہدایہ وغیرہ کتابوں کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے الگ الگ کاپیاں بنائی تھیں شروح حدیث میں اگر کوئی اہم بات اثناء مطالعہ گزرتی تو متعلقہ کاپی پر نوٹ فرما لیتے۔ حضرت کی بعض مطبوعہ تالیفات میں "کذا فی الشذر" اور "البسط فی الشذر" کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں۔ اس سے مراد یہی کتاب ہے۔

شرح الفیہ اردو

کل تین جلدیں ہیں۔ پہلا جزو مفصل شرح کے ساتھ، جبکہ باقی دو مختصر ہیں۔ اس کی ابتدا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے درس کے دوسرے سال کی جبکہ یہ ۱۸ / شعبان ۲۹ھ پنجشنبہ کو مکمل ہوئی۔

اردو شرح سُلّم

۱۳۴۲ھ میں حضرت شیخ نے مولانا عبد الوحید سے سُلّم پڑھی دوران اسباق ان کے لیکچر نوٹ کر لیتے تھے جو بعد ازیں صاف کر کے لکھ لیتے تھے۔ اس کے دو مسودے ہیں۔

حواشی و ذیل التہذیب

مولانا زکریا نے حافظ ابن حجرؒ کی کتابوں "تہذیب التہذیب"، "تقریب"، "تعجیل" وغیرہ سبھی پر حواشی تحریر فرمائے لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے ہیں۔ اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کروا کر تہذیب کے موافق صفحے ڈالے گئے ہیں تاکہ اس پر تہذیب کا استدراک اور ذیل لکھا جائے۔ مگر تہذیب پر حواشی ذیل کی نسبت زیادہ لکھے

گئے ہیں۔

معجم المسند الامام

مسند احمد کی روایات ترتیب صحابہ پر ہیں جس میں حدیث کی تلاش بہت مشکل کام ہے۔ پیش نظر رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کرام رضی کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے۔ جس میں ہر صحابی کی روایت مع جلد و صفحہ درج ہے اس رسالہ سے احادیث کی تخریج بہت آسان ہوگئی ہے۔

جزء المبہمات فی الاسانید والروایات

اسانید و روایات احادیث میں بہت سے مبہم نام آتے ہیں۔ حضرت نے ان سب کے نام دوسری احادیث میں تلاش کر کے لکھنے شروع کئے۔ اچھا خاصہ ذخیرہ ہوگیا۔ ان میں تہذیب، تقریب وغیرہ میں آنے والے مبہمات کو چھوڑ دیا گیا۔

سیرت صدیق رضؓ

یہ رسالہ حضرت صدیق اکبر رضؓ کی سوانح میں رسالہ "الصدیق" (جو کہ غالباً مظاہر علوم سے ہی نکلتا تھا) والوں کے اصرار پر قسط وار لکھا گیا مسودہ تو بہت ہوگیا تھا لیکن مکمل طباعت کی نوبت نہ آئی تھی کہ پرچہ ہی بند ہوگیا۔

رسالہ فرائد حسینی

حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی حضرت شیخ کے ہاں تشریف آوری پر اکثر علمی تذکرہ بھی ہوتا تھا۔ اس میں قابل حفظ مضامین حضرت شیخ رح نے ایک رسالہ میں جمع کر دیئے ہیں۔ نہایت عمدہ مضامین ہیں۔

حواشی کلام پاک

حضرت شیخ کا معمول ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۸۵ھ تک رمضان المبارک کی راتوں میں سونے کا نہ تھا۔ تراویح کے بعد سے تہجد تک ترجمہ کے تدبر و تفکر سے کلام پاک پڑھتے تھے۔ پیش آمدہ اشکال کو تفاسیر سے رجوع کر کے بین السطور کے حواشی پر لکھ لیتے تھے، اس طرح یہ حواشی ایک مکمل تفسیر کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

شرح عربی جزری

۲۵ھ میں اپنے استاد المقری الشہیر استاذ الاساتذہ قاری حسن شاعر کے حسب حکم عربی میں تحریر فرمایا

مقدماتِ کتب حدیث

مقدمۃ الکتاب تمام کتبِ صحاح نیز شمائل ترمذی، طحاوی وغیرہ کے تحریر فرمائے جن میں اس کتاب کی مناسب خصوصیات، مصنف اور اسکے احوال مذکور ہیں۔

اصولِ حدیث علی مذہب حنفیہ

مسلکِ حنفیہ پر اصولِ حدیث کا ایک متن تحریر فرمایا اور اس کی ابتداء ۸ رجادی الاول ۲۲ھ کو کی جبکہ ۱۰ رجادی الاول کو مکمل کیا۔ لیکن اس پر حواشی کا سلسلہ ۲۸ ہجری تک چلتا رہا۔

الوقائع والدہور

مولاناؒ نے ۲۵ محرم ۲۲ھ کو یوم جمعہ سے ابتدا کی اور ۸۸ھ تک لکھتے رہے۔ اس کی کئی جلدیں ہیں۔ جلد اول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور جلد ثانی میں خلفائے راشدین کے، جلد ثالث میں سلاطین بنی امیہ وغیرہ کے اور ان کے بعد والوں کے حالات تحریر کئے ہیں اس کا سلسلہ بھی ۸۸ھ تک چلتا رہا اور جو بھی نیا واقعہ شیخؒ کو ملتا رہا وہ اس کی متعلقہ جلد میں شامل کرتے رہے۔

المؤلفات والمؤلفین

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نادر کاوش معروف کتب حدیث وفقہ، اور معروف مولفین کے حالات اور ان کے احوال کے مواضع جن کتابوں میں ملتے انکے حوالوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا یکم جمادی الثانی ۲۹ھ سے ہوئی جب کہ ۸۸ھ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اور جو بھی نیا واقعہ شیخ کو ملتا رہا، متعلقہ جلد میں شامل کرتے رہے۔

تمیز المؤلفات م المؤلفین

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں مولفین کے نام اور بہت مختصر حالات جمع کئے ہیں اور تفصیل کے

لیے رسالہ بالا کا حوالہ لکھ دیا گیا۔

جزء المعراج

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج شریف پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس کے اکثر جزو مکمل موجود ہیں جبکہ حضرت تمام رسالہ کی حسب خواہش تکمیل نہ کر سکے۔

جزء وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوصال کی ابتدا، دن، تاریخ، ازواج مطہرات کے ہاں دورے اور آخر میں حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف آوری، مرض کی شدت وغیرہ احوال کی روایات جمع کی گئیں ہیں مگر تکمیل نہ ہو سکی۔

رسالہ در احوال قراء سبعہ

اس میں قراء سبعہ اور ان کے چودہ شاگردوں کے احوال مختصراً بیان فرمائے۔

رسالۃ التقدیر

مسئلہ تقدیر پر مشتمل ہے۔ یہ حد حیرت انگیز واقعات و افکار کا مجموعہ ہے۔

حواشی اصول الشاشی

اصول الشاشی و ہدایہ وغیرہ حضرت نے ۱۳۵۵ھ میں شروع کیں اور کئی مرتبہ پڑھائیں اور ہر دفعہ ان پر حواشی کا اضافہ فرماتے رہے۔ چونکہ ہمیشہ اپنی ذاتی کتب پر پڑھاتے تھے۔ لہذا ہر کتاب پر حواشی موجود ہیں۔

حواشی مسلسلات

مسلسلات پر ۱۳۸۷ھ سے شروع کر کے ۱۳۸۰ھ تک حواشی لکھتے رہے۔ اور اس کی تحریلات کو جو کثرت مسلسل با ہم و فیہ ہیں نقیں، نقشہ بنا کر دوبارہ، سہ بارہ طبع کروایا۔ اس کے رجال پر مستقل علیحدہ کلام لکھا جس کو "رجال المسلسلات" سے موسوم فرمایا۔

جزء مکفرات الذنوب

احادیث شریفہ میں جن جن اعمال کو کفارۂ ذنوب بتایا گیا ہے ان سب کے مجموعہ احادیث کو اختصاراً جمع فرما دیا۔

جزء ملتقط المرقاۃ

جب مشکوٰۃ مستقل پڑھائی شروع کی تو ۲۹ ذی الحجہ یوم الاثنین سے اس رسالہ کی ابتداء فرمائی۔ اس میں مرقاۃ کو دیکھتے ہوئے جو خصوصی قابلِ حفظ مضامین تھے۔ ان کو نوٹ فرمالیتے تھے۔ سو یہ مجموعہ مکمل ہو گیا۔

جزء ملتقط الرواۃ عن المرقاۃ

یہ رسالہ بھی ذی قعدہ ۲۱ ہجری کے آخر میں جمعہ کو شروع کیا گیا۔ اس میں حضرت نے ان رواۃ کو جمع کیا تھا جن پر ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کچھ کلام کیا ہے۔

جزء المناط

احادیث میں مناط کا مسئلہ بہت اہم اور ائمہ مجتہدین کے اختلافات کا زیادہ مدار مناط ہی ہے۔ جس پر تنقیح المناط اور تحقیق المناط، تخریج المناط کے ابحاث اور فروع ذکر کئے گئے ہیں۔

رسالہ مجددین ملت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ "میری امت میں ایک مجدد پیدا ہوگا۔ جس کے متعلق ہر زمانہ کے محققین نے اپنی اپنی تحقیق کے موافق اکابر امت میں جو مجدد بتائے گئے ہیں ان کی فہرست لکھی ہے۔ اس رسالہ میں حضرت شیخ نے ان سب اکابر کے اقوال جو مختلف زمانوں میں مختلف اکابر نے لکھے ہیں چودھویں صدی تک جمع فرمائے ہیں۔

جزء صلوٰۃ الاستسقاء وغیرہ

ان تینوں مسئلوں میں روایات و تواریخ میں اختلاف ہیں کہ ان کی ابتدا کب ہوئی کتنی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے یہ نمازیں پڑھیں۔ اور اس بات میں بھی اسی طرح اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں کہاں کہاں پڑھیں اور ان تینوں رسالوں پر ان تینوں نمازوں کی روایات کو جمع کرتے ہوئے اپنی طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض روایات کو ترجیح بھی دی ہے۔

جزء ما قال المحدثون فی الامام اعظم رح

یہ کئی جز کا رسالہ ہے۔ جس میں حضرت شیخ رح نے حضرت امام اعظم رح کی شان میں ائمہ محدثین کے اقوال جرح و تعدیل اور ان پر کلام نقل کیا ہے۔

جزء تخریج حدیث عائشہ رض فی قصہ بریرہ رض

حضرت عائشہ رض کی احادیث حضرت بریرہ رض کے قصہ میں مختلف وارد ہوئی ہیں۔ "جزء تخریج حدیث حضرت عائشہ فی قصہ بریرہ رض" اس رسالہ میں ان سب کو جمع کیا گیا ہے تاکہ قاری کو بیک نظر جملہ اختلافات معلوم ہو جائیں۔

جزء امراء المدینہ

اکثر روایات میں امیر مدینہ کی عبارت سے واقعات "قال امیر المدینۃ کذا نص امیر المدینہ کذا" اس رسالہ میں امرائے مدینہ کے ناموں کی تعیین اور ان کے زمانہ امارت کی ابتدا و انتہا جمع کی گئی ہے تاکہ واقعات میں امیر کی تعیین ہو سکے۔

تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ:۔

ابن قتیبہ کی مشہور کتاب تاویل حدیث مبوب نہیں ہے، کیف ما اتفق احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ رح نے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر اس کی تبویب کی تھی۔ یہ ۵ جمادی الاول ۱۳۸۲ھ شب جمعہ کو لکھی گئی۔

جزء طرق المدینہ

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے چار مشہور راستوں، سلطانی، فرعی، فائر اور شرقی کی تفاصیل اور مختصر حالات کا

بیان نیز ان کی منازل مذکور ہیں۔

جزء الجہاد

اس میں جہاد کی تعریف، اس کی شرائط، امارت اور خلیفہ شرعی کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔

جُزء ما یشکل علی الجارحین

ائمہ جرح وتعدیل کے کلام میں بعض رجال کے متعلق جارحین کے کلام پر کچھ اشکالات پیش آتے ہیں۔ اس رسالہ میں یہ اشکال جمع کیے گئے ہیں۔

جُزء انکحۃ صلی اللہ علیہ وسلم

امہات المؤمنین کے نکاح ناموں کی تفصیل و احوال اور ان عورتوں کا ذکر جن کے نکاح میں اختلاف ہے نیز جن سے خطبہ ہوا مگر نکاح نہیں ان کی تفصیل اور آخر میں حضرتِ فاطمہؓ کے نکاح کا ذکر ہے۔

مشائخ تصوف

اکابر صوفیاء کے مختصر حالات پر مشتمل یہ رسالہ مشائخ چشتیہ کے علاوہ ہے اور اس میں مشہور صوفیائے کرام کے حالات درج ہیں۔

میری محسن کتابیں

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے اصرار پر اور شدید تقاضہ پر حضرت شیخؒ نے ہر دور کی اپنی پسندیدہ کتب پر مشتمل رسالہ تصنیف کرنا شروع کیا تھا جس پر ہر دور کی اپنی پسندیدہ کتب لکھی تھیں۔

نظام مظاہر علوم

مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب مظاہر العلوم کے سرپرست تھے ان کی سابقہ نظامِ مدرسہ کی بابت طلب کردہ معلومات کے جواب میں حضرت نے بہت بڑی تقطیع کے تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل بہت اہم رسالہ لکھا جو کئی ماہ کی تتبع او رتلاش کے بعد لکھا گیا تھا۔ مظاہر العلوم کی نہایت مستند ابتدائی تاریخ تھی۔

جامع الروایات والاجزاء

حضرت شیخ نے ۳۵ھ سے ۳۸ھ کے دوران کتب حدیث کے اطراف لکھنے شروع کیے تھے جن کی روایات کو جامع الروایات کے نام سے جمع کر کے تفاصیل کو اجزاء کے نام سے لکھنا شروع کیا تھا۔ مشکوٰۃ کی ترتیب سے ابتدائی مشکوٰۃ تو مکمل ہوگئی مگر باقی کتب صحاح، موطئین، طحاوی، حاکم، بیہقی وغیرہ کا ایک ضخیم ذخیرہ بھی جمع ہوگیا۔

معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذہبی

تذکرۃ الحفاظ چار جلدوں میں مطبوع ہے۔ اور ہر جلد کی فہرست الگ ہے۔ اور اس میں مشہور لقب اور کنیت سے رواۃ کو ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت نے چاروں جلدوں کی ایک فہرست مرتب کی تھی جس میں ناموں کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے شروع کی تھی اور ہر نام کو اس کے نام کے اعتبار سے اسکے حروف میں لکھا۔

اولیات القیامۃ

اس رسالہ میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ما یسئل یا اول ما یحاسب فرمایا ہے۔ جیسے اول ما یقضی فی الدماء اور اول ما یحاسب العبد یوم القیامۃ الصلوٰۃ، اول الناس یقضی علیہ یوم القیامۃ رجل استشہد الحدیث وغیرہ۔

مختصات المشکوٰۃ

اس رسالہ میں مرقاۃ یا دوسری شروح میں موجودہ مضامین جو کہ مشکوٰۃ شریف کی کتاب کے حل سے متعلقہ ہیں وہ جمع کیے گئے ہیں۔ یعنی احادیث سے متعلقہ مضامین کو چھوڑ کر نفس مضامین کو (جو کہ نفس کتاب سے متعلق ہیں) جمع کیا گیا ہے۔

مشرقی کا اسلام

عنایت اللہ مشرقی کی کتب کے محققانہ مطالعہ کے بعد ان میں موجود متنازعہ عقائد کو ایک

رسالہ میں جمع فرمایا بعد ازیں یہی رسالہ قاری سعید صاحب مفتی مظاہر العلوم کے رسالہ مشرقی کا اسلام (مطبوعہ) کا ماخذ ہے۔

اضافہ براشکال اقلیدس

۱۳۲۲ھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اقلیدس پڑھنے کے دوران اس کے قواعد پر اپنی طرف سے شکلیں بنائیں جس کی کاپیاں اضافہ بر اشکالِ اقلیدس کے نام سے اب تک محفوظ ہیں۔

تقاریر کتبِ حدیث

دورانِ اسباق صحاح مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تقاریر بابت نسائی شریف مختصراً مکمل نقل فرمائیں جبکہ اسباق دیگر کتب از والد ماجد مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ و مولانا خلیل احمد متفرقاً تحریر فرمائے۔

تلخیص البذل

شہرۂ آفاق کتاب "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" کے دوران تحریر حضرتؒ نے اس کا خلاصہ بھی تحریر فرمایا تھا جس میں اسانید پر یا سوائے کسی خاص سند کے بحث نہ فرماتے تھے۔

حواشی بذل المجہود

بذل کی طباعت کے بعد سے ۸۸ ہجری تک ابوداؤد و دیگر کتبِ حدیث میں جو بھی نیا مواد ملتا وہ بذل کے حاشیہ پر تحریر فرماتے۔ یہ اپنی جگہ ایک مستقل ذخیرہ بن گیا۔

جزءِ افضل الاعمال

افضل الاعمال کے بارے میں مختلف روایات کا مجموعہ نیز مشائخ نے ان کے جمع کے متعلق جو توجیہات کیں ان میں سے اکثر منقول ہیں۔

جزء روایات الاستحاضہ

اس میں روایات استحاضہ میں واقع تعارض کی شرح و تفصیل تحریر ہے۔

جزء رفع الیدین

رفع الیدین کے مشہور مسئلہ پر مشتمل تمام روایات کو جمع کیا گیا ہے۔

جامع حدیث ''انما الاعمال'' والی اور اس سے ثابت شدہ بہت سے مسائل اور اس حدیث پر تفصیلی کام ہے

جزء الاعمال بالنیات

اختلافی مسائل رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر وغیرہ کی بابت تفصیل موجود ہے۔ اور اس ضمن میں صحیح طریق کی وضاحت ہے یہ بہت مفصل رسالہ ہے حتی کہ صرف نماز کی چار رکعتوں کے اختلافات ہی ۲۰۰ سے زائد جمع کئے گئے ہیں۔

تقریر نسائی شریف

یہ بہت مفصل تقریر ہے۔ جو حضرت شیخؒ نے ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ میں لکھنی شروع کی اور ساعت مبارکہ آخر ساعت میں یوم الجمعہ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ میں مکمل ہوئی۔ اس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی ایک تقریر جو حضرت شیخؒ نے دوران تلمذ نقل کی تھی اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کی حضرت گنگوہیؒ سے منقول شدہ دو تقریریں ہیں، علاوہ ازیں حضرت امام نسائیؒ کی قال ابو عبد الرحمٰن کی مفصل شرح بھی آگئی ہے۔ مزید برآں سہارنپور کے جید مدرسین و اکابرین مثلاً حضرت مولانا محمد مظہر صاحب وغیرہم کے حواشی بھی شاملِ کتاب ہیں۔ اس تقریر کو اکثر مدرسین نے نسائی شریف پڑھانے کے زمانہ میں نقل کیا۔

تبویب مشکل الآثار

امام طحاوی کی مشکل الآثار چار جلدوں میں ہے۔ اس کی فہرست بھی مسلسل مضامین کے اعتبار سے غیر مرتب ہے۔ اس کی چار جلدوں کو اور ان کی فہرست کو حضرت نے ابواب فقہیہ کے اعتبار سے مرتب کیا تھا۔

ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ :۔

امام ابوداؤد طیالسی نے بھی مسندِ احمد کی طرح سے صحابہ کی روایات صحابہ کرام کے مراتب کے اعتبار سے نقل کی کی تھیں جن سے صرف مراتب صحابہؓ سے واقف شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ حضرتؒ نے ان سب کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے جمع فرمائی۔

تبویب احکام القرآن للجصاص :۔

امام ابوبکر جصاص رازی قدس سرہ کے احکام القرآن کی فہرست قرآن پاک کی ترتیب کے موافق ہے۔ اس سے صرف حافظِ قرآن ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے اس کے مضامین کو حضرت شیخؒ نے علی ترتیب ابواب الفقیہہ مرتب کیا ہے۔

مندرجہ بالا رسائل تو مختلف کتب میں مذکور ہیں مگر اب کچھ ایسے بھی ہیں جن کی بابت ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف ایک جگہ "آپ بیتی" میں ذکر ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"میرے اندازہ میں "مندرجہ بالا کے علاوہ" ابھی ۲۵۔۳۰ رسائل اور بھی ہیں۔ لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنے ہی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائے"۔

مولانا محمد زکریاؒ نے "آپ بیتی" میں اپنی ۸۳ عدد مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات کا تعارف کرانے کے بعد لکھا ہے کہ: "میرے اندازے میں ۲۵۔۳۰ تصنیفات اور بھی ہیں" چنانچہ مولانا محمد شاہد سہارنپوری نے تحقیق و جستجو کی اور ان میں قلمی مسودات بھی شامل فہرست کر لئے ہیں اس طرح مولانا محمد زکریا کے مخطوطات اور مسودات کی تعداد ۱۲۰ بتائی ہے۔ انہوں نے اس فہرست کو رسالہ "یادگار شیخ" سہارنپور شمارہ نمبر ۴۲ جلد ۲ یکم جنوری ۱۹۹۲ء میں شائع کر دی ہے۔

مؤلفات کی خصوصیات :-

آخر میں ہم مولانا محمد زکریا" کی تصنیفات اور تالیفات کے سلسلہ میں اہم خصوصیات اور نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

زندگی بھر تالیفی کام

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا تالیفی سفر جو زمانہ طالب علمی ۱۳۲۹ھ سے شروع ہوا تھا بغیر کسی وقفہ کے قبل وفات تک مسلسل جاری رہا۔ آخری سالوں میں ڈاک کی غیر معمولی کثرت، واردین شبانہ روز ہجوم، گوناگوں امراض کی شدت اور ضعف و نقاہت کے غلبہ کے باوجود آپ کا تالیفی کام جاری رہتا۔ اور کوئی نہ کوئی کتاب یا رسالہ زیر تالیف رہتا یہاں تک کہ آپ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے اور قلم کی ۷۲ سالہ داستان اختتام پذیر ہوئی۔

تحریری اور املائی طریقہ

مولانا کو جب تک صحت و قوت حاصل رہی وہ کسی کی اعانت و مدد کے بغیر ماخذ و مصادر سے مضامین کی تفتیش خود فرماتے اور ترتیب و تسوید بھی خود اپنے ہاتھ سے کرتے لیکن جب سے آنکھ میں نزول آب کی وجہ سے خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تو انہوں نے تصنیف و تالیف کے لیے املائی طریقہ کو اپنایا۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

"آنکھ میں نزول آب کا سلسلہ دسمبر ۱۹۶۰ء سے شروع ہوا تھا، مشغولیت اور آنکھ کے پختہ نہ ہونے کی وجہ سے آپریشن کا معاملہ ملتوی رہا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۷۰ء ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کو علی گڑھ کے مخلصین جن میں حاجی عظیم اللہ صاحب حاجی نصیر الدین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور احباب و خدام کے اصرار پر پہلی مرتبہ علی گڑھ کے مشہور آنکھ کے ہسپتال گاندھی آئی ہسپتال میں داخل ہوئے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء کو دائیں آنکھ کا آپریشن ہسپتال کے مشہور سرجن اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر امراض چشم ڈاکٹر شکلا نے کامیاب طریقہ پر کیا۔ شیخ بغیر علمی مشغولیت اور افادہ و استفادہ کے رہ نہیں سکتے۔ پڑھنے لکھنے کا کوئی سوال نہ تھا جب بولنے کی اجازت ہوئی تو اپنی زندگی کے سبق آموز حالات اپنے اساتذہ و مشائخ کے کمالات اور طرز زندگی۔ اخلاص و ایثار کے واقعات خدام کو سنانے جن کو قلم بند کرنے کا سلسلہ انہوں نے شروع کر دیا۔ اپنے آپ بیتی کا وہ مفید سلسلہ شروع ہوا جو بالآخر سات حصوں میں مکمل ہوا اور جو دور ماضی کے ایک بولتی تصویر اور جیتا جاگتا مرقع بن گیا جو علماء و اساتذہ مدارس اور تازہ واردان بساط علم کے لیے خاص طور

پرچشم کشا اور بصیرت آموز ہے۔ آخری دور میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مخصوص تلامذہ آپ کی نگرانی میں علمی مضامین کی تفتیش و تدوین کرتے اور حضرت شیخ نومیر ان کے مسودہ کی سماعت فرماکر ضروری اصلاح فرماتے۔ الابواب والتراجم للبخاری (۶ جلد) اور جزء حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ کی تکمیل اس طرح ہوئی اس سلسلہ کی آخری کڑی الحل المفہم صحیح مسلم ہے۔ (۶۸)

سفر و حضر میں تالیفی کام

حضرت شیخ کے ہاں تالیف کا سلسلہ سفر و حضر میں برابر جاری رہتا تھا ابتدائی دور میں خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی خاص کر تصنیف ہے بذل المجہود کی طباعت کے سلسلہ میں آپ کو بار بار دہلی جانا ہوتا تھا۔ دو تین دن دہلی رہتے۔ اور بذل کی تصحیح سے جو فرصت کے لمحات میسر آتے شیخ ان کو شمائل ترمذی کی شرح پر صرف کرتے دو تین دن کے بعد واپسی ہوتی تو راوی حاجی محمد عثمان کے پاس دوپہر کھانا میں چھوڑ آتے۔ اس طرح یہ پوری کتاب سفر میں لکھی گئی ۱۳۴۴ھ میں اسکی تالیف شروع ہوئی اور جمادی الاخری ۱۳۴۴ھ شب جمعہ میں پوری ہوئی۔ (۶۹)

تالیفی انہماک

حضرت شیخ کے تالیفی انہماک کی تصویر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس طرح کھینچی ہے۔

"شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمت خلق، یکسوئی اور شدید مصروفیت کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی زندہ یادگار تھی جن کا ایک ایک لمحہ عبادت و خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کے لیے وقف تھا۔ اور جن کے کارنامے دیکھ کر ان کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی اور بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے، اور ان کی روحانیت اور تائید الٰہی کے سوا اس کی کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد کچے گھر میں تشریف لے آتے۔ اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ چائے نوش فرماتے جن کی تعداد پچاس، ساٹھ سے شاید کبھی کم ہوتی ہو بعض دنوں میں اس سے بہت بڑھ جاتی کچھ لوگوں کے لیے ناشتہ کا انتظام بھی ہوتا لیکن اس وقت شیخ کا معمول صرف چائے پینے کا تھا اگر کوئی ایسا عزیز یا اہم مہمان ہوتا یا تھوڑے وقت کیلئے بہار پور آیا ہوتا یا اس سے کوئی ضروری باتیں کرنی ہوتیں، تو تخلیہ کر لیا جاتا اور کچھ دیر وہیں تشریف رکھتے۔ پھر بالا خانے پر اپنے علمی و تصنیفی معمولات

کرنے کے لیے تشریف لے جاتے۔ جاڑے، گرمی، برسات، حوادث، تحریکات اور کسی بڑے سے بڑے معزز مہمان کی آمد کے موقعہ پر بھی اس میں کمتر فرق واقع ہوتا ہو۔ بعض مرتبہ فرمایا کہ حضرت رائے پوری یا ایسے اکابر و مشائخ کی تشریف آوری کے موقع پر میں نے احتراماً اپنا معمول ترک کر دینا چاہا تو سر میں درد ہو گیا، اجازت لے کر تھوڑی دیر کیلئے گیا اور تھوڑا سا کام کر کے واپس آیا اکثر یہ حضرات خود ہی باصرار شیخ کو رخصت فرما دیتے اور حرج گوارہ نہ فرماتے اوپر کی نشست گاہ دیدنی تھی نہ کہ شنیدنی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ تھا گویا در و دیوار اس کے ہیں۔ ان کتابوں کے درمیان پناہ لیتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی پرندہ جو دن بھر غم جنس میں رہا ہے۔ ابھی اپنے آشیانہ میں واپس آ گیا ہے۔ اس وقت اُس کا وہی حال ہوتا جس کی تصویر خواجہ میر دردؔ نے اس طرح کھینچی ہے۔

ع
جانیئے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنے کیلئے یا کسی عزیز مہمان کو ملنے کیلئے جانا پڑتا تو اس کو بمشکل بیٹھنے کی جگہ ملتی چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر ایک طرف آدھ چٹرہ یا چٹائی کا فرش کچھ پرانی شیشیاں اور دواؤں کی بوتلیں گرد جس میں معلوم نہیں کتنے علم کے جواہر اور اخلاص کی تب و تاب ہوتی ہیں۔ ساڑھے گیارہ بجے تک شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ وہاں کام کرتے رہتے اور ان کا یہی چاہنا کہ سوائے نہایت ضروری اور فوری کاموں کے خلل واقع نہ ہو۔ ان اوقات میں ان خاص مہمانوں اور ذکر و شغل کرنے والے عزیزوں کو اجازت ہوتی کہ صحن میں بیٹھ کر ذکر جہر کرتے رہیں وہ کام میں مشغول رہیں۔ اس سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا (۷۰)

تالیفی خوارق

حضرت شیخ کی بعض کتابیں ایسی ہے جن کی تالیف کو خرقِ عادت پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے اس کی ایک مثال رسالہ حجۃ الوداع ہے اس کی تالیف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں ہوئی بزمانہ ۱۳۴۸ھ میں حضرت شیخ کو مشکوٰۃ شریف کا پہلا درس ملا کتاب الحج پر پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ حجۃ الوداع میں معرکۃ الآرا حدیثی و فقہی مباحث کے پیش نظر اس رسالہ کی تالیف کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ۱۴ ربیع الاول شب جمعہ کو ۱۲ بجے اسکی تالیف شروع کی اور شنبہ کی صبح کو اس کی تکمیل ہو گئی۔ حواشی کا اضافہ اگرچہ بعد میں ہوتا رہا لیکن رسالہ کا اصل متن اسی وقت تیار کر لیا گیا تھا حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

آپ تو مشائخ اکابر دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ ایک دن ڈیڑھ رات میں اسکی نقل بھی شامل ہے۔ (۷۱)

رسالہ سودہ کی شکل میں تھا اور بہت سے اکابر نے اسکی نقلیں بھی حاصل کیں لیکن طباعت کی نوبت نہ آئی شعبان ۸۹ھ میں حضرت شیخ کو یکایک اسکی طباعت کا خیال ہوا آنکھوں میں نزول آب کی وجہ سے حضرت شیخ خود لکھنے پڑھنے سے معذور تھے۔ اسلیئے مولانا محمد عاقل اور مولانا محمد سلیمان سے تبییض کروائی اور بین السطور اور حواشی میں جن احادیث اور عبارات کی طرف اشارات تھے ان کو نقل کروایا ۲۹ ربیع الثانی ۹۰ھ پنجشنبہ کو اس کی تبییض مکمل ہوئی۔ بعد میں ایک خواب کی بنا پر اس کے ساتھ رسالہ ثمرات النبی کا اطلاع کروایا جس کی ابتداء ۱۷ جمادی الاول ۹۰ھ بروز چہارشنبہ ہوئی اور ۱۵ رجب ۹۰ھ بروز جمعہ کو اسکی تکمیل ہوئی۔ شعبان ۹۰ھ کو اسکی لیتھو طباعت ہوئی اسی کے ساتھ ٹائپ پر اسکی طباعت ندوۃ العلماء لکھنؤ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ ہوئی مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو ربیع الآخر ۹۹ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مقدمہ کے ساتھ کراچی میں شائع ہوا۔ (۷۲)

خارق عادت تالیف کی دوسری مثال "حکایات صحابہ" ہے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر کی طرف سے حضرت شیخ پر کئی سال سے اصرار ہو رہا تھا کہ ایک رسالہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر تحریر فرما دیا جائے مگر ہجوم مشاغل کی بنا پر حضرت شیخ کو اس کی فرصت نہیں تھی صفر ۵۷ھ میں ابراڑے جاتے ہوئے میرٹھ میں حضرت شیخ پر نکسیر کا شدید حملہ ہوا گھڑوں خون نکل گیا اور بیہوشی کی حالت میں آپ کو سہارنپور لایا گیا کافی عرصہ صاحب فراش رہے اور اطباء نے دماغی کام یکسر بند کرا دیا چنانچہ بیماری کے اس زمانے کو غنیمت سمجھ کر پڑے پڑے حکایات صحابہ لکھنا شروع کر دی جو ۱۲ شوال ۵۷ھ کو پوری ہوئی۔

تالیفی محرکات

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی تالیفات میں فضائل کے رسائل تو اکابر کے اصرار پر لکھے گئے چنانچہ فضائل قرآن مجید اور فضائل درود شریف حضرت مولانا شاہ محمد یاسین صاحب نگینوی کے کہنے پر لکھی گئی۔ فضائل تبلیغ، فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل ذکر فضائل صدقات اور فضائل تجارت حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کے حکم سے لکھی۔ حکایات صحابہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے اصرار پر لکھی، اور فضائل حج حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی کے اصرار پر تحریر فرمائی۔ شروع حدیث کے سلسلہ کی کتابوں میں

حضرت شیخ کا ذوق و اشتغال بالحدیث سب سے قوی محرک تھا اور کتابوں کے انتخاب میں اکابر مشائخ کا اصرار وجہ ترجیح بنتا تھا چنانچہ اوجز المسالک کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ کتاب طلبہ کے اصرار پر لکھی گئی کوکب دری اور لامع الدراری کے حواشی مولانا سید حسین احمد مدنی کے اصرار پہ تحریر فرمائے بعض کتابیں ہنگامی ضرورتوں کی بنیاد پہ تحریر فرمائی مثلاً الاعتدال فی مراتب الرجال قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم رسالہ اسٹرائک وغیرہ اور بعض مقامی مبشرات کی بناء پہ تحریر فرمائے مثلاً رسالہ فضائل زبان عربی اور خصائل نبوی مراثی النبی" ۔ (۷۳)

تالیفی جامعیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں "عام طور پہ جو لوگ علمی اور تحقیقی طرز کے عادی ہوتے ہیں وہ خالص دعوتی و اصلاحی اور عام فہم طرز پر تصنیف و تالیف کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے اور جو دوسری طرز کے عادی ہو جاتے ہیں وہ پہلی طرز میں اس کے آداب و معیار کو قائم نہیں رکھ سکتے لیکن شیخ کی دونوں طرز کی تصنیف مؤثر اور کامیاب ہے پہلے طرز کا نمونہ اوجز المسالک مقدمہ لامع الدراری حجۃ الوداع و عمرات النبی اور علمی و تدریسی رسائل جزء اختلافات الصلوۃ اختلاف الائمہ اور جزء المہمات فی الاسانید الراویات ہیں ۔ دوسری طرز کا نمونہ حکایات صحابہ اور فضائل کے رسائل اور کتابیں ہیں اور ان دونوں طرزوں کی جامع شمائل ترمذی کا ترجمہ شرح خصائل نبوی اس طرح شیخ بیک وقت مصنف و محقق بھی نظر آتے ہیں شارح حدیث و مؤرخ بھی معلوم ہوتے ہیں اور خالص داعی اور مختلف طبقات امت کے ان کی زبان میں مخاطب کرنے والے مصلح بھی نظر آتے ہیں ۔ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔ (۷۴)

مولانا کی جامعیت تالیف کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ کلام حدیث کے علاوہ آپ نے دیگر متعدد علوم پر بھی کتابیں تالیف فرمائی ہے ۔ مثلاً تجوید قرأت ، تفسیر ، کلام و عقائد ، اصول فقہ سلوک و طریقت سیرت سوانح تاریخ وغیرہ اور جامعیت تالیف ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ مولانا جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حتی الوسع اس کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں اور بحث کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہتا جس پہ منقح و مطول بحث نہ فرمائیں ۔ اوجز المسالک اور لامع الدراری میں حضرت کی یہ جامعیت بہت ہی نمایاں نظر آتی ہے ۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ راشد پوری فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار حضرت شیخ

سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اوجز میں اتنے تو مباحث بھر دیئے ورنہ اس کا اوجز رکھا اس کا نام تو طولی المسالک ہونا چاہیے تھا حضرت شیخ نے فرمایا جتنا کثیر مواد میرے سامنے تھا اس کے پیش نظر اس کا نام اوجز رکھا (۷۵) الغرض اوجز میں کمال اختصار کے ساتھ مباحث کا جس قدر استیعاب کیا گیا ہے اسکی مثالیں بہت کمیاب ہیں.

قبولیت عامہ

مولانا زکریا کی تالیفات کو جو قبولیت عطا ہوئی وہ کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں آپ کے فضائل کے رسائل جو تبلیغی نصاب کے نام سے معروف ہیں. دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو بعض حضرات کے اندازے کے مطابق دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں کتب فضائل کا مذاکرہ نہ ہو رہا ہو بلا مبالغہ لاکھوں بندگان خدا اس سے مستفید ہوئے. اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا اور یہ سلسلہ ماشاء اللہ روز افزوں ہے کثرت اشاعت کے لحاظ سے اردو کتابوں میں کوئی کتاب کتب فضائل کی ہمسر نہیں. مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں.

ہمیں سرسری جائزہ اور چند روز میں حاصل کی ہوئی مختصر معلومات کے بعد اب تک ہند و پاک کے تیس ادارے ایسے معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے فضائل کی یہ کتابیں کئی کئی بار طبع کرائیں. اور کتنی ہی ہزار طبع کرائی صرف ادارہ اشاعت دینیات دہلی نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۴ء تک چودہ سالہ عرصہ میں اس کے چوبیس ایڈیشن نکلے ہیں. جن کی تعداد کی مجموعی تعداد 82500 ہوتی ہے. یاد رہے کہ یہ اعداد ان کے یہاں صرف عکسی ایڈیشن کے ہیں ۱۹۶۰ء سے قبل ایک عرصہ تک جو لیتھو پر طبع ہوتا رہا وہ اس شمار سے باہر ہے (۷۶) . واضح رہے کہ یہ تحریر فروری ۱۹۷۹ء کی ہے جب صرف ایک اشاعتی ادارہ کی چودہ سالہ تعداد اشاعت ساڑھے بیاسی ہزار ہے. تو آج تک کے تمام اشاعتی اداروں کی مجموعی تعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے. اور پھر اس کے ساتھ سترہ زبانوں میں ان کے تراجم کی اشاعت اس پر مستزاد ہے.

مولانا موصوف نے اس مقدمہ میں کتب فضائل کے تراجم کا بھی جائزہ لیا ہے اور ہر زبان کے مترجم اور ترجمہ کے محل اشاعت کا بھی تذکرہ کیا ہے (۷۷)

اسلوب تالیف

شیخ نور اللہ مرقدہ کا طرز نگارش نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ جس میں کسی جگہ بھی عبارت کا تکلف نظر نہیں آتا۔ اردو رسائل میں مشکل سے مشکل مضمون کو بھی بڑی صاف اور بے تکلف زبان میں ادا فرماتے ہیں۔ جس کو ایک متوسط درجے کا پڑھا لکھا بھی بلا تکلف سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح عربی کتابوں میں بھی آپ کا انداز بیان ہر قسم کی بناوٹ اور تصنع سے پاک ہے۔ جس سے متوسط استعداد کے طالب علم کو بھی مضامین کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

تالیفات پر نظر ثانی

مولانا زکریا بڑے اہتمام سے اکابر اہل علم سے اپنی تالیفات پر نظر ثانی کرواتے تھے۔ اور ان کے مشوروں کو قبول فرماتے تھے حضرت شیخ نے اپنے اس معمول کا ذکر بہت سی جگہ فرمایا ہے آپ بیتی میں فرماتے ہیں:۔

اس ناکارہ کا معمول اپنی جملہ تصانیف عربی اور اردو میں بھی ہمیشہ یہی رہا کہ ان دونوں اکابر حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری اور مولانا قاری محمد سعید احمد سابق مفتی مظاہر علوم سہارنپوری کی زندگی میں تو بڑے اہتمام سے دونوں کو ہر چیز دکھلاتا تھا۔ (۷۸)

حقوق اشاعت

دور جدید میں حقوق طبع محفوظ کرنے کا مستقل قانون ہے جس کی رو سے کوئی شخص مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب شائع نہیں کر سکتا بڑے بڑے ثقہ لوگ اس قانون سے متاثر ہیں۔ اور ناشرین سے کتابوں کی رائلٹی وصول کرتے ہیں۔ لیکن قدیم اکابر کے یہاں "حق طبع محفوظ" نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ اخباروں میں ایک اعلان شائع کر دیا جس کا مضمون یہ تھا۔

بندہ ناکارہ نے جو رسائل تالیف کئے مثلاً حکایات صحابہ، فضائل نماز وغیرہ نیز جو بھی اس ناکارہ کی تالیف ہے۔ اردو کی ہو یا عربی کی نہ تو اس کا حق تالیف کسی کے لیے محفوظ ہے۔ نہ کسی کو اس کی رجسٹری کرنے کا حق ہے بندہ کی طرف سے ہر شخص کو اجازت ہے۔ جس کا دل چاہے طبع کرالے بشرطیکہ مضامین میں تصرف نہ کریں البتہ یہ درخواست ضرور ہے۔ کہ تصحیح کا جتنی اسے اہتمام کرے (۷۹)

جس زمانے میں مصر میں بذل المجہود کی طباعت ہو رہی تھی۔ اور اس کی تصحیح وغیرہ کے سلسلے میں ہزاروں روپے خرچ کرکے انتظامات

کیے جا رہے تھے۔ تو حضرت مولانا شیخ سلیم صاحب سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ اتنا روپیہ خرچ کر کے اتنے اہتمام سے کتاب طبع کرا رہے ہیں اور اس کی رجسٹری کرائی نہیں اگر اس کا کوئی فوٹو لے کر چھاپ لے گا تو کتاب کی چوتھائی قیمت پر بیچ سکے گا اور آپ کی کتاب رہ جائے گی حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا کریں تو اس کو فوٹو کرانے کی اجرت تو میں خود پیش کر دوں گا اور بعد میں یہ کتاب میری بھی بک جائے گی (۸۵)

چنانچہ دینی کتب کی رجسٹریشن کے بارے میں مولانا ذکریاؒ کا ہمیشہ مسلک رہا ہے کہ یہ چیز شرعاً جائز نہیں اگرچہ بعض دیگر علماء نے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے۔

باب چہارم

تصنیفی و تالیفی خدمات

حوالہ جات و حواشی

۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۳۹

۲۔ ایضاً

۳۔ ندوی تقی الدین، "مقدمہ تقریر بخاری" اردو مکتبہ الشیخ کراچی ص ۱۵

۴۔ "حیات خلیل" از محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری مکتبہ اسلام لکھنؤ بار اوّل ص ۵۲

۵۔ ندوی سید ابوالحسن علی "مقدمہ بذل المجہود"

۶۔ باب جامع الصلوٰۃ تک جلد ثانی ص ۱۹۸

۷۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ کو مکمل ہوئی۔

۸۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۴۷

۹۔ ذکریا، ندوی سوانح شیخ الحدیث ص ۲۴۳

۱۰۔ علمائے مظاہر ج۔ ۲ ص ۱۰۵

۱۱۔ عزیز الرحمٰن مفتی، "ولی کامل" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور ص ۱۶۱

۱۲۔ ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور، شمارہ ۱۱ سنہ ۱۹۳۸ء

۱۳۔ "صدق جدید" لکھنؤ شمارہ ۱۰۔ ۲۲، ربیع الاوّل سنہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱، ۱۲، مئی سنہ ۱۹۳۸ء

۱۴۔ اس قصیدہ کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم نے یہ خط بھی ارسال فرمایا:۔

الی العالم ابن العالم والفاضل ابن الفاضل المحب المحترم مولانا محمد ذکریا اطال اللہ بقاءہ فی طاعتہ آمین' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ایک علمی و قلمی ہدیہ ارسال ہے امید ہے کہ قبول فرمائینگے۔ لاخیل عندک تھدیھا ولا مال فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال گر س قصیدہ کو اپنے خاص حباب کو دکھلائیں اور میرا نام ظاہر نہ فرمائیں تو ممکن ہے کہ مخفی معائب اور اسقام ظاہر ہو جائیں۔ نام ظاہر کرنے کے بعد ممکن ہے کہ کچھ تعلق اور کچھ لحاظ کی وجہ سے احباب کما حقہ تنقید نہ کر سکیں۔ انشاء اللہ العزیز دو چار روز میں حاضر خدمت ہوں گا۔ والسلام۔ اخوکم محمد ادریس غفرلہ از کاندھلہ''

۱۵۔ مقدمہ الکوکب الدری ص۴
۱۶۔ ایضاً
۱۷۔ ایضاً ص۵
۱۸۔ آپ بیتی نمبر۴ ص۴۶
۱۹۔ ماہنامہ "الفرقان" خصوصی اشاعت ص۲۴۹
۲۰۔ مقدمہ لامع ص۳
۲۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد: 'المقدمہ' لجنۃ البیان العربی قاہرہ، ۱۹۶۷ء کتاب العلوم فصل ۶، علوم الحدیث
۲۲۔ ماہنامہ "الفرقان" خصوصی اشاعت ص۲۵۲
۲۳۔ ماہنامہ "الفرقان" اشاعت خاص ص۲۵۹-۲۶۰
۲۴۔ آپ بیتی نمبر۲ ص۱۴۳
۲۵۔ کتب فضائل پر اشکالات ص۴۶
۲۶۔ شاہد سہارنپوری محمد" اکابر کے خطوط"۔ کتب خانہ اشاعت العلوم۔ محلہ مفتی سہارنپور (انڈیا) ص۶۳
۲۷۔ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص۱۵۸ ہم نے ضعیف روایات کا تفصیلی جائزہ باب۵ میں لیا ہے۔

۲۸۔ مقدمہ الحل المفہم ص۳۰

۲۹۔ ندوی، تقی الدین "مقدمہ تقریر بخاری" ص۱۲ تا ۲۰

۳۰۔ دیباچہ خصائل نبوی ص۷

۳۱۔ ایضاً ص۸

۳۲۔ زکریا، محمد "تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات" یحیوی کتب خانہ، سہارنپور ص۱۴

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ تاریخ مظاہر ج۔۱، کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور ص۳۰ بار اول ۱۳۹۲ھ

۳۵۔ تاریخ مشائخ چشت، مجلس نشریات اسلام، کراچی ص۲۲۵

۳۶۔ آپ بیتی نمبر۷ ص۴

۳۷۔ سوانح شیخ الحدیث ص۱۰۵

۳۸۔ عزیز الرحمٰن، مفتی، ولی کامل مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور ص۳۱

۳۹۔ آپ بیتی نمبر۲ ص۱۵۱

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ شاہد، محمد سہارنپوری "علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ج۔۲
پہلی بار ۱۹۸۳ء ص۱۱۲

۴۲۔ زکریا، محمد "الاعتدال فی مراتب رجال" کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور (انڈیا) ص۴

۴۳۔ الاعتدال ص۵-۶

۴۴۔ ایضاً ص۱۹۸

۴۵۔ ولی کامل ص۱۶۳

۴۶۔ سوانح شیخ الحدیث حصہ ۱۹۹

۴۷۔ تبصرہ رسالہ البلاغ کراچی جون ۱۹۷۲ء جلد ۶ شمارہ ۳

۴۸۔ زکریا محمد "اکابر علماء دیوبند" ، ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز فیصل آباد ۱۳۹۸ھ ص ۷

۴۹۔ بعدازیں مولانا جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی بھی مقرر ہوئے۔

۵۰۔ پیش لفظ اختلاف الائمہ

۵۱۔ ماہنامہ "المظاہر" شمارہ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

۵۲۔ زکریا محمد، فتنہ مودودیت ، ، مکتبہ زکریا بیرون تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور ص ۸

۵۳۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۹۶

۵۴۔ مکتوبات شیخ ، ، ج ۲ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور ص ۱۷

نیز فتنہ مودودیت پہلی بار ۱۹۷۵ء رائے ونڈ لاہور ص ۲۲

۵۵۔ مکتوبات شیخ جلد ۳ ص ۸۰

۵۶۔ زکریا محمد "رسالہ اسٹرائیک مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور ص ۱

۵۷۔ رسالہ اسٹرائیک پر مفصل تبصرہ باب "تعلیمی افکار" کے تحت لکھا جا چکا ہے۔

۵۸۔ زکریا محمد، موت کی یاد "مکتبہ دینیات تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور ص ۴ - ۵

۵۹۔ زکریا محمد " داڑھی کا وجوب" مکتبہ دینیات تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور ص ۴

۶۰۔ زکریا محمد " فضائل زبان عربی" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور ص ۱۲

۶۱۔ مکتوب محررہ ۱۳ فروری ۱۹۷۶ء بحوالہ سوانح شیخ الحدیث ؒ ص ۲۴۹

۶۲۔ زکریا محمد معارف شیخ " ج ۱ مکتبہ الشیخ کراچی مرتب محمد شاہد ص ۱

۶۳۔ ایضاً ص ۳۱

۶۴۔ معارف شیخ صـ ۷۸

۶۵۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

۶۶۔ زکریا محمد مکتوبات شیخؒ ج ۳ صـ ۴۳

جمع و ترتیب محمد شاہد ۱۹۷۵ء پہلا ایڈیشن کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور، یو پی (انڈیا)

۶۷۔ شاہد محمد سہارنپور مکتوبات علمیہ حرف اولین۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی صـ ۷

۶۸۔ سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صـ ۱۰۵۔۱۰۶

۶۹۔ آپ بیتی نمبر ۲ صـ ۱۴۴

۷۰۔ سوانح حضرت شیخ صـ ۱۰۱۔۱۰۴۔

۷۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ صـ ۱۴۳

۷۲۔ یوسف لدھیانوی "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء کرام"

دار العلوم العربیہ الاسلامیہ انگلینڈ صـ ۱۹۵۔۱۰۱ ۱۹۸۵ء

۷۳۔ ایضاً صـ ۱۹۶

۷۴۔ سوانح حضرت شیخ صـ ۲۵۲

۷۵۔ مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء صـ ۱۹۸

۷۶۔ شاہد سہارنپوری محمد "مقدمہ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات"

۷۷۔ ایضاً صـ ۱۴۔۴۲

۷۸۔ آپ بیتی نمبر ۵ صـ ۳۶

۷۹۔ مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء صـ ۲۰۲

۸۰۔ ایضاً

باب پنجم
دینی خدمات
علم حدیث میں خدمات
متفرق خدمات

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری،
نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح
اسماء الرجال سا عظیم فن ایجاد کیا ہو۔ جس
کی بدولت آج پانچ لاکھ راویان حدیث
کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے۔"

ڈاکٹر اسپرنگر۔ مقدمہ الاصابۃ

حدیث کے معنی:۔

عربی زبان میں خبر، گفتگو اور بیان کے ہیں خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات سے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ (۱)

وہ اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَاِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ (۲)

بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔

علماء نے "حدیث" کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل یا تقریر کہا ہے۔ نیز اس میں اقوال صحابہ بھی شامل کیا۔ حدیث کے وسیع مفہوم میں اثر، خبر اور سنت کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ گو بعض اہل علم نے سنت سے مراد آپؐ کا عمل اور اس کا بیان حدیث لیا ہے۔ لیکن اکثر محدثین نے حدیث اور سنت کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ اس طرح دینی روایات کا پورا مجموعہ حدیث اور اس کا علم "علم الحدیث" کہلاتا ہے۔ (۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حدیث کی حفاظت اور روایت مطلوب تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ جب گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور خوب وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتے تاکہ سننے والے کو پورا فائدہ حاصل ہو۔ ضروری باتوں کو آپؐ تین تین مرتبہ بھی دہراتے تاکہ حاضرین خوب یاد کرلیں۔ چنانچہ آپؐ نے روایت حدیث کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ (۴)

جو حاضر ہے وہ غائب تک میری بات پہنچا دے۔

نیز فرمایا:۔

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا حَتّٰی یُؤَدِّیَھَا اِلٰی مَنْ لَمْ یَسْمَعْھَا (۵)

اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق عطا کرے جس نے میری بات سنی اور یاد رکھی یہاں تک کہ وہ بات اُس شخص

تک پہنچا دی جس نے اسے نہیں سنا،

اس کے ساتھ آپؐ نے صحت حدیث کی تاکید میں وعید فرمائی،

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (٦)

جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں عارضی طور پر کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ کسی اور شے کا امتزاج و التباس نہ ہونے پائے۔ لیکن جب قرآن اور حدیث کی زبان میں امتیاز کا ملکہ راسخ ہو گیا تو آپؐ نے صحابہ کرام کو کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی چنانچہ کئی ایک صحابہ بلکہ صحابیات نے بھی حدیث کے اپنے اپنے مجموعے تیار کیے۔ رسول اللہؐ کے وصال کے بعد دینی امور کے بارے میں جستجو اور شوق بڑھا اور حدیث کی جمع و تدوین کی ضرورت زیادہ شدت سے محسوس ہوئی تاکہ نئے حالات میں ان سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ اسطرح تدوین حدیث کی عمومی تحریک شروع ہوئی جس کے نتیجے میں احادیث کے مجموعے تیار ہوئے۔ نیز صحیح اور غلط حدیث کی پرکھ یعنی علم درایت کا آغاز ہوا۔ مرور زمانہ سے آپؐ کے اقوال و افعال کے متعلق روایات تعداد اور ضخامت کے لحاظ سے برابر بڑھتی گئیں آپؐ کے وصال کے بعد ابتدائی صدیوں میں ملتِ اسلامیہ میں سیاسی گروہ بندی بھی پیدا ہوئی۔ جو متعدد دینی مسائل پر تھوڑا بہت دینی اختلاف رائے کی صورت میں سامنے آیا لیکن اس سلسلے میں پیدا شدہ تضادات کی چھان بین اور کھرے کھوٹے کی پہچان کے لیے محکم اصول بھی مدون ہونے لگے۔ اور فنِ تطبیق، قیاس اور عقلی تجربہ کی مدد سے جرح و تعدیل کے ائمہ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

شریعتِ اسلامیہ میں قرآن مجید کے بعد حدیثِ نبویؐ کو نص اور ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان پر حضور اکرمؐ کی اطاعت اور اتباع لازمی ہے۔ اطاعتِ رسول کے ضمن میں قرآن مجید میں دو قسم کی آیات وارد ہوئی ہیں۔

اولاً وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اکرمؐ کی اطاعت کو بھی ضروری ٹھہرایا ہے۔ جن کی مثالیں یہ ہیں۔

قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ (۷)

کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۸)

اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جا سکے۔

وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۹)

اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا اور رسول کے حکم پر چلو۔

وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا (۱۰)

اور خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ایسا کرو گے تو بزدل ہو جاؤ گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ (۱۱)

مومنو! خدا کا حکم مانو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔

اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (۱۲)

خدا کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اگر منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اس قسم کی آیات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ان میں دونوں کی اطاعت کو یکساں طور سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ جو اسلوب و انداز اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔ بعینہٖ وہی نہج اور طریق اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

اب دوسری قسم کی آیات پر ایک نظر ڈالتے چلیے جن میں صرف رسول اکرمؐ کی اطاعت ہی کا ذکر ہے۔ جسے دین کی اساس اور بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۱۳)

جو شخص رسولؐ کی پیروی کرے گا تو بے شک اس نے خدا کی پیروی کی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱۴)

اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے۔ اس لیے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۵)

لوگوں سے کہہ دیجیے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تمہیں دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۶)

جو لوگ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان کو ڈرنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو ان پر کوئی آفت آ پڑے یا تکلیف والا عذاب نازل ہو۔

و دیگر متعدد آیات۔ ان آیات سے جو نکات نکھر کر نظر کے سامنے آتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اطاعتِ رسولؐ دین کی اتنی اہم اساس ہے کہ اس سے انکار کفر کا موجب ہے۔

۲۔ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت رحمتِ الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔

۳۔ کسی دینی و فقہی مسئلے میں اختلاف رائے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ آخری ہے

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کے پیغام پر ایمان کے تقاضے اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جبکہ حضورؐ کی اطاعت کو جزو جان

بنایا جائے۔

۵۔ اطاعت رسول سے روگردانی اعمال کے ضائع ہو جانے کی موجب ہے۔

۶۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہم معنی ہے۔

۷۔ ہر پیغمبر اس لیے مبعوث ہوا ہے کہ لوگ اس کے نقش قدم پر چلیں۔

۸۔ محبت الہی صرف اطاعت رسول ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۹۔ جو لوگ آپؐ کی مخالفت میں سرگرم ہیں، ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

۱۰۔ ایمان اسوقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اوامر کو پورے اخلاص سے تسلیم نہ کیا جائے قرآن فہمی کیلئے بھی حدیث کی ضرورت ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۱۷)

اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن کریم) کو نازل کیا تا کہ آپ نازل کردہ کتاب کی تشریح کریں۔

یہ آیت واضح کرتی ہے۔ رسول کریمؐ کی حیثیت محض ایک پوسٹ مین کی نہ تھی کہ قرآن لائے اور امت کے حوالے کر کے رخصت ہوئے بلکہ آپؐ قرآن حکیم کے شارح اور ترجمان بھی تھے۔ آپ نے اپنے قول و عمل سے قرآن حکیم کے اجمال کی تفصیل بتائی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ مثلاً قرآن مجید میں اقیموا الصلوٰۃ کا حکم ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کی عملی صورت کیا ہے؟ اس کے اوقات، تعداد رکعات اور قیام، رکوع اور سجود کی ترتیب کیا ہے؟ پھر اس کے شرائط و ارکان کیا ہیں؟ نیز نماز میں پڑھی جانے والی دیگر ادعیہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب باتیں رسول کریمؐ نے بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (۱۸)

نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

اسی طرح دوسری عبادات زکوٰۃ، روزہ اور حج کا معاملہ ہے۔ پھر معاشرتی مسائل میں قرآن حکیم نے دو بہنوں کے ساتھ بیک وقت نکاح کرنے سے منع فرمایا لیکن حدیث میں پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی کے ساتھ بیک وقت نکاح سے روک دیا گیا ہے

نیز جن عورتوں کے ساتھ نسبی تعلقات کی بنا پر نکاح حرام ہے۔ رضاعی تعلقات کی بنا پر بھی ان کے ساتھ نکاح حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ مثلاً رضاعی ماں، رضاعی بہن وغیرہ

ان مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حدیث کے بغیر رسالت پر ایمان ناقابلِ فہم اور ناقابلِ عمل ہے۔ اس طرح حدیث کو ترک کرنا اسلامی فقہی اور شرعی ورثہ سے محروم ہونا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سنت کو شریعت کا ماخذ قرار دیا چنانچہ عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں مذکور ہے۔

خبردار! خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے۔ اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن باتوں سے منع کیا ہے۔ وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں۔ بلکہ قدرے زیادہ، اللہ نے تمہارے لیے ہرگز یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں اجازت کے بغیر گھس جاؤ۔ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو یا ان کے پھل کھا جاؤ جبکہ وہ اپنے واجبات ادا کر چکے ہوں۔" (۱۹)

خلفاء راشدین بھی حدیث کو یہی حیثیت دیتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ آپ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا تو آپ پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرتے۔ اگر وہاں نہ ملتا تو سنتِ رسولؐ میں اس کی نظیر تلاش کرتے بعض اوقات آپ اعلان کرتے کہ اگر کسی کو آنحضرتؐ کا طرزِ عمل یا فیصلہ خاص اس معاملہ کے متعلق معلوم ہو تو بتائے۔ پس کر لوگ جمع ہو جاتے اور آپؐ کی احادیث بیان کرتے تب حضرت ابوبکرؓ فیصلہ کرتے اور تشکر کے طور پر یہ الفاظ ارشاد فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْنَا مَنْ یَّحْفَظُ سُنَّةَ نَبِیِّنَا ۔ (۲۰)

خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کیے جو ہمارے نبی کی سنت کو یاد رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل بھی احادیث کے بارے میں وہی تھا۔ جو حضرت ابوبکرؓ کا تھا آپ نے خلیفۂ وقت ہونے کی حیثیت سے

قاضی شریح کو ایک خط بدیں مضمون لکھا تھا،

" اگر آپ کتاب اللہ میں کوئی حکم پائیں تو اس کے مطابق فیصلہ کریں، اس کی موجودگی میں دوسری چیز کی طرف توجہ نہ دیں، اگر کسی معاملہ کا حل کتاب اللہ میں نہ ملے تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کریں جس پر اجماع منعقد ہو چکا ہو" (۲۱)

حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے لیکن ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہ بنت مالک نے اپنا واقعہ پیش کیا کہ میرا شوہر قتل ہو گیا تھا، میں نے رسول کریمؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے شوہر کے مکان پر عدت گزارنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس روایت کے مطابق فیصلہ کیا۔ (۲۲)

اسی طرح حضرت علیؓ کے پاس چند مرتد لائے گئے تو آپ نے ان کو جلانے کا حکم دیا،

حضرت ابن عباسؓ نے حدیث پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

" کسی کو آگ کا عذاب نہ دو" (۲۳)

حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا ابن عباسؓ سچ کہتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کا تمسک بالحدیث بھی معروف ہے۔ امام بیہقی " المدخل" میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے نقل کرتے ہیں، کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ فرماتے سنا،

اِذَا جَاءَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَعَلَی الرَّأْسِ وَالْعَیْنِ

جو بات آنحضورؐ سے منقول ہو وہ بسر و چشم تسلیم ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی منقول ہے۔

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ (۲۴)

جب صحیح حدیث موجود ہو تو میرا مذہب وہی ہے۔

" امام مالکؒ نے روضۂ نبویؐ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا،

ہر شخص کی بات تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اگر صحیح ہو اور اسے ٹھکرایا بھی جا سکتا ہے۔ (جبکہ درست نہ ہو) مگر اس روضہ والے کی بات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔" (۲۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهٗ سُنَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ

اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جب رسول کریمؐ کی سنت سامنے آجائے پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کو کسی شخص کے قول کی بنا پر ترک کر دیا جائے۔ (۲۶)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں،

مَنْ رَدَّ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ عَلٰى شَفَا هَلَكَةٍ (۲۷)

جس نے رسول کریمؐ کی حدیث کو رد کیا، وہ تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔

الغرض اسلامی شریعت کا پہلا سرچشمہ اللہ کی کتاب اور دوسرا ماخذ حدیث نبویؐ ہے۔ حدیث رسولؐ قرآن کریم کے مجمل احکام کی شرح و توضیح کرتی ہے قرآن مجید کی طرح حدیث نبویؐ بھی نص شرعی ہے۔ اور تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک واجب العمل ہے۔

دینی اہمیت کے علاوہ حدیث نبویؐ کو تاریخی، اجتماعی، ثقافتی اور قانونی اہمیت بھی حاصل ہے۔ عہد نبویؐ کے تاریخی اور اجتماعی حالات، عہد رسالت کے مسلمانوں کی ثقافت و تمدن سب کچھ حدیث کی بدولت محفوظ ہے۔ حدیث نبویؐ آنحضورؐ کے سیر و سوانح اور حضورؐ کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے حدیث نبویؐ اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ہادی و مرشد کے کوائف و احوال سے جو اعتناء کیا اور ان کے تحفظ و احیاء میں جس جانفشانی و عرق ریزی سے کام لیا۔ دنیا کی کوئی قوم اپنے قائد و مصلح سے ایسا سلوک نہ کر سکی۔ مسلمان اپنے اس عظیم کارنامہ پہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسپرنگر نے درست کہا ہے۔

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ راویانِ حدیث کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔" (۲۸)

علم حدیث اور عرب :۔

تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعے سے پہنچا وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پھیلا اس کو عربوں کے مزاج ، ان کی قوتِ حفظ ، ان کی عقیت ، حقیقت پسندی اور ذات نبوی ؐ سے گہری وابستگی سے خاص مناسبت تھی ۔ وہ جہاں گئے علم حدیث بھی لیتے گئے اور ان کی قیادت کے دور میں اس کے ساتھ پورا اعتناء کیا گیا اور اس کے درس اور اس کے مختلف پہلوؤں پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہا ۔ یمن ، حضرموت ، مصر و شام عراق شمالی افریقہ اور اندلس جیسے ملکوں کا یہی حال ہے ۔ خود ہندوستان میں صوبہ گجرات اس کی مثال ہے جس نے شیخ علی متقی برہان پوری صاحب کنز العمال) (م ۹۷۵ ھ) اور شیخ محمد طاہر پٹنیؒ صاحب مجمع بحار الانوار) (م ۹۸۶ ھ) جیسے بلند پایہ محدث پیدا کئے ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ گجرات کا تعلق حجازِ مقدس سے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں زیادہ رہا ، اور علمائے عرب کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا ۔

لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعے اسلام پہنچا وہاں یہ حال نہیں ہندوستان میں ترک النسل یا افغانی النسل خاندان نے حکومتیں قائم کیں ، اور ان مشائخ اور علماء کے ذریعے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی ۔ جن میں بیشتر عجمی نژاد اور ایران اور ترکستان کے باشندے تھے ۔ پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس ، مدارس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا تو اس پر عجمی فضلاء اور "دانشمندانِ ایران" کا پورا اثر پڑ چکا تھا ۔ ایران کا حدیث سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا ، اس لیے اس کے ذریعے سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و منزلت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرا ہوتا جاتا تھا ۔ حدیث سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی ۔ بارھویں صدی ہجری جس میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ظہور ہوا ، اس کا نقطۂ ارتقاء تھا ۔

ہندوستان میں علم حدیث :۔

ہندوستان میں علم حدیث کے عروج و زوال کا جائزہ لینے کیلئے ہم یہاں حکیم سید عبدالحئی صاحب کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں سینکڑوں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ آگیا ہے۔

"جب سندھ میں عربوں کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کے بجائے غزنوی اور غوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے اور خراسان ماوراء النہر سے سندھ میں علماء آئے۔ تب علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ معدوم ہوگیا اور لوگوں میں شعر و شاعری فن نجوم، فن ریاضی اور علوم وغیرہ میں اصول فقہ کا رواج زیادہ ہوگیا۔ یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی یہاں تک کہ علمائے ہند کا خاص شغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا۔ اور علم تفسیر و حدیث سے غفلت برتی گئی مسائل فقہیہ کے سلسلہ سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب و سنت میں آجاتا تھا۔ بس اسی مقدار پر قانع تھے۔ فن حدیث میں امام صنعانی کی "مشارق الانوار" کا رواج تھا اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تھا تو امام بغوی کی مصابیح السنہ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تھا اور ایسے شخص کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محدث ہوگیا ہے۔ اور یہ سب محض اسلئے تھا کہ لوگ عام طور پر ہندوستان میں اس فن کی اہمیت و مرتبت سے ناواقف تھے۔" (۲۹)

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس علم کی اشاعت کا انتظام فرمایا۔ دسویں صدی ہجری میں بعض علماء ہندوستان آئے اور ان کے ذریعہ یہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا۔ مثلاً

شیخ عبدالمعطی مکی بن حسن بن عبداللہ باکثیر متوفی باحمد آباد ۹۸۹ھ

شہاب احمد مصری بن بدرالدین، متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ

شیخ محمد فاکہی حنبلی بن احمد بن علی متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ

شیخ محمد مالکی مصری بن محمد عبدالرحمان متوفی باحمد آباد ۹۱۹ھ

شیخ رفیع الدین حسنی شیرازی متوفی با کبر آباد ۹۵۲ھ

شیخ ابراہیم بغدادی بن احمد بن حسن

شیخ ضیاء الدین مدنی مدفون ساکوری ضلع لکھنؤ۔

شیخ بہلول بدخشی، خواجہ میرکلاں ہروی متوفی باکبرآباد ۹۸۱ھ

اور دیگر علمائے کرام

ہندوستان کے کچھ علماء نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا اور وہاں انہوں نے فن حدیث شریف حاصل کیے اور اس فن کو لے کر ہندوستان واپس تشریف لائے اور عرصہ دراز تک گجرات میں درس حدیث دیتے رہے پھر دوبارہ حجاز ہجرت کر گئے۔ شیخ یعقوب بن حسن کشمیری (متوفی ۱۰۰۳ھ) ، شیخ جوہر کشمیری (متوفی ۱۰۲۶ھ) شیخ عبدالغنی گنگوہی بن احمد، شیخ عبداللہ سلطان پوری بن شمس الدین، شیخ قطب الدین جاسی گجراتی شیخ علیم الدین مانڈوی، شیخ سمر ابراہیم بن داؤد مانپوری مدفون باکبرآباد، شیخ محمد طاہر بن علی پٹنی مصنف "مجمع بحار الانوار" شیخ عبدالاول حسینی بن علی بن العلاء الحسینی اور دوسرے علمائے کرام" (۱۴۰)

عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ :۔

بعد ازیں فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بن سیف الدین بخاری (متوفی ۱۰۵۲ھ) کو منتخب فرمایا انہوں نے دار السلطنت دہلی میں مسند درس آراستہ فرمائی ان کی مجلس درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی، اور بہت سی کتابیں بھی فن حدیث میں تصنیف فرمائیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس علم کی اشاعت میں بہت جہد وجہد کی۔ ان کی ذات اور ان کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے:۔

"بہرحال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایک ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا" (۱۴۱)

ایک مجدد کی ضرورت :۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اخلاص اور مساعی سے حدیث کی طرف توجہ شروع ہوئی اور انہوں نے اس کے درس و تدریس اور شرح و تحشیہ کا ایک نیا ذوق اور ایک نئی تحریک پیدا کردی لیکن بعض اسباب کی بنا پر ان کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرف وہ رجوع عام اور اس کی اشاعت و درس و تدریس میں وہ جوش و سرگرمی نہیں پیدا ہوئی جس کی توقع تھی۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ ان حضرات پر حدیث کے ذریعہ مذہب حنفی کی تائید کا جذبہ غالب تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ بارھویں صدی کے وسط ہی میں تعلیم و تعلم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا اور وہاں استاذ العلماء ملا نظام الدین سہالوی (۱۱۶۱ھ) کے طاقتور ہاتھوں سے نئے نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی اس نصاب کے واضعین و مصنفین کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہو سکا جو حدیث کے درس و تدریس، نشر و اشاعت کے مرکز تھے اور ان پر علوم حکمت اور علوم دینیہ سے اصول فقیہہ کا غلبہ تھا۔

بہر حال ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ ایک ایسی شخصیت کا منتظر اور محتاج تھا جو حدیث سے عشق کا تعلق رکھتی ہو اور اس کی اشاعت کو اس نے اپنی زندگی کا اولین مقصد قرار دیا ہو۔ ہندوستان کو یہ شخصیت بارھویں صدی کے وسط میں حضرت شاہ ولی اللہ کی صورت میں میسر آئی۔ جس سے اس ملک میں علم حدیث کا چلن عام ہوا اور درس نظامی میں اسے شامل کیا گیا اور درس حدیث کے مستقل حلقے قائم ہو گئے، مدارس میں صحاح ستہ کے درس بالخصوص صحاح اربعہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا۔ اس طرح شروح حدیث کا دور شروع ہوا۔ کتب حدیث کے تراجم ہوئے جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی داں کو، نیز مسلمان خواتین کو بیش بہا فائدہ پہنچا۔ اور عمل کی تحریک اور اتباع سنت، اجازت حدیث اور سند کا شوق ہوا اور ہندوستان اس فن شریف کا ایسا مرکز بن گیا۔ کہ مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا " المنار" کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے۔

ولولا عناية إخواننا علماء الهند	اگر ہمارے بھائیوں علمائے ہندوستان نے اس زمانہ میں
بعلوم الحديث في هذا العصر	علوم حدیث کے ساتھ اعتنا نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں
لقضي عليها بالزوال امصار	مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا تھا۔ اسلئے کہ مصر، شام

الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز — عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں ضعف

منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف — پیدا ہو گیا تھا جو اس چودھویں صدی کے اوائل میں

في أوائل هذا القرن الرابع عشر ، — اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔" (۴۲)

الغرض شاہ صاحب نے حدیث کی اشاعت، درس حدیث کا احیاء، فن حدیث کے ساتھ اعتناء اور اس موضوع پر اپنی محققانہ تصنیف کے ذریعہ ایسا عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا جو ان کے دوسرے علمی کمالات اور دینی خدمات پر ایسا غالب آیا کہ "محدث دہلوی" ان کے نام کا جزء اور ان کے تعارف کا عنوان بن گیا اور زبان و قلم پر "حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ" جاری ہو گیا پھر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں تمام اہل علم کا سلسلہ سند حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک منتہی ہے جیسا کہ مولانا محمد زکریا ؒ نے لکھا ہے۔

"ہندوستان کے اندر کوئی حدیث پڑھنے پڑھانے والا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے نکل کر نہیں جا سکتا ہے۔ میں نے اپنی جوانی کے زمانہ میں بڑی تحقیق کی۔ قادیانیوں اور بدعتیوں اور اسی طرح اہل حدیث کو خط لکھے کہ وہ اپنا سلسلہ سند لکھ کر بھیجیں۔ جس کے پاس سے بھی جواب آیا۔ اس میں منتہائے سند حضرت شاہ صاحب ہی تھے۔ ال یہ دوسری بات ہے کہ باہر جا کر عرب وغیرہ میں تلاش کریں۔" (۴۳)

مولانا زکریاؒ کی سندِ حدیث:۔

گزشتہ صفحات میں درسِ نظامی کے ارتقائی جائزہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں درسِ نظامی کا نصاب رائج ہو چکا تھا۔ جس میں حدیث کا حصہ کمزور تھا۔ جس کی تلافی شاہ ولی اللہؒ نے درسِ نظامی میں صحاح ستہ داخل کر کے کر دی۔ جب مغلیہ سلطنت کو ہندوستان میں زوال آیا۔ تو علماء ربانی نے دینی ورثہ کے تحفظ اور دینی علوم کی بقا کیلئے ہندوستان میں دینی مدارس کا جال بچھا دیا۔ جس میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سرفہرست تھے۔ ان مدارس میں آغاز کار سے ہی علوم حدیث کی تدریس اور اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ مظاہر علوم کے اوّلین سرپرست مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنی وصیت میں تاکید کی کہ حدیث اور فقہ کے پڑھانے پر خصوصی توجہ دی جائے۔ کیونکہ مدارس کی تاسیس کا اصل مقصد یہی ہے۔ نیز فرمایا:

"مدرسین (مظاہر علوم) کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ درباب درس دینیات طلبہ پر تنبیہ رکھیں کہ خوب تدبر کے ساتھ مطالعہ کر کے بحثیں اور فنونِ دینیہ خصوصاً حدیث کا سب اہتمام کریں۔" (۲۴)

چنانچہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے ابتدا ہی سے خدمت حدیث اور علوم حدیث کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی ہے اور اسے ممتاز علماء اور خادمانِ حدیث کی خدمات میسر رہی ہیں جن میں مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا احمد علی سہارنپوری اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد زکریا نے بھی مدرسہ مظاہر علوم میں انہی اساتذہ سے تحصیل علوم حدیث کی جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ درسِ حدیث کا آغاز اپنے والد مولانا محمد یحییٰ سے ۱۷ محرم ۱۳۳۲ھ کو مشکوٰۃ شریف سے ہوا۔ باپ نے بڑے خشوع و خضوع سے طویل دعا کی۔ جبکہ بیٹے کی ایک ہی دعا تھی۔

"یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا۔ اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھیو۔" (۲۵)

مولانا محمد یحییٰ نے مشکوٰۃ شریف اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں پڑھائی۔ جس سے مولانا زکریا میں علم حدیث کا ذوق پیدا ہو گیا۔ پھر ۱۳۳۳ھ میں دورہ حدیث کا آغاز ہوا۔ صحاح ستہ سوائے ابنِ ماجہ کے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ ابن ماجہ مولانا ثابت علی سے پڑھی۔ ترمذی و بخاری، ابوداؤد اور مسلم شریف دوبارہ بڑی محنت سے مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھی۔ اس طرح دورہ حدیث کی تکمیل چار سال میں ہوئی:

سند حدیث :-

لغت میں سند کے معنی معتمد کے ہیں۔ کہا جاتا ہے فلان سند ای معتمدٌ

حدیث کی صحت و ضعف کا مدار سند پر ہے۔ اس لیے راویان حدیث کے سلسلے کو سند کہا جاتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں سند کی تعریف ہے "الطریق الی المتن" یعنی متن حدیث تک پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ سلسلہ سند دین اسلام کی اساس اور امت محمدیہ کا خصوصی امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں نہیں پایا جاتا۔ اہل اسلام میں رسول اللہ ؐ کی ہر بات بالاسناد روایت اور نقل کی جاتی ہے محدثین عظام اور مشائخ کرام کا طریقہ یہی ہے۔ کہ وہ اپنی اسانید علیہ وہاں تک بیان کرتے ہیں جہاں تک وہ معروف ومطبوع نہ ہو۔ ہندوستان کے تمام علماء حدیث کے منتہائے سند حضرت شاہ ولی اللہ ہیں۔ لہذا وہ اپنی سند حدیث حضرت شاہ ولی اللہ تک بیان کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ سے آگے سلسلہ سند مطبوعہ ہے۔ لہذا اس سے آگے بیان نہیں کرتے اس مناسبت سے ہم یہاں مولانا زکریا کا شجرہ علمی اور سند حدیث بیان کرتے ہیں۔ (۳۶)

پہلی سند :-

مولانا زکریا نے باقاعدہ دورہ حدیث اپنے والد مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی سے پڑھا جن کا سلسلہ سند یہ ہے۔

مولانا محمد یحیٰ نے حدیث کی تمام کتب مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھیں اور انہوں نے شاہ عبدالغنی (م ۱۲۹۶ھ) اور انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ ابوسعید اور حضرت شاہ اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) اور ان دونوں نے شاہ عبدالعزیز سے (م ۱۲۳۹ھ) اور انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) سے پڑھی۔

دوسری سند :-

مولانا زکریا نے صحاح ستہ میں سے ترمذی، بخاری، مسلم اور ابوداؤد دوبارہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں جن کا سلسلہ سند یہ ہے۔

مولانا زکریا نے مولانا خلیل احمد سے اور انہوں نے مظہر نانوتوی سے (م ۱۳۰۲ھ) انہوں نے مولانا مملوک علی (م ۱۲۶۷ھ) انہوں نے مولانا رشید الدین بخاری دہلوی (م ۱۲۴۳ھ) اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز سے اور انہوں نے مسند ہند شاہ ولی اللہ سے کتب احادیث پڑھیں۔

تیسری سند

مولانا محمد زکریا کی تیسری سند اجازت کی ہے۔ یہ اجازت نامہ مولانا زکریا کو مولانا عنایت الٰہی سابق مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سے حاصل ہے۔ مولانا عنایت الٰہی (م ۱۳۴۳ھ) نے پڑھا۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی اور مولانا شاہ احمد علی بانی مدرسہ مظاہر علوم سے اور مولانا احمد علی نے پڑھا حضرت مولانا وجیہ الدین سہارنپوری اور حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی سے اور انہوں نے پڑھا شاہ عبد العزیز سے اور انہوں نے پڑھا اپنے والد مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے۔

مذکورہ بالا سندوں کو حسب ذیل نقشے سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے (تقریر بخاری صـ ۵۸)
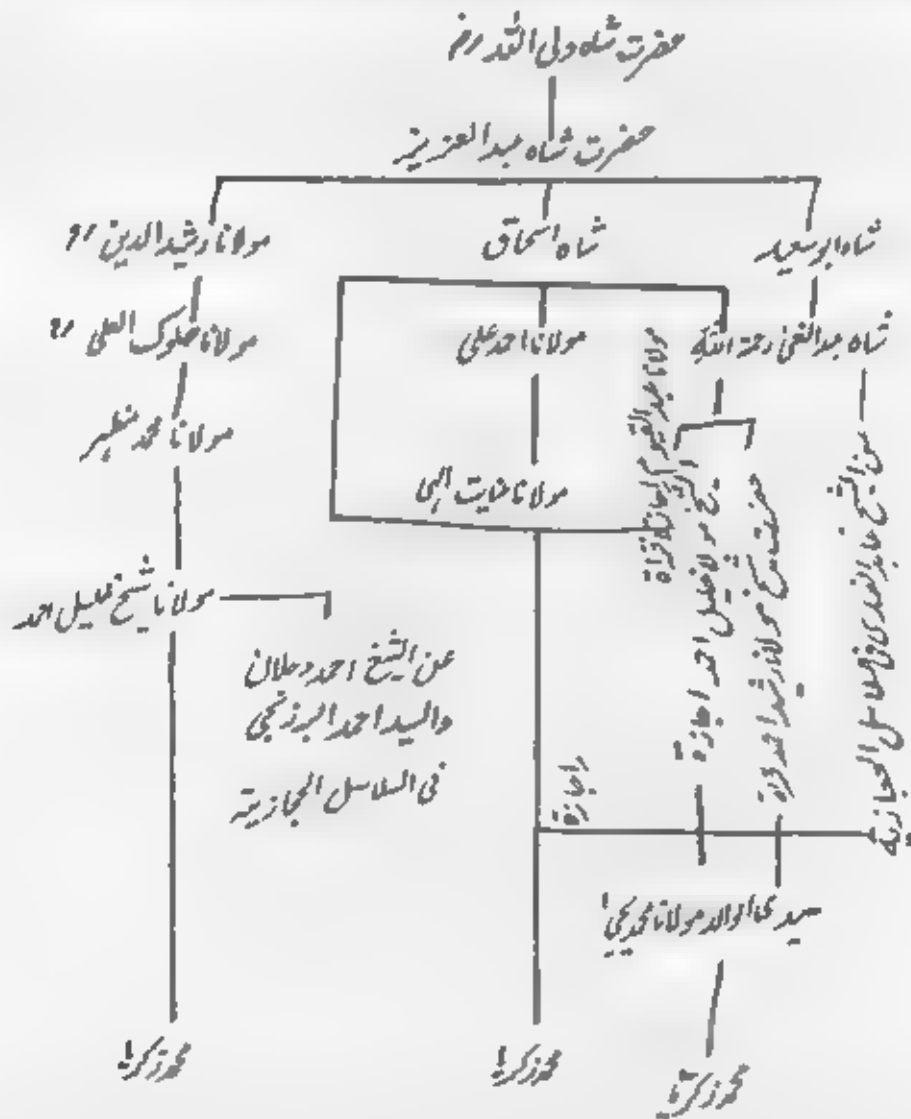
مسند درس حدیث:-

محمد زکریا ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے اور محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سے بیس سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر علوم میں بحیثیت ابتدائی مدرس ملازم ہوئے۔ ۱۳۳۵ تا ۱۳۴۱ ہجری تک مولانا کے ہاں نحو، ادب و فقہ وغیرہ کی کتب زیر تدریس رہیں۔ رجب ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء میں تدریس حدیث کا آغاز ہوا۔ شوال ۱۳۴۱ھ سے شعبان ۱۳۴۴ھ تک مشکوٰۃ زیر تدریس رہی۔ بعدازیں مختلف اوقات میں صحاح ستہ کی تدریس کا موقعہ ملتا رہا۔ اور یہ سلسلہ تدریس حدیث پاک ۱۳۸۸ھ سنہ ۱۹۶۸ء تک جاری رہا۔ انہی ایام میں قیام مدینہ کے دوران مدرسہ علوم شرعیہ کے طلبہ کو ابوداؤد شریف عرصہ ایک برس پڑھائی نیز دیگر کتب حدیث پڑھائیں۔ حتیٰ کہ علمی اور دینی حلقوں میں حدیث سے آپ کے شغف، لگن، اہلیت اور مناسبت کی عام شہرت ہوگئی۔ جس پر آپ کے استاد مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے آپ کی علم حدیث اور فن حدیث میں استعداد اور اعلیٰ صلاحیت کے اعتراف میں آپ کو "شیخ الحدیث" کے خطاب سے نوازا جو بعدازیں آپ کی شخصیت کا اور آپ کی شناخت کا جزو بن گیا۔

۱۳۸۹ھ میں نزول ماء کی بیماری کی بنا پر سلسلہ تدریس بند کرنا پڑا لیکن "مسلسلات" کی اجازت کا سلسلہ آخر تک قائم رہا۔ چنانچہ شیخ الحدیث کے نواسے مولانا سید محمد شاہد آپ کی تدریس حدیث کی خدمات کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"اس چوّن سال مدت (تدریس) میں حضرت والد نوراللہ مرقدہ نے ۳۵ کتابوں کا درس دیا جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف اور ابوداؤد شریف جیسی بلند پایہ کتابیں شامل ہیں۔ ان میں بعض کتابیں بلکہ بھی مکرر، سہ کرر پڑھائیں ....

چنانچہ مشکوٰۃ شریف تین مرتبہ، ابوداؤد شریف تقریباً تیس دفعہ، بخاری شریف صرف جلد اوّل پچیس مرتبہ اور کامل دونوں جلد سولہ مرتبہ پڑھانے کی سعادت ملی۔ (۳۷)

اس طرح مولانا محمد زکریا نے طویل مدت تقریباً ۴۳ سال تدریس حدیث کی خدمت سرانجام دی۔ اور کثیر مخلوق نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن کا سلسلہ ہندوستان سے نکل کر عرب و حجاز تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے طلباء اور مستفیدین دنیا

کے ہر حصے میں اب بھی وقیع دینی خدمات بالخصوص علم حدیث میں انجام دے رہے ہیں۔ (۳۸)

حرمین میں تدریس حدیث:۔

۱۳۸۲ھ سے آپ کا قیام اکثر و بیشتر حرمین شریفین میں ہونے لگا۔ اور ۱۳۸۸ھ سے مستقلاً ہو گیا تو وہاں مستفدین اور تلامذہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ وہ علمائے مصر و حجاز جو ایک طویل عرصہ سے آپ کی تصنیفاتِ حدیث بالخصوص اوجز المسالک شرح موطا مالک سے محظوظ و متمتع ہو رہے تھے اور مصنف کتاب سے ملنے کے خواہش مند تھے۔ ایسے حضرات نے آپ سے اجازتِ حدیث لینی شروع کی اور اتنی کثرت کے ساتھ حضرت شیخ کی طرف ان کا رجوع ہوا کہ اب ان کی صحیح اور تحقیقی تعداد کی تعیین بھی مشکل ہے۔ تاہم بطورِ نمونہ چند علمائے حجاز کے اسماءِ گرامی یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان حضرات نے تحریری طور پر حضرت شیخ سے اجازتِ حدیث لی ہے۔

۱۔ استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ مصلح شیخ مصطفیٰ بن حسنی السباعی استاذ کلیۃ الشریعہ جامعہ دمشق

۲۔ شیخ سلیم بن سالم فلسطینی

۳۔ شیخ سید محمود بن السید نزیر الطرازی المدنی الحنفی۔ استاذ حرم نبوی شریف مدینہ منورہ

۴۔ شیخ محمد احمد شعیب الیمنی المروی المکی۔ استاذ مدرسہ صولتیہ مکہ المکرمہ

۵۔ سید البخاری بن محمد ابراہیم بن سعد اللہ بن علامہ عبدالرحیم الفضلی الحسنی ثم المدنی

۶۔ استاذ سید محمد علوی مالکی، استاذ حرم شریف مکۃ المکرمہ۔ لیکچرار ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکۃ المکرمہ

۷۔ شیخ طٰہٰ برکاتی استاذ مسجد الحرم و رئیس المفتشین مسجد الحرام مکۃ المکرمہ سعودی عرب

۸۔ شیخ سراج احمد برمادی عضو ہیئۃ الامر بالمعروف و نہی عن المنکر، مسجد النبوی الشریف مدینہ المنورہ

۹۔ شیخ القاضی محمد حافظ بن موسیٰ کردی مدینہ منورہ

۱۰۔ الشیخ عبدالقادر علائی بخاری مدینہ منورہ

۱۱۔ ان کے علاوہ دار العلوم حرم، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے متعدد اساتذہ آپ کی جانب سے اجازتِ حدیث

پائے ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اور بھی ممتاز و مشہور علماء نے آپ سے اجازت حدیث لی ہے۔ جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تیئیس ۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ میں علامہ کوثری کے شاگرد رشید شیخ عبد الفتاح ابو غدہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ملاحظہ کرنے کے لیے آئے۔ تو موصوف نے حضرت شیخ زادہ مجدہ سے صحاح ستہ کی اجازت لی اور آنمخدوم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔

۲۔ مولانا محمد زبیر ابن حضرت مولانا انعام الحسن صاحب زادہ مجدہ۔ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں آپ نے مدینہ منورہ میں اوائل صحاح سنا کر اجازت حدیث لی اور آنمخدوم نے اپنے دست مبارک سے سند پر موصوف کا نام تحریر فرما کر اپنے دستخط فرمائے۔

۳۔ مولانا محمد سالم صاحب ابن حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب صاحب زادہ مجدہ مہتمم دار العلوم دیوبند

۴۔ عالم اسلام کی عظیم رہنما شخصیت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اپنی کتاب المسلمون فی الہند میں جامعہ مظاہر علوم کی خدمات حدیث کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وتلي دار العلوم الديوبندية في كثرة الطلبة والاعتناء بالعلوم الدينية مدرسة مظاهر علوم في مدينة سهارنبور التي تأسست في ثلاثة وثمانين ومائتين وهي تشارك دار العلوم في العقيدة والمبدأ والشعار وقد خرجت عدة أكبر من العلماء الصالحين والرجال العاملين في ميادين العلم والدين ولعلمائها وخريجيها آثار جليلة في شرح كتب الحديث وخدمة هذا الفن الشريف وهي ممتازة بزهد أساتذتها وطلابها وبساطتهم في المعيشة والقناعة بالكفاف والعزة والديانة

مدرسہ مظاہر علوم اپنی خصوصیات و روایات، اصول اور عقائد کے لحاظ سے دار العلوم دیوبند ہی کا ہم مسلک ہے۔ یہاں سے بھی بڑی تعداد میں علماء اور علماء دین کے مخلص خدمت گزار فارغ ہو کر نکلے ہیں جنہوں نے خاص طور پر فن حدیث کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور متعدد کتب حدیث کی شرحیں ان کے قلم سے نکلی ہیں۔ یہاں کے اساتذہ و طلبا اپنی سادہ طرز معیشت اور قناعت اور دینی استقامت میں بہت ممتاز ہیں۔ (۲۹)

۵۔ مولانا عبدالحلیم صاحب ندوی اپنی مشہور کتاب "مراکز المسلمین العلمیہ والثقافۃ الدینیۃ فی الہند" میں مظاہر علوم سہارنپور کا تذکرہ کرتے ہوئے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ان هذه المدرسة تركز اهتمامها على تدريس الحديث بصفة خاصة وذلك بفضل جهود شيخ الحديث مولانا محمد زكريا الذي يعتبر الآن من افذاذ علماء الهند واساطينها المتضلعين واطلاعه الواسع وجميع الفروع والمواد المتعلقة بفن الحديث۔

اس مدرسہ میں تدریس حدیث پر بہت ہی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اس خدمت کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا اسم گرامی خصوصی طور پہ لیا جاسکتا ہے۔ اپنی علمی پختگی گہری اور وسیع معلومات اور فن حدیث کی جزئیات میں تبحر کیلئے یگانۂ روزگار ہیں۔

والمتخرجين هذه الدار بيضاء في خدمة الحديث في الهند وقد كثير اعدادا من الشروح لعدد كثير من كتب الحديث وروجوا تعليمه في معظم مدارس الهند الاسلامية۔

اس مدرسہ کے فضلا کی ہندوستان میں خدمت حدیث کے سلسلہ میں بڑی عظیم خدمات ہیں۔ انہوں نے حدیث کی بہت سی کتب کی شروح لکھی ہیں۔ اور بڑے بڑے مدارس میں بیٹھ کر اس فن کو عام کیا۔

۶۔ مولانا موصوف اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر مظاہر علوم کی دینی، تبلیغی اور اسلامی خدمات پر اپنا تبصرہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

وتخرج من هذه المدرسة علماء كثيرون يمتازون بما اسدوه من خدمات جليلة في ترويج العلم خاصة تبليغ الاسلام ونشر تعاليمه بين سكان الارياف من المسلمين۔

ونحن نخص من هؤلاء بالذكر المغفور له الشيخ محمد الياس الدهلوي وشيخ الحديث ـ مولانا محمد زكريا

اس مدرسہ سے بہت سے ایسے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اشاعت علم، تبلیغ دین اور اسلامی تعلیمات کی قابل فخر اور عظیم خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں مولانا زکریا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہ کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

چنانچہ اول الذکر نے ایک جماعت قائم فرمائی۔ جو عام مسلمانوں

فلقد اسس الاول جمعية تبليغ الاسلام ونشر تعاليمه میں تبلیغ دین اور تعلیمات اسلام کو عام کرنے کے لیے آخر
بین عامة المسلمین التی لا تزال تعمل حسب الخطط والمبادی تک انہی اصولوں پر کاربند ہے۔ جو ابتداء میں اس
التی وضعها لها أن تمسك فی اداء مهمتها (۲۰) کے لیے وضع کر دیئے گئے تھے

۷۔ فضیلة الاستاذ عبد المنعم النمر مدیر ادارہ الدعوة الاسلامیہ وزارة اوقاف کویت شیخ عبد العالی العقباوی ۲۴ رجب ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ تو مظاہر علوم کے متعلق اپنے بلند خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

ولا شك ان هذا الدار تعتبر من امهات — اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے مشہور مدارس
المدارس الدینیة فی الهند ولعلمائها — دینیہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اور اس کے علماء و فضلاء
الماضیة والحاضریة جهاد محمود — نے ثقافت اسلامیہ کی راہیں ہموار کرنے میں جہاد محمود کیا
فی سبیل الثقافة الاسلامیة۔ — ہے، بالخصوص علم حدیث میں علمائے مظاہر علوم سہارنپور
ولاسیما علم الحدیث الذی وجدنا — نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں، جو ہم تک بھی پہنچی
فیه مؤلفات كثیرة من علماء الدار۔ — ہے۔

۸۔ مولانا صدر الدین عامر انصاری رئیس التحریر مجلة ثقافة الهند دہلی اپنی تالیف جامعہ مظاہر علوم نبذة من تاریخها ومفتاح نجاحها میں اس جامعہ کی خدمات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ولعله میدان حق للمدرسة بجدارة ان تفتخر — خصوصیت سے حدیث شریف کا میدان میں مدرسہ کیلئے
بانجازاتها وخدماتها فیه. فانها جعلت — ایک ایسا میدان ہے جس میں بجا طور پر فخر کیا جا سکتا
هذا العلم اساسی موضع اهتمامها الخاص اعتنت — ہے۔ مدرسہ نے اس فن کو ہمیشہ اپنی خصوصیت سے توجہ
به عنایة منقطع النظیر وسعت فی احیائه — مبذول رکھی ہے۔ اور تعلیم و تدریس، تحریر و خطابت
تدریسها وتعلیما کتابة وخطابة۔ — اعتبار سے اس فن کا ایسا اہتمام کیا جس کی مثال نہیں ملتی

وقام ابناءها بخدمة طباعة ونشرا وتوضيحا وشرحا حتى جعلوا هذا في متناول ايدي الطالبة فمنها ألوف من الكتب والشروح التي كتبت ونشرت في هذا الموضوع السامي وبينها بذلت الجهود الجامع والصحاح والسنن وشروحها عنيت بإيصال الألوف من الاحاديث النبويه صاحبها الصلوة والتسليم تحت العناوين والاساليب نشرت طرق مختلفة مرات وكرات (۲۱)

غرض اس کے فضلاء نے حدیث کی تشریح توضیح اور نشرواشاعت کا حق بھی ادا کر دیا۔ حدیث کے موضوع پر ہزاروں کتب اور ان کی شروح میں (جو علماء کی مظاہر کے ہاتھوں) تصنیف ہو کر قدرداں تک پہنچیں۔ نیز حدیث کی کتابوں کو عوام تک پہنچانے کے لیے ان کو مقامی زبانوں میں بھی منتقل کیا گیا۔ اس طرح ہزاروں احادیث مختلف عنوانات اور مختلف طریقوں سے نہ معلوم کتنی مرتبہ شائع ہو چکی ہیں۔

۹۔ حلب (شام) کے مشہور عالم دین اور علامہ کوثری کے تلمیذ رشید شیخ عبدالفتاح ابوغدہ تیس ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ زادہ مجدہ سے دیرینہ نیازمندانہ تعلقات اور آپ کی تالیفات حدیثیہ کی بنا پر مظاہر علوم سے غائبانہ تعلق بہت عرصے سے رکھتے تھے۔ یہاں پہنچ کر شیخ عبدالفتاح نے حضرت شیخ زادہ مجدہم سے صحاح ستہ کی اجازت حاصل کی۔ اور اس طور پر وہ مظاہر علوم سہارنپور کے کبار محدثین سے مربوط ہو گئے۔

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی خدمات حدیث سے آپ بہت متاثر تھے۔ جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ سے کیا۔ جو آپ کی کتاب معاشہ میں تحریر فرماتے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

ومن الحق عليّ أيضاً أنه أسجل أيضاً أن هذه المدرسة لها المنة الكبرى عن الباحثة المحدثين في خدمة الحديث الشريف. فقد ظهر منها علماء قاموا بنشر الحديث رواية ودراية خير قيام وكان [illegible] من

اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں کھلے دل سے اعتراف کروں گا کہ اس مدرسے نے بڑے بڑے محدثین پر عظیم ترین احسانات کیے ہیں۔ اس مدرسے سے ایسے ایسے کبار محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے علم حدیث کی بڑے پیمانے پر خدمات انجام دیں۔ ان میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

امرحلین ۔ مولانا الشیخ الامام خلیل احمد اور پھر ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

ولا تزال برکاته الضیافة فی خلفه الارشد خصوصیت سے قابل ذکر ہے ۔

مولانا محمد زکریا ۔ وانی لاغبط الطلبة الاخرة الذی مجھے ان طلبہ پر رشک آتا ہے جن کو ان سے روزانہ استفادہ

یحظونه ببرکات انفاسه کل یوم فالرجا انه کا موقع ملتا ہے، امید ہے کہ وہ بھی ہدایت کے چراغ اور

یکونوعلی یدیه مصابیح الهدی وکواکب الدجی روشن تارے بن کر سامنے آئینگے۔

۱۰۔ مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی محدث العصر ہندوستان میں علم حدیث کے سلسلہ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی استاذ حدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی خدمات حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

" حضرت گنگوہی کے علوم ومعارف خصوصاً یہ سلسلہ علم حدیث کے باقی رکھنے کا سہرا حضرت مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی کے سر ہے، کہ آپ نے بخاری وترمذی کی تقاریر قلمبند فرمائیں ۔

پھر آپ کے نجل مسعود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ان کی تقاریر کی شرح شائع کیں ۔ "الکوکب الدری" دو جلدوں میں اور " لامع الدراری" دس جلدوں میں ترتیب دی ۔

علوم رشیدی کے یہ جواہر ریزے محفوظ ہو گئے ۔ علماء حدیث کے اساتذہ وطلبہ ان دونوں حضرات سے احسان علمی کو کبھی فراموش نہیں کرینگے ۔ " (۴۲)

درس حدیث کی خصوصیات:۔

مولانا محمد زکریا کی درس بخاری کی تقاریر "تقریر بخاری شریف" کے نام سے اردو میں شائع ہو گئی ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری شیخ الحدیث نے لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے مولانا زکریا کے درس حدیث کی خصوصیات تحریر کی ہیں۔ ذیل میں ہم انہی خصوصیات کا تذکرہ قدرے تصرف سے کرتے ہیں۔

۱۔ مولانا زکریا کا اصل ذوق، موضوع اور محنت و تحقیق کا میدان حدیث و علوم حدیث تھا۔ وہ اسے تقرب الٰہی اور تقرب رسول کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ لہٰذا مولانا زکریا کا درس حدیث عشق نبوی ؐ و حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا۔ آپ انتہائی سوز و گداز، نشاط و تازگی، ادب و وقار، سرگرمی اور پابندی سے درس دیتے تھے۔ اس کا اثر پورے مجمع پر ہوتا تھا۔ خصوصاً مرض الوفات کی احادیث جب پڑھتے تھے تو تھوڑی دیر کے لیے ایسا محسوس ہوتا کہ آج ہی سانحہ ارتحال پیش آیا ہے۔ مولانا زکریا پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا، آواز گلوگیر ہو جاتی عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی۔ اور طلبہ و سامعین پر بھی آہ و بکا کا عالم طاری ہو جاتا۔ مولانا زکریا کی درس حدیث کی اہم خصوصیت میں سے ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی کہ تقریر "قل و دل" مختصر مگر جامع ہوتی نیز اس بات کی بھی خصوصی رعایت ہوتی تھی کہ حدیث کا پورا مفہوم بلکہ اس کا مغز طالبان علم کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ بخاری شریف کے درس میں بندہ شریک ہوا۔ ایک طالب علم نے عبارت حدیث پڑھی (۴۳) بس پھر گویا علم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اب تک یاد ہے کہ بخاری کتاب الایمان کی ضمام بن ثعلبہ والی مشہور حدیث جاء رجل الی رسول اللہ ؐ من اہل نجد ثائر الراس نسمع دوی صوتہ ولا نفقہ ما یقول .... الخ کا سبق تھا اور مولانا نے نسمع دوی صوتہ (آنے والے کی آواز کی بھنبھناہٹ سی معلوم ہو رہی تھی) کے بارے میں شراح حدیث کے بیان کردہ اقوال نقل فرما کر اپنے والد ماجد محدث کی ایک بہت دل پسند اور عام فہم توجیہ ذکر فرمائی تھی۔ (۴۴) اور واقعہ کی تصویر کشی حضرت نے اپنے دہن مبارک سے ایسے انداز میں فرمائی کہ پورا منظر سامنے آگیا۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہم بھی گویا عینی شاہد ہیں۔

۲۔ حضرت مولانا کے درس میں جملہ ائمہ سلف اور آئمہ مجتہدین و محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلافات فرماتے اور حافظ صاحب کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انہوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور حنفیہ کی دلیل سے آنکھ بچا کر اس طرح نکل جاتے ہیں۔ گویا انہیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے۔ مگر اس کے باوجود حافظ صاحب کا علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے۔ اور کسی کا نہیں۔ امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے۔ وہاں عدل و اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم سے دشوار ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت مولانا اس موقعہ پر عام طور سے امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کہ ان کی عظمتِ شان وجلالت میں کسی طرح کی واقع نہ ہو۔ خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الاکراہ میں حضرت کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

۳۔ بعض عربی الفاظ کا اردو میں ترجمہ دشوار ہے۔ اردو زبان کا دامن عربی کے مقابلے میں تنگ ہے۔ اسلئے ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے۔ حضرت اقدس ان الفاظ کا خصوصیت سے اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں۔

۴۔ نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوئی ہے۔ اور شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ و تشریح کے بعد بھی الجھن باقی ہے۔ تو اسکو خصوصیت سے دور فرماتے تھے۔ ان تمام تحقیقات کو اگر جمع کیا جائے۔ تو مستقل ایک کتاب بن جائے۔ مثال کے طور پر باب القسامہ بخاری جلد ثانی صفحہ نمبر ۱۰۱۸ میں فقرنت ... بیدہ میں ضمیر کے مرجع اور اس کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی تک سے وہم واقع ہوا ہے۔ حضرت قدس اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل سے بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع و عبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ پوری طرح تشفی ہو جاتی۔ (۵۱)

۵۔ اگر کتاب میں مؤلف سے یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے۔ یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے۔ تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے تھے۔ اور اس راوی و روایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی

معرکۃ الآراء کتاب "تہذیب التہذیب" پر حضرت اقدس کا مبسوط ذیل ہے۔ جو بلند مرتبہ علمی سرمایہ ہے۔ لیکن غیر مطبوعہ ہے۔

۶۔ آئمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے اگر روایت حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اسکی توجیہات اسطرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

۷۔ اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ کے بیان فرمادیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ ابحاث ہیں۔ اور ان کی قدرے تفصیل فرماتے ان میں سے جن مسائل سے امام بخاری تعرض فرماتے ان کی مزید تشریح فرماتے تھے۔ رفع یدین آمین بالجہر، کسوف وغیرہ میں اسکو دیکھا جاسکتا ہے۔

۸۔ شراح حدیث اور محدثین کرام کے علوم کو بطور خلاصہ کے نہایت دلنشین انداز میں بیان فرماتے۔ پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر کو ملا کر دیکھے گا۔ تو وہ محسوس کریگا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ہے۔ اور بعض مواقع میں وہ محسوس کریگا۔ کہ دریا کو کوزہ میں بند کردیا گیا ہے۔ مولانا زکریا اپنی ذاتی رائے کے بارے میں ایک اصطلاح بار بار استعمال کرتے ہیں کہ "یہاں پچکی کا پاٹ ہے"۔ جس سے مراد ان کی اپنی تحقیق کا حاصل ہے۔ مسئلہ زیر بحث میں آئمہ اور فقہا کی مختلف آراء بیان کرنے کے بعد وہ عموماً فرماتے تھے کہ یہاں چکی کا پاٹ یہ ہے۔ یعنی میری ذاتی رائے، تحقیق اور قول فیصل یہ ہے۔

۹۔ درمیان سبق میں خصوصاً سالانہ امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات کبھی کبھی موقع کی مناسبت سے سناتے تھے یہ واقعات اصلاح و تربیت کیلئے بہت مؤثر ہوتے۔ تاکہ طالب اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھے۔

۱۰۔ حضرت امام بخاری کے تراجم ابواب ہر عہد میں مشکل ترسمجھے گئے ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کی شرح اس امت پر قرض ہے۔ لیکن حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری لکھ کر امت سے اس قرض کو ادا فرمایا مگر حضرت شیخ الہند فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمے

باقی ہے۔ چنانچہ حضرت نے تراجم ابواب پر ایک مختصر سا رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا۔ مگر افسوس مکمل نہ ہو سکا اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرماتے ہیں۔ اس طرح مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے۔ مولانا زکریا نے ان دونوں رسالوں کو اور شراح بخاری کی آرا اور حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات ان سب کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ غور و فکر کرکے اپنی ذاتی تحقیق و تفتیش کے بعد ان اصول کی تعداد الابواب والتراجم للبخاری میں ستر تک بیان فرمائی۔ اور ان اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب و کتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ اس طرح تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت سے ادا فرمادیا۔

حضرت اقدس اپنے درس بخاری میں بھی خصوصیت سے تراجم کی شرح اور بخاری کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں۔ مگر حضرت مولانا فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر و باریک بینی سے خالی نہیں۔ مثلاً امام موصوف کا ترجمہ ہے۔ "باب الصلوٰۃ الی الحربۃ" یہاں سارے شراح ساکت ہیں۔ مگر حضرت اقدس کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کی شایان شایان ایک دقیق بات نکال لی ہے۔ اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل و تحشیہ لامع اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ اس لیے اس ترجمہ سے امام موصوف دفع وہم فرما رہے ہیں۔ کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

۱۱۔ حل تراجم کے سلسلہ میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا۔ جس میں امام بخاری نے کسی امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ یا آئمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی رائے کو پسند فرمایا یا اپنی رائے میں منفرد ہیں۔ تو اس کو مع امام بخاری کے استدلال کے بیان فرماتے اور اس کے بعد جمہور کی طرف سے روایت کا مطلب بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مدلل جواب دیتے تھے۔

۱۲۔ بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر چہ اتنی بڑی کتاب میں یہ ممکن ہے۔ مگر امام موصوف کی دقت نظر اس کی متقاضی ہے۔ کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نقطہ کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ مولانا اس پر طلبہ کو خصوصیت سے تنبیہ فرماتے اور ایسی دلنشین تقریر کرتے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری معلوم ہوتے اور تکرار مرتفع ہو جاتی مثلاً صفحہ چھپن[56] جلد اوّل پر دو باب باب من لم یتم الجھد

وباب یبدی فاضبعہ یعنی جبلیلہ یہ دونوں ترجمے دوبارہ صفر گیارہ سو تیرہ پر انہیں الفاظ کے ساتھ آرہے ہیں مگر ان کی تکرار کو اس طرح دفع فرمایا گیا ہے ۔ کہ دونوں جگہوں پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں ۔ (۴۶)

۱۳۔ حضرت امام بخاری کو حدیث نبوی سے غیر معمولی عشق ہے ۔ اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر بار بار نگاہ ڈالتا ہے تو ہر بار اس کو ایک نئی کیفیت معلوم ہوتی ہے ۔ امام موصوف کا بھی یہی حال ہے ۔ بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں ۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو مختلف مقاصد کیلئے بیسیوں مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے ۔ اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے ۔ اس پر حضرت خصوصیت سے طلبہ کو متوجہ فرماتے تھے ۔

۱۴۔ حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب و لہجہ اور صورت واقعہ کی تمثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا ۔ اسلئے بھی اس فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے ۔ حضرت ان الفاظ و جمل کو اس طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں تمثالی صورت کو بتانے کی ضرورت ہوتی وہاں اسکی عملی صورت میں عمل کر کے دکھاتے مثلاً بخاری جلد اول صفحہ ۱۲۹ پر وضع خدہ الایمن ۔ ۔ ۔ ۔ بغیر صورت تمثالی بتائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا ۔ اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے تھے ۔

۱۵۔ تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہ پر روایات کے اختلاف و اضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے ۔ کہ حضرت مولانا اس اختلاف و اضطراب کو اس طرح دفع فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی ۔ (۴۷)

یہ ہیں مولانا زکریا کے درس بخاری کی چند خصوصیات جن کی تفصیل لامع الدراری اور الابواب والتراجم بخاری اور اردو تقریر بخاری میں دیکھی جاسکتی ہے ۔

گزشتہ صفحات میں ہم تفصیل سے بتا چکے ہیں۔ (۴۸) کہ مولانا زکریا کی تدریس کی اہم خصوصیات طلباء کی تشکیل سیرت اور اخلاقی تربیت، بلامعاوضہ تدریس، وقت کی پابندی، نصاب مجوزہ کی تکمیل طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ان سے شفقت، تھیں اور یہی خصوصیات مولانا کے درس حدیث میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ مولانا کے درس حدیث کے ضمن میں یہاں ہم مزید امور کا ذکر کرتے ہیں۔ (۴۹)

اکابر کا طریقہ تدریس حدیث:۔

مولانا زکریا بیان کرتے ہیں کہ تدریس حدیث میں ان کے اکابر کا دستور پرمغز اور مختصر جامع تقریریں تھیں۔ ان کے ہاں لمبی چوڑی تقریروں کا رواج نہ تھا۔ پھر کتب حدیث کے آغاز میں وہ ہمیشہ تین امور بتایا کرتے تھے۔ اوّل علم کا موضوع دوسرے اس علم کی تعریف اور تیسرے اس علم کی غرض۔ مولانا زکریا ان امور کے متعلق مفید بحث فرمایا کرتے اور آخر میں لکھا ہے کہ علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے۔ اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض جس کا خلاصہ لذت ہے۔ پس جب طلباء حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھیں گے تو غایت کا حصول ہوگا۔ ورنہ محرومی۔

آداب طالب:۔

مولانا زکریا اپنے اکابر کے اتباع میں آغاز درس حدیث میں آداب طالب اپنے طلبہ کو بتایا کرتے تھے اور ان کی سختی سے پابندی بھی کرواتے تھے۔ اہم آداب طالب مندرجہ ذیل ہیں۔ (۵۰)

۱۔ اخلاص نیت

۲۔ درس کی پابندی۔ مولانا بتاتے ہیں کہ ان کی کوئی حدیث نہیں چھوٹی نہ ہی کوئی حدیث بلا وضو

۳۔ صف بندی۔ طلبہ سبق میں انتشار کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

۴۔ درس میں نہ سوئیے۔ مولانا زکریا کے سبق میں اگر کوئی طالب علم سوتا تھا تو اس کی عزت افزائی ہاتھ سے ہوتی تھی۔

۵۔ کتاب پر ٹیک نہ لگائیے۔ بالخصوص بخاری شریف جو کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔

۶۔ غیر حاضری نہ کرے۔ مولانا زکریا کے ہاں غیر حاضری سنگین جرم تھا۔

۷۔ درس میں وقار اور احترام

۸۔ آئمہ اربعہ مجتہدین کا زمانہ آئمہ حدیث سے کافی پہلے کا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی حدیث پاک کسی امام کے خلاف نقل آئے تو اس سے اس امام کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا یا کوئی جملہ ان کی شان کے خلاف ہرگز زبان سے نہ نکالنا بلکہ دل میں ہر ایک کی عزت برابر ہونی چاہیے۔

۹۔ اساتذہ کا ادب و احترام کرے۔ ایسے ہی کتب حدیث کا کیونکہ وہ رسول اللہ کا کلام ہے۔

۱۰۔ آخری اور دسویں یہ کہ بعض غالی مقلدین کی طرح آئمہ حدیث پر کوئی اعتراض نہ کرے۔

تلك عشرة كاملة

فقہ کی افادیت :۔

مولانا محمد زکریاؒ نے فقہ کی افادیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ آج کل اعتراض کیا جاتا ہے کہ علم فقہ کو احناف نے حدیث و قرآن کا مد مقابل ٹھہرا ہے۔ جو کہ جہالت پر مبنی ہے کیونکہ علم و فقہ کے بانی آئمہ اربعہ کی آنحضرت ﷺ بلکہ کسی صحابی کے مقابل کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جیسے قرآن فہمی کیلئے احادیث کی ضرورت ہے۔ اس طرح فہم حدیث اور احادیث میں بصیرت حاصل کرنے کیلئے علم فقہ کی ضرورت ہے ــــــ حضرات محدثین نے بڑی عرق ریزی سے رات، دن ایک کرکے احادیث جمع کیں۔ اسطرح فقہائے محنت شاقہ کی اپنی بصیرت، اجتہاد، اور تفقہ فی الاحادیث سے مجمل کی تفصیل مطلق کی تقلید اور عموم کی تخصیص کی اختلاف روایات اور باہمی تعارض کو ختم کیا۔ اور تمام احادیث پر مجموعی نگاہ ڈالی اور احکام کو منقح اور منظم کرکے نتائج پکے پکائے عوام الناس کے سامنے رکھ دیئے۔ جس سے شرعی احکام کا فہم اور عمل آسان ہوگیا مثلاً مشہور روایت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے کے متعلق استفسار کیا آپ نے اسے منع کر دیا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا۔ اور اس نے بھی یہی استفسار کیا۔ آپؐ نے اسے اجازت دے دی۔ بظاہر روایت میں تعارض ہوگیا۔ تو عمل میں مشکل پیش آگئی۔ لیکن فقہا نے تدبر اور تفحص کیا تتبع اور استنباط کے بعد

یہ تبلایا گیا۔ کہ اول اجازت چاہنے والا نوجوان تھا جو اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر تقبیل سے آگے بڑھ سکتا تھا لہٰذا اسے منع فرمایا اور دوسرا شخص بوڑھا تھا۔ جسے اپنے جذبات پر کنٹرول تھا۔ اسے اجازت دے دی گئی۔ اسطرح سے تعارض دور ہو گیا۔ موافقت پیدا ہو گئی اور دونوں اقوال پر عمل ممکن ہو گیا۔ اس سے علم فقہ اور آئمہ فقہ کی افادیت ثابت ہو گئی۔ (۵۱)

مولانا محمد زکریا نے امام اعظم ابو حنیفہ کے متعلق بھی ایک اشکال کو رفع کیا ہے۔ بعض لوگ امام حنیفہ کی مرویات پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں۔ مولانا نے اس اشکال کا جواب یہ دیا تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اسطرح امام اعظم کا انتقال امام بخاری سے چوالیس سال قبل ہو گیا تھا۔ پس اب اگر امام بخاری کے زمانے میں کوئی روایت رواۃ کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہو جائے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ حضرت امام اعظم کے زمانے میں بھی وہ روایت ضعیف رہی ہو کیونکہ درمیانی عرصہ چالیس سال سے زیادہ کا ہے۔ ممکن ہے کہ اس درمیانی عرصہ میں کوئی راوی ضعیف نکل آیا ہو۔ علاوہ ازیں امام اعظم احناف کی تحقیق کے مطابق تابعی ہیں۔ اس شکل میں تو امام صاحب کی کسی بھی روایت پر کلام نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ نے جو بھی روایت سنی ہو گی وہ صحابی سے سنی ہو گی۔ اور "الصحابۃ کلھم عدول" کے تحت یہ روایت صحیح ہے۔ پھر اگر امام اعظم کو دوسرے علماء کی تحقیق کے مطابق تبع تابعی فرض کر لیا جائے۔ تب بھی امام اعظم کی روایات پر اعتراض ممکن نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں حضور کے درمیان دو واسطے ہونگے۔ پہلا واسطہ صحابی کا جس کے عادل ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ دوسرے تابعی اس میں اگر شک ہو سکتا ہے۔ تو اس [illegible] احناف کے ہاں جواب ایک کلیہ [illegible] کی شکل میں یہ ہے کہ "میں اپنے استاذ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں" اور یہ بات بھی درست ہے کیونکہ جو بعد میں پیدا ہوا ہو وہ کس طرح اپنے سے پہلے کو جان سکتا ہے۔ پس امام اعظم کی روایات صحیح ہے کیونکہ وہ ثنائی ہیں۔ جبکہ امام بخاری کی اعلیٰ ترین روایات ثلاثی ہیں۔ یعنی صرف تین واسطوں سے روایت کی گئی ہیں۔ (۵۲)

درسی افادات :-

اب ہم درسی افادات کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔ جو مولانا زکریا کے اعلیٰ فہم حدیث پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) باب الضجعة علی الشق الایمن

اس کو ابن حزم نے واجب کہا ہے۔ بلکہ اس کو فرائض کی طرح بتایا ہے۔ اور امام مالک اور بعض صحابہؓ نے اس کو بدعت کہا ہے۔ اور اس کو بدعت اسی وجہ سے کہا کہ جب ایک مباح چیز کو یا مندوب کو واجب کا درجہ دے دیا جاوے تو وہ چیز مکروہ اور ناجائز ہو جاتی ہے۔ امام احمد اس کو مستحب کہتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک یہ لیٹنا فرض اور سنت کے درمیان فصل کیلئے ہے اور احناف کے نزدیک یہ استراحت کیلئے ہیں اور سوایت اسی کو راجح قرار دیتی ہے کیونکہ دو طرح کا لیٹنا آپؐ کا ثابت ہے۔ ایک تہجد کے بعد اور ایک فجر کی سنت کے بعد تو یہ لیٹنا استراحت کیلئے ہے۔ اور صوفیا کے نزدیک چونکہ الصلوٰۃ معراج المومنین ہے اور روایات میں ہے المصلی یناجی ربہ اور اخیر شب میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتے ہیں۔ تو اللہ جل شانہ کا نزول اور حضورؐ کا (عبادت کے ذریعے سے) عروج یہ ایسی چیز تھی کہ ملکوتیت کا آپؐ میں غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس جلال کی (صحابہ کرامؓ) تاب نہ لا سکتے تھے۔ اسلئے آپ تھوڑی دیر کیلئے زمین پر لیٹ جاتے۔ تاکہ ارضیت پیدا ہو جائے تاکہ خدام زیارت اور کلام کی تاب لا سکیں۔

ہمارے اکابرؒ مراقبے کے بعد جب باہر تشریف لاتے تھے تو ہر وقت کے خادم کو بھی جلدی نہیں پہچانتے تھے۔

(۲) حدثنا عبداللہ انی لاراکم من وراء ظہری

نمبر۱ کہ آپؐ کو وحی کے ذریعے سے پیچھے کا حال معلوم ہو جاتا تھا۔ یہ قول میرے نزدیک ضعیف ہے۔ نمبر۲ جو پہلے قول سے بھی اضعف ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپؐ کے سر مبارک میں پیچھے دو آنکھیں تھیں۔ بلکہ اس کو تو لغو بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسلئے کہ روایات میں آپؐ کا حلیہ مبارک کا ذکر کیا گیا ہے اس میں کہیں اس کا ذکر موجود نہیں۔ ۳ بعضوں نے کہا دیوار آئینہ کا حکم رکھتی ہے۔ جیسے موٹر میں آئینہ ہوتا ہے۔ کہ پیچھے کی موٹر کا حال معلوم ہو جاتا ہے نمبر۴ التفات فرما کر دیکھتے تھے۔ نمبر۵ جو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ میرے نزدیک زیادہ اچھا قول ہے۔ جمہور تو اس کو مانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ

اجماعی ہے۔ کہ جنت میں رویتِ باری تعالیٰ ہوگی اور جنت میں مومن کی آنکھوں میں وہ قوت ہوگی۔ جو جہت سے بالاتر ہوگی تو اسی طرح حضورؐ کیلئے معجزہ کے طور پر دنیا میں (وہ قوت) عطا کر دی گئی تو کیا حرج ہے۔ نیز جنت میں آپؐ تشریف لے جا چکے ہیں۔ تو اس قوت کے بغیر عین جانے کا کیا مطلب؟ اگرچہ اس میں بھی یہاں اختلاف ہے کہ (معراج میں) آپؐ کو اللہ کی رویت ہوئی یا نہیں۔ میرے نزدیک بہت قوی قول یہ ہے۔ کہ رویت ہوئی ہے۔ اگرچہ امام رازی کے نزدیک یہ قول اضعف ہے۔ (۵۳)

۳- باب عقد الشیطان لم یصل

نماز سے کونسی نماز مراد ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے عشاء مراد ہے۔ اس صورت میں تہجد سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ لیکن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ گرہیں لگتی ہوئی بھی اور کھلتی ہوئی نظر آدیں۔ اور شاہ صاحب کو کب نوبت آئی ہوگی۔ کہ عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے وہ گرہ کھل جاتی ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ نماز نہ پڑھتے تو باقی رہتی ہے۔ اس لیے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ حضورؐ وضو کے بعد دو رکعت مختصر نماز پڑھتے تھے۔ تاکہ وہ گرہ جلدی سے کھل جائے۔ جادو بکثرت بالوں میں ہوا کرتا ہے۔ حضورؐ کے بالوں میں بھی کیا گیا اسی لیئے بچے کے پیدائشی بال زمین کھود کر گاڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور شیطان کے لیے چھوٹے بالوں میں بھی گرہ لگانا مشکل نہیں۔ نیز عقدہ کے بارے میں اختلاف ہے مذکورہ صورت میں عقد سے مراد حقیقتاً گرہ لگانا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مجاز مراد ہے کہ تین گرہ سے مراد سر آلشہ ہے جیسے ماء اللحم آلشہ کہ تین دفعہ اس کا عرق پکایا گیا ہو اور شیطان ہر عقدہ پر علیک لیل طویل افسوں پڑھتا ہے۔ (۵۴)

۴- باب الامر باتباع الجنائز۔۔ امرنا بسبع

ان سات میں امرنا باتباع الجنائز بھی ہے۔ اور اسی بنا پر شراح بخاری نے اس جگہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ جنازے کے ساتھ جانے میں آگے جانا افضل ہے۔ (الف) یا پیچھے چلنا افضل ہے۔ جیسا کہ ہمارے نزدیک ہے (۱۱۱) یا اختیار ہے جیسا کہ

حنابلہ کے یہاں بھی (۱۳) سواری ہو تو پیچھے چلنا افضل ہے۔ ورنہ آگے جیسے کہ مالکیہ کے یہاں ہے۔ شراح کہتے ہیں۔ کہ یہ روایت امر باتباع الجنائز کی ہے۔ اور جنازے کے پیچھے چلنے کے قائلین کا مستدل ہے۔ مگر یہاں تک بخاری کے ترجمہ کا تعلق ہے یہ سب غلط ہے اسلیئے کہ ابھی تو وہ مرا نہیں؟ ابھی تو نہ اس کو کفن دیا نہ نماز پڑھی ابھی سے قبرستان اس کو کہاں لے جاتے ہو یہ مسئلہ اس باب سے ہرگز ثابت نہیں۔ بلکہ صفحہ ۱۶۵ سطر نمبر ۲۶ اور صفحہ ۱۷۴ سطر نمبر ۲۶ پر یہ مسئلہ آرہا ہے۔ اور وہ سب ابواب اپنی جگہ آرہے ہیں۔ ابھی سے قبرستان کہاں لیے جارہے ہو۔ دراصل امام بخاری بہت باریک بین ہیں۔ اسلیئے یہاں میری رائے یہ ہے۔ کہ امر باتباع الجنائز کا معنی امام بخاری پیچھے لگنے کے لیے ہیں۔ جیسے اتباع امام ابوحنیفہ اور جیسے الجیش یتبع الامیر اگرچہ دونوں اتباع کے علاوہ ہیں۔ مگر دونوں میں فرق ہے۔ اسلیئے میرے نزدیک یہاں مراد یہ ہے۔ کہ اس کے سارے انتظامات میں مشغول ہو جاؤ یہ روایت اس روایت کے ہم معنی ہے۔ جس میں تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مطلوب ہے کہ اس فرض کفایہ میں جتنوں کی ضرورت ہے ان کو اس کے پیچھے لگ جانا ہے۔ (۵۵)

۵۔ صومہ یوم عرفہ ص ۲۶۷

یہاں روزہ توڑنے کی روایت بھیجی گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنن کی روایات جس میں دو سال کے گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس پر رد ہے۔ آئمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ کا روزہ ثابت ہے افضل ہے اور عاشورہ کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہونگے اور عرفہ کے روزے سے دو سال کے معاف ہوں گے۔ اسلیئے کہ اس امت کو فضیلت عطا کیا گیا ہے۔

یہاں پر میری ایک اور رائے یہ ہے کہ عرفہ کا روزہ جو رکھے گا وہ آئندہ سال نہیں مرے گا۔ جس سال حضورؐ کا وصال ہوا اس سال آپؐ نے عرفہ کا روزہ نہیں رکھا تھا۔ جس کو دوسرے سال جینا ہے وہ روزہ ضرور رکھے۔

۶- کتاب الزکوٰۃ وقول اللہ واقیموا الصلوٰۃ

چونکہ قرآن پاک اور احادیث میں نماز کا قرین زکوٰۃ ہے۔ اسلئے کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکوٰۃ شروع ہو گئی ہے۔

"قول اللہ واقیموا الصلوٰۃ" اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن میری رائے یہ کہ زکوٰۃ کے وجوب کی تاریخ بھی بتلاتا ہے کہ آیت شریفہ مکی ہے۔ اسلئے یہ تو جواب قبل الہجرت ہوا ہے۔ لیکن اس پر اشکال ہے کہ زکوٰۃ ۲ھ مدینہ میں ہوا، تو یہ ہے کہ فرضیت مجملاً تو مکہ میں ہی ہوئی۔ لیکن مفصلاً فرضیت ۲ھ مدینہ میں ہوئی جیسا کہ صلوٰۃ فرض تو ہوئی صلوٰۃ المعراج میں اور ابتدا اس کی صلوٰۃ الظہر سے ہوئی تو ایسے ہی یہ بھی ہے۔

۷- حدثنا ابو عاصم الی قولہ فان ھم اطاعوا لذالک

ایک اشکال یہ ہے کہ جملہ فرائض کا اقرار بیک وقت ضروری ہے۔ پھر یہاں اس کا کیا مطلب کہ پہلے صوم وغیرہ کو بیان کرو پھر وہ لوگ اس کو قبول کریں۔ پھر زکوٰۃ کا حکم دیجئے؟ تو جواب یہ ہے کہ مطلب یہ نہیں جو تم نے سمجھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز چونکہ سب سے اہم ہے۔ اسلئے اس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ ورنہ فرضیت میں سب برابر ہے۔ (۵۶)

۸- باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صدقہ مالی جائز نہیں چاہے نافلہ ہو یا واجب ہو گیا بھی ہو، جیسا کہ ایک صحابی ایک مرتبہ کھجوریں لے کر آئے تو آپ نے پوچھا کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کھاؤ، بھائی دوسرے دن بھی لیکر آئے۔ تو پھر آپ نے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ ہدیہ ہے۔ تو آپ نے نوش فرمانا شروع کیا اور فرمایا آؤ کھائیں گے۔ امام شافعی صدقہ نافلہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ صدقہ واجبہ زکوٰۃ ان کیلئے جائز نہیں لیکن صدقہ نافلہ جائز ہے امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ صدقہ فرض جائز ہے۔ چونکہ اس کے قبول کرنے میں زکوٰۃ دینے والے پر احسان ہوگا اس کے قبول کرنے کا یہاں صدقہ نافلہ ان کیلئے جائز نہیں۔ کیونکہ ان میں صدقہ دینے والے کا صدقہ لینے پر احسان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سیدوں کی سیدوں پر جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور سیدوں سے مراد عند الاحناف صرف بنو ہاشم ہیں اور شافعی کے نزدیک

بنو ہاشم و بنو عبد المطلب بھی شامل ہے۔

کتاب الصوم :-

بخاری نے کتاب الصوم کو کتاب الحج کے پیچھے کر دیا؟ کیونکہ زکوٰۃ صلوٰۃ حج وغیرہ افعال ہیں۔ اسلیئے ان کو ساتھ ساتھ ذکر کر دیا۔ چونکہ صوم میں ترک فعل ہے۔ اسلیئے اس کو بعد میں کر دیا۔ میری رائے یہ ہے۔ کہ ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بعض روایت میں بنی الاسلام علی خمس صوم رمضان حج کے بعد ہے۔ تو ان طرق روایت کی طرف اشارہ ہے۔ (۵۷)

۹۔ باب اذا أحال علی ملی۔ الی قوله فان افلست

قال الشراح یہ لفظ غلط ہے۔ صحیح لفظ فان أفلس ہے۔ کیونکہ اگر محال مفلس ہو جائے۔ تو اس سے حوالے پر کیا اثر پڑے گا؟ میری رائے یہ ہے۔ کہ صحیح ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ محال مفلس ہو گیا تو محال علیہ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپ تو فلاں کا مقروض ہے اور مفلس ہے۔ اسلیئے قرض کا دسواں ہی حصہ دوں گا۔ اگر محال علیہ ایسا کہے تو محیل کی طرف رجوع کا اسکو حق ہوگا۔ (۵۸)

۱۰۔ باب الوکالة فی قضاء الدیون۔

قال الشراح اگر کوئی قرض ادا کرنے میں وکیل بنا دے تو یہ جائز ہے۔ اور یہ مطل الغنی ظلم میں داخل نہیں۔ کہ اصل مقروض نے اس کو ٹال دیا۔ میری رائے یہ ہے کہ ابو داؤد میں ہے کہ علی الید ما اخذت یعنی جس نے لیا اسی کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ یعنی مثلاً دس روپے قرض خواہ کے لیے۔ اور اس مقروض کو اس کے منی آڈر میں آٹھ آنے خرچ ہوئے تو وہ آٹھ آنے دس روپے میں سے نہیں کاٹ سکتا۔ کیونکہ علی الید ما اخذت اسی کے اس کو پہنچانا ہے۔ تو بخاری ان روایات کی تائید کر رہے ہیں۔ (۵۹)

۱۱۔ باب لا تحلب ماشیة امرئ

ابو داؤد میں روایت ہے کہ جب کوئی کسی کے جانور پر گزرے تو فلیصوت ثلاثا ثم احلبها عداش؟

بخاری کی غرض مذکورہ باب سے اسی روایت کی تضعیف کرنا ہے۔ عندی یہ عرب کے دستور کے موافق تھا۔ ان کے یہاں عرف ایسا ہی تھا کہ بغیر اجازت کے جانور کو دوھ کر پی لیتے تھے۔ جیسا کہ یہاں بھی تقسیم سے قبل تک یہ عرف رہا کہ جامنوں

اور شہرت کے درخت پیش کیے جاتے تھے بلکہ جس کا جی چاہے جا کر کھالے اور یہ آواز صرف اطلاع کے طور پر دی جاتی تھی۔ (۶۰)

۱۲۔ باب حدثنا اسحٰق بن ابراہیم

مذکورہ روایت پر اشکال ہے کہ اس کو کتاب اللقطہ سے کیا تعلق؟ جواب یہ ہے کہ جیسے کہ مالکیہ کی رائے ہے کہ ملک اور لاخیدہ کی وجہ سے بکری کا لینا جائز ہے۔ تو اس طرح دودھ دودھ لینا بھی جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کی عرب میں بہت کثرت تھی۔ میری رائے یہ ہے۔ کہ آگے گزر چکا ہے۔ کہ کسی کی ماشیہ کو نہ دودھنا چاہیے۔ تو بخاریؒ یہ بتلاتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو کہ کسی کے جانور ہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ (۶۱)

۱۳۔ باب الانتصار من الظالم

قال الشاہ ولی اللہ آیات کی ترتیب سے خلفاء کرام کی ترتیب خلافت ثابت ہوتی ہے۔ "والذین یجتنبون کبائر" کے اوصاف حضرت ابوبکرؓ پر صادق آتے ہیں۔ کیونکہ آپؓ نے حضرت مسطحؓ کو باوجود ایسی سخت بات کے معاف کر دیا۔ اور الذین استجابوا لہم سے اوصاف خاصہ ہیں حضرت عمرؓ کے آپ ہی سے تراویح کی سنت مروج ہوئی۔ اور امرہم شوریٰ بینہم یہ حضرت عمرؓ سے خلافت حضرت عثمانؓ کی طرف شوریٰ سے منتقل ہوئی۔ اور مما رزقنٰہم ینفقون یہ اوصاف خاصہ ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے ھکذا الخ (۶۲)

۱۴ باب کسب الرجل عملہ بیدہ

بعض اشراح کہتے ہیں۔ کمائی کے اصول مقاصد پانچ ہیں۔ (۱) تجارت (۲) اجارہ مزدوری (۳) زراعت (۴) حرفت پیشے (۵) جہاد (غنائم) میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچ کس طرح ہو گئے۔ کیونکہ آمدنی کا ذریعہ جہاد ہے۔ لیکن کمائی کا نہیں اسی طرح حرفہ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کمائی کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ خالی حرفہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ مثلاً ایک کاریگر ایک دن میں ہزار جوتے بنائے تو اس کو کیا کرے گا کھائے گا؟ بلکہ اس کو بیچے گا تو یہ تجارت ہوگی اور کسی کے ہاں اگر نوکری کرتا ہے۔ تو اجارہ بن گیا بہرحال حرفہ اصالۃً پیشہ نہ رہا ایسے ہی جہاد میں بھی آگیا۔ تو فیصلہ ورنہ یہی معلوم ہوا کہ کمائی کا پیشہ نہیں اور جو

نے فرمایا ہے۔

"جعل اللہ رزقی تحت رمحی" احناف و شوافع کے نزدیک افضل تجارت ہے اور غزالیؒ نے لکھا ہے۔ کہ زراعت ہے

(۶۳)

۱۵۔ باب شرکۃ الیتیم واھل المیراث

"حدثنا الاویسی" آنہ سأل عائشۃ" یہ روایت مختلف جگہ پر مختلف طریقہ پر آئی ہے۔ یہاں جو ہے اس میں پہلی تو صحیح ہے۔ باقی دوسری غلط ہے۔ صفحہ ۳۸۱ پر یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ سے عروۃ بن الزبیر نے "وان خفتم" کی تفسیر پوچھی تو حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں ہے۔ کہ یتیمہ کسی ولی (چچازاد بھائی) کے گود میں ہو اور وہ عصبہ بھی ہو اور یتیمہ صاحب مال بھی ہو اور صاحب جمال بھی ہو اب اس کا ولی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تو مہر بھی پورا ادا کرنا ہوگا ورنہ اور عورتوں سے نکاح کرے۔ "فانکحوا ما طاب لکم" عورتوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے۔ (۶۴)

۱۶۔ باب فضل الطلیعۃ

طلیعہ وہ گروہ ہے۔ جو دشمن کی جاسوسی کیلئے جاوے۔ تو چونکہ اس میں چند آدمی ہوتے ہیں۔ اسلئے گویا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ لیکن چونکہ جہاد پورا خطرہ والا ہے۔ اسلئے اس کا جواز بتلاتے ہیں۔ آگے کا باب بمنزلہ تکملہ کے ہے۔ کہ ایک آدمی کو بھی طلیعہ میں بھیجا جا سکتا ہے۔ اب دوسرے باب کی روایت پر اشکال ہے۔ کہ حضورؐ کے پوچھنے پر طلیعہ کے طور پہ جانے کے لیے حضرت زبیرؓ تیار ہوئے۔ تین مرتبہ آپ نے پوچھا اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر جانے کیلئے تیار ہوئے۔ لیکن دوسری روایت میں حضرت حذیفہؓ کا نام آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ دو الگ الگ واقعہ ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ تیار ہوئے اور ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ تیار ہوئے تھے۔ بعض شراح نے "باب ھل یبعث الطلیعۃ وحدہ" کی غرض یہ بتائی کہ اس سے تنہا سفر کا جواز ثابت کرنا ہے

حدیث شریف میں ہے۔ کہ الراکب شیطان والراکبان شیطانان اور تین جماعت ہے۔ لیکن عندی یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ صفحہ ۴۲۰ پر باب السیر وحدہ مستقل آرہا ہے۔ اسلئے عندی تو یہ بطور تکملہ اور بطور تتمہ کے ہی ہے۔ (۶۵)

۱۷۔ باب قول اللہ عزوجل و اتینا داؤد زبورا الی.... قولہ افرغ افزل

اس میں حافظ نے کہہ دیا کہ افزغ پے عمل ہے۔ اور بے جوڑ ہے۔ مجھے حافظ پر تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ قرر مرہم باذن اللہ وقتل داؤد میں یہ آیت شریف حضرت داؤد کے واقعہ ہی میں مذکور ہے۔ پھر کیسے حافظ نے اشکال کر دیا؟ (۶۶)

۱۸۔ باب مناقب سعد بن معاذ... اھتز العرش

یعنی حضرت سعدؓ کے انتقال پر اللہ کا عرش بھی ہل گیا۔ لیکن ایک آدمی نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ براءؓ یوں فرماتے ہیں کہ اھتز السریر یعنی جو گنہگار ہو اس کا جنازہ ہلتا ہوا جایا کرے تو حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ان دونوں میں کینہ ہے کیونکہ حضرت سعد بن معاذؓ اوسی ہیں۔ اور حضرت براءؓ خزرجی ہیں۔ اور روایت اھتز عرش الرحمٰن ہی ہے۔ ان دونوں قبیلوں میں رقابت ہمیشہ سے ہی رہتی ہے۔ علامہ خطابی بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ سعد اوسی اور براء خزرجی اور ابن عبداللہ المالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ غلط ہے۔ حضرت براءؓ بھی اوسی ہی ہیں۔ یا ان کے اجداد میں اوس کا نام آتا ہے لیکن اوس سے مراد وہ اوس نہیں جو قبیلہ ہے۔ عندو الدی حضرت براءؓ و سعدؓ تو اوسی ہیں۔ لیکن حضرت جابرؓ خزرجی ہیں۔ اور وہ یوں فرماتے ہیں۔ کہ تم جانتے ہو کہ اوس و خزرج میں ہمیشہ رقابت رہی ہے۔ تو سعد اوسی تھا اور میں خزرجی ہوا اور اس کے باوجود یوں کہتا ہوں کہ اھتز عرش الرحمٰن اگر اھتز السریر کوئی کہتا تو میں کہتا لیکن اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ میں نے اھتز عرش الرحمٰن سنا ہے۔ (۶۷)

۱۹۔ باب ذکر جریر ابن عبداللہ البجلی۔

آپ کا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے چالیس روز اور ایک قول کے مطابق ۸۰ دن پہلے ہے بعض حضرات کو حضرت حافظ جیسے کو بھی اس پر اشکال ہے۔ کہ حضرت بخاری کو حضرت جریر کی تاریخ بیان کرنا تھی۔ تو پھر اس کو حضورؐ کے وصال کے جگہ بیان کرتے کیونکہ ان کا اسلام حضورؐ کے وصال سے ۴۰ دن قبل ہے۔ اور اگر مناقب بیان کرنے تھے تو مناقب کے بیان میں بیان کرتے۔ تو حافظ کے نزدیک یہ کتابت کی غلطی سے یہ باب یہاں آگیا میری رائے یہ ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اور کعبہ یمانیہ جو حضورؐ کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ اس کو حضرت جریرؓ نے توڑا تھا۔ اس کا اصل میں بیان کرنا ہے

اور حضرت جریرؓ کا ذکر تبعاً ہے۔ اس لیے یہ تو اس کو مناقب میں بیان کیا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر (۶۸)

۲۰۔ باب تزویج النبیؐ عائشۃ رضؓ

شراح کے نزدیک یہ حدیث بڑی مشکل ہے۔ اور وہ اس کو توجیہہ کرتے کرتے بھی تھک گئے۔ میرے نزدیک کوئی مشکل نہیں۔ اور نہ کوئی اشکال ہے۔ مؤرخین کا اختلاف ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکاح ۱۲ھ نبوی یا ۱۰ھ نبوی میں۔ اگر ۱۲ھ نبوی میں ہوا ہے۔ تب تو یہاں ذکر کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ وفود ۱۱ھ سے شروع ہو گئے تھے اور اگر ۱۰ھ نبوی میں ہوا۔ جیسا کہ میری رائے ہے۔ تو پھر اس پر اشکال ہے۔ یہ تو اتفاقی مسئلہ ہے۔ کہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا اور رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (۶۹)

۲۱۔ آپ کا درس نہایت سلجھا ہوا اور مشکل و مغلق مقامات کی مکمل توضیح کا حامل ہوتا تھا۔

ہ انما انا قاسم واللہ یعطی کے ذیل میں فرمایا:۔ (۷۰)

"دینے والی صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ میں نے اپنے پیر و مرشد کو ایک مرتبہ خط لکھا تھا کہ میری طرف توجہ فرمائیے۔ تو جواب آیا تھا۔ کہ میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں میری مثال تو "نل" کی سی ہے۔ کھینچنے والا جتنی قوت سے کھینچے گا۔ میرے فیض سے اتنا ہی پائے گا۔ لیکن آپ کا نل ہی کے واسطے سے بغیر نل لگائے کوئی زمین پر کھودتا رہے تو حاصل نہیں ہوگا۔ فرمایا اللہ ہی دینے والا ہے۔ جو کوئی بھی اللہ کے کام میں اس کے دین کے کام میں اللہ کے واسطے اخلاص کے ساتھ لگے گا۔ تو اللہ اس کو ضرور مرحمت فرما دیں گے۔ دنیا کا بھی یہی دستور ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کی خدمت میں لگا رہے۔ تو کیا وہ گوارا کریں گا کہ اس کا خادم بھوکا رہے۔ اور مخدوم خود خوب کھائے پیئے تو جب ایک انسان کی غیرت یہ تقاضا نہیں کرتی تو اللہ جل شانہ کی ذات تو انتہا اور بہت زیادہ غیرت مند ہے وہ کیسے گوارہ کر سکتا ہے۔ کہ اس کی خدمت میں لگنے والا ضائع ہو جائے ـــــ بعدازیں ایک ڈاکو کی مثال بیان کی۔ جس کا مخلص مرید اپنے اخلاص کی بنا پر ابدال

کے مرتبہ پر فائز ہو گیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر اخلاص کے ساتھ ہم بھی خدا کے کام میں لگ جائیں
تو خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

علوم حدیث میں تالیفی و تصنیفی خدمات :۔

علوم حدیث میں تدریسی خدمات کے علاوہ مولانا زکریا نے تصنیفی و تالیفی خدمات بھی انجام دیں۔ چنانچہ انہوں نے علوم و فنون حدیث پر متعدد مفید اور بلند پایہ کتب لکھیں مولانا محمد زکریا نے تصنیف و تالیف کا آغاز زمانہ طالبعلمی سے کر دیا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے دورہ حدیث کی ابتداء کی۔ تو مشکوٰۃ اور دیگر کتب حدیث پر تقاریر اور تشریحات کا سلسلہ شروع کر دیا پھر "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" کی تالیف میں آپکی شرکت علوم حدیث کی خدمت میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

بذل المجہود فی حل ابی داؤد :۔

۱۳۳۴ھ میں مولانا زکریا نے دورہ حدیث دوبارہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھنا شروع کیا ابھی درس کے آغاز پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن حضرت سہارنپوری دارالطلبہ سے مدرسہ قدیم آرہے تھے اور حسب معمول حضرت شیخؒ ان کے ہمراہ تھے۔ راستے میں اچانک ایک جگہ رک کر حضرت سہارنپوری نے ارشاد فرمایا۔

"ابوداؤد پر ہمیشہ میری کچھ لکھنے کی خواہش رہی۔ تین بار شروع کر چکا ہوں مگر ہجوم مشاغل نے کچھ ہونے نہ دیا حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا اور یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور اشکالات کو حضرتؒ سے حل کرا لوں گا۔ مگر حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ گیا اس کے بعد پھر خیال آیا کہ ہمارے مولانا محمد یحییٰ صاحب تو ابھی حیات ہیں ان سے بحث و تحقیق میں استفادہ کرتا رہوں گا مگر ان کے ارتحال کے بعد اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیا۔ اب عرصہ کے بعد پھر مجھے خیال ہو رہا ہے۔ کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو میں شاید یہ اہم کام کر لوں۔" (۷۱)

حضرت مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کر دیں۔ اور یہ میری دعا کا اثر ہے۔ دریافت فرمایا کیسی دعا؟ شیخ نے اپنے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت والی دعا کا ذکر کیا۔

"یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے۔ یہ مجھ سے چھوٹنے نہ پائے۔"

یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ کا ہے۔ مولانا سہارنپوری نے اس وقت شروح حدیث کی ایک طویل فہرست بنادی۔ اور انہیں کتب خانہ سے حاصل کرنے کی ہدایت کی۔ تالیف کا طرز یہ تھا۔ کہ مولانا سہارنپوری شروح حدیث اور ماخذ کی نشان دہی کر دیتے۔ مولانا زکریا ان کا مطالعہ کرکے اور متعلقہ مواد جمع کرکے مولانا سہارنپوری کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ وہ اس میں سے حسب ضرورت مواد منتخب و مرتب کرکے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے۔ تسوید و تحریر کا کام مولانا زکریا سرانجام دیتے ـــــــ مولانا زکریا نے اپنے آپ کو اس کام کیلئے وقف کر دیا۔ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر اور بے تعلق ہو کر اپنی تمام صلاحیتیں اس کام میں کھپا دیں۔ شدید مجبوری کے علاوہ ہر طرح کے سفر و نقل و حرکت اور ہر اس چیز سے جس سے اس کام میں حرج واقع ہو۔ گریز کیا۔ حتیٰ کہ مولانا نے مدینہ طیبہ کے طویل قیام میں بھی حضرت کی خدمت میں حاضر رہے۔ بذل کی تالیف میں مدد دینے کے علاوہ کسی شغلہ اور دلچسپی سے سروکار نہیں رکھا اس مصروفیت وانہماک کی وجہ سے وہ مسجد نبوی کی حاضری اور البقیع کی زیارت کے علاوہ کہیں آجا نہیں سکتے۔ اسطرح یہ عظیم الشان شرح ۲۱ شعبان ۱۳۳۵ھ پورے دس برس میں پانچ ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی۔ اس محنت و ریاضت نے مولانا کے اندر تصنیف و تالیف کا خاص ذوق اور شرح حدیث کا ملکہ راسخ کر دیا۔ اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہوگئی۔ پھر آپ نے اس کتاب کی طباعت و تصحیح میں سعی بلیغ کی۔ جس کے باعث آپ کو اپنے شیخ کی خوشنودی اور اعتماد حاصل ہوا۔ اور شفیق استاد نے بذل المجہود کے مقدمہ میں قرۃ عینی و قلبی کے پیارے القاب سے اپنے تلمیذ رشید کو نوازا۔ بلکہ مولانا سہارنپوری نے تو اصل مسودہ میں لکھا۔

ھو جدیر بأن ینسب ھذا التعلیق إلیہ

مناسب ہے۔ کہ اس تعلیق کی نسبت ان ہی کی طرف کی جائے۔

یہ تالیف یوں تو ابوداؤد کی شرح ہے۔ مگر جملہ کتب صحاح کے مباحث دقیقہ پر محیط ہے۔ اور مسلک حنفی کی ترجیح میں محققانہ کلام کی جامع، علماء حجاز و مصر نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے فرمایا تھا۔

"بذل المجہود کی تدوین سے خدمت حدیث کے سلسلہ میں علماء دیوبند و سہارنپور کی طرف سے فرض کفایہ ادا

ہوگیا ہے۔" (۴۲)

اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک رح

مولانا ذکریا کی عظیم خدمت حدیث کا شاہکار ان کی تصنیف اوجز المسالک ہے۔ جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کی بسم اللہ آپ نے یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو مدینہ منورہ میں کی۔ اور اس کی تکمیل تیس سال کی طویل مدت میں ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں ہوئی یہ کتاب حدیث و فقہ کے اعتبار سے مؤطا کی سب سے زیادہ جامع و مفصل شرح ہے۔ یہ انسان کو سینکڑوں شروح و حواشی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ بلکہ اگر اسے حدیث و فقہ کی ایک عظیم دائرۃ المعارف کہا جائے تو پھر بھی مبالغہ نہ ہوگا اوجز کے شروع میں نوے صفحات کا ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ جس میں فنِ حدیث کے تعارف، تاریخ و تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پھر کتاب اور صاحبِ کتاب امام مالک کا مفصل تعارف اور دونوں کی خصوصیات و امتیازات کا مفصل تذکرہ ہے۔ نیز اس کے شروح اور عہد بعہد خدمات اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے۔ پھر اپنے مشائخ اور سلسلہ ولی اللہ کے اسانید کی تفصیل پھر اس کے بعد امام ابو حنیفہ رح کا تذکرہ اور ایک محدثانہ حیثیت و درجہ اور ان کے اصول و مسالک کی تفصیل ہے۔ پھر متفرق فوائد و قواعد اور ہدایات و توجیہات ہیں پھر اس شرح میں حل لغات و حل مطالب کے علاوہ چند خاص امور کا اہتمام کیا گیا ہے۔ وہ بالاجمال یہ ہیں۔

۱۔ ہر راوی کی تحقیق نہایت اختصار سے کی گئی ہے۔

۲۔ ہر باب میں آئمہ اربعہ کا مذہب خود صاحب مذہب کی کتابوں سے مع حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ مذہب حنفی کی ترجیح کے لئے مختصر طور سے دلائل کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ ہر باب میں جملہ فقہی مسائل اور اصولی مباحث کے باوجود اختصار کی رعایت کی گئی ہے۔

الغرض اوجز میں پورے بسط و استیعاب اور عدل و انصاف کے ساتھ آئمہ اربعہ کے مذاہب و دلائل ذکر فرمائے گئے ہیں۔ ہر مکتب فکر کے اقوال و مذاہب اس مکتب فکر کے مستند مصنفین کی معتدد کتب سے نقل فرما کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ مالکی، شافعی، حنبلی، اور حنفی۔ مؤطا امام مالک کی ایسی مفصل و محقق شرح آج تک کسی محدث نے نہیں لکھی، خود

مالکی علماء و محدثین نے قدرے استعجاب و حیرت کے ساتھ اس شرح کی جامعیت و تحقیق کی داد دی ہے۔ اور اعتراف کیا ہے۔ کہ ایک ہندی عجمی حنفی محدث نے امام مالک جیسے مجتہد کی کتاب مؤطا کی عظیم شرح لکھ کر تحقیق و بے تعصبی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اوجز کی مذکورہ خوبیوں کی بناء پر، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے علماء کو اس کے ترجمے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ تاکہ عوام بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ (۴۹)

جزء حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ

یہ رسالہ دو اجزاء ـــــ حج و عمرے پر مشتمل ہے۔ اور نبی کریمؐ کے حج اور عمرے کے متعلق مفصل اور محققانہ معلومات کا مستند ذخیرہ ہے۔ پہلے جزء میں حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل، حج کی پوری کیفیت اور مدینہ طیبہ سے روانگی سے واپسی تک کی روداد سفر اسطرح پیش کی گئی ہے۔ کہ حج کے واقعات اور مسائل کی تحقیق اور جملہ روایات پہ بحث بھی اس میں آگئی ہے۔ نیز ان سے مستنبط احکام مناسک اور ان کے بارے میں جمہور فقہاء و آئمہ مذاہب کی آراء و اختلافات بھی واضح ہو گئے ہیں۔ اس ضمن میں متضاد روایات میں مطابقت کی سعی کی گئی ہے۔

دوسرے جزء میں حضورؐ کے عمرے کے متعلق بحث ہے۔ پہلے عمرہ کی لغوی و شرعی معنیٰ اس کی تعریف، ارکان، شرائط و احکام وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر آپ کے عمروں کی تعداد اور ان کے متعلق تمام واقعات و روایات کی تحقیق و تنقید۔ ان سے مستنبط مسائل کی تشریح، فقہاء کے اقوال اور احادیث و ارباب سیر کے اختلافات پر فاضلانہ بحث ہے۔ اور آخر میں عمرہ سے متعلق بعض غلط روایات و حکایات کا جائزہ لیتے ہوئے، ان کی محققانہ تردید کی گئی ہے۔ بلاشبہ ان تمام محاسن اور مباحث کے باعث یہ رسالہ سفر حجۃ الوداع کا ایک علمی اور مفید موضوع بن گیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ جس سے اسکی افادیت اردو دان طبقہ پر بھی محیط ہو گئی ہے

لامع الدراری علی جامع البخاری

یہ کتاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عظیم افادات اور نادر تحقیقات کا مجموعہ ہے۔ جن کو ان کے تلمیذ رشید مولانا محمد یحییٰ نے درس بخاری کے دوران عربی زبان میں قلمبند کیا تھا۔ مولانا زکریا نے ان نادر تحقیقات اور جامع افادات کی شرح فرمائی۔ اور اپنے ذاتی

مطالعہ و تحقیق سے اور معلومات و حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کیا۔ کتاب کے شروع میں آپ نے ایک فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں نہ صرف امام بخاری اور اُن کی نادر روزگار الجامع الصحیح کے مختلف گوشوں، مباحث و مسائل پر مبسوط کلام ہے۔ اور اس میں وہ معلومات فوائد و نکات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جو اصول و رجال اور تذکروں کے ہزاروں صفحات پر محیط ہے۔ بلکہ مراتب کتب حدیث، ابواب حدیث، تقریر و اجتہاد اور احناف کے دفاع کے سلسلہ کی وہ تحقیقات بھی جمع کر دی گئی ہیں۔ جن سے یہ مقدمہ طالبین علم حدیث کیلئے ایک اچھی، بیاض اور عملی کشکول بن گیا ہے۔ اس میں شیخ کی بعض ذاتی تحقیقات، ان کے طویل درس حدیث کے وسیع مطالعہ کا نچوڑ بھی آگیا ہے۔

الکوکب الدری

یہ کتاب مولانا گنگوہی کی تقریرات ترمذی پر مشتمل ہے۔ جن کو شیخ کے والد مولانا محمد یحییٰ نے عربی میں قلمبند کیا تھا۔ یہ مولانا گنگوہی کے زندگی بھر کے تجربات کا نچوڑ اور علوم و معارف کا سمندر ہے۔ جس پر مولانا زکریا نے حواشی تحریر فرما کر اسے نہ صرف ایک مستقل تصنیف بنا دیا ہے۔ بلکہ اس کے ایجاز و اختصار اور مجمل و مبہم و غامض عبارات کی تفصیل کر دی اور بہت سی تحقیقات کو حدیث کے مراجع و مصادر سے اخذ کر کے حسب موقع نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز اپنے مشائخ سے علوم و تحقیقات جن کا تعلق ذوقی اور وجدانی علوم سے ہے۔ ان کو بھی جا بجا نقل کیا ہے۔ ترمذی کی عبارت غامضہ حل کرنے میں الکوکب الدری بڑی مفید ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"فحیث ما ظہر لی فی بادی الرای شیئ من سبق قلم او اجمال مخل بنحو ذلک
اشرت لہ فی الحاشیۃ ..... فزدت فی لبعض الامکنۃ ترجمۃ الباب قبل القول" (۴۷)

یہ کتاب اختصار کے باوجود اساتذہ و طلباء دونوں کیلئے مرجع و مصدر بن گئی ہے۔ سید مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں۔

"..... یہ کتاب طالب علم سے زیادہ مدرسین کیلئے مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے والوں کیلئے اس کے بغیر چارہ نہیں جب سے یہ طبع ہوئی۔ ترمذی پڑھانے کیلئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بڑے اہتمام سے کرتا

الابواب والتراجم للبخاری

یہ کتاب بالخصوص صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تفصیل وشرح پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ان قواعد واصول پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔ جن سے ابواب وتراجم اور ابواب بلاتراجم کی احادیث کو باب سے تطبیق دی جاتی ہے۔

امام بخاری کے تراجم الابواب ہر زمانے میں پیچیدہ ومشکل سمجھے گئے ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے تراجم و ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ اس طرح شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس میں شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ مولانا زکریا نے ان دونوں رسالوں کو نیز حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات سب کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ اور اپنی ذاتی تحقیق کے بعد ان اصولوں کی تعداد ستر ۷۰ تک بیان کی ہے۔ پھر ان اصولوں کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب وکتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔ فن حدیث میں مولانا زکریاؒ کی یہ دقیع علمی خدمت ہے۔ جو ان کے رسوخ فی الحدیث اور کثرت تدبر کا شاہکار ہے۔ جس سے حدیث کے اساتذہ وطلباء بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (۷۶)

مذکورہ بالا کتب جو سب فن حدیث اور علوم حدیث کی امہات الکتب سے متعلق ہے۔ مولانا کی گرانمایہ علمی خدمات ہیں جو سب عربی زبان میں ہیں۔ اور ان سے استفادہ تمام علماء اور اساتذہ اٹھاتے ہیں۔ شیخ پر حدیث کی خدمت اور اشاعت کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ بعض اوقات وہ اس کے مقابلے میں بڑی سے بڑی ضرورت اور مشغولیت کو پس پشت ڈال دیتے چنانچہ مولانا ابوالحسن ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"۶۷ھ میں نظام الدین میں محبوس تھا اور جو حالات تھے۔ آپ کو یاد ہونگے۔ ان حالات میں واپسی کا بالکل ارادہ نہیں تھا۔ مولانا نصیر الدین نے میرے ساتھ ایک ہوشیاری برتی۔ مجھے یہ لکھا کہ ایک کاتب مل گیا ہے۔ اوجز جلد چہارم کی کتابت شروع کرا دی ہے۔ اس کی طباعت پہلے سے شروع تھی۔ مگر تقسیم کے ہنگامے میں کاپیاں بھی ضائع ہوگئیں تھیں۔ اور کاغذ جو بڑی مقدار میں خریدا ہوا تھا۔ خرد برد ہوگیا تھا۔ اس خط کے پہنچتے ہی میں نے عزیزم مولوی یوسف سے اپنی واپسی کا خیال ظاہر کیا۔ مجھے مرحوم کا یہ فقرہ آج تک چبھ رہا ہے۔ کہ بھائی جی ہمیں اس حال میں چھوڑ کر

جا دیں گے؛ اور میرا یہ روکھا جواب کہ اب حالات قابل اطمینان ہو چلے ہیں۔ اب ٹھہرنا اد جز کی وجہ سے بہت مشکل ہے۔ . . . . سہارنپور پہنچ کر معلوم ہوا کہ صرف منیجر صاحب کی ہوشیاری تھی۔ کاتب وغیرہ کوئی نہ تھا۔ (۷۷)

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی

اردو زبان کی کتب حدیث میں شمائل ترمذی کی شرح خصائل نبوی بھی مولانا کی بڑی عظیم خدمت اور اردو دان طبقے پر احسان عظیم ہے۔ اس کی ابتدا ۱۳۴۳ھ میں ہوئی۔ اور ۱۳۴۴ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ کتاب شیخ کے خالص علمی وتحقیقی اور خالص دعوتی در اصلاحی اسلوب کی جامع تھی۔ اس سے قبل علامہ ترمذی کی اس عظیم کاوش کا فائدہ فقط اہل علم اور عربی دان طبقہ تک مخصوص تھا اصل کتاب میں امام ترمذی نے سیرت وشمائل متعلقہ سے متعلق چارسو احادیث کو چھپن ابواب میں جمع کیا تھا۔ مولانا زکریا نے اردو میں ان کا ترجمہ اور شرح کرکے اردو دان طبقے کیلئے سیرت کا مستند ترین مجموعہ مہیا کر دیا ہے۔ جس کے آئینہ میں محبوب خدا ﷺ کے جمال وکمال کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ترجمہ بامحاورہ ہے۔ اور ضروری تشریح بھی ہے۔ جہاں احادیث کا باہمی تعارض محسوس ہوا تو اس کو شیخ نے رفع کر دیا جس حدیث کو باب سے مناسبت خفی تھی۔ اس کو واضح کیا گیا ہے۔ تمام امور میں اختصار سے کام لیکر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

کتب فضائل

فضائل سے متعلق آپ کی کتب تبلیغی نصاب کی شکل میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو کر لاکھوں بندگان خدا کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ان کتابوں میں احادیث نبی کریم ﷺ کا معتدبہ ذخیرہ مستند ترجمہ کی شکل میں اردو میں منتقل ہوا ہے۔ در ان کی وساطت سے تبلیغی جماعت کے ہمہ تن مصروف کارکنوں کو احادیث کے بارے میں اتنی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جو اچھے خاصے اہل علم کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ چنانچہ مولانا زکریا اپنی کتاب "فضائل نماز" کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"تجربہ سے یہ بات خیال میں آئی کہ نبی کے پاک ارشادات لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی جائے۔ اگرچہ اس میں بھی مزاحمتیں حائل ہیں۔ وہ بھی مجھ سے بے بضاعت کیلئے کافی ہے۔ تاہم امید ہے کہ جو لوگ خالی الذہن ہیں اور دین کا سلسلہ نہیں کرتے یہ پاک الفاظ انشاء اللہ ان پر ضرور اثر کرینگے اور کلام وصاحب کلام کی برکت سے نفع کی توقع ہے۔ نیز دوستوں کی اس میں کامیابی کی امید میں ہیں۔ جن کی وجہ سے مخلصین کا اصرار بھی ہے۔ اسلئے اس رسالہ میں صرف نماز کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔"

فضائل نماز کی مقبولیت کے متعلق مفتی عزیزالرحمن صاحب رقم طراز ہیں۔

"شروع شروع میں جب یہ کتاب لوگوں کے سامنے پہنچیں تو میں نے دیکھا کہ کوئی صاحب کھڑے ہو کر مسجد میں سناتے ہیں۔ اور چاروں طرف سے لوگ ان کے گرد ہو کر سنتے ہیں۔ اور سننے کے بعد اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرتے نکلتے ہیں۔ چنانچہ مجھے بھی اس کتاب کے سنانے کا شوق ہوا اور مسجد مسجد گھوم گھوم کر سناتا۔ بہت سے نمازی پختہ نمازی بن گئے اور بہت سے بے نمازی نمازی بن گئے۔ اس کتاب کے ذریعے پھر میں نے تقریر کرنا شروع کی۔ بہر حال کچھ بولنا آگیا۔ (۷۹)

تبلیغی نصاب کی زبان سادہ سلیس اور عام فہم ہے۔ اس کا اسلوب دل نشین اور اصلاحی ہے۔ تبلیغی نصاب نہ صرف عوام کیلئے بلکہ علماء و طلباء کیلئے بھی اکسیر ھدایت اور نسخۂ شفاء ہے۔ جس سے لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں ان تصانیف کی بدولت اصلاح اور انقلاب آیا ہے۔

اب ہم ان کتب فضائل" کے متعلق علیحدہ علیحدہ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ (۸۰)

فضائل قرآن :۔

کتب فضائل میں یہ سب سے پہلا رسالہ ہے۔ جو شاہ لیسین صاحب (متوفی ۱۳۶۰ھ) خلیفہ حضرت اقدس گنگوہی (۱۳۲۳ھ) کی تعمیل ارشاد میں ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں لکھا گیا۔ اس کتاب میں اولاً قرآن پاک کے فضائل پر چالیس احادیث مع ترجمہ و تشریح کے تحریر فرما کر سات احادیث قرآن پاک کے متفرق احکامات میں ذکر فرمائی ہیں۔ کتاب کے آخیر میں ایک مختصر مجمل حدیث مع ترجمہ کے مزید لکھ دی گئی ہیں۔ کتاب کے کل صفحات بہتر (۷۲) ہیں۔ مندرجہ ذیل ۱۲ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

انگریزی، عربی، بنگالی، ملیالم، تامل، فارسی، گجراتی، تلگو، پشتو اور ہندی

فضائل رمضان :۔

اس میں رمضان المبارک، لیلۃ القدر اور اعتکاف کی فضیلت پر بیس ۲۰ احادیث کی شرح و توضیح کی گئی ہے۔ نیز سورۃ القدر کی تفسیر اور خاتمہ میں متفرق مضامین پر مشتمل ایک طویل حدیث بھی تحریر ہے۔ یہ رسالہ رمضان ۱۳۴۹ھ میں حضرت مولانا الیاس

کے ارشاد سے لکھا گیا۔ کل صفحات چونسٹھ (۶۴) ہیں۔ مندرجہ ذیل ۱۲ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

انگریزی، مدراسی، برمی، بنگالی، تلگو، پشتو، ملیالم، ٹامل، گجراتی، ہندی، فارسی، فرانسیسی۔

فضائل تبلیغ :-

یہ کتاب سات فصلوں پر مشتمل ہیں۔ اور سب سے مقصود تبلیغ کی اہمیت اس کے آداب نیز مبلغین اور عام لوگوں کے فرائض بتلانے ہیں۔ یہ کتاب بھی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ۵ صفر ۱۳۵۰ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۲۱ء میں اختتام کو پہنچی کل صفحات ۳۲ ہیں۔ مندرجہ ذیل چودہ ۱۴ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

پشتو، عربی، برمی، مدراسی، بنگالی، تلگو، ملیالم، ٹامل، گجراتی، ہندی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی، ملیشیائی۔

حکایات صحابہ رضؓ

شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کا حضرت شیخ پر چند سال سے اصرار تھا کہ صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے کچھ قصے اردو زبان میں جمع کر دیئے جائیں۔ تاکہ پڑھنے والوں کے دلوں میں صحابہ کرامؓ کی محبت کا نقش قائم ہو لیکن مختلف موانع اور مشاغل کی بنا پر امید نہ تھی کہ یہ کتاب جلد لکھ دی جاتی کہ لوشتہ تقدیر سے ۱۳۵۷ھ ابتداء کے سفر کے دوران عارضہ نکسیر کی وجہ سے چند ماہ تک اطبا اور ڈاکٹروں نے کسی بھی دماغی محنت سے روک دیا۔ اسلئے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے یہ کتاب ترتیب دی گئی جو ۱۲ شعبان ۱۳۵۷ھ کو مکمل ہوئی۔

اس میں بارہ ابواب ہیں۔ ہر باب میں حضور اقدسؐ اور صحابہ کرامؓ کی کسی نہ کسی مبارک صفت کو متعین فرما کر اس کے مناسب حکایات اور واقعات لکھ دیئے ہیں۔ اور خاتمہ کے طور پر اخیر میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ برتاؤ اور ان کے اجمالی فضائل بھی بیان کر دیئے گئے۔ کل صفحات ایک سو چوراسی ہیں۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ تبلیغی جماعت کے نصاب کا اہم جز ہونے کے علاوہ وہ دینی و دعوتی حلقوں کی مقبول ترین نصابی و دعوتی کتاب ہے۔ زبان سلیس و شیریں طرز بیان دل نشین، واقعات مؤثر نہ صرف رقت انگیز بلکہ انقلاب انگیز ہے۔ پندرہ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے

فضائل نماز:۔

اس میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور چھوڑنے پر عذاب وعتاب جماعت کے فضائل اور اس کے ترک پر جو وعیدیں ہیں۔ ان کا تفصیلی بیان ہے۔ اور ان میں سے ہر عنوان کیلئے مجموعی طور پر چالیس حدیثیں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کے حسب ارشاد لکھی گئی اور شب دوشنبہ سات محرم ۱۳۵۹ھ کو اختتام کو پہنچی کل صفحات اٹھاسی (۸۸) ہیں مندرجہ ذیل پندرہ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

عربی، بری، انگریزی، ہندی، مدراسی، پشتو، بنگالی، تلگو، ملیالم، تامل، فرانسیسی، گجراتی، فارسی ملیشیائی، ساحلی۔

فضائل ذکر:۔

یہ کتاب تین بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ذکر کے فضائل، دوسرے باب میں کلمہ طیبہ کے فضائل اور تیسرے میں سوئم کلمے کے فضائل لکھے گئے ہیں۔ خاتمہ میں صلوۃ التسبیح کا بھی مفصل بیان ہے۔

تبلیغی تحریک کے چھ نمبروں میں سے جو تیسرا اہم ترین نمبر "علم وذکر" کا ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت مولانا محمد الیاس کی فرمائش سے یہ کتاب فضائل ذکر کے نام سے ۱۳۵۸ھ میں لکھی گئی۔ اختتام کی تاریخ ۲۶ شوال ۱۳۵۸ھ شب جمعہ ہے کل صفحات ایک سو چھیتر (۱۷۶) ہیں۔ فضا

فضائل ذکر کا بھی دس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

فضائل حج:۔

مولانا محمد الیاس کی طبیعت پر تبلیغی تحریک کو حجاز میں پھیلانے اور وہاں فروغ دینے کا جذبہ بہت تھا اسی مقصد کیلئے وہ دوبارہ حجاز تشریف لے گئے۔ ان کے وصال کے بعد جب حضرت مولانا محمد یوسف (م ۱۳۸۴ھ مدینہ) نے اس کام کو آگے بڑھایا اور بڑی ترتیب اور حد اندیشی سے حجاز میں کام شروع کیا، تو حضرت شیخ سے درخواست کی کہ حج کے فضائل میں بھی آیات واحادیث اور قصص کا ایک مجموعہ لکھ دیا جائے۔ تاکہ ہزاروں کی تعداد میں جانے والے

حجاج اس کے مطابق حج کر کے لطف حج و زیارت سے بہرہ ور ہوں۔ چنانچہ نظام الدین کے قیام میں تین شوال ۱۳۶۶ھ کو اس کی تالیف کا آغاز ہوا اور ۱۲ جمادی الاولیٰ ۶۶ شنبہ جمعہ کو فراغت ہوئی۔ اس پوری کتاب میں دس فصلیں ہیں۔ جو حج کی ترغیب اس کے نہ کرنے پر وعیدیں، حج کی حقیقت اور اس کے آداب جیسے اہم مضامین پر مشتمل ہے۔ کتاب کے کل صفحات دو سو اکتیس ۲۳۱ ہیں۔ چند زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

فضائل صدقات حصہ اول و دوم:-

تقسیم ہند کے موقع پر شوال ۱۳۶۶ھ میں حضرت مولانا زکریا کو مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی میں طویل قیام کی نوبت آئی تھی۔ اس موقعہ پر سہ شنبہ چوبیس شوال ۱۳۶۶ھ کو اس کتاب کی تالیف شروع کی۔ اور اس کا اختتام سہارنپور پہنچ کر ۲۲ صفر ۱۳۶۸ھ کو ہوا۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو اس کتاب کا بہت اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ عصر کی نماز کیلئے تکبیر ہو رہی تھی۔ دوران تکبیر صف سے آگے متعد بڑھاکر حضرت شیخ سے فرمایا کہ دیکھو اس کو بھولنا نہیں لیکن افسوس کہ حضرت دہلوی کی حیات مبارکہ میں یہ کتاب نہ لکھی جا سکی۔ یہ کتاب سات مختلف فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہر فصل میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویؐ اور واقعات صحابہ سے کتاب کے موضوع اور مقصد کو مدلل کیا گیا ہے۔ دونوں جلدوں کے صفحات پانچ سو ساٹھ ۵۶۰ ہیں۔ سات زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

فضائل درود شریف:-

حضرت شاہ یٰسین نگینوی کا حضرت زکریا پر مستقل اصرار تھا کہ درود شریف کے فضائل اور آداب پر بھی ایک کتاب لکھی جائے ۱۳۶۰ھ میں وصال کے وقت شاہ صاحب نے اپنے اجل خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو اس وعدہ کی یاد دہانی اور تکمیل پر اصرار کرتے رہنے کی وصیت فرمائی۔ اور بھی احباب و اکابر کی طرف سے اس کی تالیف کے تقاضے ہوئے لیکن کئی سال تک یہ رسالہ نہ لکھا جا سکا اس کی وجہ خود حضرت شیخ کے الفاظ میں یہ تھی کہ

"اس ناکارہ پر سید الکونین فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کا کچھ رعب ایسا طاری ہوا کہ جب

بھی اس کا ارادہ کیا۔ یہ خوف طاری ہوا کہ مبادا کوئی چیز شان عالی کے خلاف نہ لکھی جائے"۔ (۸۲)

لیکن ۱۳۸۴ھ میں جب حجاز تشریف لے گئے اور حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ پہنچے تو بار بار دل میں یہ سوال آیا کہ فضائل درود شریف نہ لکھنے کا کیا جواب ہے؟ اس موقع پر اپنے اعذار کے باوجود دل میں اس سوال کی شدت پیدا ہوتی چلی گئی اور پختہ ارادہ فرمالیا کہ واپس جاکر یہ کتاب لکھنی ہے۔ چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ یوم جمعہ کو اس کا افتتاح ہوا۔ اور چھ ذی الحجہ سن مذکورہ میں اختتام ہوا۔ ضعف پیری اور بار بار کے پیشاب کے تقاضوں کے باوجود اوّل سے آخر تک یہ کتاب باوضو ہوکر لکھی اور عشق نبویؐ میں ڈوب کر لکھی۔ ہر مرتبہ دارالتصنیف سے وضو کرنے کیلئے باہر آتے اور سخت موسم سرما میں بدقت وضو کرکے اپنے مستقر تک پہنچے۔

اسی حسن وادب اور غایت اہتمام کا یہ صلہ حضرت شیخ کو بارگاہ نبویؐ سے ملا اپنے معاصرین پر سبقت پا جانے کی بشارت ملی۔ مولانا الحاج محمد عاقل صاحب زید شرفہ رئیس الاساتذہ جامعہ مظاہر علوم اس کی تالیف میں معین و مددگار بنے اور املاء کا شرف انہیں حاصل ہوا۔

اس کتاب میں پانچ فصلیں ہیں۔ جو درود شریف کے فضائل اس کے نہ پڑھنے پر وعیدیں، فوائد متفرقہ اور درود شریف کے متعلق پچاس حکایات پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے کل صفحات ایک سو چھبیس (۱۲۶) ہیں۔ سات زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ (۸۳)

تبلیغی نصاب اور ضعیف روایات

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (۸۴)
نیز ارشاد گرامی ہے ، من حدث عنی بحدیث یری أنہ کذب فھو احد الکذابین (۸۵)
پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ بولنے والے اور دوسری حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی حدیث نقل کرنے والے کیلئے شدید وعید آئی ہے جس کا ایک مخلص اور صادق مومن تصور بھی نہیں کرسکتا لیکن اس وعید کے باوجود بعض علماء بھی تساہل اور عدم تحقیق کی بناء پر موضوع اور ضعیف روایات بالخصوص فضائل اعمال میں بلا تکلف نقل کرتے ہیں اور دلیل عموماً یہ دیتے ہیں۔

یجوز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ۔

اور اسے تین آئمہ کبار امام احمد بن حنبل ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبداللہ بن مبارکؒ کی طرف منسوب اس قول کی بناء پر کرتے ہیں:

اذا جاء الحلال والحرام شددنا فی الاسانید واذا جاء الترغیب والترھیب تساھلنا فی الاسانید (۸۶)
نتیجۃً روایتِ حدیث میں اس تساہل سے علاوہ وہ احادیث بھی روایت کردیتے ہیں۔ جو ان کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوتی اس طرح دین حنیف میں اکثر ایسے اعمال اور روایات راہ پا جاتی ہیں۔ جن کی شرعاً کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ـــــ اس کا پس منظر یہ ہے کہ محدثین حلال و حرام سے متعلق مسائل میں تشدد کے خوگر تھے۔ اور صرف انہی اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث سے احتجاج کرتے تھے۔ جن کو بالاتفاق صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ فضائل اعمال کے بارے میں حدیث روایت کرنا مقصود ہوتا تو شدت کی ضرورت نہ سمجھتے اور نہ صرف احادیث صحیح سے انفرادا احتجاج کرتے۔ بلکہ اس سے نیچے اتر کر وہ ان روایات سے بھی احتجاج کرتے تھے۔ جو صحیح سے فروتر ہوتیں جن کو حسن کہا جاتا ہے۔ اور جو دور اول میں اس نام سے معروف نہ تھیں بلکہ حسن کو متقدمین کے دور میں حدیث ضعیف ہی کی ایک قسم قرار دیا جاتا تھا۔ اگرچہ خود ان کے نزدیک بھی اس کا درجہ ان ضعیف احادیث کے مقابلے میں بڑھ کر تھا جن کو بعد کے دور میں ضعیف اصطلاحی قرار دیا گیا۔

اگر عام لوگ مذکورہ حقیقت سے آگاہ ہوتے کہ فضائل اعمال میں سہل انگاری کا مطلب محدثین کرام کے نزدیک احادیث حسن سے استشہاد تھا۔ جن کا درجہ احادیث صحیح کے بعد ہوتا ہے۔ تو وہ یہ عبارت ہرگز نقل نہ کرتے۔

شریعت اسلامیہ میں یہ ایک مسلّم امر ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائل اعمال کے لیے ماخذ قرار نہیں دی جا سکتی کیونکہ حدیث ضعیف کی بنا پر ظن پر ہے۔ اور بقول قرآن حکیم

إن الظن لا يغني من الحق شيئاً جس کی تائید حدیث رسول ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث، بھی کرتی ہے۔

پھر یہ امر بھی پیش نظر رہے۔ کہ فضائل شرعی احکام کی طرح دین کے اساسی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کس طرح جائز نہیں، کہ دین کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جائے۔ جو کمزور اور غیر مستحکم ہوں۔

الغرض فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل جائز نہیں۔ جیسا کہ القاسمی نے لکھا ہے۔

لا يعمل بالحديث الضعيف لا في الاحكام ولا في الفضائل (٨٧)

وأن مذهب البخاري ومسلم ذلك ايضاً۔ (٨٨)

مولانا محمد زکریا کا تعلق اہل تصوف سے بھی ہے۔ لہٰذا ان کی تالیفات کے حوالے ضعیف اور موضوع روایات کے ضمن میں ہم یہاں ایک اور حقیقت کی نشاندہی ضروری سمجھتے ہیں۔ اردو میں کتب تصوف ــــ جن میں صدیوں سے غلط روایات راہ پا چکی ہے۔ صوفیاء کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات، ان کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔

دین اسلام کی اساس کتاب اللہ اور سنت رسول ہے نہ کہ اہل تصوف کی کتب۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں۔ ان کو قبول کر لیا جائے۔ اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں ترک کر دیا جائے۔ جیسا کہ جنید بغدادی کا ارشاد ہے۔

"ہم ہر بات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے۔ اگر کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف ہوگی فهو مردود خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو۔ صحیح صوفی وہی ہے۔ جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت نبوی ہو۔" (٨٩)

لیکن متاخرین اہل تصوف قول کے حسن و قبح کی بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔

مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے۔ تو محض اس نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پائی، اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید سوء ادب سمجھی جاتی۔

محدثین کی تین اقسام ہیں، اوّل وہ جو جمع احادیث اور نقد رواۃ دونوں میں امام ہے۔ دوسرے وہ جو جمع احادیث میں تو امام ہیں۔ مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے تیسرے وہ جو جمع احادیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں ماہر ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مرد میدان نہیں۔ عقیدت و احترام کے باوجود جب ہم شیخ عبد القادر جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میں کافی ضعیف اور موضوع روایات پاتے ہیں اس طرح "کشف المحجوب" کے مصنف کی جلالت شان کے باوجود اس میں ضعیف روایات موجود ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے۔ مگر محدث اور نقادِ رواۃ نہیں تھے۔ اسلئے علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے (۹۰)

تاریخی طور پر ابو ہاشم بن شریک کوفی (م ۱۵۰ھ) پہلے صوفی ہیں جنہوں نے متصوفانہ عقائد پھیلائے۔ اس زمانے میں صوفیاء کو اہل خیر یا صالحین کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے مسلک کی تائید میں احادیث وضع کر لیتے تھے۔ ان کے ان جتنی احادیث متداول ہیں۔ وہ محدثین کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ امام مسلم لکھتے ہیں۔

"محمد بن یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں۔ میرے باپ یحییٰ نے کہا صالحین (صوفیاء) سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں پایا ابن ابی عتاب کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ کی ملاقات ہوئی۔ اور میں نے ان سے اس بات کی تصدیق چاہی۔ تو انہوں نے کہا ہاں! میرے والد فرماتے تھے۔ کہ اہل خیر (صوفیاء) سے زیادہ تو کسی کو بھی حدیث کے معاملے میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔ امام مسلم کہتے ہیں۔ کہ جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے۔ چاہے انہیں جھوٹ بولنے کا ارادہ بھی نہ ہو" (۹۱)

مولانا محمد زکریا نے کتب فضائل الموسومہ "تبلیغی نصاب" میں بھی کتب صوفیاء سے ایسی روایات نقل کی ہیں جو اہل علم کے

نزدیک اسناد کے اعتبار سے کمزور اور ضعیف ہیں اس ضمن میں بطور نمونہ چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ الحدیث قضا نماز کے متعلق یہ حدیث لکھتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے گو وہ بعد میں بھی پڑھ لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی تعداد اسی برس کی ہوتی ہے۔ اور قیامت کا دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے ایک حقب دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس کا ہوگا۔" (۹۲)

اور مولانا نے خود آخر میں لکھا ہے۔ "لم اجدہ من کتب الحدیث" یعنی اس حدیث کا ماخذ مجالس الابرار ہے اور یہ حدیث کتب حدیث میں موجود نہیں پھر اس کے باطل اور موضوع ہونے میں یہ امر بھی کافی ہے کہ صحیح احادیث میں ہے کہ غزوۂ خندق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نمازیں قضا ہو گئی پھر غزوۂ خیبر میں آپؐ اور صحابہ کرامؓ کی نماز فجر قضا ہوئی تھی۔ اس طرح بہت سے علماء صلحاء کی نمازیں بھی قضا ہوئی ہوں گی ۔۔۔۔۔

اسی طرح مولانا محترم ایک حدیث لکھتے ہیں۔

"حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے۔ کہ حضرت آدمؑ سے گناہ صادر ہو گیا جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے۔ وہ ہر وقت دعا استغفار کرتے تھے۔ ایک بار عرض کیا یا اللہ! محمدؐ کے وسیلے سے مغفرت چاہتا ہوں۔ تو وحی ہوئی کہ محمدؐ کون ہے؟ تو آدمؑ نے عرض کیا جب تم نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا اور سمجھ گیا کہ محمدؐ سے اونچی ہستی کوئی نہیں ہے۔ وحی ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں۔ تمہاری اولاد میں سے ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو تم بھی نہ ہوتے۔" (۹۳)

مذکورہ حدیث قرآنی آیت سے متعارض ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی تو اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ (۹۴)

پھر ان کلمات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین (۹۵)

اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت آدمؑ کی دعا کے یہی کلمات " ربنا ظلمنا انفسنا" ہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ نے موضح القرآن میں تفسیر جلالین نیز ابن جریر طبری اور ابن کثیرؒ نے ترجیح انہی کلمات کو دی ہے۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج چھٹی صدی سے ہوا ہے۔ بعضوں نے آنحضرتؐ کی ولادت کے فضائل میں کتابیں لکھی ہیں۔ تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا ایک انبار لگا دیا ہے۔ عام طور پر ہمارے ملک میں مشہور ہیں۔ اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بعد ذوق و شوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔" مذکورہ روایت بھی ان کتب میلاد سے نقل شدہ ہے۔ (۹۲)

اسی طرح مولانا محمد زکریاؒ نے آبِ زم زم کی خصوصیت کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔

"نبی کریمؐ کا پاک ارشاد ہے کہ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے گا وہی فائدہ اس سے حاصل ہوگا" (۹۰)

اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد مولانا محترم نے خود عربی میں لکھا ہے کہ "یہ حدیث باطل، موضوع اور مردود ہے" الغرض فضائل کتب میں غیر مستند کتب تصوف کے حوالے دے کر موضوع، ضعیف اور باطل روایات لکھ دی گئی ہیں۔ جو قرآن و سنت سے ٹکراتی ہے۔ لیکن اردو ترجمہ میں مولانا نے محدثین کی تحقیق درج نہیں کی۔ جس سے عام اردو دان قارئین ان روایات کی جرح و قدح سے ناآشنا رہتے ہیں۔ اور انہیں صحیح احادیث سمجھ کر ان پر عمل کرتے ہیں۔۔۔۔ اسی امر کی طرف معروف عالم دین مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے توجہ دلائی تھی۔ (۹۱)

چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"کاش کہ کوئی محقق محدث عالم اس کی احادیث کی تخریج کر دیں اور ترک صلوٰۃ پر وعید شدید کی بعض باطل روایات کو جن کا عربی میں تو حوالہ ہے۔ مگر اردو میں نہیں، کتاب سے نکال دیں اور یا ساتھ ہی اردو میں اس عربی متروک عبارت کا ترجمہ کر دیں۔ تاکہ عوام اس کو صحیح سمجھ کر غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔۔۔۔ اور یہ تحریک ہم نے حضرت شیخ الحدیث کی زندگی میں چلائی اور توجہ دلائی تھی۔ مگر نامعلوم کیا رکاوٹ پیش آئی کہ اس کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ اور پھر مولانا زکریا کی وفات کے بعد کتاب کے نام کی تبدیلی (تبلیغی نصاب کی بجائے فضائل اعمال)

نیز فضائل درود شریف کا جو حصہ اس سے نکال دیا گیا ہے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ محض کسی سطحی ذہن کے فرقہ سے مرعوب ہو کر ایسا کرنا اور امت مسلمہ کے تعامل کو نظر انداز کر دینا مستحسن فعل نہیں ہے۔" (۹۱)

عمل بالحدیث ـ عملی نمونہ

علومِ حدیث کی نشر و اشاعت اور فنونِ حدیث کی تعلیم و تدریس کا اصل مقصود عمل بالحدیث اور اتباعِ سنت ہے۔

اب ہم مولانا کی خدماتِ حدیث کا اس حوالے سے بھی جائزہ لیتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک جامعیت کی حامل ہے۔ آپ کی ذاتِ اقدس کمالاتِ انسانیت اور مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کیلئے جن اعلیٰ نمونوں کی ضرورت ہے۔ یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور گوناگوں فرائض کی ادائیگی کیلئے جن بہترین ماڈل کی حاجت ہے۔ وہ سب آپ کی حیات مبارکہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کیونکہ آپ کی زندگی قول و عمل کی مطابقت اور علم و عمل کی موافقت کا حسین مرقع ہے۔ اسی لیے انسانیت کیلئے دائمی اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۱۰۰)

بنی نوع انسان کے اعمال کی اصلاح، اخلاق کی درستگی، قلوب کی تطہیر اور انسانی قویٰ میں توازن اور اعتدال پیدا کرنے کیلئے آپؐ کی حیات طیبہ نسخہ کیمیا ہے۔ کیونکہ آپ صاحب خلقِ عظیم ہیں۔

وانک لعلی خلق عظیم (۱۰۱)

صحابہ کرامؓ کی جملہ صلحاء امت پر فضیلت ہی اس لیے مسلّم ہے۔ کہ وہ انسان کامل کی صحبت و تربیت سے

براہِ راست مستفید ہوئے ان کے اخلاق کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ خود مزکّیِ اعظم ؐ نے فرمایا۔ پھر یہ کمالاتِ نبویہ کا بہترین نمونہ بن کر پوری امت کے مقتدا بنے۔

اُصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

"یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جن کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

اصل چیز اتباعِ سنت ہے اسی لئے کسی شخص کی عظمت کی پرکھ کا اصل معیار بھی اتباعِ سنت ہے۔ جو شخص اتباعِ سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا۔ وہ اتنا ہی عظیم اور عند اللہ مقرب و محبوب ہوگا۔

فرمانِ الٰہی ہے :۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۱۰۲)

اس معیار سے بھی مولانا زکریا ؒ کی ذات گرامی قابلِ رشک اور قابلِ تقلید نمونہ تھی۔ انہوں نے کتبِ حدیث کی تعلیم و تدریس، شروحِ حدیث کی تدوین اور تراجم کتب حدیث کی ترتیب کے ساتھ ساتھ عمل بالحدیث کی بھی بہترین خدمت انجام دی۔ مولانا زکریا ؒ کے شیوخ اور اساتذہ بالخصوص مولانا خلیل احمد اور مولانا محمد یحیٰی اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت کے بے نظیر نمونہ تھے۔ نیز مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا دینی ماحول اور روحانی فضا تمسک بالسنۃ کیلئے خصوصی معاون تھی۔ چنانچہ ان شیوخ کی صحبت اور مدرسہ کی تربیت علی منہاج نبوت نے انہیں کندن بنا دیا تھا۔ انھیں عشقِ نبوی اور اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ جس سے آپ کے اخلاق و آداب، معاشرت و معیشت۔ رفتار و گفتار، اکل و شرب اور بیداری و نوم جملہ اعمال و افعال سنت کے تابع ہو گئے تھے۔

نتیجۃً ـــــ جس طرح مولانا زکریا ؒ نے احادیث کی شرح کرنے میں ہر ہر جز کو تفصیل سے بتایا۔ اسی طرح شیخ الحدیث نے زندگی کے ہر شعبہ میں سنت کے ہر ہر جزو پر عمل کر کے بھی دکھلایا۔ حتیٰ کہ آپ کے عمل کو دیکھ کر لوگ دین کی تعلیم اور مسائل

کا علم حاصل کرتے تھے۔ مولانا سے ہر ملاقاتی پہلا تاثر یہی لیتا تھا۔ کہ اتباعِ سنت مولانا کی فطرت ثانیہ اور لازمِ حیات ہے۔ اور یہ فطرت ثانیہ لازمی نہیں متعدی ہے۔ یعنی گھڑی دو گھڑی وقت گذارنے والا بھی اپنے دل کو حبِ رسول سے سرشار پاتا تھا۔

پھر آپ کی زندگی کا محبوب مشغلہ احیائے سنت تھا۔ اپنی تصنیفات، تالیفات، ملفوظات اور ارشادات میں ہمیشہ سنتِ نبوی کی پیروی اور مٹی ہوئی سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کیلئے تاکید اور تلقین کرتے تھے۔

مولانا زکریاؒ کے خلیفہ مجاز صوفی محمد اقبال نے ایک کتاب بنام۔

"حضرت شیخ کا اتباعِ سنت اور عشقِ رسولؐ" لکھی ہے۔ (۱۰۲)

جس میں انہوں نے کثیر امثلہ دیکر ثابت کیا ہے۔ کہ مولانا موصوف کی زندگی سراپا اتباعِ سنت تھی۔

اس میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

اخلاص نیت:-

مشہور حدیث ہے:-

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

"یعنی سارے اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔"

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ

جو بھی عبادت اور دینی کام کیا جائے۔ وہ صرف اور صرف اللہ جل شانہٗ کی رضا کیلئے کیا جائے۔ اور کوئی مقصد اسکے علاوہ نہ ہو۔

مولانا زکریاؒ کی ساری زندگی اور ساری ہی دینی خدمات للہ فی اللہ ہی رہیں اور ہر کام میں سوائے رضائے الٰہی کے اور کوئی مقصد نہیں رہا۔ بڑی بڑی چیزوں میں اور چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی ان کے پیشِ نظر اپنے مالک اور خالق کو خوش کرنے کے علاوہ اور کوئی خیال کبھی نہیں آیا۔ حتیٰ کہ کبھی بازار سے بھی معمولی چیز خریدنے کی نوبت آتی۔ تو وہ بھی کسی مہمان ہی کی نیت سے خریدی گئی۔

اسی طرح مولانا زکریاؒ کی ساری زندگی اور ساری جوانی جس بیش قیمت اور بیش بہا مشغلہ میں خرچ ہوئی۔ وہ خواص و عوام سے اب پوشیدہ نہیں ہے۔ مولانا کا وہ مبارک کارنامہ شروح حدیث کا جو "اوجز" اور "بذل" کی شکل میں عرب و عجم میں پہنچ چکا ہے۔ اور جس کی خاطر نا معلوم حضرت والا کو کیا کیا قربان کرنا پڑا۔ دینوی بڑے بڑے عہدے اور معقول اونچی تنخواہیں اور عالم شباب کے جذبات اور امنگیں اور راتوں کی راحتیں اور شیریں خواب اور اس کے علاوہ اللہ کا بندہ ہی جانتا ہے۔ کن کن حالات کو اپنے مولیٰ کی رضا کی خاطر سب کو ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد جب اللہ جل شانہٗ نے پردہ غیب سے ان کی کتب کی ٹائپ کی طباعت کا انتظام فرمایا۔ اور بڑی محنتوں اور مشقتوں اور لاکھوں کے اخراجات کے بعد جب "بذل" اور "اوجز" ٹائپ پر ۴۰ سال تمناؤں کے بعد طبع ہوئی۔ تو حضرت کے ایک عزیز اور مخلص نے حضرت والد سے یہ عرض کیا کہ

"حضرت آپ لاکھوں کے مصارف سے یہ کتب طبع کرا رہے ہیں اور آپ نے ان کی رجسٹری تو کرائی نہیں؟ جونہی یہ کتب طبع ہو کر منظرِ عام پر آئیں گی فوراً ہی کوئی تاجر اس کو آفسٹ پر طبع کرالے گا۔ اور آپ کی قیمت کے چوتھائی پر اس کو فروخت کرے گا۔ اس کا تو کام بن جائے گا۔ اور آپ کی کتابیں بوجہ گراں ہونے کے یوں ہی رہیں گی۔"

اس پر مولانا نے جواب دیا:۔

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ

نیز فرمایا:۔

"اگر کوئی ایسا ارادہ کرے گا۔ تو میں اس کو فوٹو کے پیسے اپنے پاس سے پیش کروں گا۔ پھر میری کتابیں جلد فروخت ہو جائیں گی۔" (۱۰۴)

عبادات :۔

عبادات میں بھی اتباع سنت پیش نظر تھا۔ نماز کا حال یہ تھا۔ کہ رمضان المبارک میں آخری سالوں میں تہجد میں دو گھنٹے اوابین میں ایک گھنٹہ اور تلاوت کا حال یہ تھا۔ کہ غیر رمضان میں روزانہ کا معمول سارے دینی کاموں کے ساتھ تقریباً دس پاروں کی تلاوت کا تھا۔ ہر تیسرے دن ختم قرآن، روزوں کا حال یہ تھا۔ کہ بڑھاپے میں کافی طویل عرصہ کے بعد قیام کیلئے حرمین میں حاضری ہوئی تو مئی، جون کی سخت گرمیوں میں مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کئے۔ اور افطار و سحر میں بھی کھانا برائے نام تھا۔ زکوٰۃ تو آپ پر کبھی فرض نہیں ہوئی۔ جو مال آتا خرچ ہو جاتا۔ آپ نے متعدد حج کئے۔ اتباع سنت میں عمر کے آخری سال خصوصی حج فرمایا (۱۰۵)

حقیقی مساوات

ابوداؤد شریف میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے :۔

"ام المؤمنین حضرت عائشہ رضہ کے پاس ایک سائل آیا۔ اور حضرت عائشہ رضہ نے اس کو ایک روٹی کا ٹکڑا دے دیا۔ اس کے بعد ایک شخص ذی ثروت جس پر اچھا لباس بھی تھا۔ آیا، حضرت عائشہ رضہ نے اس کو بٹھایا۔ اور کھانا کھلایا۔ کسی نے حضرت عائشہ رضہ پر اعتراض کیا۔ کہ ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا۔ کہ ہمیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :۔

"لوگوں کو ان کے مرتبہ پر اتارو"۔

اور ایک ارشاد میں ہے :۔

إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوهُ ۔ (۱۰۶)

مولانا کا عمل :-

مولانا زکریاؒ جب تک مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے ۔ دسترخوان پر حسبِ مراتب بٹھانے کی خدام کو ہدایت ہوتی ۔ ساتھ ہی حیثیت کے مطابق مہمانوں کی خاطر مدارت ہوتی ۔ بعض مہمانوں کیلئے چپاتی ہوتی ۔ اور بعضوں کیلئے گھر سے گرم روٹیاں آتیں ۔ اسی طرح سالن میں ۔ معاملہ ہوتا ۔ لیکن اس میں حتی الوسع دو باتوں کا خیال رکھا جاتا ۔ ایک یہ کہ خصوصی مہمانوں کو پہلی قسط میں کھلا کر عمومی کو بعد میں بٹھایا جاتا ۔ کیونکہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے کئی قسطوں میں تو بٹھانا ہی پڑتا تھا ۔

دوسرا یہ کہ کھانے کی جو چیز خصوصی مہمانوں کیلئے ہوتی یا کہیں سے آتی تو حضرت والا سارے مہمانوں کو اس میں شریک ضرور کرتے تھے ۔ چاہے خصوصی کے آگے پوری رکابی ہو اور بقیہ کیلئے ایک ایک چمچہ بٹ جائے ۔

تواضع و انکساری :-

تکلف اور تصنع کی تواضع اور عرفی جھوٹا وقار سے مولانا بہت دور تھے ۔ نہ تو اپنے لیے پسند کرتے تھے ۔ اور نہ ہی اپنے خدام کیلئے حقیقی تواضع اور حقیقی وقار ۔ صفائی معاملات میں ، اعلیٰ حوصلگی و ایثار و سخا وغیرہ حضرت کی زندگی میں نمایاں ہیں ۔ خصوصاً تواضع اور ایسی تواضع جس کے تواضع ہونے پر حضرت کو التفات بھی نہیں ہوتا ۔

حضرت کا معمول تھا ۔ کہ مدرسہ مظاہر العلوم میں استنجاء کے ڈھیلوں کیلئے کچی اینٹیں اور حمام گرم کرنے کی لکڑیاں کی گاڑیاں آیا کرتی ہیں ۔ حضرت فرماتے تھے :-

"میں نے مدرسہ کے دربان سے کہہ رکھا تھا ۔ کہ جب اینٹوں اور لکڑیوں کی گاڑی آئے ۔ تو اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کر دے ۔ جب بھی گاڑی کی اطلاع آتی میں گھنٹہ کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب (صدر مدرس) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا ۔ کہ اینٹیں آئی ہیں ۔ میں نیچے جا رہا ہوں ۔ مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے تھے ۔ اور ہم دونوں کو دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں ۔ کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے

ہم دونوں کو تو ایک پیسہ بھی مشکل سے آتا تھا۔" (۱۰۷)

عیادت

بیماروں کی عیادت کا معمول مولانا رح کا بہت کثرت سے رہا۔ حتیٰ کہ آپ انتہائی معذوری میں بھی جب تک گاڑی میں بیٹھ کر جانے کی طاقت رہی۔ حضرت عیادت کو جاتے رہے۔ اولیاء اللہ، مشائخ اور بڑے لوگوں کی عیادت کو تو سب ہی کے جانے کا رواج ہے۔ لیکن اپنے ادنیٰ خادم کے ہاں جانا مولانا کا امتیاز تھا۔

صوفی اقبال واقعہ ذکر کرتے ہیں :۔

"ایک دفعہ احقر مدینہ طیبہ میں بیمار تھا۔ اور احقر کا مکان کچے راستوں میں سے ہو کر ایک بے آباد باغ کے اندر تھا۔ حضرت اپنے خادم خاص الحاج ابوالحسن صدیقی کے ساتھ اس جگہ تشریف لے آئے۔ اور پڑھ کر بندہ پر دم کیا۔ جس سے مجھے افاقہ ہو گیا۔ اور مجھے تکلیف کی جگہ پر دیکھ کر کوئی سہولت کی جگہ ملنے کی دعا بھی فرمائی۔ جس کے بعد مجھے بلا کسی کوشش کے حرم شریف کے قریب راحت کا مکان بھی مل گیا۔" (۱۰۸)

لباس :۔

حضرت شیخ کا معمول عمامہ باندھنے کا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا :۔

"میری ساری زندگی کا معمول عمامہ باندھنے کا تھا۔" (۱۰۹)

صوفی محمد اقبال فرماتے ہیں :۔

"وہ منظر گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جب کہ تقسیم ہند سے قبل احقر کو حضرت کی پہلی دفعہ زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ تو حضرت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے چارپائی پر تشریف فرما تھے۔" (۱۱۰)

نیز فرماتے ہیں :۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ہمیشہ لنگی کی تھی۔ تو حضرت شیخ کی عادت شریفہ بھی ہمیشہ لنگی ہی کی رہی ہے۔ کبھی پاجامہ پہننا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت کی ہمیشہ کی عادت تو لنگی ہی باندھنے کی ہے۔ مگر صحت کے زمانہ میں سردیوں میں موٹا پاجامہ اور گرمیوں میں سوتی پاجامہ بلا لنگی بھی پہنتے رہے۔ پھر حضور کا لنگی اور پاجامہ دونوں پہننے کا ذکر حدیث پاک میں موجود ہے۔ تو حضرت اقدس کا اکثر پاجامے اور لنگی باندھنے کا معمول رہا ہے۔"

"حضرت شیخ کا کرتہ تو ہمیشہ بہت موٹے کھدر کا کھتئی رنگ کا گھر میں رنگا ہوا ہوتا تھا۔ البتہ بعذر باریک کرتہ استعمال فرماتے تھے۔"

لنگی کے نصف ساق تک ہونے کا حضرت کے یہاں خاص اہتمام رہا۔ نیز حضرت کے یہاں چادر کے استعمال کا دائمی معمول رہا۔ تقسیم سے قبل حضرت کی ایک کمری (بنیان) پر اس قدر پیوند تھے۔ اور وہ اتنی بوسیدہ ہو گئی تھی کہ پوری تصویر بیان نہیں ہو سکتی۔ (۱۱۱)

حضرت شیخ کے خوشبو لگانے کا تو سب ہی جانتے ہیں۔ حضرت شیخ کا شملہ (عمر بلا چرغہ) اور کرتہ پر خوشبو

لگانے کا دستور ہے۔ حضرت کے یہاں ہمیشہ ایک ڈبے میں عطر کی مختلف شیشیاں رکھی رہتی ہیں۔ (۱۱۲)

خوراک :-

حضرت اقدس کے کھانے پینے میں کوئی ایک سنت عمل کے بغیر نہیں چھوڑی۔ کھانے سے اول اور بعد میں ہاتھ دھونا سنت ہے۔ جس کا خاص اہتمام فرماتے۔

مولانا یوسف متالا لکھتے ہیں۔

"تیسرے سال سے حضرت نے جو پسوا کر روزانہ دوپہر کو جو کی روٹی کھانا شروع کر دی۔ بلا ناغہ کئی ماہ تک یہ مسلسل چلتا رہا کہ بڑے عشق اور مزے لے کر حضرت وہی جو کی روٹی اتباعِ سنت کی نیت سے کھاتے رہے۔ اور مہمانوں کیلئے جو گیہوں کی روٹیاں پکتی تھیں اس میں بھی تھوڑا سا جو کا آٹا ملانے کا اہتمام تھا۔ اسی طرح ٹھنڈے میٹھے پانی کا بھی بہت اہتمام رہا۔" (۱۱۳)

مولانا عبدالرحیم متالا اپنے یہاں حضرت کے قیام کا بتاتے ہیں :-

"حضرت روزانہ صبح کے وقت شہد اور کلونجی نوش فرماتے تھے اور سرکہ کے استعمال کا بھی بہت معمول رہا کہ ان سب چیزوں کے استعمال کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ ایک حدیث پاک میں کدو کے مرغوب ہونے اور شوربے میں سے چن کر کھانے کا ذکر ہے۔ چنانچہ احقر مدینہ پاک میں مہمانوں کیلئے جب کی نا مارتا۔ تو سالن میں سے کدو کے قتلے چن کر ایک طشتری میں حضرتِ اقدس کیلئے لے جاتا۔ حضرت بہت ہی مسرت سے قبول فرما کر نوش فرماتے۔ احقر نے حضرت کو کبھی اکیلے کوئی چیز نہ کھاتے دیکھا۔" (۱۱۴)

کچا گھر :-

حضرت شیخ کی کئی پشتوں سے وجاہت، خاندانی ریاست، مہمانوں کی کثرت کے علاوہ اپنے گھر کے افراد اور کنبہ کی وسعت وغیرہ امور کا تقاضا تھا۔ کہ حضرت کا مکان بڑا اور عالیشان ہوتا۔ مگر سنتِ نبوی کے اس عاشق کا گھر کم سے کم ضرورت اور مجبوری کا تھا۔

جو پہلے کچی اینٹوں کی ایک کوٹھڑی تھی۔ اس لئے اس کا نام اب تک "کچا گھر" مشہور ہے۔ حضرت کا یہ مکان اپنی دیواروں کے بغیر ہے تین دیواریں ملحقہ مکانات کی ہیں۔ ان کے درمیان چھت ڈال کر مکان بنایا گیا ہے۔

جس چھوٹے سے مردانہ حجرے میں حضرت کا شب و روز قیام، بیت الخلاء، غسل خانہ اور مجلس کیلئے اینٹوں کے دو ڈکے" جن پر ٹاٹ بچھتا تھا۔ درمیان میں حضرت کی چارپائی تھی۔ اسی مکان میں حضرت کے مہمانوں کا کھانا بھی ہوتا۔ جو جگہ میں تنگی کے باعث کئی قسطوں میں ہوتا تھا۔ معمولی درجہ کی چھت آخر کب تک چلتی۔ جب چھت کی کوئی کڑی بوسیدہ ہو کر گرنے کو ہوتی تو حضرت لکڑیوں کے ٹال سے ایک "بلی" سی منگوا کر کڑی کے نیچے ٹیک لگا دیتے۔ پھر جب کوئی دوسری کڑی گرنے کو ہوتی۔ تو ایسی دوسری ٹیک لگا دی جاتی۔ اس طرح کمرے میں کئی بلیاں کھڑی تھیں۔ کمرے کے باہر جہاں سونا اور مجلس ہوتی۔ اس کی ایک دیوار بارش سے سیاہ تو تھی ہی بوسیدہ ہو کر درمیان سے جھکی ہوئی تھی۔ (۱۱۵)

ایک دفعہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری حضرت کے یہاں مہمان ہوئے۔ تو اس گھر کو دیکھ کر فرمایا کہ:۔

"اس کو دیکھ کر نانا ابا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی یاد تازہ ہو گئی۔" (۱۱۶)

بستر اور تکیہ کا معمول:۔

حضرت اقدس کا ایک بستر چمڑے کا تھا۔ جس میں پرال بھری ہوئی تھی۔ گدے کی طرح کہ حضرت کے ذاتی کتب خانہ جو حضرت کی تصنیف کا کمرہ بھی تھا۔ اور خلوت خانہ بھی چاروں طرف کتب سے بھرا ہوا تھا۔ صرف بیٹھنے کی جگہ پر یہ بستر تھا۔ جو جب بچھایا گیا۔ تو پھر چالیس برس تک صفائی کیلئے نہ اٹھایا گیا۔ ایک بستر کچے گھر میں موٹے کھیس کا تھا۔ جس میں ایک چمڑے کا تکیہ بھی رہتا تھا۔ جس میں شال بھری ہوئی تھی۔ یہی بستر لپیٹ کر بطور تکیہ چارپائی کی پائنتی پر رکھ دیا جاتا۔ اس پر حضرت ٹیک لگا کر خالی چارپائی پر تشریف فرما ہوتے اور ٹیک مطابق سنت اکثر بائیں جانب رکھی گئی۔ (۱۱۷)

حضرت کو ساری عمر مسواک کا اہتمام رہا۔ حتیٰ کہ جب دہن مبارک میں کوئی بھی دانت باقی نہیں رہا تو محض مسوڑوں پر ہی مسواک ضرور استعمال فرماتے۔ جب اپنے ہاتھ سے مسواک کرنے کی قوت بھی نہ رہی۔ تو دستو

کروانے والے خادم اپنے ہاتھ سے حضرت کے مسوڑوں پر پھیرتا تھا۔ اور اگر وہ کبھی بھول جاتا تو طلب فرماتے۔ (۱۱۸)

اسی طرح جمعہ کا غسل جو کہ مسنون ہے۔ حضرتِ مولانا باوجود ضعف و پیری اور سخت احتیاج کے پانچ چھ خادم مل کر حضرت والا کو غسل کرواتے تھے۔ سخت سردیوں میں بھی اسکا اہتمام فرماتے۔ ساتھ ہی غسل میں سر اور داڑھی میں "خطمی" کا استعمال جو کہ مسنون ہے۔ اور جس پر عمل قریب قریب آج کل متروک ہے۔ حضرت مولانا کو اس کا بہت ہی اہتمام رہا۔

اس کے علاوہ عطر کا استعمال اور دوپہر کے کھانے کا بعد جمعہ ہوتا۔ اُمورِ مسنونہ کا اس مبارک دن کا حضرت کے ہاں ہمیشہ اہتمام دیکھا گیا۔ (۱۱۹)

اسی طرح حضرت کو اپنا قوت کے زمانہ میں ہمیشہ اس کا اہتمام رہا کہ اذان دینے میں سبقت کریں۔ چنانچہ جب اپنے مرشد مولانا خلیل احمد کے ہمراہ ریل کا سفر ہوتا۔ تو حضرت چلتی ریل میں کھڑکی میں منہ نکال کر بہت ہی لمبی اذان دیتے۔ تاکہ آواز میلوں تک پہنچ جائے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کا بیان ہے۔

۱۳۸۸ھ والے عمرہ میں جب کہ بغیر سہارے کے حضرت نہ چل سکتے نہ کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس وقت خلیص کے مقام پر مغرب کی نماز کیلئے ٹھہرے تو حضرت نے کھڑے ہو کر اذان کہی۔ (۱۲۰)

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ

حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"میرا اور میرے چچا جان کا ہمیشہ یہ معمول رہا۔ کہ اپنی ایک شبانہ حاضری کاندھلہ میں جملہ اعزہ کے گھروں میں جا کر ان سے ایک ایک دو دو منٹ کیلئے ضرور ملتا۔ میرا کاندھلہ جانا چھ ماہ آٹھ ماہ میں ایک شب کیلئے ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حسبِ معمول میں ایک عزیز کے گھر گیا۔ جو ایک معمولی سی بات پر اور محض

غلط فہمی سے اپنے دل میں مجھ پر ناراض تھے۔ جس کا مجھے احساس تک نہ تھا۔ (۱۲۱)

میں نے جا کر سلام کیا۔ انہوں نے منہ پھیر لیا۔ میں نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھائے۔ مرحوم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بھائی محمود کا (جو اس وقت ساتھ تھے) غصہ کے مارے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے ایک مونڈھا کھینچا۔ اور ان عزیز کے قریب بیٹھ کر چلا آیا۔ جب وہاں سے واپس آرہا تھا۔ راستے میں بھائی محمود نے کہا بے غیرت! بے حیا! پھر بھی ان کے یہاں آئے گا؟ میں نے کہا ضرور آؤں گا۔ یہ ان کا فعل تھا۔ جو انہوں نے کیا۔ وہ میرا فعل ہوگا جو میں کروں گا۔ ہمیں حدیث میں

صل من قطعک

کا حکم دیا گیا ہے۔" (۱۲۲)

الحیاء من الایمان

حضرت شیخ کی ساری زندگی اتباعِ سنت کا کامل نمونہ تھی۔ زندگی کے ہر عمل کی طرح حضرت شیخ کی حیا بھی اپنی مثال آپ تھی۔ ذیل میں بطورِ مثال ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

صوفی محمد اقبال فرماتے ہیں۔

"حضرت کے جس طرح باقی سب حالات نرالے تھے۔ اسی طرح صحت و امراض کا مسئلہ بھی عجیب کہ سر پر سردیوں میں بھی گرمی رہتی تھی۔ اور کوئی کپڑا وغیرہ استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ پاؤں ٹانگوں میں گرمیوں میں بھی سردی لگتی تھی۔ گرمیوں میں گرم کمبل ٹانگوں پر رہتا تھا۔ (یہ تو صحت کے باب میں تھا۔ اب اصل واقعہ بیان کیا جاتا ہے)۔

حضرت کی عادت تھی۔ کہ عورتوں کی بیعت یا تلقین پردے کے پیچھے بٹھا کر اس کے محرم کے واسطے کرواتے تھے۔ گرمی میں ایک دفعہ ایک بے پردہ عورت اپنے درد ناک حالات سنانے کیلئے سامنے

ظاہر ہو گیا۔ تو حضرت نے فوراً ٹانگوں والا کمبل چہرہ انور پر اوڑھ لیا۔ وہ کچھ دیر تک بات سناتی رہی۔ حضرت اسی طرح سردی برداشت کرتے رہے۔"

ایک اچھی مثال :۔

مدرسہ مظاہر العلوم کے طلبہ اکثر تو دارالاقامہ میں رہتے ہیں۔ لیکن بعض امامت کی حد میں شہر کے مختلف محلوں کی مساجد میں بھی رہتے ہیں۔ مولانا کو جب بھی کسی غریب الوطن طالب علم کی وفات کی اطلاع ملتی۔ تو فوراً وہاں پہنچ کر اس کو غسل دیتے۔ چاہے رات کا وقت ہو۔ اور جگہ بھی دور ہو اور بعض وقت فوت ہونے والا چیچک وغیرہ ایسے مرض کا شکار ہوتا۔ جس سے گھن اور تعفن بھی ہوتا۔ اور ظاہری نجاست سے آلودگی بھی ہوتی۔ مگر حضرت باایں نفاست طبع اپنے دست مبارک سے اس کو غسل دیتے۔ حافظ عبد اللطیف صاحب کی وفات کے وقت حضرت پر بڑھاپے کے آثار اور امراض کی وجہ سے کئی قسم کی معذوریاں بھی ہو گئی تھیں۔ لیکن شیخ غسل کیلئے اس حالت میں بھی تشریف لے گئے۔

حضرت نے ایک مرتبہ تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا۔ کہ میں نے تقریباً ۲۰۰ مردوں کو غسل دیا ہو گا۔ اور مجھے اللہ کی ذات سے اس پر بڑے اجر کی امید ہے۔ (۱۲۳)

شادی میں اتباع سنت :۔

شادی بیاہ میں بھی اتباع سنت آپ کا شعار تھا۔ چنانچہ آپ بیتی میں لکھتے ہیں :۔

"ان میں سے ایک معمولی مسئلہ تقریبات اور شادیوں کا بھی ہے۔ میں نے اپنی دو ہمشیرہ اور ہمشیرہ زادی اور بنات اور اسباط کی تقریباً ۱۶ - ۱۷ شادیاں کیں۔ ہر شادی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہ کرم فرمایا۔ کہ کبھی پتہ بھی نہ چلا۔ کہ نکاح کیا کہ دو رکعت نفل پڑھ لی۔ نکاح ایک عبادت ہے۔ جس کو لوگوں نے مصیبت بنالیا۔۔۔۔ جہیز بری سے، زیورات، شادیوں کی دعوت سے مجھے نفرت ہے۔

فضول خرچی اور جہیز کی نمائش کبھی نہیں کی۔ (۱۴۴)

وراثت کا ایک واقعہ:۔

مولانا فرماتے ہیں:۔

"نیز میں نے اپنی والدہ کے انتقال پر عام گھروں کے دستور کے مطابق کہ بہنیں اپنی رضا خوشی سے اپنا حصہ بھی بھائیوں کو دے دیا کرتی ہیں۔ اس کا حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ مرحومہ نے بہت خوشامد کی۔ بہت روئی بھی۔ کہ میں تو آخر تمہارے ہی ذمہ رہوں گی۔ کہاں جاؤں گی۔ ماں بہن، باپ نہیں۔ میں نے کہا ضرور رہے گی۔ انشاء اللہ اور ماں باپ دونوں کا بدل دوں گا۔ لیکن حصہ تیرا ضرور الگ کروں گا۔"

چنانچہ شیخ نے ایسا ہی کیا۔ نہ صرف بہن کا حصہ الگ کر کے ان کو دیا بلکہ بعد میں جاگیر اور کا اپنا حصہ بھی بہن ہی کو منتقل کر دیا۔

ایک بدعت کا خاتمہ:۔

حضرت کے خاندان میں یہ رسم بن چکی تھی۔ کہ خاندان سے باہر بچیوں کی شادی نہ کی جاتی۔ اس کا خاتمہ کرانے کا سہرا بھی حضرت کے سر ہے۔ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری ہمشیرہ زادی و مالدہ سلمان کا نکاح بھی ایک معرکۃ الآرا نکاح بن گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ان کی منگنی ہو چکی تھی۔ جبکہ ان کے والدین چاہتے تھے۔ کہ منگنی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے بہتر اور دیندار شخص سے نکاح کیا جائے جبکہ مجوزہ شخص (سابقہ منگیتر) داڑھی منڈواتا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ صاحب نے اپنے چچا جان کے مشورے سے ایک اچھے اور دیندار شخص متقی یحییٰ سے نکاح بڑی سادگی و شرعی طریقہ سے کر دیا۔ اور قرابت داری پر دینداری کو ترجیح دی۔ نکاح کے بعد خاندان والوں کی ناراضگی کا بیان

یوں فرماتے ہیں۔

"ماموں شعیب (لڑکی کے والد) کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ ان کے دین پسند رجحانات سے نکاح تو ہو گیا۔ لیکن خاندان والوں کی جو یورش اس ناکارہ پر ہوئی ہر کسی کے ذہن میں تھا۔ کہ بھائی شعیب تو کسی کو جانتے نہیں اور چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی سامنے میری رائے کی تابع ہے۔ تو خاندان سے باہر نکاح کی بدعت زکریا کا کارنامہ ہے۔ اس میں ایسے عزیز بھی ناراض رہے کہ دو برس تک ملاقات پر بات بھی نہیں کی۔ اور اتنے سخت ناراضگی کے خط لکھے کہ حد و حساب نہیں۔" (۱۲۵)

مگر دین کے معاملے میں شیخ کو کسی کی مخالفت کی کیا پرواہ تھی۔ آپ نے سب کی مخالفت مول لے کر سب و شتم برداشت کر کے اس رسم بدعت کا خاتمہ کر دیا۔

خود تحریر فرمایا:۔

"ہمارے گھر میں خاندان سے باہر شادی کا یہ پہلا واقعہ ہے۔"

اب ہم خود اس بات پر غور کریں۔ تو ہمیں اندازہ ہو گا۔

کہ ایسے ماحول اس قسم کا جرأت مندانہ اقدام کتنا مشکل ہوتا۔ پھر دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ منگنی کو لڑکے کے باشرع نہ ہونے پر توڑ دیا کہ وہ داڑھی منڈاتا تھا ـــــ

حوادث وسانحات:۔

مولانا زکریاؒ کو اعزہ و اقربا کے پے درپے سنگین حوادث اور جان گداز سانحات پیش آئے۔ جو طبیعت کو پژمردہ اور سینہ کو داغ داغ بنا دینے کیلئے کافی تھے۔ لیکن آپ نے ان حوادث کو اتباع سنت میں عزیمت اور صبر سے برداشت کیا(۱۲۶)

ان میں پہلا حادثہ شفیق و مربی باپ کی وفات کا تھا۔ جو عین عنفوان شباب میں پیش آیا۔ اس حادثہ سے آپ

کا دل و دماغ مجروح ہوا اور نئی ذمہ داریوں اور قرض کا بار سر پہ آ پڑا۔ (۱۲۷)

پھر اگلے ہی سال شفیق والدہ کی رحلت کا حادثہ پیش آیا۔

پھر ۱۳۴۶ھ کو محبوب استاد اور روحانی مربی مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے رحلت فرمائی۔

۱۳۵۵ھ میں اہلیہ نے داغ مفارقت دیا۔

پھر ۱۳۶۳ھ کو سراپا شفقت چچا مولانا محمد الیاس کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ جو نہ صرف اہل خاندان بلکہ عالم اسلام کا خسارۂ عظیم تھا۔ شیخ نے اسے بھی بے نظیر ہمت و استقامت سے برداشت کیا۔

پھر اپریل ۱۹۶۵ء میں اپنے قوت بازو اور محب مولانا محمد یوسف کی وفات کی ناگہانی خبر ملی لیکن آپ نے اس سانحہ عظیم پر بھی "رضا بالقضاء" کا مظاہرہ کیا۔

چنانچہ مولانا ابو الحسن ندوی کے تعزیت نامہ کے جواب میں لکھا :۔

"مولانا! صدمات بہت اٹھائے کہ اب طبیعت ایسی بے حس ہو گئی کہ خوشی اور رنج دونوں ہی چیزیں میرے لئے مصنوعی سی رہ گئی ہیں۔

یعنی لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ

کی سی کیفیت ہو گئی۔ حضرت سہارنپوری، پھر چچا جان، پھر حضرت مدنی، حضرت رائے پوری اور آخر میں عزیز یوسف مرحوم نے کچھ سیمنٹ کا سا پلاسٹر ایسا کر دیا۔ کہ رنج و خوشی دونوں چیزیں [illegible] سی ہو گئیں"۔ (۱۲۸)

متفرق خدمات

ہم ذیل میں، مولانا محمد زکریاؒ کی متفرق دینی و ملی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

دینی حمیت اور ملی غیرت:۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد زکریاؒ کو فطرت سلیمہ ودیعت کی تھی دینی ماحول اور خاندانی اثرات نے ان کے اندر دینی حمیت، اپنے اسلاف سے لگاؤ اور علمائے حق کے مسلک سے تمسک پیدا کر دیا تھا۔ نتیجۃً ان میں دینی حمیت اور ملی غیرت کا جذبہ غالب تھا۔ جس کا اظہار وہ ہر موقع پر کرتے تھے اس ضمن میں ہم چند امثلہ تحریر کرتے ہیں۔

مسلک توحید کی محافظت:۔

تقسیم ہند سے مسلمان بھی تقسیم ہو گئے اور پاکستان اور بھارت میں علیحدہ علیحدہ محدود ہو کر رہ گئے۔ باہمی ملاقات بھی معدوم ہو گئی۔ تو بعض علماء نے بزرگانِ دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جس میں مسلمان کثیر تعداد میں شریک ہوتے۔ باہمی ملاقات کے مواقع ملتے یہ عرس تقسیم کے بعد تقریباً بند ہو گئے تھے چنانچہ بعض علماء مصلحتاً نہ صرف ایسے اجتماعات کو جائز سمجھتے بلکہ وہ خود بھی ان میں شریک ہوتے۔ باہمی ملاقات کے مواقع ملتے۔ لیکن یہ عرس بدعات کے مرکز اور مسلک توحید کے خلاف تھے۔ چنانچہ مولانا محمد زکریا نے اپنے ایک مکتوب میں اس رجحان کی مخالفت کی۔

لکھتے ہیں:۔

"اللہ کی شان، انقلاباتِ زمانہ اور اپنے اعمالِ بد کے ثمرات، دیو بند جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ سائل رہی، اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے۔ جس شخص کے بڑے نظام الدین کے عرس کے زمانہ میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ان کا نا خلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جائے تا کہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے عنوان سے اجازت مل جاتی ہے ملاقات ہو جائے۔" (۱)

تصویر کی قیمت :۔

اسی طرح ۱۹۳۹ء میں اخبار "الجمیعۃ" میں اشتہار تھا۔ جس میں "شیخ الہند جنتری" کا اعلان تھا اور اس کے خریدنے کی ترغیب ان الفاظ میں دی گئی تھی :۔

"اس کی بڑی قدر و قیمت اس بات سے ہے کہ اس میں شیخ الاسلام مولانا مدنی رح کی تصویر ہے اور اس سے کتاب کی ساری قیمت وصول ہو جاتی ہے۔"

مولانا محمد زکریا رح نے یہ اشتہار اور تبصرہ پڑھا تو دل پر چوٹ لگی اور بے چین ہو گئے فوراً مولانا ابوالحسن ندوی رح کو خط لکھا :۔

"ایک ضروری امر کی طرف آپ کی اور مولانا منظور صاحب کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ شیخ الہند جنتری کے نام سے کوئی جنتری طبع ہوئی ہے۔ جس کو میں نے اب تک دیکھا نہیں لیکن اس کا اشتہار جمعیت کے پرچوں میں اور جمعیت نمبر میں طبع ہوا ہے اگر اب تک نہ دیکھی ہو تو جمعیت نمبر میں اس کا اشتہار ملاحظہ فرمائیں اس کے متعلق اخبار "الجمیعۃ" ۱۹/اپریل صفحہ ۳ پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت مدنی زاد مجدہم کی تصویر کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جنتری کی پوری قیمت صرف اس تصویر سے وصول ہو جاتی ہے۔ یہ مشائخ و علماء کے آرگن کیلئے نہایت نامناسب ہے۔ یہ حضرات تصویر کشی کی تقبیح نہ کریں اس کی کم از کم مدح سرائی تو نہ کریں اس متعلق اگر آپ حضرات کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو "الفرقان" اور "تعمیر" دونوں میں تنقید ضروری ہے۔" (۲)

میلادی جلسہ :۔

اسی طرح ایک مرتبہ مولانا نے ایک معروف دیوبندی عالم دین کے متعلق سنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں۔ مولانا نے علی میاں ندوی کو لکھا

"ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ میں ۔۔۔۔۔ کی شرکت کا وعدہ پڑھا

جب سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پیا کا برتے ایسے ۔ ختم شو کے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار "جبہتہ"
تو گویا اس کے پروپیگنڈا کیلئے وقف ہو گیا۔ (۳)

تقویۃ الایمان کا عربی ترجمہ :۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا رسالہ "تقویۃ الایمان" اردو میں مسلک توحید کا بہترین ترجمان ہے۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ
دسمبر ۱۹۷۲ء میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو مولانا محمد زکریاؒ نے انھیں اس کے عربی ترجمے کیلئے کہا چنانچہ مسجد نبوی میں
۲۹/۳۰ ذی الحجہ کو مقدمہ کا آغاز کیا اور واپسی پر ۱۳۹۲ھ میں ترجمہ کی تکمیل کی، جابجا ضروری اور مفید حواشی بھی دیئے
علاوہ ازیں ایک مفصل مقدمہ اور مصنف کے حالات زندگی کا بھی اضافہ کیا، مولانا محمد زکریاؒ نے ترجمہ سنا تو بڑی تحسین
فرمائی، دعائیں دیں اور یہ عربی رسالہ کثیر تعداد میں خرید کر احباب اور اہلِ علم میں تقسیم کیا۔ (۴)

داڑھی کا وجوب :۔

مغربی تہذیب کے زیرِ اثر اہلِ عرب میں "وجوب اعفاء اللحیۃ" کے بارے میں تساہل پیدا ہو گیا تھا۔
جس نے "عموم بلویٰ" کی شکل اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ یہ دینی حمیت کا نتیجہ تھا ۱۳۹۶ھ کو مدینہ طیبہ میں اس نازک مسئلہ
پر قلم اٹھایا۔ اور داڑھی کے وجوب پر ایک رسالہ لکھا۔ جس کا عربی زبان میں ترجمہ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری نے وجوب اعفاء اللحیۃ
کے نام سے کیا اس عربی ایڈیشن کی اہلِ عرب میں وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی۔ اس رسالہ میں نہ صرف آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ
اور اقوال فقہاء کی روشنی میں داڑھی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ بلکہ جدید ڈاکٹری اور قدیم طب کے مستند اقوال "وجوب لحیۃ" میں
پیش کئے گئے ہیں۔ جس سے جدید ذہن بھی مطمئن اور قائل ہو جاتا ہے۔

جبریہ تعلیم

برٹش گورنمنٹ نے ۱۹۲۸ء میں ہندوستانی باشندوں کیلئے جبریہ تعلیم کا قانون نافذ کیا جس کی رو سے ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے بچوں کو سرکاری مدارس میں داخل کرانا ضروری قرار دیا گیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی گئیں جبریہ تعلیم کے اس قانون سے مسلمانوں کے دینی اور عربی مدارس براہ راست متاثر ہوئے چنانچہ صرف دار الخلافہ دہلی میں تدریس القرآن کے ۴۰ میں سے ۳۰ مکتب بند ہو گئے۔ دینی تعلیم کے طلبہ کو بالجبر سرکاری مدارس میں داخل کیا جانے لگا۔ جہاں قرآنی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مولانا محمد زکریاؒ نے اس قانون سے دین اسلام کیلئے سخت خطرہ محسوس کیا اور دوسرے علماء کے ساتھ مل کر جبریہ تعلیم کی مخالفت کی۔ اس ضمن میں مولانا محمد زکریاؒ نے ایک طویل مکتوب ۱۳ محرم ۱۳۵۰ھ / یکم جون ۱۹۳۱ء کو مسلم ممبران اسمبلی اور دیگر مقتدر مسلمانوں کو لکھا جس میں جبریہ تعلیم کو محکم دلائل سے رد کیا گیا۔ اور اسے "مداخلت فی الدین" قرار دیا گیا۔ مولانا نے اپنے قلبی حزن کا اظہار، اپنے نام کے ساتھ "مجروح القلب" لکھ کر کیا۔ بعد ازیں یہی مکتوب "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸/۴۹ء میں حکومت ہند کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون دوبارہ سامنے آیا تو مولانا زکریاؒ نے اس کا سخت نوٹس لیا۔ اس کے دور رس اور خطرناک نتائج سے حکومت اور عوام کو آگاہ کیا اپنے ایک مکتوب میں جو مولانا علی میاں ندویؒ کو لکھا، تحریر فرماتے ہیں۔ (۵)

(موجودہ حالات میں) کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے تو شاید نہ رہ سکے .... ہر جگہ سے جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب کے بچوں پر لوگوں کا زور ہے .... (خود مسلمان لیڈر) یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ مکاتب کا یہ سلسلہ محض اضاعتِ وقت ہے۔ بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے قومی تعلیم بالخصوص ہندی پڑھنے کی دینی ضرورت اس درجہ بتائی جاتی ہے۔ جس درجہ کی سرسید کے خیال میں انگریزی کی بھی نہیں آئی ہوگی .... "واللہ المستعان"

تقسیم ہند اور مسلمانوں کی بقاء

۱۹۴۷ء میں برِّصغیر کی تقسیم سے ایک بڑا اور اہم مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ بھارت میں مسلمانوں کا مستقبل غیر یقینی اور مخدوش ہو گیا جس سے مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں ڈگمگا گئے۔ اور پاکستان کی طرف ہجرت کا ایک وسیع رجحان ہو گیا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو بھارت میں قیام پر آمادہ کرنا بڑی عزیمت اور بصیرت کا کام تھا۔ یہ مسئلہ اگرچہ پورے ہندوستان کا تھا لیکن سب سے زیادہ یہ سرحدی ضلع سہارنپور کا تھا۔ جو مسلمانوں کے مستقبل کیلئے فیصلہ کن بنا ہوا تھا۔ اگر ضلع سہارنپور سے مسلمانوں کا عمومی انخلا شروع ہو جاتا تو پورا صوبہ یو پی جو مسلمانوں کا تہذیبی اور ذہنی مرکز تھا، مسلمانوں سے خالی ہو جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ اس سرحدی ضلع میں مسلمانوں میں ثبات و استقامت پیدا کرنے، پُر خطر حالات کا پرعزم مقابلہ کرنے اور متزلزل قدم اور دلوں کو جمانے کیلئے تین شخصیات سینہ سپر ہو گئیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کی ہند سے وسیع ہجرت اور فوری انخلا کے آگے بند باندھ دیا اور مسلمانانِ ہند کی عظیم خدمت کا محیر العقول کارنامہ انجام دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ (۹)

مسلمانوں کے سیاسی لیڈر پاکستان جا چکے تھے، یا پابہ رکاب تھے۔ مولانا محمد زکریاؒ اس وقت نظام الدین دہلی میں محصور تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ دیوبند میں تھے۔ اور حضرت عبد القادر رائے پوری میں تھے۔ ۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء/۱۱ محرم ۱۳۶۷ھ کو یہ تینوں حضرات مولانا زکریاؒ کے کچے گھر سہارنپور میں جمع ہوئے اور تخلیہ میں ہندوستان میں قیام یا عدم قیام پر مشورہ شروع ہوا۔ حضرت رائے پوری نے فرمایا:۔

"اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی پنجاب کے تھے۔ مشرقی تو سارا مغربی کی طرف منتقل ہو گیا اور ان کا اصرار ہے کہ میں بھی پاکستان چلا جاؤں مگر میں نے اپنا فیصلہ آپ دونوں حضرات

کے مشورے پر معلق کر رکھا ہے"۔ اس طرح مولانا رائے پوری کا رجحان ہجرت کا تھا۔ یہ سن کر حضرت مدنیؒ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہوکر فرمایا :۔

"ہماری سکیم تو فیل ہوگئی ورنہ نہ تو یہ قتل و غارت ہوتا اور نہ یہ تبادلہ آبادی ہوتا۔ اب میں تو کسی کو جانے سے روکتا نہیں۔ مگر ہندوستانی باشندوں کو اس بے سروسامانی اور دہشت اور قتل و غارت گری میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا۔ اور جسے اپنی جان و مال، عزت و آبرو، دین و دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو وہ یہاں ٹھہرے اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جائے"

مولانا مدنیؒ کے اس ارشاد پر مولانا محمد زکریاؒ جلدی سے بول اٹھے :۔

"میں تو حضرت ہی کے ساتھ ہوں۔"

جس پر حضرت رائے پوری نے فرمایا :۔

"تم دونوں کو چھوڑ کر میرا جانا بھی مشکل ہے۔" (۷)

اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کے اجتماعی قیام کا یہ تاریخی فیصلہ کیا گیا جو اسلام اور مسلمانوں کی عظیم خدمت ثابت ہوا۔ اور ہندوستان مسلمانوں کا دوسرا اسپین بننے سے بچ گیا۔ اس تاریخی فیصلہ کا نتیجہ ہے کہ اب ہندوستان میں ۱۵ کروڑ مسلمان بستے ہیں اور مساجد کے میناروں سے اذان کی صدائیں اور دینی مدارس سے قال اللہ و قال الرسول کی آوازیں بلند ہیں۔

اسپیشل میرج ایکٹ :-

ماہ نومبر ۱۹۴۹ء میں حکومتِ ہند نے ایک جدید قانون " اسپیشل میرج ایکٹ " کے نام سے ترتیب دیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کیلئے مشتہر کیا گیا اور اسے متعدد افراد اور خصوصی اداروں کے پاس بھی بھیجا۔ اس ایکٹ کی اکثر دفعات شریعتِ اسلامیہ سے متصادم تھیں۔ اور بحالت موجودہ اس کا نفاذ مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھا۔ اس میں ترمیم اور اصلاح کی ضرورت ، تھی۔ اس ایکٹ کی ایک کاپی صدر مرکزی جمیعتہ علماء ہند مولانا حفظ الرحمن صاحب کو بھی بھیجی گئی۔ مولانا نے دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے علماء کا ایک اجتماع ۱۳ نومبر ۱۹۴۹ء کو دہلی میں بلایا۔ چنانچہ اس اجتماع میں مظاہر علوم سہارنپور کی جانب سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور مفتی مدرسہ قاری سعید احمد شریک ہوئے۔ مولانا محمد زکریاؒ نے اس اجلاس میں بھرپور حصہ لیا۔ ایکٹ کے متعلق شرعی نقطۂ نگاہ کی تفصیل وضاحت کی اور اپنی جانب سے ترمیم شدہ بل پیش کیا۔ (۸)

قانون اوقاف :-

وقف ایک خاص دینی و شرعی چیز ہے۔ ہندوستان میں بے شمار اسلامی اوقاف شروع ہی سے موجود ہیں۔ آزادیِ ہند کے بعد متعدد ایسے قانون پاس کرنے کی کوشش ہوئی۔ جس سے اوقاف کا وجود ہی خطرہ میں پڑ گیا۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء کے اوائل میں بھی اس قسم کے قوانین کا ایک مسودہ تیار کیا گیا۔ جب یہ مسودہ حوالہ رائے معلوم کرنے کیلئے شائع ہوا تو دینی حلقوں نے محسوس کیا کہ اس کا نفاذ اسلامی اوقاف کے مفاد میں نہیں ہے چنانچہ مولانا محمد زکریاؒ متعدد مرتبہ تھانہ بھون گئے اور مولانا اشرف علی تھانوی سے اس موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ اس گفتگو کے نتیجہ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ میں دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے متعدد حضرات تھانہ بھون میں جمع ہوئے اور ایک کمیٹی مفتی محمد شفیع ، مفتی جمیل احمد اور مولانا عبد الکریم گنگلوی پر مشتمل تشکیل پائی۔ اس کمیٹی نے ایک ماہ تک حکومتی مسودے پر غور کیا۔ اس میں متعدد ترمیمیں تجویز کیں جس سے یہ بل شریعتِ اسلامیہ کے موافق ہو گیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی سمیت ۳۰ علماء کے دستخطوں سے یہ ترمیم شدہ بل کونسل کو بھیج دیا گیا۔ دستخط کنندگان میں مولانا محمد زکریاؒ بھی شامل تھے۔ (۹)

نس بندی:۔

حکومت ہند نے پورے ملک میں نس بندی کا قانون نافذ کر دیا۔ نس بندی اسلامی قوانین کے خلاف ہے۔ لہذا علماء نے اسے مداخلت فی الدین قرار دیا اور ملک کے طول و عرض میں اس قانون کے خلاف احتجاج کیا۔ مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اپنی بساط کے مطابق اس ظالمانہ اور غیر اسلامی فعل کی مخالفت کی۔ لیکن ناعاقبت اندیش حکومت ایمرجنسی کے دوران نس بندی کے مظالم کرتی رہی۔ اسی زمانے کی بات ہے کہ ایک نس بندی کیمپ سہارنپور میں بھی لگایا گیا تھا۔ اس کے بعض افسران مسلمان بھی تھے۔ جب وہ ایک دن حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے از خود نس بندی کا قصہ چھیڑا تو حضرت نے فرمایا کہ اپنی وزیر اعظم اندرا سے جاکر کہہ دو کہ اگر یہ مظالم رہے تو تمہاری کرسی بھی نہیں رہے گی۔ چنانچہ چند ماہ بعد ہی الیکشن میں نہ صرف کانگریس ہار گئی بلکہ اندرا بھی اپنی سیٹ کھو بیٹھی ــــ

جمال عبدالناصر اور عرب قومیت:۔

اسی دینی حمیت اور اسلامی غیرت کا سبب تھا کہ مولانا محمد زکریاؒ مصر کے صدر جمال عبدالناصر (م۔ ۱۹۷۰ء) کے لادینی افکار پر اس وقت تنقید کی جب پورے عالم عرب میں اس کا طوطی بول رہا تھا۔ جمال عبدالناصر کا نعرہ عرب قومیت لامذہبیت اور کمیونزم کا تھا۔ جو دینِ اسلام، اسلامی اخوت اور رسالت محمدیہ کا نقیض تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے علماء ناصر کی انگریز دشمنی اور نہر سویز کے مسئلہ پر جرأت مندانہ اقدام کی بدولت ان کے مؤید اور مدح سرا تھے (۱۰)

لیکن مولانا محمد زکریاؒ لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر ناصر کی مخالفت کی کیونکہ عرب قوم پرستی سے نہ صرف مصر بلکہ عالمِ عرب میں دینی افکار اور اسلامی اقدار کو شدید نقصان پہنچ رہا تھا۔ چنانچہ مولانا زکریاؒ نے ناصری فتنے کا بروقت نوٹس لیا۔ ان کی مجالس میں جمال عبدالناصر کے افکار کی اعلانیہ ناپسندیدگی اور اس کا اظہار سخت الفاظ میں ہوتا تھا۔ حتی کہ رمضان المبارک کے مشغول اوقات میں اور عشاء کے بعد بھری مجلس میں ناصری فتنہ کے خلاف رسالہ "تعمیر حیات" اور "البعث الاسلامی" کے سخت تنقیدی مضامین بلند آواز سے پڑھواتے۔

اور حاضرین مجلس کو گراں بھی گزرتے لیکن مولانا اسی حق گوئی میں کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ (۱۱)

شعری و ادبی ذوق

مولانا محمد زکریاؒ کا شعری و ادبی ذوق، بہت اچھا، نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا انہیں سینکڑوں عربی، فارسی اور اردو اشعار یاد تھے وہ اپنی گفتگو مکاتب، رسائل اور تصانیف میں، ان کا برمحل استعمال کرتے تھے خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آغاز جوانی میں ایک دوسرے قصبہ میں رات کو جانا ہوا جہاں کچھ بے تکلف احباب جمع ہو گئے اور عشاء کے بعد بیت بازی شروع ہو گئی یہ سلسلہ رات بھر چلتا رہا حتی کہ اذان فجر ہو گئی۔ ذیل میں چند ایسے واقعات کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن میں آپ نے برجستہ اور برمحل اشعار فرمائے۔

ایک دن طواف سے فارغ ہو کر قاضی عبدالقادر صاحب کا معلوم کیا پتہ چلا کہ لیٹے ہوئے ہیں ان کے آنے پر فرمایا قاضی جی! کیا تھک گئے پھر خدام سے فرمایا۔ سنو بے لونڈو ؎

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پہ ناز کرتی ہے مسلمانی

جو جائیں اپنی خلوت میں تو جلوت کا مزہ آئے!
جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

ایک صاحب کے ہندوستان کے حالات دریافت کرنے پر فرمایا ؎

سراسر دل دکھانا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

ایک قریبی عزیز کو ہندوستان کا حال زار بتاتے ہوئے فرمایا۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

ایک صاحب نے ہندوستان سے دوران قیام مدینہ خط لکھا جس میں سہارنپور کے حالات دگرگوں اور مسلمانوں کے تفرقے اور انتشار کی خبریں لکھیں تو فرمایا ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

ایک خادم سے جو زیادہ سوتے تھے فرمایا ؎

جو ہو فرقت کی بے تابی تو یہ خواب گراں کیوں ہو

قدرے توقف کے بعد فرمایا ؎

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے — عمر بھر سویا کرے گا خاک کے سائے تلے

ایک خادم نے جب انتہائی مسکین صورت بنا کر معافی چاہی کسی جرم کی، درآنحالیکہ حضرت کے بہت چہیتے تھے تو فرمایا ؎

روز محشر اس کا دامن چھوڑ ہی دینا پڑا — دیکھ کر آنسا کہ منہ اترا ہوا قاتل کا تھا

ایک صاحبزادہ صاحب کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ شعر تحریر فرمایا۔

یہی دن ہے دعا لے لو کسی کے قلب مضطر کی — جوانی آ نہیں سکتی میری جاں پھر نئے سر سے

ایک سفر کا نظام بنتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس جگہ کو تو حضرت کا بھی جی چاہتا ہوگا فرمایا :-
ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی۔ کچھ توقف کے بعد مکمل شعر دہرایا ہے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی — اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

ایک خادم روٹھ کر چلے گئے اور کئی روز نہ آئے تو ان کا حال دریافت فرمایا۔ کسی نے بتایا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ اب نہیں آؤں گا فرمایا ؎

کچھ وہ کھنچے کھنچے سے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے — اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

پھر جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا۔ ؎

نہ ملیں گے نہ ملیں گا کوئی ہم مر نہ جائیں گے — خدا کا شکر ہے پہلے محبت آپ نے کم کی

پھر فرمایا۔

تمہاری جو ہم پہ گزرتی ہے خوشش ہماری بھی تم پہ گزر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چند روز بہلتے بہلتے بہل جائے گی

ایک لاڈلی نواسی کو کسی چیز کے عنایت فرمانے پر جب ..... اس نے حسب عادت ناز و نخرہ کیا تو اصرار کرتے ہوئے فرمایا۔

ہے یہی شرط وفاداری کہ بے چون و چرا تو مجھے چاہے نہ چاہے میں تجھے چاہا کروں

ایک صاحب سے فرمایا جو تنقید و اعتراض کے بہت عادی ہیں۔ ؎

کہاں تک روئے گا اے جینے والے مرنے والے کو کچھ اپنی فکر کرے تو پرائے غم سے تو فرصت نہ ہوگی

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا نظام سفر کچھ پتہ نہیں چلتا، حضرت کچھ صاف بات نہیں فرمادیتے۔ فرمایا ؎

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

ایک خاص متعلق کو قیام مدینہ کے دوران تحریر فرمایا ؏

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل اب کہاں لے جائیں یارب ایسے دیوانے کو ہم

ایک مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حجاز کے قیام کے دوران انہیں خط لکھا جس کی ابتدا اس شعر سے کی۔

ہمارا نام لے کر آہ بھی کھینچیو قاصد جو وہ پوچھیں تو کہہ دینا یہ پیغام زبانی ہے

اسی خط میں دعا کی درخواست کرتے ہوئے لکھا کہ خصوصی دعا کرنا اس پاک ذات کے لئے مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنادے اور بدکار کو نیک کار بنادے۔

چشمۂ فیض سے گر ایک اشارہ ہو جائے لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

مزید لکھا عمر ختم ہوتی جارہی ہے۔ ظاہری طور پر وقت قریب ہی آتا جارہا ہے اور حالت یہ ہے۔

آئی تھی کچھ لین کو، اور بھول چلی کچھ اور   کیا دکھاؤں گی اپنے پیا کو میرے خالی دونوں ہاتھ

دیتے ہیں موئے سفید افسوس پیغام اجل   نفس سنتا ہی نہیں ہرچند کہتا ہوں سنبھل

(۱۲)

اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے خصوصی طور پر اس اسٹرائک کے موقع پر مظاہر العلوم میں ہوئی اور حضرت شیخ پر اس کا بہت اثر تھا۔

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے   جو منزل منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

آخری عمر میں حضرت شیخ میں یکسوئی کا رجحان اور جذبہ بہت پایا جاتا تھا اور ہجوم سے وحشت ہونے لگی تھی ایک خط میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام میں اسی کا اظہار کیا اور یہ شعر تحریر فرمایا۔ ؎

باغ میں لگتا نہیں جنگل میں گھبراتا ہے دل   کس جگہ سے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

اسی خط میں تحریر فرمایا طبیعت کے متعلق میری خود سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا ہورہا ہے کوئی جگہ اب امنگ کی باقی نہیں رہی اور امراض نے بالخصوص ٹانگوں نے تو ایسا معذور بنا دیا کہ مجمع کے بغیر ایک منٹ کو گزر نہیں اس سلئے یکسوئی سے جاکر بیٹھنے کا آسرا ابھی نہیں رہا۔ بڑے بڑے سب چل دیئے کوئی جگہ ایسی بھی نہیں رہی۔ ؎

دل چاہتا ہے در پہ کسی کے پڑا رہوں   سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے۔

رہیئے اب ایسی جگہ جاکر جہاں کوئی نہ ہو   ہم نفس کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار   اور جو مرجائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

(۱۳)

ایک مرتبہ ایک خط میں تحریر فرمایا۔

جاتے ہو تو جاؤ پر اتنا تو سن جاؤ   یاد جو آجائیں تو مرنے کی دعا کرنا   ایضاً ص ۲۰۲

مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی خود نوشت سوانح آپ بیتی اور دیگر تصنیفات میں جابجا اشعار کا استعمال کیا ہے جو ان کے اعلیٰ شعری ذوق پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے اُردو کے چند اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں:۔

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

سرخ رو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر سے پس جانے کے بعد

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

دکانِ مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گزر گیا رمضاں بادہ خوار کا

کیا کہوں جرأت کہ کچھ بھاتا نہیں
کچھ تو بھایا ہے، جو کچھ بھاتا نہیں

وہی قاتل وہی مخبر وہی ہے منصف
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم
پسند آ گئی تیری صورت کچھ ایسی

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

دیدِ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

نہ خنجر اٹھے گا نہ شمشیر ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

شبِ وصال میں خوفِ سحر ابھی سے ہے
صبح ہے دور میرا رنگ فق ابھی سے ہے

ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال
کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبارِ انتظار

مدت سے تک رہی تھی لبِ بام ٹکٹکی
تھک تھک کے گر گئی نگہِ انتظار آج

وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب اے داغ کیا کہنا
یہ تو نے خواب دیکھا یا کہ مضمون خیالی ہے

پھر وہی کنج قفس اور وہی صیاد کا گھر
چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں

میں گو رہا رہیں ستم ہائے روزگار !
لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

رفتہ رفتہ راہ و رسم دوستی کم ہو تو خوب
ترک کرنا خط کتابت یک قلم اچھا نہیں

رہ گئی بات کٹ گئی شب ہجر !
تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

التفات یار تھا اک خواب آغاز وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں(۱)

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے
کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے

ہماری بھی شب کیسی شب ہے الٰہی
نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

مت آئیو اے وعدہ فراموش ثواب بھی
جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی(۲)

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے
در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے دل میں برابر لگی ہوئی

وصل ہو یا فراق ہو غالب
جاگنا ساری رات مشکل ہے(۱)

باب پنجم   دینی خدمات

(۱) علم حدیث میں خدمات

حوالہ جات و حواشی

۱۔ الاعراف: ۱۸۵

۲۔ بخاری: ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری ج ۲ باب الاعتصام، کراچی ص ۱۰۸۵

۳۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷، دانش گاہ پنجاب، لاہور طبع اوّل، ۱۹۷۱ء ص ۹۶۲

۴۔ صحیح البخاری ج ۱، کتاب العلم و باب قول النبی "رب مبلغ اوعی من سامع" ص ۱۶

۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن ثابت، سنن ابی داؤد، کتاب العلم۔ باب ۱۔ ایچ ایم سعید کمپنی۔ کراچی

۶۔ صحیح البخاری کتاب العلم ج ۲ ص ۳۱

۷۔ آل عمران: ۱۳۲

۸۔ آل عمران: ۱۳۲

۹۔ الانفال: ۱

۱۰۔ الانفال: ۴۲

۱۱۔ محمد۔ ۳۳

۱۲۔ التغابن۔ ۱۲

۱۳۔ النساء: ۸۰

۱۴۔ النساء: ۶۴

۱۵۔ آل عمران: ۱۰۱ (۳۱)

۱۶۔ النور: ۶۳

۱۷۔ النحل: ۴۴

۱۸۔ صحیح البخاری، کتاب الاذان۔ باب ۱۸

۱۹۔ سنن ابوداؤد کتاب الامارۃ باب ۳

۲۰۔ ابن قیم۔ اعلام الموقعین ج ۴، ص ۱۲۰

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ امام مالکؒ۔ مؤطا باب المتوفی عنھا زوجھا

۲۳۔ ترمذی۔ باب الحدود

۲۴۔ تفسیر مظہری، ج ۲ ص ۵۴

۲۵۔ ابو زھرہ۔ حیات امام مالکؒ، (اردو ترجمہ غلام احمد حریری) فیصل آباد ص ۹۸

۲۶۔ اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۶۱

۲۷۔ ابن جوزی۔ کتاب المناقب ص ۱۸۲

۲۸۔ ڈاکٹر اسپرنگر "مقدمہ الاصابۃ" بحوالہ سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی ج ۱ ص ۳۳، لاہور

۲۹۔ ندوی، ابو الحسنات، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" دار المصنفین اعظم گڑھ انڈیا (ط۔ن) ص ۱۹۵

۳۰۔ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص ۱۹۶

۳۱۔ نظامی، خلیق احمد۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۴۲

۳۲۔ رشید رضا، علامہ۔ مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ"

۳۳۔ زکریا محمد۔ تقریر بخاری، مکتبہ شیخ، کراچی ط۔ن۔ ص ۵۹

۳۴۔ علمائے مظاہر علوم، ج ۱، ص ۱۴۱

۳۵۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۶۰۔ دعا قبول ہوئی اور یہ مبارک سلسلہ آخر تک قائم رہا۔

۳۶۔ تقریر بخاری شریف (اردو) ص ۵۵، اوجز المسالک ص ۶۰

۳۷۔ "مقدمہ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات" ص ۷

۳۸۔ باب اوّل ص ۱۸-۱۹ متقدمین کی تفصیل گزر چکی ہے

۳۹۔ ندوی، ابوالحسن علی۔ المسلمون فی الھند دارالفتح، دمشق ص ۶۵

۴۰۔ ایضاً ص ۱۳

۴۱۔ ایضاً ص ۵۴

۴۲۔ ماہنامہ "بینات" کراچی، بنوری نمبر ص ۱۰۴

۴۳۔ ضیاء الدین اصلاحی، اعظم گڑھ بحوالہ الفرقان نمبر ص ۲۶۹

۴۴۔ مولانا محمد یحییٰ کی یہ توجیہ "تقریر بخاری" ج ۱ ص ۱۴۰ میں آگئی ہے۔

۴۵۔ لامع الدراری ص ۳۹۱/۳

۴۶۔ لامع الدراری ۳۹۴/۴

۴۷۔ لامع الدراری ج ۲ ص ۶۸

۴۸۔ باب ۲ تدریسی خدمات

۴۹۔ تقریر بخاری ص ۲۷

۵۰۔ ایضاً ص ۶۰، ۵۹

۵۱۔ ایضاً ص ۶۰

۵۲۔ ایضاً ص ۶۱

۵۳۔ فتح الباری، ج ۲ ص ۲۸

۵۴۔ ایضاً ج ۳ ص ۲۴

۵۵۔ ایضاً ج ۳ ص ۱۱۳

۵۶۔ ایضاً ج ۳ ص ۲۶۱

۵۷۔ ایضاً ج ۴ ص ۱۰۳

۵۸۔ ایضاً ج ۴ ص ۲۳۶

۵۹۔ ایضاً ص ۲۸۳

۶۰۔ ایضاً ج ۵ ص ۸۸

۶۱۔ " ص ۹۳

۶۲۔ " ص ۹۹

۶۳۔ " ج ۴ ص ۲۰۳

۶۴۔ " ج [illegible] ص ۱۳۲

۶۵۔ " ج ۶، ص ۵۳

۶۶۔ " ص ۴۵۳

۶۷۔ " ج ۷، ص ۱۲۲

۶۸۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۱

۶۹۔ ایضاً ص ۲۲۳

۷۰۔ ولی کامل ص ۱۴۸

۷۱۔ دوسرے صاحب حضرت شیخ کے رفیق درس مولوی حسن تھے۔

۷۲ - ماہنامہ "الفرقان" خصوصی اشاعت ص ۱۹۲

۷۳ - ماہنامہ "ترجمان القرآن" شمارہ ۱۱ ۱۹۴۹ء لاہور

۷۴ - مقدمہ کوکب الدری ص ۵

۷۵ - ماہنامہ "الفرقان" خصوصی اشاعت ص ۲۴۱، ۲۴۰

۷۶ - ایضاً ص ۲۴۷، نیز سوانح شیخ الحدیث ص ۲۴۲

۷۷ - مکتوب مورخہ یکم شوال از مدینہ منورہ بحوالہ "سوانح شیخ الحدیث" ص ۲۴۶

۷۸ - ذکریا، محمد "فضائل نماز" عتیق اکیڈمی ملتان ص ۴

۷۹ - دل کامل - ص ۱۶۷

۸۰ - شاہد، محمد سہارنپوری "مقدمہ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات" مکتبہ دینیات، رائے ونڈ، لاہور

۸۱ - زکریا، محمد "فضائل درود شریف" عتیق اکیڈمی، ملتان - ص ۶

۸۲ - زکریا محمد - "فضائل درود شریف" عتیق اکیڈمی ملتان ص ۶

۸۳ - شاہد، محمد، علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات، ج ۲، ص ۱۱

۸۴ - رواہ احمد

۸۵ - ترمذی، کتاب العلم باب ۹

۸۶ - الکفایہ ص ۱۳۳

۸۷ - صبحی صالح ڈاکٹر "علوم الحدیث" اردو ترجمہ ص ۲۷۴ ملک سنز پبلشرز فیصل آباد ط - ن -

۸۸ - ایضاً

۸۹ - عطار، فرید الدین - تذکرۃ الاولیاء مطبوعہ ایران ص ۸ ص ۹۳

۹۰ - چشتی، یوسف سلیم - اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور طبع دوم ۱۹۸۳ء

٩١۔ مقدمہ صحیح مسلم۔ ص ١٤، ١٣

٩٢۔ فضائلِ نماز۔ ص ٣٩

٩٣۔ فضائل ذکر۔ ص ٩٦، ٩٥

٩٤۔ البقرۃ: ٢٧

٩٥۔ الاعراف: ٢٣

٩٦۔ شبلی نعمانی۔ سیرت النبی ج ١، ص ١٢

٩٧۔ زکریا، محمد، فضائل حج ص ٨٥

٩٨۔ مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

٩٩۔ ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ کراچی قطب الاقطاب نمبر، نومبر ١٩٨٢ء ص ٢٩٣

١٠٠۔ احزاب: ٢١

١٠١۔ قلم: ٤

١٠٢۔ آل عمران: ٣١

١٠٣۔ "حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسولؐ" ص۔

١٠٤۔ ایضاً ص ١٤، نیز یوسف لدھیانوی "حضرت شیخ الحدیث" ص ٢٠٣

١٠٥۔ "حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسولؐ" ص ٥٠

١٠٦۔ جمع الفوائد ص ٤٠

١٠٧۔ حضرت شیخ کا اتباع سنت ص ٦٢

١٠٨۔ ایضاً ص ٦٣

۱۰۹۔ حضرت شیخ کا اتباع سنت ص۱۷
۱۱۰۔ ایضاً ص۲۲
۱۱۱۔ ایضاً ص۲۵، ۵۸، ۷۱
۱۱۲۔ ایضاً ص۵۸
۱۱۳۔ ایضاً ص۷۱
۱۱۴۔ ایضاً ص۷۱
۱۱۵۔ ایضاً ص۶۰
۱۱۶۔ ایضاً ص۹۷
۱۱۷۔ ایضاً ص۷
۱۱۸۔ ایضاً ص۵۷
۱۱۹۔ ایضاً ص۵۶
۱۲۰۔ ایضاً ص۶۰
۱۲۱۔ آپ بیتی نمبر۳، ص۹۷
۱۲۲۔ حضرت کا اتباع سنت ص۶۵
۱۲۳۔ ایضاً ص۶۳
۱۲۴۔ ایضاً
۱۲۵۔ ایضاً
۱۲۶۔ آپ بیتی نمبر۳ ص۲۱۵
۱۲۷۔ ذی تعدہ سنہ ۱۳۳۴ھ جبکہ شیخ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ ۱۲۸۔ سوانح شیخ الحدیث ص۱۱۷

باب پنجم — دینی خدمات

(ب) متفرق خدمات

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی۔ سوانح حضرت شیخ الحدیث ص ۲۱۰

۲۔ ایضاً ص ۲۱۱

۳۔ مکتوب ۱۱ ربیع الاول ۴۷ھ بحوالہ سوانح حضرت شیخ الحدیث ص ۲۱۱

۴۔ تقویۃ الایمان کا یہ عربی ترجمہ رسالہ "التوحید" کے نام سے ندوۃ العلماء کے پریس سے شائع ہوا

۵۔ مکتوب مورخہ ۲ جمادی الثانی / ۶ر اپریل ۱۹۳۹ء بنام ابوالحسن ندوی بحوالہ سوانح حضرت شیخ ص ۲۰۹

۶۔ ندوی، ابوالحسن علی۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری مجلس نشریات اسلام کراچی سن ندارد ص ۱۵۷

۷۔ آپ بیتی نمبر۵ ص ۲۲،

مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے مسلمان کانگرسی زعماء تقسیم برصغیر کے مخالف تھے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ تمام صوبے آزاد ہوں داخلی امور میں سب خود مختار، خارجی امور، فوج، ڈاکخانہ سب مرکز کے تحت، مرکز میں ہندو مسلم سب برابر ہوں کہ ۴۵، ۴۵ اور دس جلد آلیتیں ۔

۸۔ علمائے مظاہر علوم ج ۱ ص ۲۲۹

۹۔ ایضاً ج ۱ ص ۲۳۲

۱۰۔ جمال عبدالناصر کے کھوکھلے نعروں، بے تدبیری اور لاف زنی کے نتیجہ میں مسلمانوں کو طویل مدت کے بعد بیت المقدس، شہر خلیل اور پورے حصہ غربی بلکہ صحرائے سینا سے بھی ہاتھ دھونا پڑا افسوس ہے کہ یہ

صورت تاحال قائم ہے۔

۱۱۔ دارالندوہ کے معروف رسالے البعث الاسلامی (عربی) مدیر سید محمد الحسنی اور تعمیر حیات (اردو) مدیر مولوی اسحاق جلیس ندوی

۱۲۔ "سوانح شیخ الحدیث" ص ۲۰۴

۱۳۔ ایضاً ص ۲۳۶

باب ششم
روحانی خدمات
سلوک و تصوّف

مسلمانوں کے فکر و عمل کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر تصوف سے زیادہ بحث و تنقید کی گئی ہو۔ اس کے ہر پہلو پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ناقدین نے صرف اس کے سرچشموں ہی کو غیر اسلامی بتانے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ملتِ اسلامیہ کے اکثر امراض کا باعث بھی اس کو قرار دیا ہے۔ طرح طرح کے الزامات (رہبانیت زندگی، اتباع شریعت سے انحراف وغیرہ) تصوف اور صوفیائے کرام پر عائد کئے گئے ہیں بعض غیر منصف ناقدین اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ تصوف اسلام کے رُخِ روشن پر ایک بدنما داغ ہے۔ (۱)

اگر یہ الزامات صرف "صوفیۂ خام" اور مسخ شدہ تصوف پر ہیں تو ان کی صداقت میں شبہ نہیں۔ لیکن اگر بلا استثنیٰ تصوف اور صوفیائے کرام پر ہیں تو درست نہیں جیسا کہ آئندہ صفحات سے ظاہر ہے۔

تصوّف کا مفہوم

لغوی لحاظ سے تصوّف کا مادہ "صوف" بمعنی اون سے ہے اس طرح اُونی لباس عادۃً پہن لینے کو ظاہر کرتا ہے لہٰذا اسلامی اصطلاح کے مطابق صوفی بن کر خود کو متصوّفانہ زندگی کے لئے وقف کر دینے کو تصوّف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲)

جیسا کہ شیخ ابونصر سراج (م ۳۷۸ھ) فرماتے ہیں :۔

" الصوفیۃ نسبوا إلی ظاھر اللبسۃ ، لان لبسۃ الصوف

دأب الانبیاء وشعار الاولیاء ، والاصفیاء" (۳)

" یعنی صوفیہ اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے۔ یہ اس لئے کہ اُون کے کپڑے پہننا انبیاء اولیاء اور برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے۔"

لفظ صوفی کی ابتداء اور استعمال کے متعلق امام قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) لکھتے ہیں :۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی ان کو تابعین کہا گیا۔ اس کے بعد لوگ تبع تابعین کے لقب سے پکارے گئے۔ پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے اس لئے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں زہاد پائے جاتے ہیں اس لئے خواص اہل سنت، تصوّف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔ (۴)

لفظ صوفی کا اوّلین اطلاق ابوہاشم بن شریک (المتوفی ۱۵۰ھ) اور جابر بن حیان ۲۷۶ھ مشہور کیمیا گر کے لئے کیا گیا۔ یہ دونوں کوفی تھے۔

تصوّف اسلامی تحریک ہے اور حضرات صوفیہ تصوّف کا جواز قرآن و سنت سے نکالتے ہیں۔ تصوّف کی بنیاد دو چیزوں پر ہے محبتِ الٰہی اور معیتِ ذاتی ۔ قرآن مجید میں محبتِ الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور بے شمار آیات میں اس کے نتیجہ کے طور پر معیت اور قرب ذاتی کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسے ہی تصوّف کی اصطلاح میں معرفت کہتے ہیں ۔ (۵)

چند آیات بطور مثال یہ ہیں :

۱۔ والذین آمنوا اشدُّ حباً للہ (البقرہ ۔ ۱۶۵)

اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے ۔

۲۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ۳۱)

اے پیغمبر کہہ دو اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا

پھر محبتِ الٰہی عبادت الٰہی میں انہماک کا تقاضا کرتا ہے ۔

وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن ٥

اور میں نے انس و جن کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ (الذاریات: ۵۶)

قرب ذاتی یا معرفت جس کو حضرات صوفیہ اپنا مقصد قرار دیتے ہیں کلام پاک سے ثابت ہے ۔ مثلاً

اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُم (مومن ۶)

تم مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔

وَھُوَ مَعَکُم اَیْنَمَا کُنْتُم (الطور ۵۶)

اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔

اور یہ آیت

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق ۔ ۱۶)

اور ہم اس سے رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں ۔

اور صرف اللہ ہی کے ہو جاؤ ۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ٥ (مزمل : ۱)

ور ہر چیز سے کٹ کر اسی کے ہو جاؤ ۔

قرآن حکیم کے بعد احادیث نبوی سے بھی تصوف کا جواز ملتا ہے ۔ مشہور حدیث جبریل میں جس چیز کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تصوّف ہی ہے جس کی تعریف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے ۔

قال فاخبرني عن الاحسان ؟ قال ان تعبد الله، كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (۶)

مجھے احسان کے بارے میں بتایئے ۔ حضورؐ نے فرمایا : احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو ۔ اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

یہ حدیثِ نبوی تصوّف کی اصل ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے :۔

علوم احسان ویقیں کہ الیوم باسم تصوّف مشہور شد ۔ حقیقت تصوف کہ بعرف شرع نام آں احسان است (۷)	علوم احسان ویقین کہ آجکل تصوّف کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تصوّف کی حقیقت جس کا نام عرفِ شرع میں احسان ہے ۔

بس اب تصوف ایک مستقل علم کا نام ہے جس کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔

التصوف علم تعرف به احوال تزکیه النفوس و تصفیة الاخلاق و تعمیر الظاهر والباطن لنیل السعادة الابدیة (۸)

تصوف ایک علم ہے جس سے نفوس کی پاکی اخلاق کی صفائی اور ظاہر و باطن کی آراستگی کے احوال معلوم ہوتے ہیں اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔

پھر یہ حدیث قدسی پورے تصوف کی جان ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔" (۹)

الغرض علم تصوف، حقیقت کے اعتبار سے، عہد رسالت ہی سے موجود تھا جسے قرآن حکیم میں تزکیہ نفس، حدیث میں احسان اور اہل اللہ کے نزدیک علم باطن کا نام دیا گیا ہے صحابہ کرام اور سلف صالحین کے عہد میں یہ نام موجود نہ تھا لیکن اس کی حقیقت لوگوں میں جلوہ گر تھی۔ جیسا کہ شیخ ابوالحسن البوشنجی (م ۳۴۸ھ) کا قول ہے:۔

التصوف الیوم اسم ولا حقیقة و
قد کان حقیقة ولا اسم" (۱۰)

تاریخی ارتقاء

غرض تصوف ابتدائے اسلام سے موجود ہے اور صرف موجود ہی نہیں بلکہ معارف باطنیہ اور روحانیہ کا منبع ہے اس کی بدولت حیات روحانی کی وہ کیف و لذت حاصل ہوتی ہے جو انسان کو ما فیہا سے بیگانہ

کر دیتی ہے اور راس پر اسرار کائنات اور حقیقت الاشیاء آئینہ کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد جسے سب سے پہلے معارفِ روحانیہ اور حقائق باطنیہ کا وافر حصہ ملا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ذات بابرکات تھی۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تصوف کے معارف لدنی حضرت علیؓ نے حاصل کیے اور ان سے خواجہ حسن بصری نے یہ معارف اخذ کیے۔ بعد ان سے تصوف کے تمام سلسلے چلے، اسی وجہ سے تصوف کے تقریباً تمام سلسلوں کو حضرت علیؓ سے منسوب کیا جاتا ہے سوائے سلسلہ نقشبندیہ کے جو اپنی باطنی نسبت حضرت ابو بکر صدیقؓ سے قائم کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے وہ روح کی پاکیزگی، تزکیہ نفس اور عمل کی طہارت کا ذریعہ تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کو سمجھتے تھے دوسری صدی ہجری میں حضرت رابعہ عدویہ کی شخصیت ابھری۔ وہ بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تصوف کا دائرہ مزید وسیع ہوا تو صوفیا کا حلقہ بصرہ اور کوفہ تک محدود نہ رہا بلکہ بغداد، شام اور جزیرۃ العرب تک پھیل گیا اس دور کے صوفیا میں حضرت ابو الحسن سری سقطی، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت ذوالنون مصری، حضرت بایزید بسطامیؒ حضرت ابو بکر شبلی اور حسین بن منصور حلاج سرفہرست نظر آتے ہیں۔

اس دور میں صوفیا کی گروہ بندی ہوتی ہے اور ان کے طریقے اور مسلک جدا جدا طور پر مدون ہوتے ہیں حضرت ذوالنون مصری نے جو مشہور فقیہہ مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کے شاگرد تھے سب سے پہلے تصوف کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ان کی تعلیمات کو حضرت جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ) نے منضبط کیا۔ ان تعلیمات کو حضرت ابو بکر شبلی خراسانی (متوفی۔ ۳۳۱ھ) نے آگے بڑھایا، پھر یہی تعلیمات ابو النصر السراج (متوفی۔ ۳۷۸ھ) نے اپنی کتاب اللمع میں اور ابو القاسم القشیری (متوفی ۴۳۷ھ / ۱۰۴۴ء) نے اپنے رسائل میں درج کیں۔ ان کے بعد امام غزالی (۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ) کا زمانہ آتا ہے۔ انہوں نے دینیات میں تصوف کو جگہ دی اور اس طرح تصوف جو اسلام کے ساتھ ابتدا سے وابستہ چلا آتا تھا اسلام کا ایک جزو بن گیا۔

حضراتِ صوفیا نے تصوف کے چار درجے مقرر کئے ہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت امام غزالیؒ نے ان درجات کو اخروٹ سے تشبیہ دی ہے اول درجہ شریعت کو پوستِ اخروٹ سے، دوسرے درجہ طریقت کو استخواں سے، تیسرے درجہ حقیقت کو مغز سے اور چوتھا درجہ معرفت کو روغن سے، روحانی نشوونما کیلئے انسان کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور راہ کی مشکلات کو دور کرنے کیلئے اسے کسی شیخِ کامل کی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے ـــــ پھر حضرات صوفیا نے اخلاقیات اور روحانیات کا ہی درس نہیں دیا بلکہ جدوجہد اور عمل کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے حتیٰ کہ اسلام کے تحفظ و بقا اور فروغ کیلئے انہوں نے اسلامی لشکروں میں شریک ہو کر کفار سے جنگ کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جو لوگ تاریخ سے بے خبر ہیں وہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کے فروغ کو مسلم شہنشاہوں کا کارنامہ قرار دیتے ہیں حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ اگر مسلم حملہ آوروں کے جلو میں روحانیت کے یہ علمبردار نہ ہوتے ــ

———— اور مسلم بادشاہوں کو ان نفوسِ قدس کی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی تو نہ ان کی حکومت کو وہ استحکام میسر آتا جو ہزار سالہ دورِ حکمرانی میں انہیں حاصل ہوا اور نہ اتنی بھاری تعداد میں یہاں کی اقوام حلقہ بگوشِ اسلام ہوتیں۔ یہ صوفیا ہی تھے جن کی تعلیمات نے غیر مسلموں کو متاثر کیا اور وہ اسلام کی حقانیت کے قائل ہوئے۔ ایسے ہی اہل معرفت صوفیاء کے بیٹے مولانا روم نے فرمایا ہے۔

؎ یک زمانہ صحبتے با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

عالم اسلام میں متعدد سلاسل تصوف ہیں لیکن برصغیر میں زیادہ مشہور مندرجہ ذیل سلاسل اربعہ ہوئے

۱۔ سلسلہ چشتیہ بانی خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی

۲۔ سلسلہ سہروردیہ بانی ابو نجیب سہروردی متوفی ۵۶۳ھ

۳۔ سلسلہ قادریہ بانی شیخ عبدالقادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ بانی خواجہ بہاؤ الدین نقشبند متوفی ۷۹۱ھ ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے سرخیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہیں جن کا سلسلہ طریقت چھ واسطوں سے حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی سے ملتا ہے۔ خواجہ اجمیری حضرت شیخ عثمان ہارون کے خلیفہ تھے۔ پاک و ہند میں اس خانوادے کے دیگر جلیل القدر مشائخ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ، حضرت خواجہ علاؤ الدین احمد صابر کلیریؒ، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور میاں جی نور محمد اور حاجی امداد اللہ مکی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بلاد ہند میں اس سلسلے سے دو مزید سلسلے نظامیہ اور صابریہ نکلے۔

اول الذکر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مؤخر الذکر حضرت شیخ علاؤ الدین کلیریؒ سے منسوب ہے۔ ہمارے مطالعہ کا خصوصی مرکز چونکہ مولانا محمد زکریاؒ کی ذات گرامی ہے جن کا تعلق سلسلہ چشتیہ صابریہ امدادیہ سے ہے۔ لہذا ہم اگلے صفحات میں تصوف میں انہی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

روحانی ماحول

برصغیر ہند و پاک کے مدارس دینیہ ـــــ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی امتیازی خصوصیات اس کے وابستگان اور مدرسین کا ذکر و فکر میں انہماک اور اپنے اکابر و مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ذکر اللہ کا اہتمام رہا ہے ـــــ مظاہر علوم روز اول سے ہی اہل دل مشائخ کی آماجگاہ اور ان کی توجہات و برکات کا مرکز رہا ہے مظاہر علوم کو ان مقدس ہستیوں نے پروان چڑھایا جو عشق الٰہی میں غرق اور حب نبوی سے سرشار تھیں اور جن کے سوز دروں سے پاس بیٹھنے والے بھی پگھلتے تھے مولانا محمد زکریاؒ زندگی بھر کسی نہ کسی حیثیت سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے منسلک رہے اس طرح ان کی تعلیم و تربیت ایسی ہی روحانی شخصیات کے زیر سایہ ہوئی جن سے انہوں نے انوار باطنیہ اور فیوض روحانیہ سے وافر حصہ پایا یہ ایسی روحانی شخصیتیں تھیں جو نسبت باطنی کے وارث، کسی شیخ کامل کے خلیفہ اور مجاز بیعت تھیں ـــ ان میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی استاذ حدیث و مجاز بیعت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی آپ کے مرشد مولانا خلیل احمد سہارنپوری مجاز بیعت مہاجر مکی و محدث گنگوہی آپ کے والد مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی مجاز بیعت مولانا سہارنپوری اور آپ کے چچا بانی جماعت تبلیغ مولانا محمد الیاس مجاز بیعت خلیل احمد سہارنپوری قابل ذکر ہیں ـــــ مولانا محمد زکریاؒ اپنے استاذ و مربی مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے باقاعدہ بیعت تھے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بیعت کا واقعہ

شوال ۱۳۳۳ھ میں جب مولانا خلیل احمد سہارنپوری حجاز کیلئے طویل قیام کے ارادہ سے جا رہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہو رہے تھے تو مولانا زکریاؒ بھی سب کی دیکھا دیکھی بیعت ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

مولانا سے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آجانا۔

مولانا عبداللہ گنگوہی (م ۱۳۲۹ھ) جو خلافت و اجازت سے مشرف ہو چکے تھے انہوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کر رکھی تھی دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر ہوئے مولانا سہارنپوری دونوں کا ہاتھ پکڑ کر خطبہ شروع کیا مولانا عبداللہ پر اس زور کا گریہ طاری ہوا کہ چیخیں نکل گئیں اور آخیر تک شدت سے روتے رہے۔ مولانا سہارنپوری پر بھی اس کا ایسا اثر پڑا کہ آواز میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی اس طرح مولانا زکریاؒ بیعت ہو گئے۔ مولانا محمد یحییٰ اور مولانا عبدالرحیم رائے پوری اوپر بیٹھے ہوئے تھے یہ منظر دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے مولانا رائپوریؒ نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ کر دعائیں دیں۔ (۱۱)

مولانا زکریا نے بیعت کے بعد کامل طور پر اپنے آپ کو اپنے مرشد کے سپرد کر دیا اور اپنی دماغی اور علمی صلاحیتوں کو ان کے لئے وقف کر دیا نیز اپنے بیش قیمت اوقات کا لمحہ لمحہ ان کی نظر کر دیا خود مولانا سہارنپوریؒ نے اس کا بارہا اعتراف کیا اور اپنی مشہور شرح "بذل المجہود" کو مولانا زکریاؒ کا مرہون منت قرار دیا۔ ایک مرتبہ کسی اجنبی شخص نے دریافت کیا کہ "حضرت! یہ مولوی زکریاؒ آپ کے بیٹے ہیں؟" بے ساختہ فرمایا "جی بیٹے سے بڑھ کر ہیں" مرشد اور مسترشد کا یہ تعلق روز بروز بڑھتا گیا مرشد کا جتنا اپنے اس روحانی بیٹے کے لیے محبت و شفقت کا برتاؤ تھا مسترشد سے بھی اپنے روحانی باپ کیلئے انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ تھا مولانا زکریاؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے کچھ کیا دھرا تو ہے نہیں بلکہ یہ تو حضرت سہارنپوری کی توجہات کا نتیجہ ہے مولانا یحییٰ بھی کہا کرتے تھے "کہ زکریا میرا ادب بھی جوتے کے ڈر سے کرتا ہے اور اپنے حضرت کا ادب دل سے کرتا ہے" اس طرح مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (م ۱۹۶۲ء) فرمایا کرتے کہ "ان چچا بھتیجا (مولانا محمد الیاس اور محمد زکریاؒ) کی بات ہی الگ ہے ہماری جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے ان لوگوں کی ابتداء ہوتی ہے" نیز فرمایا کہ "حضرت گنگوہی کی نسبت شیخ زکریا کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ (۱۲)

مولانا زکریاؒ "بذل المجہود" کی طباعت کے سلسلہ میں تھانہ بھون جایا کرتے تھے وہاں ہر وقت ذاکرین کا زور رہتا تھا مولانا زکریا کو بھی ذکر کا شوق تھا ماحول سے متاثر ہو کر، اپنے مربی مولانا سہارنپوری کو لکھا کہ مدرسے کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر و شغل میں پابندی نہیں ہو سکتی، اگر حضرت اجازت فرمائیں تو یہ ناکارہ کہیں یکسوئی کے ساتھ ذکر و شغل چار چھ مہینے کرے حضرت سہارنپوری نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں اسباق کے ساتھ جتنا تھوڑا ہوتا رہے، کرتے رہا کرو (۱۳) مولانا زکریا اپنا سلوک کا ذکر قبرستان حاجی شاہ یا حضرت ضامن شہید کے مزار پر تنہا کرتے تھے۔

اجازتِ بیعت

۱۳۴۴ھ میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری دائمی قیام کے لیئے حجاز تشریف لے گئے مولانا محمد زکریا بھی ان کے ساتھ تھے ۷، ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں مولانا سہارنپوریؒ نے مولانا زکریاؒ کو بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی اجازت دی اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سید احمد (م ۱۳۵۸ھ) (برادر اکبر مولانا حسین احمد مدنی) کو دیا کہ وہ اسے حضرت شیخ کے سر پہ باندھ دیں جب وہ عمامہ سر پہ باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گیئں حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے، مولانا عبدالقادر رائے پوری بھی اس موقعہ پر وہیں موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع تھی ہندوستان میں تشہیر کے خوف سے مولانا زکریا نے ان کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس کی اطلاع نہ کریں مگر حضرت رائےپوری اس خبر کے اخفاء پر تیار نہ ہوسکے اور ان کے ذریعے سے یہ خبر ہندوستان میں پھیل گئی تاہم حضرت شیخ عرصہ تک بیعت لینے سے انکار کرتے رہے اور جو کوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ سے بیعت کراتے بالآخر مولانا محمد الیاس کے حکم فرمانے سے اس کا سلسلہ شروع ہوا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک مرتبہ مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد زکریا اعزّہ واقارب سے ملاقات کی غرض سے کاندھلہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر گھر کی مستورات مولانا الیاس کے سر ہو گئیں کہ آپ شیخ کو حکم دیں کہ وہ ہم سب کو بیعت کریں محلہ کی مسجد میں آدمی بھیج کر شیخ کو بلایا گیا، شیخ نے دیکھا کہ سب مستورات جمع ہیں مولانا الیاس نے اپنا عمامہ اتار کر اس کا ایک سرا حضرت شیخ کے ہاتھ میں تھمایا اور دوسرا سرا مستورات کو دیدیا کہ اسے پکڑ لو اور حکماً فرمایا کہ ان کو بیعت کرو، ادھر سے کچھ لیس وپیش ہوئی تو ڈانٹ کر دوبارہ حکم ملا کہ ان کو جلدی بیعت کرو، یہ حضرت زکریاؒ کی بیعت کرانے کی ابتدا تھی۔ (۱۴)

اس ابتدائی بیعت کے بعد، مولانا زکریا نے تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ ارشاد وتربیت کا سلسلہ بھی

شروع کر دیا تھا اور ابتدائی معمولات کی پابندی اور تربیت کے بعد، اپنے خدام کو حسب مناسبت اپنے اکابرین کی ایکو خانقاہوں میں بھیج دیتے تھے اور جن کو اپنے پاس رکھتے وہ حضرت اپنے اپنے اوقات انفرادی طور پر ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے اسوقت تک کوئی اجتماعی نظم نہ تھا ــــ لیکن مولانا نے آخری عمر میں مجالس ذکر کے قیام کی طرف خصوصی توجہ دی اور اندرون ملک اور بیرون ملک متعدد خانقاہیں اور مجالس ذکر قائم کیں۔

مولانا محمد زکریا کا شجرہ تصوف مطبوعہ ہے جو درج ذیل ہے۔ (۱۵)

شجرۂ چشتیہ صابریہ امدادیہ خلیلیہ

اجازنی حضرت الحاج مولانا خلیل احمد المہاجر المدنی رحمۃ اللہ علیہ عن المحدث الکبیر حضرت مولانا الحاج رشید احمد الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الحاج امداد اللہ المہاجر المکی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت میاں جی نور محمد الجھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الحاج عبدالرحیم الولایتی الشہید رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ عن الشیخ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ عضدالدین رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشاہ محمد المکی الولی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ محمدی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ محب اللہ رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشاہ ابی سعید الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ نظام الدین البلخی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ عن قطب العالم الشاہ عبدالقدوس الگنگوہی نور اللہ مرقدہ عن حضرت الشیخ محمد العارف رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت المخدوم الشیخ عارف الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ عبدالحق الردولوی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ جلال الدین البانی پتی

رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ شمس الدین الترکی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت المخدوم علاءالدین[21] العابری رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ[22] فرید الدین مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ

عن حضرت الشیخ قطب الدین[23] بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ خواجہ معین الدین[24] السنجری رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ خواجہ عثمان[25] ہارونی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ خواجہ شریف[26] الزندنی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ خواجہ قطب الدین[27] المودود رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ناصر الدین[28] ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ابی محمد[29] چشتی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ابی احمد[30] چشتی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ابی اسحق[31] الشامی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ممشاد[32] الدینوری رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ہبیرہ[33] البصری رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ حذیفہ[34] البصری رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ ابراہیم[35] بن ادہم البلخی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ فضیل[36] بن عیاض المکی رحمۃ اللہ علیہ عن حضرت الشیخ خواجہ عبد الواحد[37] بن زید البصری رحمۃ اللہ علیہ عن الشیخ فقیہ الامت حسن[38] البصری رحمۃ اللہ علیہ عن مرجع المشائخ باب الحکمۃ علی[39] ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ عن سید الکونین فخر العالمین ختم الانبیاء والمرسلین وسیدنا محمد[40] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منظوم شجرہ

یا الٰہی کُن مناجاتم بفضل خود قبول ۔۔۔ از طفیل اولیائے خاندان صابری

بہر مولانا خلیل احمد ملاذی فی غدی ۔۔۔ ہم رشید احمد رشید و باصفا و رسیدی

بہر امداد دبنور و حضرت عبدالرحیم ۔۔۔ عبد باری، عبد ہادی، عضد دیں مکی ولی

ہم محمدی و محب اللہ شاہ بوسعید ۔۔۔ ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبد حق شیخ جلال ۔۔۔ شمس دین ترک علاؤ الدین فرید جود ھنی

قطب دین و ہم معین الدین عثمان و شریف ۔۔۔ ہم مودود و ابو یوسف محمد احمدی

بو سحاق و ہم ممشاد و ہبیرہ نامور ۔۔۔ ہم حذیفہ و ابن ادہم ہم فضیل مرشدی

عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دیں ۔۔۔ سید الکونین فخر العالمین بشریٰ نبی

پاک کن قلب مرا تو از خیالِ غیر خویش ۔۔۔ بہر ذات خود شفایم دہ زامراض دلی

میاں جی نور محمدؒ

آپ کی ولادت ۱۲۰۱ھ میں اپنے وطن قصبہ جھنجھانہ میں ہوئی۔ والد کا نام سید جمال محمد علوی تھا۔ تھانہ بھون کے قریب قصبہ لوہاری کے ایک مکتب میں لڑکوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ ۳۰ سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ (۱۶)

شاہ عبدالرحیم سے نسبت طریقت حاصل کی۔ اپنی حالت کا شدید اخفا کرتے تھے۔ اسی طرح کسی پر اپنا کمال ظاہر نہیں ہونے دیا حتیٰ کہ حاجی امداد اللہ صاحب کے خواب نے حضرت کے حال کو ظاہر کر دیا۔

آپ کے پیر و مرشد شاہ عبدالرحیم ولائتی نے سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت جہاد فرمائی تھی اور حضرت میاں جی کو بھی جھنجھانہ سے بلا کر سید صاحب سے بیعت کروا دیا۔ اس طرح وہ بھی قافلہ جہاد میں شامل ہو گئے۔ جب یہ قافلہ بالاکوٹ پہنچا۔ تو سید صاحب اور شاہ عبدالرحیم نے آپ کو وطن واپس جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ لوہاری واپس آگئے۔ اور مستقل لوہاری میں قیام فرمایا۔ بالآخر ۵۸ سال کی عمر میں رمضان ۱۲۵۹ھ کو انتقال فرمایا۔ جھنجھانہ میں آپ کا مزار ہے جس پر حاجی امداد اللہ نے مندرجہ ذیل اشعار کا کتبہ نصب کرایا تھا۔ (۱۷)

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے بدیٰ — مسکن و ماویٰ ہے جس جا آپ کا

مولا پاک آپ کا ہے اور مزار — اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار

متصل اس شہر کے اے نیک نام — ہے عجیب دلچسپ درگاہ امام

سید محمود ہے نام شریف — ہے مکان بس عجیب و بس لطیف

پاس اس مرقد کے قبلہ رخ نبی — ہے زیارت گاہ میرے پیر کی

اس جگہ ہے مرقد پاک جناب — سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ و شباب

جس کو ہوئے شوق دیدار خدا — ان کے مرقد کی زیارت کو وہ جا

یعنی پیر و مرشد و مولا میرے | حضرت نور محمد نیک سے
اعتقادِ دل سے جو جائے وہاں | اس پر سب اسرار باطن ہوں عیاں
دیکھتے ہی اس کے مجھ کو ہے یقین | اس کو ہو دیدار رب العالمین

کرتے ہی زیارت مزار پاک کی
ہو دیں ظاہر اسرار خفی

کشف و کرامات :۔

میاں جی نور محمد بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ اس ضمن میں چند واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں (۸۱)

۱۔ ایک مرتبہ کسی کے کھیت میں آگ لگ گئی، کھیت والا دوڑا ہوا حضرت کے پاس آیا۔ اور واقعہ بیان کیا آپ نے اپنی ٹوپی اتار کر اس کو دے دی کہ جلدی سے جا کر اسے آگ میں ڈال دو۔ اس نے جا کر وہ ٹوپی آگ میں ڈال دی۔ اور آگ فوراً بجھ گئی۔

ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں ایک بڑا سادھو حاضر ہوا۔ اور حضرت کا مہمان بنا جب جانے لگا تو بولا۔ یہاں ہماری زنبیل میں تھوڑی سی اکسیر ہے۔ یہ لے لے۔ تیرے پاس روپے پیسے کی کمی معلوم ہوتی ہے۔ اپنے کام میں لے آنا حضرت نے فرمایا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں اپنے پاس ہی رہنے دو۔ اس نے پھر کہا حضرت نے اس بار بھی انکار فرما دیا۔ جب اس نے تیسری بار یہی کہا۔ تو حضرت نے ایک ڈھیلا اٹھا کر سامنے دیوار پر مارا۔ اور فرمایا یہ دیکھو سادھو نے اس طرف دیکھا تو ساری دیوار سونے کی ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بولا تب تو میاں جی تجھے اس کی ضرورت نہیں۔

۲۔ مولانا حسین احمد مدنی کا ارشاد ہے کہ جو حالت منصور پر کچھ مدت کے لئے آئی تھی جس میں وہ "انا الحق" کہہ اٹھے تھے یہی کیفیت حضرت میاں جی نور محمد پر ۶ ماہ تک مسلسل رہی لیکن کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ برابر بچوں کی تربیت میں مشغول رہے۔

۳۔ مولانا گنگوہی یا مولانا نانوتوی ؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے۔ اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میاں جی نور محمد سے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سن لیجیے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اس لئے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے لہٰذا میں اس کے سننے سے معذور ہوں مولانا تھانوی اس قصہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ کس قدر ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلاف سے بھی احتیاط کی۔

خلفائے مجازین:۔

حضرت میاں جی سرچشمہ فیض وعرفان تھے آپ کی روحانی تربیت سے آپ کے خلفاء نے اعلیٰ روحانی مقام حاصل کیا۔ اور مرجع خلائق بن گئے۔ آپ کے خلفاء میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حافظ محمد ضامن اور شیخ محمد فاروقی ممتاز ہوئے جو روحانی سلسلے کی وسیع اشاعت کا موجب بنے۔ (۱۹)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ:۔

حاجی امداد اللہ ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ کو قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ اور والد ماجد نے امداد حسین نام رکھا۔ لیکن امداد اللہ سے ملقب ہوئے۔ حاجی صاحب کی عمر تین سال کی تھی۔ کہ سید احمد شہید کی آغوش میں دے دیئے گئے۔ جنہوں نے بیعت تبرک سے نوازا۔ انہیں ابتداً حفظ قرآن کا شوق تھا۔ اس لئے اپنے شوق سے قرآن مجید حفظ کیا۔ جب آپ کی عمر ۱۶ سال تھی۔ مولانا مملوک علی کے ہمراہ دہلی کا سفر کیا۔ وہاں مشائخ وقت سے ابتدائی کتب فارسی وعربی صرف و نحو پڑھیں۔ مشکوٰۃ شریف مولانا محمد قلندر سے پڑھی۔ اور حصن حصین اور فقہ اکبر مولانا عبدالرحیم سے پڑھیں۔ (۲۰)

۱۸ سال کی عمر میں حضرت نے شیخ وقت مولانا نصیر الدین نقشبندی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اذکار نقشبندیہ اخذ کئے۔ پھر چند روز ہی میں آپ کو خرقہ اجازت ملی۔ اس دوران خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور میاں جی نور محمد کی طرف رجوع کا اشارہ ملا چنانچہ اس خواب کی بناء پر حضرت میاں جی سے بیعت

ہو گئے۔ کچھ ہی دن میاں جی کی خدمت میں رہے تھے کہ خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے حضرت نے اجازت کے بعد ایک آخری امتحان لیا اور حاجی صاحب سے دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟ حاجی صاحب نے عرض کی کہ محض محبوب حقیقی کی خواہش ہے دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیے۔ یہ جواب سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور بے حد دعائیں دیں۔ (۲۱)

۱۲۶۰ھ کو خواب میں آنحضور ﷺ کی طرف سے تم ہمارے پاس آؤ کا مژدہ ملا تو حجاز روانہ ہو گئے۔ ۱۲۷۴ھ میں جنگ آزادی میں مسلمانوں کو ناکامی ہوئی۔ تو علماء پر ابتلا کا دور شروع ہوا اس کے نتیجے میں حاجی صاحب ہمیشہ کے لئے مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ دوران قیام حرم شریف میں مثنوی مولانا روم کا درس دیتے رہے حتیٰ کہ ہندوستان واپس ہوئے واپسی پر طالبین کا بیعت پر اصرار ہوا لیکن اوّل اوّل انکساری سے انکار کرتے رہے آخر اشارات غیبی سے بیعت شروع کی علماء کی جماعت میں سب سے اوّل مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے بیعت کی ان دونوں کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا جس میں مولانا عبدالرحمٰن کاندھلوی، مولوی محمد یعقوب نانوتوی۔ حافظ محمد ضامن تھانوی، اور مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری قابل ذکر ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی النسب، حنفی المذہب، طریقت و معرفت کے امام تھے۔ وسیع المشرب تعصب اور تشدد سے بہت دور تھے۔ انہوں نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کی تجدید کی۔ آخر ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء کو چوراسی سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں وصال ہوا۔ اور جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ کے متصل دفن ہوئے۔ (۲۲)

اللہ تعالیٰ نے حاجی صاحب کو دل و دماغ کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ اور وہ انیسویں صدی کی تین عظیم الشان تحریکوں کے منبع و مصدر تھے۔ (۲۳)

۱۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی۔ جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی۔ ان ہی خلفاء و مریدین کی پرخلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م۔۱۳۲۳ھ) مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی (م ر ۱۳۰۲ھ) حاجی محمد عابد صاحب ان کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م ۱۳۳۹ھ) مولانا محمد قاسم کے جانشین تھے۔ انہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔

۲۔ باطنی اصلاح و تربیت کیلئے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ حاجی صاحب کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ لیکن مولانا تھانوی کی تحریک میں وہ وسعت اور گہرائی نہ تھی جو مولانا محمد الیاس کی دینی تحریک کو حاصل ہوئی۔ مولانا محمد الیاسؒ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ جو دینی بصیرت کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا تھا۔ اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔

۳۔ انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادی وطن تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی صاحب اور ان کے منسلکین نے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔ وہ ہندوستان کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر کے زمانے میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادی وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحب کے قلب و جگر کو گرمایا تھا۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ وہ اور ان کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لئے جن مصائب کا سامنا کیا تاریخ ہند کا کوئی دیانتدار مورخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔ حاجی صاحب کی چند عمدہ تصانیف بھی ہیں۔ جو سب کی سب محبت الٰہی۔ معرفت اور تصوف میں ہیں۔ ان میں ضیاء القلوب (فارسی) ارشاد مرشد

گلزار معرفت، تحفۃ العشاق، جہاد اکبر، غذاء روح، اور درد نامہ غمناک۔ سب کی سب اردو میں ہیں۔ اور ان میں اکثر نظم میں ہیں۔ (۲۴)

کرامات اور ملفوظات:۔ (۲۵)

۱۔ مولانا تھانوی نے کسی صوفی صاحب کی طرف سے نقل کیا ہے۔ کہ ہمارے پاس تو حاجی صاحب کے کامل ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ ان کی طرف علماء کثرت سے رجوع کرتے ہیں اور زیادہ تر علماء کا فرقہ ہی صوفیہ کا مخالف ہوتا ہے۔ جب علماء معتقد ہیں۔ تو پھر کون مخالف ہوگا۔

۲۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مثنوی شریف کے سبق کے بعد روز دعا ہوا کرتی تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا دعا مانگیں؟ فرمایا کہ یہ دعا مانگا کریں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہمیں بھی حاصل ہو جائے۔

۳۔ "الغیبۃ اشد من الزنا"، کے متعلق فرمایا کہ زنا گناہ باہی ہے۔

اور غیبت گناہ جاہی اور کبر شہوت سے اشد ہے۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ کہ یہ تو قافیہ بھی ہو گیا فرمایا کہ ہمارے پاس تو ایسے ہی چٹکلے ہوا کرتے ہیں۔

۴۔ فرمایا کرتے تھے کہ دل مکہ معظمہ میں رہے۔ اور جسم ہندوستان میں رہے۔ یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ جسم تو مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں رہے۔

۵۔ ایک شخص نے شکایت کی کہ ذکر کرتا ہوں مگر کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا۔ اس پر فرمایا کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ ذکر میں لگے ہوئے ہو۔ اور تم کو ذکر کی توفیق دے دی گئی۔

۶۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ریا سے کوئی عمل کرتا ہو۔ تو اس کو کرتا رہے۔ ترک نہ کرے اول اول ریا ہوگی پھر عادت ہو جائیگی۔ اور پھر عادت سے عبادت ہو جائیگی۔

۷۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں تو لوگوں کو اس نیت سے مرید کرتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہوگا تو مرید دل

کو جنت میں لے جائیگا۔ اور اگر مرید مرحوم ہوگا تو پیر کو جنت میں کھینچ کر لے جائیگا۔

۸۔ فرمایا میں تین شخصوں سے خدمت لینا پسند نہیں کرتا۔ عالم، سید اور بوڑھا۔

۹۔ کسی عالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت سے عرض کیا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ؟ فرمایا کہ اس اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی۔ کہ کس درجہ کی چیز ہے۔ اور یہی سب کچھ ہے۔ اگر حق تعالیٰ اسی کی توفیق عطا فرمادیں اور بلا حضور قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے تو بڑی دولت ہے۔ (۲۶)

۱۰۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے خلفاء مجاز دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ کہ میں نے بلا درخواست ان خلفاء کو اجازت بیعت لینے کی دی اور خلیفہ بنایا۔ اور وہی درحقیقت خلفاء ہیں۔ اور ایک وہ کہ کسی نے خود درخواست کی کہ حضرت میں اللہ کا نام بتلا دیا کروں اور میں نے ان کے کہنے پر اجازت دی۔ تو یہ اجازت اوّل درجہ کی نہیں ہے۔ (۲۷)

مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ :۔

مولانا رشید احمد ۹ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۹ء اپنے ننھیال کے ہاں گنگوہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا ہدایت احمد ایک جید عالم تھے۔ جن کا انتقال ۱۲۵۲ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں ہوا۔ اس وقت مولانا کی عمر ۷ سال تھی۔ باپ کے انتقال کے بعد ان کے دادا نے ان کی تربیت کی۔ ان کی والدہ ایک راسخ العقیدہ دین دار اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ فارسی تعلیم اپنے ماموں مولانا محمد تقی سے کرنال میں پڑھی۔ عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتب مولوی محمد بخش رائے پوری سے پڑھیں۔ پھر انہی کی ترغیب سے آپ ۱۲۶۱ھ میں ۱۷ سال کی عمر میں تحصیل علم کیلئے دہلی تشریف لے گئے۔ کچھ اسباق قاضی احمد دین جہلمی سے پڑھے پھر شیخ مملوک علی کی خدمت میں پہنچے۔ اور اکثر درسی کتابیں ان سے پڑھیں۔ اسی زمانے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی ان کے ہم سبق تھے۔ حدیث اور تفسیر کا اکثر حصہ شیخ عبد الغنی سے پڑھا۔ درسیات سے فارغ ہو کر انہوں نے قرآن پاک حفظ کیا۔ (۲۸)

جملہ علوم وفنون سے فراغت کے بعد جبکہ مولانا کی عمر ۲۱ سال تھی۔ اپنے وطن گنگوہ واپس تشریف لائے اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور مختلف علوم نحو۔ معانی۔ فقہ تفسیر اور حدیث کی تدریس میں ہمہ وقت اشتغال رہتا تھا۔ ۱۳۰۰ھ کے ختم تک یہ سلسلہ رہا۔ اور ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا۔ اور خود تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب ایک سال میں پڑھاتے تھے۔ (۲۹)

تحصیل علم کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی سے تھانہ بھون آئے۔ اور حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے۔ بیعت کے وقت مولانا نے حاجی صاحب سے کہا۔ کہ حضرت مجھ سے ذکر وشغل اور محنت ومجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور رات کو اٹھا جائیگا اعلیٰ حضرت نے تبسم سے فرمایا۔ کہ اچھا کیا مضائقہ ہے؟ اس تذکرہ پر کسی خادم نے حضرت مولاناؒ سے دریافت فرمایا کہ حضرت پھر کیا ہوا آپ نے جواب دیا کہ پھر تو مرمٹا۔ اس کے دو تین دن بعد اعلیٰ حضرت نے ذکر بارہ تسبیح تلقین فرمایا۔ مولانا نے تھانہ بھون میں ۴۲ روز قیام کیا۔ اور اپنے مرشد کی راہنمائی میں تمام منازل سلوک طے کیں۔ اس طرح دولت باطنی ونعمت روحانی سے مالا مال ہو کر تھانہ بھون سے واپس ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت حاجی صاحب نے مولانا کو فرمایا۔ اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا۔ نیز چار سلسلوں کی اجازت وخلافت عطا کی۔

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء میں مولانا رشید احمد تحریک آزادی میں حصہ لینے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ ماہ تک مظفر نگر کی جیل میں رکھے گئے جب کافی ثبوت نہ ملا تو بری کر دیئے گئے۔ مولانا نے تین مرتبہ ۱۲۸۰ھ ۱۲۹۴ھ اور ۱۲۹۹ھ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ آخر آٹھ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔ (۳۰)

آپ تقویٰ، اتباع سنت شریعت پر استقامت کے نمونہ۔ بدعات کے استیصال اور سنت کی اشاعت میں کوشاں علم وعمل، مریدین کی تربیت اور تزکیہ نفس میں زندگی بھر لگے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں کبار خلفاء سے نوازا جس میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری محمود الحسن دیوبندی مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا انور شاہ کشمیری قابل ذکر ہیں۔ انور شاہ کشمیری کا کہنا ہے کہ:

"مولانا رشید احمد نہ صرف مذہب ابو حنیفہ کے ماہر تھے۔ بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذہبوں کا ماہر ہو۔" (۳۱)

ملفوظات:۔

آخر میں ہم مولانا کے چند ملفوظات تحریر کرتے ہیں۔ (۳۲)

۱۔ حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کو ایک صاحب سے تکلیف پہنچی اس پر حضرت مولانا خلیل احمد نے اس احتمال سے کہ کہیں حضرت بددعا نہ کردیں۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بددعا نہ کیجئے اس پر حضرت گھبرا گئے۔ اور فرمایا۔ توبہ توبہ مسلمان کے لئے کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں استغفر اللہ۔

۲۔ فرمایا کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے۔ اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔

۳۔ اوائل عمر میں حضرت امام ربانی نے طریقت کی ماہیت کے متعلق ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے فرمایا۔ (۳۳)

صوفیہ کا علم تام ہے ظاہر و باطن بعلم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متدین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق ہے۔ بحسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کیئے گئے ہو۔ اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔

خلفاء ومجازین:۔

مولانا گنگوہی کے ۳۰ کے قریب خلفاء و مجاز بیعت ہیں جن میں سے زیادہ معروف مندرجہ ذیل ہیں۔ (۳۴)

۱۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری

۲۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی

۳۔ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری

۴۔ مولانا حسین احمد مدنی

مولانا خلیل احمد سہارنپوری؟ (۳۵)

مولانا خلیل احمد کا تعلق خالص دینی اور علمی گھرانے سے تھا۔ اس لئے آپ کی تربیت روحانی اور علمی ماحول میں ہوئی آپ ۱۹ سال کی عمر میں مروجہ درس نظامی کی تمام کتب پڑھ چکے تو تصوف وسلوک کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوران تعلیم ہی مولانا رشید احمد گنگوہی سے عقیدت پیدا ہو چکی تھی۔ مولانا محمد قاسم سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی مولانا گنگوہی سے بیعت کا مشورہ بھی دیا اور بیعت کی سفارش بھی کی۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد گنگوہ ۱۲۸۸ھ میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ پہلے تو مولانا گنگوہی نے فرمایا۔

"مجھ سے تو پیر جولاہے وغیرہ مرید ہو جاتے ہیں۔ اور تم خود پیر زادہ ہو۔ تم مجھ سے کیوں بیعت ہوتے ہو آپ نے عرض کی کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر، حقیر اور ناکارہ ہوں۔ فرمایا کہ بس بس مسجد چلو۔ چنانچہ مسجد میں آکر مولانا گنگوہی نے توبہ کرائی۔ اور سلسلہ عالیہ میں داخل فرمایا۔" (۳۶)

آپ بیعت ہونے کے بعد واپس سہارنپور آگئے۔ اور تدریس میں مشغول ہو گئے لیکن ذکر الٰہی اور مجاہدہ میں بھی انہماک رہا۔ سحر خیزی اور شب بیداری آپ کا معمول بن گیا۔ مرشد کے ارشاد کردہ معمولات کی پابندی کر کے راہ سلوک کو بہت جلد طے کیا۔ اور تقریباً ۹۔ دس برس کے اندر اندر منزل مقصود کو جا لیا۔ جب تک حضرت گنگوہی بقید حیات رہے آپ معمولی سے معمولی اور اہم سے اہم کام میں حضرت کے حکم اور اشارہ کے منتظر رہے۔

بیعت کے تقریباً ۹ سال بعد آپ حج کیلئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ تو مرشد گنگوہی نے اپنے شیخ حاجی امداد اللہ کی خدمت میں مولانا سہارنپوری کو اجازت اور خلافت عطا کرنے کی سفارش کی حاجی صاحب مولانا کی باطنی کیفیت کا

مشاہدہ کر کے بہت خوش ہوئے اور اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھ دی، نیز مولانا گنگوہی کے نام مبارک باد کا خط اور خلافت نامہ عطا کیا، ہندوستان واپسی پر یہ دونوں عطیے مولانا گنگوہی کی خدمت میں پیش کیے لیکن انہوں نے فرمایا: "مبارک ہو یہ تو تمہارے لئے اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے۔" (۳۷)

مولانا گنگوہی کے وصال کے بعد آپ کی طرف عام رجوع ہوا، عوام سے لے کر خواص تک علاوہ ازیں سے لے کر علماء تک آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سلسلہ عالیہ کو بہت مقبولیت عطا فرمائی حضرت مولانا کے دس خلفاء اور مجازین تھے۔ ان میں سے ایک مولانا محمد الیاس کو جن کی تبلیغی اور اصلاحی تحریک اس وقت دنیا کے تقریباً ہر حصے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور مولانا اور ان کے خلفاء کے ذریعے عمومی اصلاح جو ہوئی اور ہو رہا ہے وہ بے مثال ہے۔ دوسرے مولانا محمد زکریا جن کے مریدین کی کثرت اور ان کے ذریعے اس سلسلہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد آتی زیادہ ہے جو لاکھوں سے متجاوز ہے۔ اس ضمن میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں۔

"عوام سے زیادہ آپ کی طرف علماء اور اہل ذوق کا رجوع ہوا کہ اس جماعت کے ایک شخص کی اصلاح گویا ان ہزار کی اصلاح تھی۔" (۳۸) اسی افادۂ عام کے متعلق مولانا عبد الحیٔ نے تحریر کیا ہے۔

"وہ آپ کو طالبین کی ہدایت و ارشاد اور منازل سلوک کی طرف راہنمائی میں رسوخ و کمال تھا اور طریقت کے اسرار اور نکتوں اور نفس کے شرور آفات کے بارے میں بڑی گہری بصیرت تھی آپ قوی نسبت کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے بڑی مخلوق کو نفع پہنچایا۔ اور آپ کے ہاتھ پر علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت نے تربیت پائی اور آپ کے تزکیہ و تربیت سے بہت سے اہل سلوک کمال کے درجے پر فائز ہوئے۔" (۳۹)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا سب سے بڑا وصف اتباع سنت، تسلیم و رضا اور استقامت تھا آپ کشف و کرامات اور تصرفات کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اگر اپنے مریدین میں اس کا کوئی اثر دیکھتے تو تربیت فرماتے۔

جیساکہ مولانا زکریا فرماتے ہیں۔

"میرے چچاجان نوراللہ مرقدہ کے ابتدائی سلوک میں جو خطوط خوارق یا مکاشفات کے ہوتے تھے تو میرے حضرت خلیل احمد صاحب ان کے جوابات میں یہ لکھوایا کرتے ہیں۔ کہ ان چیزوں کی طرف التفات ہرگز نہ کریں۔ یہ ترقی سے مانع ہیں۔" (۴۰)

مولانا خلیل احمد نے سات حج کئے آخر آپ کا انتقال ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو ہوا۔

ملفوظات: (۴۱)

۱۔ فرمایا ذکر باوضو ہونا چاہیے۔ بلکہ درویش سالک کو ہروقت باوضو رہنا چاہیے۔ اور اسم ذات ہو۔ یا نفی اثبات اطمینان کے ساتھ خوب ٹھہراکر کرنا چاہیے۔ اور معنی کا بطور لحاظ رکھنا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر تہجد کے بعد ذکر کرے۔ کہ وہ برکت اور قبولیت کا وقت ہے۔ اور طبیعت پر اس وقت سکون وانبساط بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۲۔ فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہیئے۔ تاکہ نورانیت پیدا ہو اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ فرمایا۔ مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے کہ حضور کے ساتھ قلب کو ماسوی اللہ کے خطرات سے خالی ومحفوظ رکھنا۔ یہ جو محض آنکھیں بند کر کے اور گردن جھکا کر کیا جاتا ہے اور عرب میں اسی کو مراقبہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف مبتدیوں کو عادت ڈالنے کے لئے ہے کہ یکسوئی سے مناسبت ہو جائے۔ اور پھر رفتہ رفتہ جب طبیعت متعاد ہو جاتی ہے۔ تو وہ کیفیت مراقبہ قائم ہو کر ہر وقت جاری رہتی ہے۔

۴۔ فرمایا جو عبادت تھوڑی ہو۔ مگر خلوص اور مداومت کے ساتھ ہو وہ اس کثیر عبادت سے جو خلوص یا مداومت کے بغیر ہو بدرجہا بہتر ہے۔ کہ عبادت و ریاضت کی تمام برکات خلوص و مداومت

سے ساتھ وابستہ ہیں۔

۵۔ فرمایا۔ تہجد کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ کہ صالحین کا شعار ہے۔ اور روحانیت کے لئے بے حد مفید ہے۔

۶)۔ فرمایا۔ طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا و ما فیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ بس اس سے ادھر یا ادھر نظر نہ ہٹانا چاہیے۔

۷۔ فرمایا۔ سالک کیلئے دو چیزیں سخت مضر ہیں۔ بدعت سے ساتھ تعلق اور نعمت الہیہ کا کفران اللہ والوں سے لپٹا رہے۔ اگر ان کی محبت دل میں ہوگی۔ تو انشاء اللہ خاتمہ کبھی خراب نہ ہوگا اور دل میں اگر اللہ والوں سے بغض ہوا۔ تو خاتمہ خراب ہونے کا بہت اندیشہ ہے۔ اس لئے کچھ بھی نہ کرسے۔ تو محض دخول سلسلہ بھی نفع سے خالی نہیں۔

خلفاء و مجازین:۔ (۴۲)

مولانا سہارنپوری نے بعض لوگوں کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ ان میں سے نمایاں یہ ہیں۔

(i) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب

(ii) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی

(iii) مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی (مصنف تیسیر المبتدی و تیسیر المنطق)

(iv) مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت دہلی

(v) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الاسلام پاکستان

(vi) اور مولانا محمد زکریاؒ

مولانا زکریا کا نظریہ تصوف

مولانا محمد زکریاؒ نے تصوف اور سلوک کے متعلق اپنے افکار اور نظریات کا اظہار اپنی تالیفات میں جا بجا کیا ہے جن کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ (۴۳)

۱- مولانا زکریاؒ پہلی بات تو یہ لکھتے ہیں، کہ تصوف اِن کے اکابر کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ ان اکابر نے تصوف کو فقہ اور حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول و فعل سے بتلا دیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے اور جو رسوم و بدعات اِس مبارک فن میں بعد زمانہ سے بڑھ گئی تھیں اُن کو چھانٹ دیا۔ پھر تصوف کو بعض نادانوں نے اپنی جہالت سے خاہر شریعت کا مخالف نہیں تو علیحدہ ضرور بنا دیا تھا۔ مولانا زکریاؒ اپنا نظریہ تصوف اِس طرح بیان کرتے ہیں۔

" ایک دفعہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رئیس الاحرار نے مولانا زکریاؒ سے پوچھا کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اِس کی کیا حقیقت ہے!

مولانا زکریاؒ نے جواب دیا "صرف تصحیح نیت" اِس کے سوا کچھ نہیں۔

انما الاعمال بالنیات

سارے تصوف کی ابتدا ہے اور

ان تعبد اللہ کانک تراہ

سارے تصوف کا منتہا ہے۔

اِسی کو نسبت کہتے ہیں۔ اسی کو یادداشت کہتے ہیں۔ اور اسی کو حضوری کہتے ہیں۔ مولانا! سارے پاپڑ اِس ایک بات کیلئے بیلے جاتے ہیں۔ اس کیلئے ذکر و شغل ہوتا ہے۔ اسی کیلئے مجاہدے اور مراقبے ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے اس کو کبھی کی بھی ضرورت نہیں۔ صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین تو نبی کریمؐ کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ

ہو جاتے تھے۔ اِن کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکماء امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج تجویز کیے۔ جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے علاج کیلئے تجویز کرتے ہیں۔

روحانی اطباء و روحانی امراض کیلئے ہر زمانہ کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے نسخے تجویز فرماتے تھے۔ جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں۔ بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔ (۴۴)

۲۔ مولانا زکریاؒ اپنے نظریہ تصوف کی تائید میں اپنے اکابر کے افکار اور اقوال پیش کرتے ہیں:۔

اس طرح حقیقی تصوف سے احسان مراد ہے جو شریعت کی روح اور مغز ہے۔ صوفی کو کتاب اللہ میں محسن اور مقرب کہا گیا ہے کیونکہ کتاب اللہ نے امت کے مختلف درجہ کے لوگوں کا ذکر کیا ہے جو شخص اپنے ایمان کو صحیح کرے اور اس کا عمل شرعی اور امر و نواہی کے مطابق ہو تو یہ وہ لوگ ہیں جو اصحاب الیمین کہلاتے ہیں۔ پھر ان امور کے ساتھ ساتھ جس شخص کی غفلات بھی کم ہوں اور نوافل و طاعات کی کثرت ہو اور اس کے قلب پر ذکر اللہ کا استیلاء ہو جائے اور حق تعالیٰ سے مناجات کا تسلسل اور دوام اس کو حاصل ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو صوفی کہا جاتا ہے۔ جو "صفا" سے مشتق ہے یعنی یہ شخص اخلاقِ مذمومہ سے پاک ہو گیا ہے اور اخلاقِ محمودہ کے ساتھ متصف ہو گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو محبوب بنا لیا اور جملہ حرکات اور سکنات میں اِس کا محافظ اور نگران ہو گیا جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ اللہ سے تقرب حاصل کرنے والوں میں کسی نے اس جیسا تقرب حاصل نہیں کیا جو کہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ "قربِ فرائض" کہلاتا ہے۔ اور بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یعنی ادائے فرائض کے بعد حتیٰ کہ وہ اس کو محبوب بنا لیتا ہے۔ اور جب وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے تو پھر وہ اس کا کان بن جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہے جس سے دیکھتا ہے۔ یہ "قربِ نوافل" کہلاتا ہے (۴۵) بالفاظ دیگر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں اہل علم و فضل کا کوئی خاص نام بجز صحابی کے نہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ صحابیت سے بڑھ کر کوئی شرف نہ تھا جس کی

جانب اس کو منسوب کیا جاتا پھر جب صحابہ کا دور ختم ہوا اور قرن ثانی آیا تو جن حضرات نے صحابہؓ کی صحبت پائی تھی ان کو تابعین کہا جانے لگا۔ اور یہی اس وقت ان کے حق میں سب سے بڑی تعریف سمجھی جاتی تھی۔ پھر ان کے بعد تبع تابعین کے لقب سے ملقب ہوئے پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ لوگ مختلف درجات میں تقسیم ہو گئے تو اس وقت خواص جن کو امور دین کا شدت کے ساتھ اہتمام تھا۔ "زہاد اور عباد" کے نام سے پکارے جانے لگے۔

۳۔ بعد ازیں جب بدعات کا فروغ ہوا اور مختلف فرقوں میں باہم تنافس ہونے لگا یہاں تک کہ ہر فریق دعوٰی کرنے لگا کہ ان کے اندر زہاد ہیں یہ دیکھ کر خواص اہل سنت نے جنہوں نے اپنے لیے معیت الٰہی کو تجویز کیا اور جنہوں نے اسباب غفلت سے اپنے قلوب کی حفاظت کی انہوں نے اپنے مسلک اور طریق خاص کیلئے اسم تصوف تجویز کیا چنانچہ اس نام سے اس جماعت کے اکابر دوسری صدی سے پہلے پہلے مشہور ہو گئے جنہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ (۴۶)

بلاشبہ تصوف کا نام قرن اول میں موجود نہیں تھا تاہم اس کا مصداق اسلام کے قرن اول میں موجود تھا جیسا کہ صاحب ابداع رقم طراز ہیں!

"اور تصوف جس وقت اسلام کے قرن اول میں ظاہر ہو رہا تھا تو وہ ایک عظیم المرتبت شے تھی اور ابتداً اس سے مقصود تقویم اخلاق، تہذیب نفوس اور طبائع کو اعمال دین کا خوگر بنانا اور ان کو اس کی جانب لانا، اور دین شریعت کو نفس کی طبیعت اصلیہ کا وجدان بنانا نیز دین کے حکم و اسرار سے تدریجاً نفس کو واقف کرانا تھا۔" (۴۷)

ظاہر ہے کہ ان مقاصد میں سے ہر مقصد اپنی جگہ پر نہایت ہی صحیح، ضروری اور شریعت کے عین مطابق تھا۔ اس لیے ان سے کسی کو اختلاف یا انکار نہ ہونا چاہیئے تھا۔

الغرض تصوف ایک عظیم الشان چیز تھی۔ جس کی تعریف علماء تصوف نے یہ کی ہے:

التصوف علم، تعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الظاهر والباطن - لنيل السعادة الابدية (۴۸)

ترجمہ :۔ "وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کے احوال پہنچانے جاتے ہیں۔ جس کی غرض ابدی سعادت کی تحصیل ہے"

غرض جس تصوف کے اثبات کے مولانا زکریاؒ اور ان کے اکابر قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اصطلاح شرع میں احسان کہتے ہیں۔ یا جس کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے یا تعمیر الظاہر والباطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ایک منظم با اصول فن ہے جس میں مریدین کیلئے بھی شرائط ہیں۔ اور شیخ کیلئے بھی اصول و آداب ہیں۔ جن کی رعایت کرنے کے بعد اس کو شریعت کا مغز اور دین کا لُبِ لباب کہنا بجا ہے یہی بات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" میں فرمائی ہے کہ دعوت محمدی تین اہم امور پر مشتمل ہے۔ (۴۹)

۱۔ اول تصحیح عقائد جس کی ذمہ علماء امت کے اہل اصول نے اٹھایا ہے۔

۲۔ دوسری چیز اعمال کا صحیح طور پر اور سنت کے موافق ان سب کو ادا کرنا۔ اس فن کو امت کے فقہاء نے اپنے ذمہ اٹھایا ہے۔

۳۔ تیسری چیز تصحیح نیتِ اخلاص و احسان جو دین کی اصل ہے جو شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اس فن کی تکفل صوفیاء نے کیا ہے انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت دی۔

اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :۔

"دین اسلام میں فی الواقع شریعت ہی فرض اور مقصد اصل ہے جبکہ طریقت شریعتِ باطن کا نام ہے اور حقیقت و معرفت متمم شریعت ہیں۔ جن کے بغیر کامل اتباع شریعت ممکن نہیں۔" (۵۰)

۴۔ پس سلوک سے مراد یہ ہے کہ سنت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیمہ اور خلقی شعار بن جائے۔ تکلف

کی حاجت نہ رہے بلکہ اعضا سے متعدی ہو کر قلب تک پہنچ جائے۔ اور عمل قلبی انس کا ثمرہ بن جائے جیسا کہ ایک بیمار شخص جس کی بھوک ختم ہو گئی ہے طبیعت کے حکم سے جبراً غذا کھاتا ہے تا کہ طاقت حاصل ہو۔ اس کے برعکس دوسرا تندرست اور صحت مند شخص ہے جو سچی اشتہا پر غذا کھاتا ہے۔ غذا کھانے میں بظاہر دونوں برابر ہیں۔ لیکن ایک جبر و کراہت سے اور دوسرا رغبت و اشتہا سے۔ اسی طرح عامی آدمی عبادت کرتا ہے۔ مگر نفس پر جبر کر کے۔ جیسے کہ صاحب نسبت ولی بھی عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ مگر خوش دلی اور قلب رضا سے۔ اس روحانی صحت کاملہ کا نام طریقت ہے۔ جو قلب اور باطن کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اس روحانی غذا کا جس کو شریعت کہا جاتا ہے۔ شیدا بنا دیتا ہے۔ مولانا نے تصوف کی حقیقت اور اسکی ضرورت وغیرہ امور مفصل کلام کرنے کے بعد۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی ایک تحریر نقل کی ہے۔ جو تصوف۔ طریقت اور سلوک کے ضمن میں بڑی جامع اور مانع ہے ہم اسے بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔

علم الصّوفیۃ علم الدین ظاہرًا و باطنًا وھو العلم الاعلی حالھم اصلاح الاخلاق و دوام الافتقار الی اللہ تعالی

حقیقۃ التصوّف التخلق باخلاق اللہ تعالی وسلب الارادۃ وکون العبد فی رضاء اللہ تعالیٰ۔

اخلاق الصوفیۃ ما ھو خلقہ علیہ السّلام لقولہ اِنّکَ لعلی خلق عظیم وما ورد بہ الحدیث وتفصیل اخلاقھم ھکذا التواضع ضدہٗ الکبر المداراۃ واحتمال الاذیٰ عن الخلق۔ المعاملۃ برفق وخلق حسن وترک غضب وغیظ المواسات والایثار بفرط الشفقۃ علی الخلق وھو تقدیم حقوق الخلق علی حظوظہ، السخاوۃ، التجاوز والعفو طلاقۃ الوجہ

والبشرة السهولة ولين الجانب ترک النصف والتکلف انفاق بلا افتقار وترک الادخار، التوکل۔ القناعة بيسير من الدنيا الورع، ترک المراء والجدال، والعتب الا بحق ترک الغل والحقد والحسد ترک المال الجاه، وفاء الوعد۔ الحلم۔ الافادة۔ التواد والتوافق مع الاخوان والعزلة عن الاغيار شکر المنعم۔ بذل الجاه للمسلمين۔ الصوفي يهذب الظاهر والباطن في الاخلاق۔ والتصوف ادب کله۔

ادب الحضرة الالهية الاعراض عما سواه حياءً واجلالاً وهيبة۔ السوء المعاصي حديث النفس وسبب الظلمة (۵۱)

ترجمہ :۔

"صوفیا کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا۔ اور یہی اعلیٰ علم ہے صوفیا کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا ہے۔ اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہؐ کا خلق ہے۔ حسب فرمان خداوندی کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو۔ اور جو کچھ حدیث میں آیا ہے۔ اس پر عمل اخلاق صوفیاء میں داخل ہے۔ صوفیا کے اخلاق کی تفصیل اِس طرح ہے۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا۔ اور اسکی بلند ہے تکبر۔ مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کا برداشت کرنا۔ نرمی اور خوشی کا معاملہ کرنا۔ غیظ و غضب کو چھوڑ دینا۔

ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظِ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔ سخاوت کرنا۔ درگزر اور خطاؤں کا معاف کرنا۔ خندہ روئی اور بشاشت جسم سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔ تفنع اور تکلف کا چھوڑ دینا۔ خرچ کرنا اور بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا۔ پرہیزگاری۔ جنگ وجدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔ بغض و کینہ و حسد نہ کرنا۔ عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا۔ وعدہ پورا کرنا۔ بردباری دور اندیشی۔ بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت کرنا۔ اغیار سے علیحدہ رہنا۔ محسن کی شکر گزاری، جاہ کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے۔ اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔ ترحم کے مارے اللہ تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب بدترین اذکار کا خلاصہ معصیت ہے۔ تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا۔"

۹ر رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ حضرت گنگوہیؒ نے چند خاص لوگوں کے مجمع میں تقریر کی۔ اور تمام اذکار کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے۔

"تمام اذکار و اشغال و مراقبات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری ہر وقت حاصل رہے۔ بعض نے اس حضوری کے بھی ۲ درجے کر دیے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسم ذات تخیلہ میں قائم ہو جائے۔ پھر اسم سے مسمّٰی کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے۔ یہ جو بزرگوں نے چلہ وغیرہ کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس کا بھی یہی مطلب تھا۔ کہ کوئی دوسرا خیال اور نقش مخیلہ پر نہ پڑے مثلاً باہر نکلو تو گھونگھٹ کر کے نکلو کہ کسی کو دیکھو گے تو اس کی صورت کا نقش مخیلہ کو مکدر کر دے گا۔ جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہر وقت علم ہے کہ میں ہوں۔ بس ایسا ہی علم حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہیے۔ پہلے بزرگ اخلاق سیئہ کو چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے۔ تاکہ یہ کام آسان ہو جائے۔ مگر متاخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا ہے کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذکر کے نیچے دب

جائیں، اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔ اخلاق سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کردیا ہے۔ پھر دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے۔ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔ (۵۲)

۵۔ سلوک و معرفت کا راستہ حقیقی سعادت اور فلاح کا ہے۔ اس لیے شیطان بھی اس راستہ پر چلنے والوں کو کوششوں کو بیکار کرنے کی پوری سعی کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ظاہری معروف گناہوں سے پرہیز و تقویٰ اور عبادات کی کثرت کو اپنی جگہ ہونے دیتا ہے۔ لیکن اندر ہی اندر اُم الامراض یعنی کبر کو بڑھاتا رہتا ہے۔ جس کے سبب کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مقصد تو بندگی ہے نہ کہ خدائی؟ عبادات اور اذکار کا مقصد بندگی ہے اور اپنے مولیٰ کے سامنے ذلت و افتقار کا پیدا ہونا ہے اور ہر وقت حیاء و ادب کے ساتھ اس کی حضوری میں رضا جوئی کے ساتھ خدمت میں مصروف رہنا ہے۔ اس چیز کو شیخ کی صحبت میں سیکھنا اور اس کے باطن سے فیض یاب ہونا۔ اس کیلئے شیخ کامل کو حضورؐ کا جانشین اور نائب سمجھ کر وہی معاملہ کرنا ہے۔ جو صحابہؓ نے کیا اور صحابہ کرامؓ کا معاملہ یہ تھا کہ جاہلیت کی رسوم یک لخت چھوڑ کر رسولِ خدا کی اطاعت کاملہ اپنائی۔ جب آپؐ نے اُن کو سچی ارادت میں راسخ دیکھا تو اپنے قلب مبارک کے آفتاب کا عکس ان کے قلوب میں ڈالا اور مالا مال کردیا۔ چنانچہ صحابہؓ کے قلوب اس نور سے روشن ہو گئے۔ پھر انہی حضرات کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں اس طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔ (۵۳)

بیعت کی اجازت :۔

بیعت کی اجازت کے مسئلے پر مولانا زکریاؒ نے مسلسل اظہار خیال کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ بیعت کی اجازت دراصل بمنزلہ مدارس کی سند ہے جو تعلیم کی تکمیل یا اہلیت کی سند ہوتی ہے اس کے بعد اگر کوئی شخص علم سے فراغت کے بعد پڑھنے پڑھانے کے مشغلہ میں مشغول رہے تو علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سلسلہ میں مثلاً زراعت اور تجارت میں لگ جائے تو علم سے مناسبت جاتی رہے گی۔

اس لیے مولانا اشرف علی تھانوی کا کہنا ہے :۔

"اجازت شیخ دلیل کمال نہیں بلکہ دلیل مناسبت ہے"۔ (۵۴)

پس کسی کو اجازت بیعت بھی اس ظن غالب پر دی جاتی ہے ۔ کہ اس کی فی الحال تو ان اوصاف میں درجہ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے ۔ اور اگر وہ برابر اس کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آیندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا ۔

مشائخ کے ہاں اجازت کے بھی مختلف طریق ہوتے ہیں حاجی امداد اللہ کا ارشاد ہے :۔

"میرے خلفاء دو قسم کے ہیں ۔ ایک وہ جن کو میں نے از خود بلا درخواست اجازت دی ہے وہی اصل خلفاء ہیں ۔ دوسرے وہ جنہوں نے درخواست کی کہ اللہ کا نام بتلا دوں ۔ میں نے کہا بتلا دیا کرو یہ اجازت پہلے درجہ کی نہیں ہے"۔

بہر حال خلافت و اجازت نہ تو کسی عجب اور بڑائی کا سبب ہونا چاہیے ۔ اور نہ اس کے بعد تساہل یا تغافل ہونا چاہیئے کہ اس سے یہ دولت جاتی رہتی ہے ۔ اکابر کے یہاں اجازت کے بارے میں ہم نے اپنے مشائخ کو دو طریق پر پایا ہے ۔ بعض اکابر کے یہاں تسہیل پائی جاتی ہے ۔ اور بعض حضرات کے یہاں تشدد تھا ۔ چنانچہ مولانا گنگوہی کے یہاں حضرت کے بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے بیعت کی اجازت فرما دی ہے ۔ لیکن حضرت گنگوہی نے فرمایا :۔

"میرے یہاں تو ابھی کچھ کام کرنا پڑے گا ۔"

اسی طرح مولانا خلیل احمد کے ہاں بہت تشدد تھا ۔ اور مولانا حسین احمد مدنی کے یہاں اولاً تشدد تھا اور آخر میں تسہیل پیدا ہو گئی تھی ۔ (۵۵)

نسبت کی حقیقت

صوفیا کے یہاں نسبت کے چار درجے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے لیکن نسبت کی حقیقت کے متعلق حضرت تھانویؒ کا ایک ارشاد عام فہم ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ "نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ و تعلق کے اور اصطلاحی معنی ہیں کہ بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی اطاعتِ دائمہ۔ ذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضا جیسا عاشق و مطیع اور باوقار معشوق میں ہوتا ہے" پھر صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت بتائیؒ کہ اس شخص کی رغبت الی الآخرۃ اور نفرۃ عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیاداروں کی کم"۔

الغرض نسبت ایک خاص نوع کے تعلق کا نام ہے اور جس قدر تعلق قوی ہوگا اسی قدر نسبت بھی قوی ہوگی بظاہر تعلق تو ہر مسلمان کو اللہ جل شانہ سے ہے لیکن یہ نسبت خاص قسم کی محبت اور خصوصی تعلق کا ثمرہ ہوتا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے تفسیر عزیزی میں نسبت کی چار قسمیں فرمائی ہیں۔ جو سمجھنے کے اعتبار سے اور ایک دوسرے کو ممیز کرنے کے واسطے بہت مفید ہیں (۵۶)

اقسام نسبت

نسبت انعکاسی:۔

تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ صوفیا کی اصطلاح میں نسبت کی چار قسمیں ہیں۔ سب سے ابتدائی تو انعکاسی کہلاتی ہے۔ یعنی ذکر و شغل کی کثرت سے دل کا زنگ دور ہونے کے بعد اس میں آئینہ کی طرح سے ایسی صفائی اور شفافی پیدا ہوجائے کہ اس میں ہر چیز کا عکس آئینہ کی طرح ظاہر ہوجاتا ہو۔ یہ شخص جب شیخ کی خدمت میں جاتا ہے۔ تو شیخ کے قلبی انوار اور اثرات کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے۔ اس کو نسبتِ انعکاسی کہتے ہیں۔ اس کا اثر سالک کے قلب پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک شیخ کے پاس رہے یا اُس ماحول میں رہے لیکن جب شیخ کی مجلس یا وہ ماحول ختم ہوجاتا ہے۔ تو یہ اثر بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال فوٹو کی سی ہے۔ کہ اس میں ہر وہ چیز منعکس ہوجاتی ہے۔ جو اس کے سامنے ہو اور جب اس کو ہٹا لیا جائے تو وہ ختم ہو

جاتی ہے ۔ لیکن فوٹو کی طرح اس کو مصالحہ وغیرہ سے پختہ کر لیا جائے تو وہ پھر ہمیشہ باقی رہتی ہے ۔ اس نسبت پر بعض مشائخ اجازت دے دیتے ہیں اگر مجاہدہ اور ریاضت سے اس کو باقی رکھا جائے تو باقی رہتا ہے ۔ بلکہ مزید پختہ ہو جاتا ہے ۔ یہی وہ درجہ ہے جسکو حضرت تھانوی رح نے لکھا ہے کہ " بعض مرتبہ غیر کامل کو بھی مجاز بنا دیا جاتا ہے ۔ اس کو جو ناقص یا نااہل کہا گیا ہے ۔ وہ کمال کے اعتبار سے ہے ۔ اس درجہ کی اجازت جس کو حاصل ہوتی ہے ۔ اس کو بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ تاکہ یہ باقی رہے بلکہ ترقی کر سکے ۔ (۵۷)

۲ ۔ نسبت القائی :۔

دوسرا درجہ جن کو حضرت شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے ۔ وہ نسبت القائیہ ہے جس کی مثال کہ کوئی شخص چراغ لے کر اس میں تیل اور بتی ڈال کر شیخ کے پاس جائے ، وہ اس کے عشق کی آگ سے لو لگائے یہ درجہ پہلے سے زیادہ قوی ہے ۔ اور اس درجہ والے کے واسطے شیخ کی مجلس میں رہنے کی شرط نہیں بلکہ شیخ کی مجلس سے غائب بھی ہو جائے تو یہ نسبت باقی رہتی ہے ۔ اور جب تک تیل اور بتی رہے گی ۔ اس وقت تک یہ نسبت باقی رہے گی ۔ اس نسبت کیلئے تیل بتی تو اذکار و اشغال ہیں ۔ اور باد مخالف یعنی معاصی وغیرہ سے حفاظت بھی ضروری ہے ۔ کہ باد مخالف سے چراغ گل ہو جایا کرتا ہے ۔ یہاں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ جس درجہ کی تیل بتی میں قوت ہوگی ۔ اتنے ہی درجہ کی مخالف ہوا کو برداشت کر سکے گی ۔ یعنی اگر معمولی سا چراغ ہے تو ہوا کے ذرا سے جھونکے سے بجھ جائے گا گویا ذرا سی معصیت سے ختم ہو جائے گا ۔ لیکن اگر چہ چراغ قوی ہو تو معمولی ہوا اس کو گل نہیں کر سکتی ۔ بندہ کے خیال میں میرے اکابر کی اکثر اجازتیں اسی نسبت القائیہ پر ہیں ۔ چنانچہ بہت سے اکابر اور ان کے مجازین کے حالات میں یہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ جب ان کو اجازت دی گئی تو ایک بجلی سی آن میں کوندگئی ۔ یہ نسبت پہلی نسبت کے بالمقابل زیادہ قوی ہے ۔ لیکن دو چیزوں کی اس میں بہت ضرورت ہوتی ہے ۔ ایک تیل بتی کا بقاء اور اس کے اہتمام کی یعنی اوراد و اشغال کی ، دوسرے باد مخالف سے حفاظت کی اگرچہ معمولی سی ہوا اس کو ضائع نہیں کرتی ۔ لیکن معمولی ہوا بھی ایک دم تیز ہو جاتی ہے ۔ اور معمولی معصیت بھی ایک دم کبیرہ بن جاتی ہے ۔ (۵۸)

۳۔ نسبت اصلاحی:۔

تیسرا درجہ جو شاہ صاحب نے لکھا ہے وہ نسبتِ اصلاحی کا ہے۔ یہ نسبت دونوں سے بہت قوی ہے حضرت نے مثال لکھی ہے کہ جیسے ایک شخص نہر کھودے اور اس کو خوب مضبوط بنائے اور اس کی ڈولیں درست کرے۔ اور اس کو کھود کر اس کا دہانہ کسی دریا سے ملا دے۔ اس دریا سے پانی کا دھارا زور شور سے اس نہر میں آ جائے کہ معمولی اینٹ روڑے اس کی پانی کے سیل کو نہیں روک سکتے۔ بلکہ اس کے ساتھ بہتے چلے جائیں گے یہ کہ کوئی نقب اس نہر میں لگ جائیں یا کوئی چٹان اس نہر میں آ کر حائل ہو جائے قدماء صوفیاء کی اجازتیں زیادہ تر اسی پر ہوتی تھیں کہ وہ اولاً تزکیہ نفوس و اخلاق پر بہت زور لگاتے تھے۔ اور جب "تزکیہ" ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد اوراد و اذکار کی تلقین کے بعد اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے۔(۵۹)

۴۔ نسبت اتحادی:۔

حضرت شاہ صاحب نے نسبت کی چوتھی قسم اتحادی بتلائی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اپنی نسبت روحانیہ کو جو حامل کمالیات عالیہ ہے۔ قوت کے ساتھ دبوچ کر یا کسی اور طرح سے مرید کے قلب میں پیوست کر دے۔ گویا شیخ و مرید میں روحانی اعتبار سے کوئی فرق نہ رہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس چوتھی نسبت کی مثال میں ایک عجیب قصہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا جو حضرت مجدد الف ثانی کے شیخ تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں کچھ مہمان آ گئے۔ ایک بھٹیارے کی دوکان حضرت کی قیام گاہ سے قریب تھی۔ اُس بھٹیارے نے دیکھا کہ کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں۔ اُس نے بہت بڑا خوان لگا کر اور اُس میں مختلف قسم کے کھانے رکھ کر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ مہمانوں کیلئے کچھ کھانا لایا ہوں۔ قبول فرمالیں۔ حضرت کو بہت مسرت ہوئی اور وہی بے اختیاری شان کے ساتھ فرمایا "مانگ کیا مانگتا ہے" اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا جیسا بنا دو۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لے۔ طباخ نے کہا کہ بس یہی چاہیئے۔ چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھے اس لئے اُس کے اصرار پر اُس کو حجرہ مبارکہ میں لے گئے۔ اندر سے زنجیر لگا دی۔ آدھ گھنٹے بعد حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت

تک بھی ایک ہو چکی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے لیکن وہ طباخ مسکر بے خودی کی حالت میں تھا۔ اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔ (۶۰)۔

سلوک کے موانع

راہ سلوک میں تمام ظاہری اور باطنی معاصی موانع ہیں۔ جن سے سالک کو بہت پرہیز کرنا چاہیے ورنہ ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اہم موانع مندرجہ ذیل ہے۔ (۶۱)

۱۔ مخالفت سنت:۔

سب سے پہلا مانع سنتِ رسول کی مخالفت ہے۔ لہٰذا ایک سالک کو سنت کی پوری پوری پابندی کرنا چاہیے۔ اور کوئی کام خلافِ سنت نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ حُسن پرستی:۔

یعنی غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔ اس سے عبادت میں حلاوت جاتی رہتی ہے۔ آنحضور ؐ نے اسے نظر کا زنا کہا ہے۔ مولانا زکریاؒ نے اس کی تفصیل "آپ بیتی" میں نظر کی احتیاط کے تحت لکھی ہے۔ (۶۲)

اسی طرح امارد یعنی نوعمر لڑکوں کی صحبت راہِ سلوک کی بہت بڑی آفت ہے۔ جس سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔

۳۔ تعجیل:۔

یعنی مجاہدات کے ثمرات میں عجلت اور جلد بازی کرنا۔

۴۔ تصنّع:۔

توحیدِ مطلب میں پختہ نہ ہونا یعنی ہرجائی ہونا۔ توحیدِ مطلب سے مراد ہے کہ سالک اپنے شیخ کے متعلق یہ یقین رکھے کہ دنیا میں اس کے علاوہ کچھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا۔

۵۔ ترجیح ترتیب سے صرف نظر:۔

یعنی امورِ اختیاریہ میں ہمت سے کام نہ لینا اور امورِ غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں رہنا۔ جیسے ذوق و شوق، استغراق و لذت، دفع خطرات وغیرہ اور انہی امورِ غیر اختیاریہ کے ازالہ کیلئے پریشان ہونا۔ جیسے قبض، ہجوم خطرات و وساوس، دل نہ لگنا، طبعی محبت، شہوت طبعی کا غلبہ، قلب میں رقت نہ ہونا۔

۴- مخالفتِ شیخ:-

یہ بات عجب و پندار اور امراض کبر کے حد درجہ بڑھنے سے ہوتی ہے۔ اس راستہ میں نہایت خطرناک، اپنے آپ کو کچھ سمجھنا ہے۔ پھر یہ گستاخی اور بے ادبی بھی ہے۔ جس سے شیخ کے قلب میں تکدر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ تکدر فیض سے مانع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگر کسی چھت کی میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر تو صاف شفاف حالت میں آئے گا۔ لیکن جب میزاب میں جمع ہو کر نیچے گرے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاء اعلیٰ سے فیوض و انوار نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا تعدیہ ایسے طالب کے قلب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے۔ بکدر صورت ہی میں ہوتا ہے۔ جس سے اس طالب کا قلب بجائے منور و مصفیٰ ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔

مولانا زکریا نے فرمایا کہ سلوک کے موانع میں ایک اہم چیز شیخ بننے کی تمنا و خواہش ہے۔ میں نے اپنے اکابر کو دیکھا کہ جس میں یہ بُو پائی جاتی ہے۔ اس کی اجازت میں بہت دیر فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اجازت کے بعد بھی اپنے کو بیعت کا اہل سمجھنا نہایت مضر ہے۔ بلکہ شیخ کی تعمیلِ حکم میں اپنی نااہلیت کے تصور کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

مولانا حسین احمد مدنی کا مقولہ ہے۔

جو اپنے کو اہل سمجھے وہ نااہل ہے" (۴۳)

آدابِ مریدین:۔

کہتے ہیں تصوف سراپا ادب ہے۔ اور حسنِ ادب عقل کا ترجمان ہے۔ جو مرید ادب کو اختیار کرتا ہے۔ وہ مردِ کامل کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جو ادب سے محروم رہا وہ مقامِ قرب سے دُور اور مردود ہوا۔ چنانچہ مرید کو مندرجہ ذیل امور کی پابندی کرنی چاہیے۔ (۴۴)

۱۔ مرید کو چاہیے کہ شیخ کے ظاہری و باطنی احترام میں کوتاہی نہ کرے۔ احترام ظاہری تو یہ ہے۔ کہ اس کے ساتھ مناظرہ نہ کرے۔ اور بحث نہ کرے۔ کیونکہ اس کی نظر اس کی نظر سے اور اس کا علم اس کے علم سے بہرحال بڑھا ہوا ہے۔ اور کامل ہے۔

۲۔ شیخ کی اطاعت کرے۔ جو کچھ فرمائے اس کی تعمیل کرے۔ اور حتی المقدور اس میں کوتاہی نہ کرے۔

۳۔ مرید کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ جو اہلِ معرفت کی خصلتوں کے خلاف ہو۔ شیخ کے ساتھ انبساط اور بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرے۔ اور کوئی کام ایسا نہ کرے۔ جو شیخ کی گرانی کا سبب ہو۔

۴۔ ایک اصولی ادب یہ ہے۔ کہ مرید شیخ سے اپنا حال اور اپنے فیوضاتِ روحانی، کرامت و اجابت کو پوشیدہ نہ رکھے۔ بلکہ اپنا حال شیخ کے سامنے ظاہر کر دے۔ تاکہ وہ صحیح راہنمائی کر سکے۔

۵۔ باطنی احترام یہ ہے۔ کہ شیخ پر یہ کسی امر میں انکار نہ کرے۔ اور ظاہر کی طرح باطن میں قولاً و فعلاً اور ہر حرکت و سکون ہر انداز سے تکریم قائم رکھے۔ ورنہ نفاق میں مبتلا ہو جائے گا۔

حضور ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت اور ان کی مجلس کا نمونہ ان مذکورہ آداب کی دلیل ہے۔
کَاَنَّ الطَّیۡرُ عَلٰی رُؤُسِهِم بہت مشہور منظر ہے۔

۶۔ ایک ادب یہ بھی ہے۔ کہ مرید اپنے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں شیخ کی ہدایات اور رجحانات کا خیال رکھے۔ اور اس کے اخلاق، حلم و بردباری پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی معمولی معمولی حرکات پر شیخ کی ناپسندیدگی کو نظر انداز نہ کرے۔

سالک پر یہ بھی لازم ہے کہ آدابِ شریعت کی حفاظت کریں۔ ہاتھ کو حرام اور مشتبہ اُمور کی طرف بڑھنے سے محفوظ رکھے نیز طالبِ دنیا سے علیحدگی اختیار کرے کیونکہ ان کی صحبت سمِ قاتل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا (الکہف ۲۸)

الغرض ایک طالب حق کا فریضہ ہے۔ کہ شیخ کے ساتھ باادب رہ کر اپنے ظاہر و باطن کی اچھی طرح تعمیر کرے کیونکہ جو مرید اپنے شیخ کا احترام نہیں کرتا تو وہ ادب کی برکت سے محروم ہے۔

اجازت نامہ بیعت

برائے مولانا محمد زکریا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـ

الحمد للہ المنزہ بذاتہ عن اشارۃ الاوہام. المقدس
بصفاتہ عن ادراک العقول والافہام. والصلوٰۃ والسلام علی من جعل اللہ
متابعتہ دلیلا علی محبتہ وغایۃ لخلقہ مما یرام. وعلی الہ واصحابہ وتابعیہم
الی یوم الزحام. اما بعد فقد بایعنی اخی العزیز المولوی محمد زکریا الکاندھلوی
ابن المرحوم المولوی محمد یحیی الکاندھلوی واشتغل لدی بالاذکار اللازمۃ
حسب التلقین طبق طریقۃ مشائخنا قدس اللہ اسرارہم فحصلت لہ المناسبۃ
التی تبلغ الطالب الی اعطاء اجازۃ اخذ البیعۃ والارشاد والتلقین فاجزتہ
مستعینا باللہ تعالی حسبما اجازنی مشائخی اقطاب دوائر الطریقۃ و
الحقیقۃ مولانا الحاج الحافظ الشیخ رشید احمد الگنگوہی والحاج امداد اللہ التھانوی
ثم المکی رحمہما اللہ تعالی بالتلقین للطالبین علی حسب استعدادہم
الاذکار والاشغال والمراقبات وان یسلک بہم مسلکی ومسلک مشائخی
رحمہم اللہ تعالی ووصیتی لہ ان یواظب علی الذکر والفکر والتعلیم والتلقین
ویلازم السنۃ السنیۃ مجتنبا عن المحدثات والبدعات الغیر المرضیۃ و
ان لاینسانی ومشائخی فی دعواتہ الصالحۃ وصلی اللہ علی سیدنا محمد

والہ وصحبہ وبارک وسلم حرر فی السابع من ذی
القعدۃ الحرام یوم الاحد سنۃ ١٣٤٥ھ فی بلدۃ الطاہرۃ
الطیبۃ المدینۃ المنورۃ علی صاحبہا
الف الف سلام وتحیۃ.

امر بکتابتہ المرتجی عفو ربہ کثیر الذنوب
خلیل احمد عفی عنہ

(٦٥)

مولانا زکریا کا طریق بیعت

شیخ الحدیث کا طریقہ بیعت حسب موقعہ مختلف ہوتا تھا۔ کبھی ہاتھ میں ہاتھ دے کر، کبھی چادر پکڑ کر اور کبھی بدوں چادر۔

مولانا زکریا سے جب کوئی تنہا بیعت ہوتا۔ تو ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کرتے تھے۔ اگر مجمع ہوتا تو چادر یا عمامہ پھیلا دیا جاتا اور بیعت ہونے والے اسی کپڑے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتے۔ اگر مجمع کثیر ہوتا اور ایک عمامہ کافی نہ ہوتا تو دوسرا اور تیسرا عمامہ ایک دوسرے سے باندھ دیا جاتا، جو دور تک پھیل جاتا۔ اور اس عمامہ کا ایک سرا اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے۔ پہلے خطبہ مسنونہ پڑھتے۔ پھر آیت

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح ۱۰)

تلاوت کرتے پھر کلمہ پڑھا کر۔ ایمان کی تجدید کرا کے ان الفاظ میں توبہ کراتے۔

"عہد کیا ہم نے کفر نہ کریں گے۔ شرک نہ کریں گے۔ بدعت نہ کریں گے۔ چوری نہ کریں گے۔ جھوٹ نہ بولیں گے۔ کسی پر بہتان نہ دھریں گے۔ پرایا مال ناحق نہ کھائیں گے۔ اور کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا ہرگز نہ کریں گے۔ اور اگر ہو جائیگا تو فوراً توبہ کریں گے۔ بیعت کی ہم نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے محمد زکریا کے ہاتھ پر۔ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور ہم کو اپنے نیک بندوں کی جماعت میں محشور فرما۔" (۶۶)

پس بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت میں مرید اللہ تعالیٰ سے اجتناب منہیات اور تعمیل اوامر شرعیہ کا عہد کرتا ہے۔ اور مراد اس عہد کا گواہ بنتا ہے اور بس ـــــ

آپ کے ہاں بیعت کا طریقہ بذریعہ خط بھی ہوتا تھا۔ جو کلمات بات چیت کے وقت زبان سے کہلائے جاتے، وہی کلمات لکھ کر مرید بھیجے یہ لکھتا کہ "میں نے شیخ زکریا کے ہاتھ پر بیعت کی ہے" اور یہ خط شیخ کے پاس بھیج دیتا۔ شیخ جواباً لکھ دیتا کہ میں نے تمہاری بیعت کرلی ہے۔ اس طرح بیعت ہو جاتی۔ حضرت شیخ اوائل میں علماء کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ

حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پوری کی طرف ترغیب دیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ان اکابر سے جو لوگ بیعت ہوتے انہیں ازخود دوبارہ بیعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے۔

"خدمت کیلئے حاضر ہوں جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیا کرو" (۶۷)

آپ کے بیٹے مولانا طلحہ جو آپ کے مجاز بیعت تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ بندہ کو اجازت مرحمت فرمانے سے کچھ مدت بعد ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کہ جب کوئی حضرت سے بیعت ہونے کیلئے آتا تو حضرت آہستہ آہستہ بیعت کے الفاظ فرماتے۔ اور بندہ بلند آواز سے وہی الفاظ کہلواتا۔ تقریباً ۱۳۹۱ھ سے عورتوں کی بیعت حضرتؒ نے بندہ کے ذمہ کر دی۔ اور وصال سے چند سال قبل مردوں کی بیعت بھی۔ جب بندہ ہوتا تو مستقل بیعت و دعا وغیرہ بندہ کے ذمے تھی۔ اور انتقال تک یہی سلسلہ رہا۔ (۶۸)

ہدایات برائے مریدین :-

مولانا عموماً بیعت کرنے کے بعد اوامر کی اتباع اور نواہی کے اجتناب کی تلقین فرماتے۔ خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی، اسلامی اور شرعی صورت بنانے، بدعت چھوڑنے اور اتباع شریعت کی تاکید کرتے۔ آپ ہمیشہ سالک کے مزاج مشغلہ، اور وقت کی رعایت فرما کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو کسی ایک صورت میں محدود نہیں تھی۔ آپ نے کبھی بھی کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا۔ نہ ایسا ذکر و شغل بتایا۔ جس کو سالک پورا نہ کر سکے۔ کسی کو ذکر بالجہر بتلاتے اور کسی کو وظیفہ کسی کو نوافل اور کسی کو ان تمام کی پابندی ـــــــ الغرض آپ بڑے تام فن مزاج شناس اور اکمل ادراک کے مالک تھے چنانچہ مولانا زکریا کی ابتدائی ہدایات اور تعلیم جو بیعت ہونے کے بعد شروع ہوئی۔ درج ذیل ہے۔ (۶۹)

۱۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جن امور سے توبہ کی گئی ہے۔ ان سے بچنے کا بہت اہتمام کیا جائے۔ اور کوئی لغزش پیدا ہو جائے۔ تو دوبارہ جلد از جلد اس سے توبہ کی جائے۔

۲۔ ا حقوق العباد:۔

اپنے ذمہ بندوں کے جانی یا مالی حقوق ہو۔ ان کو ادا کرنے یا معاف کرانے کا خصوصی اہتمام رکھیں کہ بندوں کے حقوق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے زیادہ سخت ہے۔ آخرت میں بندوں کے حقوق ادا کیے بغیر چارہ کار نہیں اللہ کریم ان کی ادائیگی کی جو صورت بھی اختیار کرے۔ جانی حقوق میں مسلمان کی آبرو ریزی علماء کی اہانت کسی کو سب و شتم غیبت، چغل خوری وغیرہ سب شامل ہے۔ مالی حقوق میں کسی کا حق دبالینا دنیوی قانون کی آڑ میں کسی صاحب حق کا حق ادا نہ کرنا، رشوت وغیرہ سب داخل ہیں۔ اسی ذیل میں یہ چیز بھی نہایت اہم اہتمام کے قابل ہے۔ کہ دنیوی معاملات میں بھی شریعت مطہرہ کے موافق عمل کرنے کا اہتمام رکھنا چاہیئے۔ بعض لوگ عبادات کا تو اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن معاملات میں شریعت کا اہتمام نہیں رکھتے۔ حالانکہ شریعت کے احکام جیسے عبادات کے متعلق ہیں۔ ویسے ہی معاملات کے متعلق بھی ہیں۔

(ب) حقوق اللہ:۔

اسی طرح اللہ جل شانہ کے جو حقوق ہیں۔ ان کو بھی اہتمام سے ادا کیا جائے۔ جن میں قضا نمازیں، قضا روزے کفارہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ کہ توبہ سے سب چیزیں معاف ہو جاتی ہیں۔ توبہ سے تاخیر کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اصل حق واجب رہتا ہے۔ ان میں کوتاہی سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ جیسا کہ فضائل نماز، فضائل صدقات، فضائل رمضان، فضائل حج میں تفصیل سے مذکور ہے۔ ان کو اہتمام سے دیکھیں۔

۳۔ اتباع سنت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام رکھیں۔ عبادات میں، اخلاق میں، معمولات میں اسکی جستجو رکھیں کہ حضورؐ کا کیا معمول تھا۔ حتیٰ کہ کھانے، پینے تک میں حضورؐ کی مرغوب چیزوں کی تحقیق کر کے اتباع کی کوشش کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اپنے ضعف کی وجہ سے جن امور میں اتباع کا تحمل نہیں ہے۔ ان کا اتباع نہ کیا جائے۔ جیسا کہ فاقوں کی کثرت لیکن دل سے اس کو پسندیدہ اور مرغوب بنانے کی کوشش رکھیں۔ اس سلسلہ میں شمائل ترمذی اور اس کا ترجمہ خصائل نبویؐ سے

خصوصیاً مدد ملے گی۔

۴۔ علماء و صلحاء کی اہانت سے بہت زیادہ احتراز رکھیں۔ کہ اس سے سخت ترین بددینی میں ابتلا کا اندیشہ ہے۔ ان میں صحابہ کرام رض، اولیاء رح، آئمہ مجتہدین و محدثین و علماء حق سب ہی شامل ہیں۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ ہر شخص کا ان میں سے اتباع کیا جائے۔ اتباع دوسری چیز ہے۔ اور اہانت دوسری چیز ہے۔ دل سے بھی ان سب حضرات کا اکرام رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں رسالہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" کا خصوصیت سے مطالعہ کیا جائے۔

۵۔ جو صاحب حافظ قرآن ہوں۔ وہ کم از کم تین پارے روزانہ کا معمول رکھیں۔ اس طرح پر کہ ان کا زیادہ حصہ نوافل میں پڑھا جایا کرے۔ جن کو حفظ میں مہارت نہ ہو۔ وہ ایک پارہ کو دو مرتبہ دیکھ کر یا نصف پارہ کو پانچ مرتبہ دیکھ کر ایک مرتبہ نوافل میں پڑھا کریں۔ جو حافظ نہ ہوں۔ وہ ایک پارہ روزانہ کا معمول رکھیں۔ اور جو بالکل ہی قرآن پاک پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ ایک وقت میں یا دو وقتوں میں ایک گھنٹہ روزانہ قرآن پاک پڑھنے میں ضرور صرف کریں۔ اپنے قریب کسی مکتب کے حافظ صاحب یا مسجد کے امام سے تھوڑا تھوڑا روزانہ پڑھ لیا کریں۔

۶۔ بعد از نماز صبح روزانہ ایک مرتبہ سورہ یٰسین پڑھ کر اپنے سلسلہ کے جملہ مشائخ کو ایصال ثواب کیا کریں۔ اور بعد عشاء سورۂ ملک۔ سوتے وقت آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کریں۔ سلسلہ کے مشائخ کو جانی اور مالی ایصال ثواب میں حتی الوسع یاد رکھا کریں۔ کہ اس سے ان کی برکات سے انتفاع کی قوی امید ہے۔ قربانی کے ایام میں بسعت وسعت ان کی طرف سے اور حضورؐ کی طرف سے خصوصاً قربانی بھی دیا کریں۔

۷۔ اشراق چار رکعت، چاشت۔ آٹھ رکعت۔ اوابین بعد مغرب چھ رکعت، تہجد بارہ رکعت، ارادہ ان سب نمازوں کا رکھیں۔ اور عمل جس پر سہولت سے ہو سکے کرتے رہیں۔

۸۔ محرم کی ۹، ۱۰، اور ذی الحجہ کے اوّل نو دن بالخصوص نویں تاریخ اور شعبان کی پندرھویں کے روزہ کا خصوصیت سے لحاظ رکھیں۔ اور ہو سکے تو ہر ماہ میں ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ، نیز پیر و جمعرات کا روزہ بھی بہتر ہے۔ لیکن جو لوگ تعلیم، تبلیغ وغیرہ دین کے اہم کاموں میں مشغول ہیں۔ وہ اس کا لحاظ رکھیں۔ کہ ان روزوں سے دین کے اہم کام

میں حرج نہ ہو۔ البتہ دینوی مشاغل بغیر مجبوری کے مانع نہ ہونا چاہیے۔

۹۔ کتاب حزب الاعظم کی ایک منزل روزانہ پڑھا کریں۔ اہل علم معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح پڑھیں۔ گویا یہ دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو خاص خاص اوقات مثلاً کھانے، پینے سونے وغیرہ کے اوقات میں حضورؐ سے دعائیں نقل کی گئی ہے۔ ان کو یاد کرکے معمول بنانے کی سعی کرتے رہیں۔

۱۰۔ ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیحات فاطمہؓ کا اہتمام رکھیں۔ اور صبح و شام استغفار، درود شریف، کلمۂ طیبہ اور سوئم کلمہ کی تین تین تسبیح پڑھا کریں۔ جو لوگ کسی دینی شغل تعلیم و تبلیغ میں مشغول ہوں۔ ان کیلئے ایک ایک تسبیح کافی ہے۔ کہ یہ دینی مشغلے خود بہت اہم ہیں۔ یہ چاروں کلمے بہت زیادہ قابل قدر ہیں۔ ان سے دینی فوائد کے علاوہ دنیوی منافع بھی کثرت سے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۱۔ فضائل کے رسائل میں سے کسی ایک رسالہ کو مطالعہ میں رکھا کریں۔ اور ممکن ہو تو دوستوں کو سنایا کریں۔ کہ یہ خود دیکھنے سے کئی وجوہ سے بہتر ہے۔ جب وہ ختم ہو جائے۔ تو دوسرا شروع کرلیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے کہ یہ اس ناکارہ کی ملاقات کا بدل ہے۔ اس میں ہر شخص کی حالت کے مناسب کسی خاص رسالہ کی اہمیت بھی ہوتی ہے۔ جو حالت معلوم ہونے پر زبانی بتائی جاسکتی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت تھانوی کے رسالہ تعلیم الطالب۔ حیٰوۃ المسلمین، تعلیم الدین نیز معتمد بزرگوں بالخصوص اپنے سلسلہ کے اکابر کے احوال اور سوانح کی کتابیں علمی مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

۱۲۔ ماہانہ یا تین ماہ کے بعد اپنے احوال کی اطلاع دیتے رہیں۔ اور یہ بھی لکھیں کہ اس پرچہ کے معمولات میں سے کس کس نمبر پر کس درجہ میں عمل ہو رہا ہے۔

۱۳۔ کم از کم چھ ماہ ان معمولات پر اہتمام سے عمل کرلینے کے بعد ذکر شغل دریافت کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ رغبت بھی ہو اور دماغ اور اوقات میں گنجائش بھی ہو۔ ذکر شروع کرنے میں تاخیر میں مضائقہ نہیں۔ لیکن شروع کرنے کے بعد چھوڑنا یا لاپرواہی برتنا مضر ہوتا ہے۔

اس طرح مولانا محمد زکریاؒ بیعت کے بعد تقریباً چھ ماہ تک ابتدائی معمولات کے پرچہ پر عمل کراتے جس سے اصلاح عقائد

تہذیبِ اخلاق، اتباعِ سنت، ذوقِ عبادت اور صفائی معاملات وغیرہ جملہ دینی امور فرض کے درجہ میں حاصل ہو جاتے یا کم از کم سالک اس کی کوشش اور فکر میں لگ جاتا تھا۔

مولانا محمد زکریا خواتین کے معاملہ میں قدرے سہولت فرماتے۔ آپ سے جو عورتیں بیعت ہوتیں۔ انہیں لمبے چوڑے اذکار اور اوراد نہ بتلاتے بلکہ انہیں پانچ وقت نماز کی پابندی امورِ شرعیہ کا اتباع، ایک پارے کی روزانہ تلاوت ایک منزل حزب الاعظم، ہر نماز کے بعد تسبیحاتِ فاطمہ، کلمہ تمجید، درود شریف اور استغفار کی تسبیحات فرماتے ان وظائف کے ساتھ ساتھ، شوہر کی اطاعت، بچوں کی تربیت، امورِ خانہ داری کی تعلیم کرتے اور فرماتے کہ اللہ کا حکم سمجھ کر، سنت کے موافق اس کو انجام دو تو یہی کافی ہے۔

سلوک منزل بہ منزل:۔

اس راہ میں جہاں اوراد۔ اذکار کو بڑی اہمیت ہے۔ وہاں عقیدتِ شیخ اور محبتِ شیخ کو بھی بڑا دخل ہے۔ بیعت ہونے کے بعد اگر شیخ سے عقیدت اور محبت پیدا نہ ہو پائی۔ تو یہ انتہائی خسارہ کی چیز ہے بلکہ انتہائی مہلک ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے آمین عقیدت اور محبت کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

"بیعت کا تعلق اور ثمرات و فوائد آپس کے تعلقات محبت اور عقیدت پر ہوتے ہیں۔"

مثل مشہور ہے۔ "دل سے دل کو راحت ہوتی ہے" سلوک و تصوف میں بھی یہی بنیادی چیز ہے اس سے فیوضات کے دروازے کھلتے ہیں۔ اگر یہ نہ حاصل ہو۔ تو ذکر و فکر اور مجاہدات سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تحریر فرمایا۔

"ہمارے حضرات کے سلسلہ میں بطریقِ جذب نفع پہنچتا ہے نہ بطریقِ سلوک۔" (۷۱)

لیکن اگر عقیدت اور محبت کے ساتھ ذکر و اذکار اور مجاہدات بھی ہو جائیں۔ تو منزلِ مقصود پر پہنچنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا زکریا طالبانِ مولیٰ کو کثرتِ ذکر اور مداومت کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے، وہی اسم ذات۔ ذکر جہر بارہ تسبیح پاس انفاس۔ مراقبہ وغیرہ آپ کے یہاں کی تعلیماتِ سلوک ہیں۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

" آپ نے اضافہ کو دریافت فرمایا ہے۔ تو ابھی جلدی نہ کریں۔ اسی پہ پابندی کرتے رہیں کہ تھوڑے

پر مداومت اس سے زیادہ مفید ہے۔ کہ زیادہ مقدار میں ہوا اور عمل میں ناغہ ہو تاہم اگر تین شرطیں پائی جائیں۔ نمبر ا شوق کی زیادتی نمبر ۲، دماغ کا زیادہ کو تحمل کر لینا نمبر ۳، اوقات میں گنجائش تو بارہ تسبیح کے آخر میں جو "اللہ" ایک ضرب ہے۔ اس کو تین ہزار تک جتنا نباہ سکیں اضافہ فرمالیں"۔ (۷۱)

ذکر سراً اور جہراً دونوں طرح کافی فائدہ ہوتا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ ذکر میں دو خاصیت ہیں۔ ایک ازالہ امراض کی دوسرے تغذیہ کی۔ جب تک تصفیہ نہیں ہوتا۔ ذکر اس وقت تک ازالہ کا کام کرتا ہے۔ اور بعد کو تغذیہ روح ہے۔

مراقبہ دعائیہ:۔

اذکار لسانی کے علاوہ سلوک میں اذکار و افکار قلبیہ کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ اگر فکر قلب درست ہو جائے۔ تو کیفیت ایمان درست ہو جاتی ہے۔ اور خلوص نیت حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہی سلوک کا مقصود ہے۔ اور اس کو احسان فی العبادت کہا جاتا ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن نے ایک دفعہ حضرت شیخ الحدیث سے دریافت کیا۔ کہ آپ سالکین کو کیا کیا تعلیم فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔

"کہ اسم ذات ذکر جہری، پاس انفاس۔ ذکر قلبی اور مراقبہ وغیرہ سب کراتا ہوں۔

ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں۔

"کم از کم آدھگھنٹہ مراقبہ دعائیہ کا اہتمام کریں"۔ (۷۲)

دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مراقبہ دعائیہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ بغیر زبان کے دل دل میں دعا کرتے رہیں"۔ اور دعا کیلئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ امت کی فلاح کیلئے دعا کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی مقاصد اور اللہ کی محبت کے لئے دعا کریں۔

راقم الحروف نے مراقبہ دعائیہ کی حقیقت دریافت کرنا چاہی تو تحریر فرمایا:

"یہ مراقبہ دراصل میرے حضرت کے یہاں کا نہیں ہے بلکہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے یہاں کا ہے۔ حضرت کے یہاں اس کا بہت زیادہ زور تھا۔ اور بہت کثرت سے تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی اپنے دوستوں کو ابتداءً اس کو بتاتا ہوں کہ یہ آسان بہت ہے اور اس سے مراقبہ کی مشق اور سہولت بہت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ مراقبہ ایک یا دو نہیں ہوتے۔ ہر شخص کے حال کے مناسب مشائخ تجویز کیا کرتے ہیں۔" (۷۳)

نصابِ سلوک

اصلاح حال، تزکیہ نفس و تصفیہ قلب میں تصوف اور اہل طریقت کی کتابوں کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکابر کے یہاں مطالعہ کتب پر بھی کافی زور دیا جاتا ہے۔ خصوصًا حضرت تھانویؒ کے یہاں اس کا بہت اہتمام تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کے یہاں ابتدائی تعلیم کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ وہ اس پر بہت زور دیتے تھے۔ فضائل کی کتابیں اور رسالہ "الاعتدال" کے پڑھنے کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ کہ حزب الاعظم اور دلائل الخیرات کے پڑھنے کے متعلق بھی بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ حزب الاعظم کے متعلق آپ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔

"میں اس کے پڑھنے کے متعلق اس وجہ سے بھی زور دیتا ہوں، کہ دعا تو ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن جناب رسولؐ نے جن الفاظ میں دعائیں مانگی ہیں۔ ان میں زیادہ خیر اور نورانیت حاصل ہوتی ہے۔" (۷۴)

رسالہ امداد السلوک کے متعلق اس کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ بھی اپنے خاص لوگوں کو امداد السلوک کے مطالعہ کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس ناکارہ کے نزدیک بھی ان دونوں رسالوں کا مطالعہ ذاکرین کیلئے بہت مفید ہے۔ اس لیے اپنے سے بیعت کا تعلق رکھنے والے احباب کو تاکید کرتا ہوں۔ کہ اس ناکارہ کے فضائل کے رسائل کو اہتمام سے مطالعہ میں رکھیں۔ اور ذاکرین کا ارشاد الملوک اور اکمال الشیم کو خاص طور پر مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔ اور جن احباب کو اس ناکارہ کے بیعت کی اجازت دی ہے۔ ان کیلئے حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کی تربیت السالک اور حضرت گنگوہیؒ کے مکاتیب جو مکاتیب رشیدیہ کے نام سے مطبوعہ ہیں۔ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔ (۷۵)

الغرض مولانا ذکریاؒ اہل سلوک کو عموماً اپنی تالیف کردہ مندرجہ ذیل کتب کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے " اکابر کا سلوک واحسان"، اکمال الشیم، ارشاد الملوک، شمائل ترمذی، شرح ترمذی، فضائل درود شریف، شریعت و طریقت کا تلازم نسبت واجازت، موت کی یاد وغیرہ

ذکر الٰہی ــ احسان وسلوک کی اساس

مولانا ذکریا دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی کاموں کے لیے احسان و اخلاص کی حرارت نیز قلب و روح کی قوت کو ضروری سمجھتے تھے۔ جس کی اساس ذکر الٰہی تھی اور یہ جوان کے نزدیک بمنزلہ اسٹیم کے تھی۔ جس کے بغیر دین و ایمان کی گاڑی چلتی نہیں۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن ندوی کو ایک مکتوب مؤرخہ ۲۶، ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ میں لکھتے ہیں:

"انجمن میں آگ کی ضرورت ہے۔ اور یہی آگ انہیں درباروں سے ملتی ہے"

یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے نیاز مندوں کو اہل اللہ سے تعلق قائم کرنے کی مستقل ہدایت کرتے رہتے تھے۔ اور خود ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے وقت کے مشہور روحانی پیشوا مولانا عبدالرحیم رائے پوری کے پاس رائے پور میں بڑے اہتمام سے حاضر ہوتے۔ اور کئی کئی دن وہاں رہتے آخری عمر میں تو انہوں نے خود دُور دراز ممالک کا سفر ذکر الٰہی کی خانقاہیں قائم کرنے کیلئے کیا وہ جسے جدید فتنوں کا علاج سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولانا ندوی ہی کے نام ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"میرا یقین ہے۔ کہ فتنوں کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور اس جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہو گئیں۔ (۷۶)

ایک اور موقع پر فرمایا۔

"آج ہمارے مدارس میں ساری خرابیاں اسٹرائیک وغیرہ سب اس خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ اگر زمین میں اللہ کہنے والے ختم ہو جائیں۔ تو قیامت آجائے گی۔ یہی حال مدرسوں کی بقا کا ہے۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے۔ اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا۔ اللہ اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائیگا وہاں فتنہ نہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر حوادث و فتن میں سد سکندری ہے۔ پہلے زمانہ میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی۔ (۷۷)

الغرض مولانا زکریا کے نزدیک مدارس میں آئے دن رونما ہونے والے فتنوں کا سدباب اور داخلی و خارجی انتشار سے حفاظت کا ذریعہ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ کہ ذکر کا اہتمام اور اسکی عظمت و بلندی کو دوبارہ ان مدارس میں شدت کے ساتھ فروغ دیا جائے۔ مولانا زکریا نے برصغیر کے معروف مدارس دینیہ مثلاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ تھا نیز ممتاز دینی شخصیات مثلاً قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد یوسف بنوری وغیرہ کو اس ضمن میں کئی سال سے تو تحریراً و تقریراً کہتے اور لکھتے رہے تاکہ وہ اس اہم امر کی طرف توجہ دیں۔ ایسے ہی ایک مکتوب کے کچھ مندرجات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ (۷۸) وہ لکھتے ہیں۔

"مدارس کے روزافزوں فتنے۔ طلبہ کی دین سے بے رغبتی۔ بے توجہگی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جا رہی ہے۔ بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہی ہو چکا ہے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں۔ جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، شاہی مسجد مراد آباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی۔ وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے۔ ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں" . . . . .

یہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ ان فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کیلئے ذکر اللہ کی فضا کا قیام ضروری ہے۔ کیونکہ جب ساری دنیا کا وجود ذکر الہی سے قائم ہے۔ تو مدارس کی بقا بدرجہ اولیٰ اس سے منسلک ہے۔ ماضی میں ان مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی کثرت رہی ہے۔ جبکہ موجودہ دور میں اس میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ پس ضرورت ہے کہ ذاکرین کی کچھ مقدار ان مدارس میں موجود رہے اس کیلئے مولانا تجویز کرتے ہیں کہ منتہی یا فارغ التحصیل طلبہ کی ایک معقول تعداد ذکر الہی کیلئے مدارس میں موجود رہے۔ جن کے قیام طعام، اور مقام ذکر کا مناسب انتظام کیا جائے۔

ایک اشکال کا ازالہ:۔

۱۹ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ کو مولانا محمد یوسف بنوری نے ایک مکتوب مولانا محمد زکریا کو لکھا۔ جس میں اشکال کیا کہ عہد نبوت میں سلاسل و طرق کا موجودہ نظام تو تھا نہیں، بلکہ تلاوت قرآن، متعلق اوقات و اعمال کے اذکار و ادعیہ ماثورہ۔ پھر صحبت مقدسہ و قیام لیل وغیرہ کی صورت تھی۔ اگر اس قسم کی کوئی صورت مستقل میسر ہو تو یہ ذکر اللہ کا بدل ہے۔ پھر اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ تحصیل علوم قرآن و تدریس دین سے ذکر اللہ کی برکات و انوار تو حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔ بہر حال رہنمائی کا محتاج ہوں۔ (۷۹)

اس کے جواب میں مولانا ذکریا نے لکھا۔

"یقیناً قرآن پاک اور حدیث کی تعلیم بہت اونچی ہے۔ اس میں سب کچھ ہے اس کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ مگر تابعین کے زمانے سے قلبی امراض کی کثرت ہے۔ اس زمانہ کے مشائخ کو ان علاجوں کی طرف متوجہ کیا جیسا کہ امراض بدنیہ میں ہر زمانہ کے اطباء نے نئی نئی ادویات ایجاد کیں۔ ایسے ہی اطباء روحانی نے قلوب کے زنگ کیلئے ادویہ اور علاج تجویز کیئے۔ نبی کریمؐ کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے۔ اور صحابہؓ نے خود اعتراف کیا کہ نبی کریمؐ کے دفن سے ہم نے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلب میں تغیر پانے لگے" (۸۰)

اس وقت تاثیر کا نمونہ امت کے افراد میں بھی پایا گیا یہ ہر جگہ حاصل نہیں، لیکن یہ قوت تاثیر حاصل ہو جائے۔ تو یقیناً ذکر و شغل کی ضرورت نہیں۔ یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواع علاج ہیں قرآن پاک و احادیث مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جب جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کو پہلے اسہال کیلئے ہی دوا دینگے۔ ورنہ یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے فائدہ کے مضر ہو جاتی ہیں"۔ . . . . . .

پھر یہ امر بھی مد نظر رہے کہ آج کل دینی مدارس کے طلبہ میں بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی۔ بلکہ بعض میں تو انکار اور استکبار کی نوبت آجاتی ہے۔ جن کا نتیجہ اشتراکیت کی لعنت ہے۔ اس پر مستزاد وہ مثالیں ہیں۔ جماعت وعدہ تکبیر اولی کے اہتمام کی بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت رہ جاتی ہے۔ ــــــ پہلے ہر شخص کو اپنی اصلاح کی خود فکر

تھی۔ وہ خود ہی امراض کے علاج کیلئے اطباء تلاش کرتے تھے۔ اب وہ امراض قلبیہ سے اسقدر بیگانہ ہیں کہ مرض کو مرض ہی نہیں سمجھتے لہذا ضرورت ہے کہ ان امراض قلبیہ کیلئے کوئی لائحہ عمل آپ جیسے حضرات سوچیں جبکہ میرے نزدیک اس کا علاج ذکر الہٰی ہے۔

دوسرا اشکال :-

ایک طبقے کو خانقاہی کام کے لفظ سے یہ غلط فہمی تھی کہ اس سے مراد وہی کام ہیں جو ملک کے مشہور مزاروں اور درگاہوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے لگانا، چڑھاوے چڑھانا یا ان کا وصول کرنا، تعویز کو سجدہ کرنا، ان اولیاء اللہ سے مرادیں مانگنا وغیرہ لیکن مولانا نے واضح کیا کہ خانقاہی کام سے مراد ایسا اصلاحی و عملی کام ہے۔ جس کے ذریعے اپنے قلب و قالب ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مدار کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ تزکیہ اور اصلاح کے باعث نہ انسان کے ظاہر میں کوئی معصیت رہے نہ باطن میں کوئی ایسا رذیلہ بد خلقی۔ کبر۔ حسد۔ کینہ و طمع۔ بخل باقی رہے۔ جو اللہ پاک کی ناراضگی کا سبب ہے۔ بہیمیت اور درندگی سے نکال کر مقام انسانیت کی طرف عروج و ارتقاء کا نام تصوف ہے۔

رذائل اور تحصیل فضائل کیلئے جو محنت کی جاتی ہے۔ اس کا نام علم القلب اور تصوف ہے۔ اسلام میں خانقاہوں کا اصل کردار یہی ہے۔ کہ نظام اصلاح و تزکیہ اور خانقاہ ہر فرد اور جماعت کی اپنی ضرورت ہے۔ جس کے ذریعے معاشرہ امن و سکون اور چین اور آخرت کی ابدی راحتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ذکر الہٰی کی طرف خصوصی توجہ :-

مولانا محمد زکریا کو راہ سلوک میں صرف اٹھارہ برس کی عمر میں خصوصی تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ اپنے مرشد کامل مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی صحبت میں ایک ایک لمحہ گزارنا اپنی انتہائی سعادت خیال کرتے تھے۔ اسلئے انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت اور اطاعت کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ دوسری طرف مولانا سہارنپوری نے بھی اپنے تلمیذ رشید اور مرید سعید کی روحانی تربیت و ارشاد، باطنی ہدایت و اصلاح کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اور انہیں سلوک کی اعلیٰ منازل اور احسان کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ یہی بات مولانا عبدالقادر

رائے پوری نے فرمائی تھی۔

"ان چچا بھتیجے کی جہاں سے ابتداء ہوتی ہے۔ ہماری انتہا ہوتی ہے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ الحدیث میں حضرت گنگوہی کی نسبت منتقل ہوئی ہے۔ مولانا زکریا کو ۱۳۴۵ھ مدینہ منورہ میں حضرت سہارنپوری نے بیعت کی اجازت دی تھی۔ بقول مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

"حضرت شیخ الحدیث اپنے دور کے اکابر مشائخ کی نسبتوں کے جامع اور تمام اکابر کے جانشین اور ترجمان تھے۔" (۸۱)

مولانا کی شخصیت چشتی ذوق و شوق، نقش بندی سکینت و انس کے ساتھ قادریہ اور سہروردیہ نسبتوں کا رنگ لیے ہوئے تھی۔ مولانا کی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی ذکر کے مختلف دور گزرے ہیں۔ پہلے پہل مولانا اپنا سلوک ذکر قبرستان حاجی شاہ یا حضرت ضامن شاہ کے مزار پر تنہا کرتے تھے۔ اور جب مسند درس کے ساتھ ساتھ ارشاد و تربیت کا سلسلہ بھی شروع ہوا تو اپنے خدام کو حسب مناسبت اپنے اکابرین کی آباد خانقاہوں میں بھیج دیتے تھے۔ اور جن کو اپنے ہی پاس رکھتے وہ حضرات اپنے اوقات میں ذکر و شغل بھی مشغول رہتے تھے۔ اجتماعی نظم نہ تھا۔ (۸۲) پھر ایک ایک کر کے خانقاہیں ختم ہونا شروع ہو گئیں اور طالبین میں عام طور پر کم ہمتی اور بے طلبی کا دور آگیا۔ مادیت کا غلبہ، روحانی انحطاط اور ذکر الٰہی سے غفلت نے قلوب تاریک اور مردہ کر دیئے۔ تو مشائخ کرام کو ایسے ذرائع پر خصوصی توجہ کی ضرورت پڑی۔ جن سے خانقاہی مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ ان ذرائع اور تدابیر میں اہم چیز "مجالسِ ذکر" کا قیام ہے۔ اور خانقاہوں کی دوبارہ آبادی تھی۔ جس کی طرف مولانا زکریا نے زیادہ توجہ دی۔

مولانا زکریا نے مولانا رشید احمد گنگوہی کی خانقاہ میں ہوش سنبھالا تھا۔ جو اس وقت پورے برصغیر کیلئے مینارہ نور تھی۔ رائے پور شریف کی خانقاہ کا جوبن اور اس کی بہاریں بھی خوب دیکھی تھی خانقاہ اشرفیہ کے فیضان کے مناظر بھی آنکھوں کے سامنے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی کے دولت خانہ پر طالبین کا اژدہام اور رمضان المبارک اجتماعی طور پر گزارنے اور اس میں تلاوت اور ذکر اللہ کی صدائیں بھی سن چکے تھے۔ نیز معاشرے میں ان خانقاہوں کے اصلاحی کردار بھی ظاہر تھا۔ اس لیے مولانا زکریا

کیلیئے ممکن نہ تھا۔ کہ وہ خانقاہی کام کی اہمیت و ضرورت سے صرف نظر کر سکیں۔ مگر اس زمانہ کے حالات سے مولانا حد درجہ فکر مند تھے۔ کہ لوگوں میں اپنی اصلاح کی طرف توجہ باقی نہیں رہی۔ ذکر اللہ سے عوام ہی نہیں خواص بھی دور ہوتے جا رہے ہیں۔ خانقاہیں بے آباد ہو رہی ہے۔ اچھے خاصے دیندار لوگ اور بہت سے علماء تک تصوف، اصلاح باطنی، ذکر اللہ بیعت وغیرہ کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ معیوب تصور کرنے لگے ہیں۔ مدارس ظاہری ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ تعیرات میں مسابقت جاری ہے۔ لیکن اخلاقی ترقی، روحانی تربیت اور تعمیر انسانیت کے اعلیٰ مقاصد نظروں کے اوجھل ہوتے جا رہے ہیں۔ مولانا نے اس خلاء کو شدت سے محسوس کیا۔ اور ایک طبیب حاذق کی طرح خوب جانتے تھے۔ کہ مادیت کے بڑھتے ہوئے مرض کا ازالہ صرف ذکر الٰہی ہے۔ چنانچہ آخری عمر میں حضرت پر ایک ہی فکر سوار تھا۔ کہ ذکر الٰہی کی لائن کو کس طرح زندہ کیا جائے اور ٹوٹے ہوئے برگشتہ دلوں کا رشتہ کس طرح حق تعالیٰ سے جوڑا جائے۔ کہ یہی مرض کا اصل علاج ہے۔ کیونکہ آج کل دجال کا دورہ ہے۔ ذکر روح عالم ہے۔ اور اس کی وجہ سے دجالی فتنوں سے نجات ہو سکتی ہے۔ اب صرف دل والا اسلام ہی چلے گا اور دماغ والا اسلام نہیں چلے گا۔ (۸۳) چنانچہ مولانا زکریا کو اس کا پختہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ جب تک امت ذکر اللہ کے ذریعے اپنے قلوب کو مولائے حقیقی سے نہیں جوڑے گی۔ کوئی خیر اور فلاح نہیں پا سکتی۔ بالخصوص دینی اساتذہ و علماء جب تک اس کا اہتمام نہیں کریں گے۔ وہ جدید ابلیسی فتنوں سے بچ نہیں سکتے چنانچہ اب ان کی مجالس میں ذکر کا چرچا ہوتا۔ ان کے حلقے میں بھی موضوع لائق توجہ ہوتا۔ خطوط اور مراسلات میں اس کی بار بار تاکید ہوتی کہ ذکر الٰہی کے حلقے قائم کیئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ذکر کی طرف متوجہ کیا جائے۔ (۸۴)

مجالس ذکر کے قیام اور ذکر الٰہی کے فروغ میں عملی مساعی:۔

مولانا زکریا کے آخری ایام زندگی میں ان کے ذہن و دماغ میں ایک ہی خیال اور دھن سما گئی تھی۔ کہ مادیت اور آخرت فراموشی کا علاج ذکر الٰہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بقایا زندگی کو غنیمت جانا اور ایک ایک لمحہ مجالس ذکر کے قیام اور ذکر الٰہی کے فروغ میں صرف کیا۔ اور مختلف ممالک کا دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ اس کے لیے انہوں نے مالی، جانی اور روحانی ایثار سے کام لیا۔ جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ مالی قربانی:۔

مولانا ذکریا نے زندگی بھر مالی اخراجات میں کفایت اور احتیاط کا پہلو پیش نظر رکھا اور کبھی اسراف اور تبذیر سے کام نہیں لیا۔ آپ خود اس احتیاط کو بخل سے تعبیر کرتے تھے جسکی وضاحت انہوں نے خود اس طرح کی ہے۔

"بخیل کے تین درجے ہیں۔ ادنیٰ یہ کہ وہ کسی دوسرے پر پیسہ خرچ نہ کرے۔ دوسرا درجہ اس کے اوپر ہے کہ اپنے پر بھی کوئی پیسہ خرچ نہ کرے۔ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس پہ خرچ کرے تو وہ بھی اس کو پسند نہ ہو اور میں اس تیسرے درجے میں بخیل ہوں۔" (۸۵)

چنانچہ افریقہ کے سفر میں متعدد حضرات کی طرف سے سفر کا کرایہ اور اخراجات ادا کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن مولانا اصولاً پہلی شرط ہی یہ لگائی کہ کرایہ اور سفر کا خرچہ اپنی جیب سے ادا کریں گے نیز پورے سفر میں کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کریں گے۔ ایک دفعہ سہارنپور میں رمضان المبارک کے اجتماع میں سستے زمانے میں چالیس ہزار روپے خرچ ہو گئے۔ تو کسی نے تعجب کا اظہار کیا جس پر مولانا نے کہا۔

"اگر ذاکرین کے اس مجمع میں کسی کے منہ سے ایک دفعہ بھی اخلاص سے اللہ کا پاک نام نکل گیا ہوگا تو میرا سارا خرچ وصول ہو گیا۔" (۸۶)

چنانچہ افریقہ کے سفر میں اپنا اور اپنے خدام کا کرایہ اپنی جیب سے ادا کیا۔ جو آج کے حساب سے تین لاکھ روپے بنتا ہے۔ جب جنوبی افریقہ کے سفر پر تھے۔ توری یونین کا ایک وفد مولانا محمد سعید انگار کی سربراہی میں مولانا سے ملا اور عرض کی کہ ہمارے ہاں ری یونین میں پانچ چھ روز کیلئے تشریف لے چلیں۔ حضرت نے خانقاہیں اور مجالس ذکر کے قیام کی شرط عائد کی۔ جو انہوں نے مان لی۔ چنانچہ اس طرح سینٹ ڈینس اور سینٹ پیٹر میں خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ ان لوگوں نے ٹکٹ کا کرایہ دینے پر اصرار کیا لیکن مولانا نہیں مانے۔

۲۔ جانی ایثار:۔

مولانا زکریا کو شروع ہی سے سفر سے طبعی عدم مناسبت بلکہ وحشت تھی۔ سہارنپور سے دہلی جانا تو کجا اتنے پورا اور دیوبند چند میل کا سفر بھی بڑا مجاہدہ تھا۔ سفر کے ارادے ہی سے انہیں بخار ہو جاتا۔ اور واپسی پر اعصاب پر کئی دن تک اثر رہتا۔ یہ حالت جوانی اور صحت کے زمانے کی تھی۔ جبکہ آپ کی صحت بھی قابل رشک ہوتی تھی۔ لیکن اس کے برعکس جب آپ نے افریقہ، انگلینڈ اور ہندوستان کا طویل ترین سفر کیا تو اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۸۱ اسی سال تھی۔ اور ۱۳ برس کے عوارض اور دیرینہ امراض نے نقل و حرکت سے بالکل معذور کر دیا تھا۔ نیز چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کیلئے بھی خدام کے محتاج تھے۔ پھر دوران سر، بخار، اسہال، بے خوابی اور درد دل جیسی امراض اس پر مستزاد تھیں۔ اس پس منظر میں مولانا کا تینوں براعظموں کا یہ سفر خرقِ عادت کھلا عجوبہ تھا اور اپنے مقاصد جلیلہ کیلئے غیبی امداد سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ (۸۷)

اہم ترین ایثار دیارِ حبیب سے دُوری

مولانا زکریا نے اپنے مربی اور شیخ خلیل احمد سہارنپوری کے اتباع میں اپنی عمر کا آخر محسوس کرتے ہوئے روضہ نبوی کے جوار ہی میں جان دینے اور اس خاک پاک کا پیوند بننے کی آرزو میں مدینہ منورہ ہجرت کر لی تھی۔ جہاں مولانا کو سعودیہ کی مستقل شہریت مل گئی تھی۔ پھر مسجد نبوی کے متصل قیام ہر قسم کا راحت و آرام حرمین کے رمضان کی بہاریں۔ رمضان میں عمرے کرنے کے فضائل صلوٰۃ و صیام کا یہاں لاکھ گنا ثواب۔ مسجد نبوی میں اعتکاف اور سب سے بڑھ کر حبیب خدا کے قدموں میں فیض یابی۔ مولانا نے ان سب فضائل کو مقصد جلیل پر قربان کیا۔ اور سب سے بڑھ کر مدینہ پاک میں مرنے کی آرزو اور امید کو بھی خطرے میں ڈال کر انتہائی ایثار کا مظاہرہ کیا۔ (۸۸)

الغرض مولانا زکریا کے یہ آخری عمر کے اسفار کے مقاصد جلیلہ خانقاہی نظام بیعت وارشاد اور مجالس ذکر کا قیام تھا۔ علاوہ ازیں ان اسفار کے نتیجے میں متعدد مکاتیب بھی قائم ہوئے۔ کئی مساجد کی بنیادیں پڑیں۔ بہت سے دینی اداروں اور دینی جماعتوں کو تقویت ہوئی۔ جیسا کہ باب نمبر۱ میں گزر چکا ہے۔ ہم ان کے یہاں روحانی نتائج اختصار سے بیان کرتے ہیں۔

انگلینڈ کا پہلا سفر:۔

مولانا زکریا نے جون ۱۹۷۹ء کو برطانیہ کا پہلا سفر کیا جو آپ کے خلیفہ مجاز یوسف متالا کی دعوت پر ہوا۔ مولانا متالا نے ہولکمب بری Holcomb Bary لنکا شائر میں ایک دینی مدرسہ "دار العلوم ہولکمب بری" کے نام سے قائم کر رکھا تھا۔ مولانا زکریا نے اسی دار العلوم میں دس روز قیام کیا۔ آمد کے دوسرے روز ہی باقاعدہ تربیتی پروگرام شروع ہوگیا۔ جس میں بعد از نماز فجر کے بعد اور اد و وظائف، تزکیہ نفوس کے متعلق کتب کا مطالعہ اور تعلیم، ذکر بالجہر، تسبیحات۔ عصر کے بعد عمومی مجلس ذکر اور اجتماعی دعا ہوتی ہے۔ جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے۔ شرکاء کو مولانا زکریا نے پہلے دن ہی ہدایت کردی تھی۔

"مجھے دیکھنے کیلئے جمع ہو جانے سے کچھ نہیں ملیگا۔ کم از کم ایک ہزار بار درود شریف ہر شخص پڑھ لے۔ دل اور زبان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔" (۸۹)

اس سفر میں ہزاروں لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ جس میں ایمان کی تجدید، گناہوں سے توبہ اور آئندہ کیلئے اطاعت و راست بازی کا عہد لیا جاتا تھا۔ مولانا اپنی زبان سے بیعت کے الفاظ کہتے اور آپ کے خلیفہ مجاز ملک عبدالحفیظ مکی پر دہرا دیتے اسی سفر میں برطانیہ کے شہر میں خواتین بھی آپ سے بیعت ہوئی۔ مولانا زکریا کے قیام کے نتیجے میں دار العلوم بری میں مستقل خانقاہ کی صورت بن گئی۔ مدرسہ کے ساتھ خانقاہ کا جوڑ جو حضرت کی دلی خواہش تھی وہ پوری ہوئی۔ پھر اسی دار العلوم بری سے پورے انگلستان میں ذکر و اذکار کا چرچا ہوا اور مجالس ذکر کی تشکیل اب تک ہو رہی ہے۔

پاکستان کا سفر:۔

۱۲ مئی / جولائی ۱۹۸۰ء کا رمضان پاکستانی اہل تعلق کے اصرار اور قدیم تمنا کی بناء پر فیصل آباد میں ہونا طے پایا۔ اس سفر کے داعی مفتی زین العابدین مجاز خلیفہ اور تبلیغی جماعت کے ممتاز سربراہ تھے۔ مولانا کا قیام دار العلوم فیصل آباد میں رہا اور پورا رمضان ذکر و اذکار کی مشغولیت دینی برکتوں اور روحانی فیوض کے ساتھ گزرا جس کے نتیجے میں پاکستان بھر سے دار العلوم فیصل آباد اور لاہور کی خانقاہوں کو تقویت ہوئی۔ پھر کراچی میں جامعہ اسلامیہ ٹاؤن میں اور ناظم آباد کراچی میں مجالس ذکر قائم ہوئی جو روبہ ترقی ہیں۔ اس سفر میں راولپنڈی، ٹیکسلا وغیرہ کے کچھ لوگ تیار ہوئے۔ ان میں مولانا عزیز الرحمن کو نسبت خاصہ سے نوازا

اور اپنا خلیفہ بنایا۔ ان حضرات کے ذریعے راولپنڈی، ٹیکسلا میں متعدد مجالس ذکر قائم ہوئیں۔ چنانچہ یہ روحانی کام روبہ ترقی ہے اور فیصل کالونی کراچی، کبیر والا ملتان، لاہور اور آزاد قبائل میں مجالس قائم ہو رہی ہیں۔ (۹۰۱)

جنوبی افریقہ کا سفر

مولانا زکریا نے ۴ر شعبان ۱۴۰۱ھ / ۶ر جون ۱۹۸۱ء کو جنوبی افریقہ کا سفر مولوی یوسف متالا کی دعوت پر کیا۔ لیکن چند شرائط کے ساتھ جس کا ذکر شروع میں ہو چکا ہے۔ مولانا نے اپنا قیام اسٹینگر کی جامع مسجد میں کیا جہاں آپ نے پورے رمضان المبارک کے اعتکاف کی نیت کر لی۔ رمضان کے معمولات کے علاوہ عوام میں تعلیم و تلقین، دعوت و تبلیغ اور اذکار و اوراد کے مشاغل جاری رکھے۔

مولانا نے رمضان کے آخری عشرہ اپنے خلفاء مجازین کی ایک مجلس شاورت تشکیل دی جس نے باہمی مشاورت سے یہ طے کرنا تھا کہ جنوبی افریقہ میں کہاں کہاں مجالس ذکر قائم کرنا ممکن ہے نیز ان مجالس ذکر کی باقاعدگی اور مداومت کی کیا صورت ہوگی؟ مجلس شاورت کے کئی اجلاس ہوئے۔ اور تجاویز مرتب ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں پورے جنوبی افریقہ میں مجالس ذکر کا قیام، نئی مساجد کی تعمیر اور مکاتب قرآنیہ کا قیام عمل میں آیا۔ متعدد جگہوں میں مجلس ذکر تشکیل پائیں جن میں سات جگہیں قابل ذکر ہیں۔

	نام مقام	سرپرست مجلس
۱۔	اسٹینگر	مولانا یوسف متالا
۲۔	اسپنگو	مفتی بشیر
۳۔	نیوٹاؤن مسجد جوہانسبرگ	مولانا سلیمان پانڈور
۴۔	لینزیا جامع مسجد	مولانا محمد ابراہیم بن عبدالرحمان میاں
۵۔	مائی گینگ	مولانا محمد گارڈی
۶۔	جرمستن	مولانا موسیٰ پانڈور

ان مقامات پر روزمرہ کی مجالس بھی طے پائیں اور انکے علاوہ بھی تقریباً چھ سات جگہوں پر مجالس ذکر کا قیام عمل میں آیا۔ (۹۱۱)

مولانا محمد زکریا کے خلفائے مجازین :-

ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے مولانا محمد زکریاؒ کے خلفاء کی تعداد ۲۸ لکھی ہے۔ جن میں سے پچیس (۲۵) کا قدرے تفصیلی تذکرہ بھی کیا ہے۔ (۹۲) جبکہ مولانا کے خلیفہ مجاز اور خادم خاص صوفی محمد اقبال نے اپنے رسالہ "وصال" کے بعد" (۹۳) میں خلفاء کی تعداد ایک سو نو (۱۰۹) لکھی ہے۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہی تعداد آپ بیتی نمبر ۳ کے آخر صفحہ نمبر ۳۱۵ نیز ماہنامہ "اقراء ڈائجسٹ" کراچی کا قطب الاقطاب نمبر بابت نومبر ۱۹۸۶ء کے صفحہ نمبر ۲۱۶-۲۱۸ میں درج ہے۔ یہ وہ فہرست ہے۔ جسے مولانا نے اپنی زندگی کے آخری رمضان جون ۱۹۸۱ء بمقام جنوبی افریقہ بحالت اعتکاف سنا اور حضرت کے ارشاد کے مطابق مفتی محمود گنگوہی مفتی اعظم مدرسہ دیوبند نے بھی اس کو سن کر تصدیق فرمائی چنانچہ یہی مصدقہ فہرست درج ذیل ہے۔ (۹۴)

فہرست خلفاء و مجازین

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ

اسماء		پتہ
۱۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی	زیدمجدہم	مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۲۔ مولانا عبداللطیف صاحب	مرحوم	سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۳۔ مولانا منور حسین صاحب	زیدمجدہم	شیخ الحدیث جامعہ لطیفیہ کٹیہار ضلع پورنیہ بہار
۴۔ مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی	"	مدرس مدرسہ کاشف العلوم دہلی
۵۔ مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی	"	شیخ الحدیث شاہی مسجد مراد آباد
۶۔ مولانا سعید احمد خان صاحب مہاجر مدنی	"	امیر تبلیغ سعودی عرب
۷۔ مولانا محمد عمر صاحب کاندھلوی	مرحوم	کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی بعد تقسیم کے بعد سے انکا کوئی پتہ نہیں
۸۔ مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری	زیدمجدہم	مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی
۹۔ مولانا مسعود الٰہی صاحب	"	میرٹھ ۔ یو۔ پی
۱۰۔ مولانا عبدالمعید صاحب سنبھلی	"	امام مسجد کھوکھا بازار بمبئی
۱۱۔ مولانا واثق الیقین صاحب	"	کرسی ضلع بارہ بنکی یو۔ پی
۱۲۔ مولانا عبداللہ صاحب کرسوی	"	۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۱۳۔ مفتی زین العابدین صاحب	"	دارالعلوم فیصل آباد ۔ پاکستان
۱۴۔ مولانا کفایت اللہ صاحب	"	بناس کانٹھا پالنپور گجرات ۔ انڈیا
۱۵۔ مفتی محمود صاحب	"	صدر جمعیۃ العلماء ۔ رنگون برما

۱۶۔ مولانا معین الدین صاحب	"	سکھر۔ سندھ۔ پاکستان
۱۷۔ قاری امیر حسن صاحب	"	سیوان۔ بہار۔ انڈیا
۱۸۔ مولانا عبد الرحیم شاہ لاسورتی	"	المعہد الرشید الاسلامی چپاٹا زامبیا
۱۹۔ مولانا الحاج ملک عبد الحفیظ صاحب	"	مکہ مکرمہ سعودی عرب المکتبۃ الامدادیہ باب العمرہ
۲۰۔ حضرت مولانا امام الدین صاحب	زید مجدہم	جامعہ لطیفی کٹیہار ضلع پورنیہ بہار
۲۱۔ بھائی جمیل احمد صاحب	"	جامعہ ملیہ حیدرآباد دکن
۲۲۔ مولانا عبد الرحیم صاحب	"	دھام پور ضلع بجنور۔ یو۔ پی
۲۳۔ مولانا یوسف تلا صاحب	"	اسٹینگر جنوبی افریقہ
۲۴۔ حاجی ابراہیم تلا صاحب	"	" " "
۲۵۔ صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی	"	مدینہ منورہ سعودی عربیہ ص۔ ب ۱۱۰۱
۲۶۔ حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمنی صاحب	زید مجدہم	" " " " " "
۲۷۔ مولانا احسان الحق صاحب	"	مدرسہ عربیہ رائے ونڈ ضلع لاہور پاکستان
۲۸۔ مولانا محمد تجار صاحب	مرحوم	مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ضلع اعظم گڑھ یو۔ پی
۲۹۔ مولانا معین الدین صاحب	زید مجدہم	شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد
۳۰۔ مولانا محمد احرار الحق صاحب	"	مدرسہ نور العلوم بہرائچ۔ یو۔ پی
۳۱۔ میاں جی موسیٰ صاحب	مرحوم	فیروز پور نمک میوات
۳۲۔ مولانا منیر الدین صاحب میواتی	"	" " " "
۳۳۔ مفتی اسماعیل کچھولوی	زید مجدہم	جامعہ ڈابھیل ضلع سورت گجرات
۳۴۔ جناب الحاج احمد تاخدا افریقی	"	مدینہ منورہ سعودی عرب

۲۵۔ حضرت مولانا یحییٰ مدنی	〃	مکتبۃ الشیخ بہادر آباد کراچی نمبر ۵
۲۶۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پالنپوری	〃	مدرسہ تعلیم الدین آنند ضلع کھیڑہ گجرات انڈیا
۲۷۔ جناب الحاج ملک عبد الحق صاحب۔	〃	مکہ مکرمہ سعودی عرب
۲۸۔ حضرت مولانا یوسف متالا صاحب	〃	دار العلوم العربیہ الاسلامیہ ہولکمب بری انگلینڈ
۲۹۔ حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب	〃	مدینہ منورہ سعودی عربیہ ص۔ب ۱۰۰۱
۳۰۔ 〃 قاضی عبد القادر صاحب	مرحوم	جھاوریاں ضلع سرگودھا۔ پاکستان
۳۱۔ 〃 مولانا محمد مصطفیٰ صاحب	مرحوم	فیروزآباد ضلع آگرہ۔ یو۔ پی
۳۲۔ 〃 مولانا احمد بزرگ صاحب	زید مجدہم	کرمالی والا پانولی ضلع سورت گجرات انڈیا
۳۳۔ 〃 مولانا محمد سلیم صاحب	〃	بانکوڑہ۔ بنگال
۳۴۔ 〃 مولانا محمد زبیر صاحب	〃	مکی مسجد کراچی۔ پاکستان
۳۵۔ 〃 مولانا محمد سلیمان پانڈور	〃	مدرس مدرسہ نیو ٹاؤن جوہانسبرگ جنوبی افریقہ
۳۶۔ 〃 مولانا محمد احمد صاحب	〃	بہاول پور۔ پاکستان
۳۷۔ مولانا محمد ہارون صاحب ابن مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہما		مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی
۳۸۔ 〃 مولانا وارث علی صاحب	زید مجدہم	مدرسہ عربیہ اشاعۃ العلوم خیرآباد ضلع سیتاپور مویابدھ
۳۹۔ 〃 مولانا غلام محمد صاحب ڈابیلی	〃	ترکیسر ضلع سورت گجرات
۵۰۔ 〃 مولانا عبد الحلیم صاحب	〃	مدرسہ ریاض العلوم گوریني چرکیکھیہ مڑاہے ضلع جونپور
۵۱۔ 〃 مولانا فقیر محمد صاحب	〃	جزیرہ انڈمان
۵۲۔ 〃 حکیم سعد رشید اجمیری	〃	رانی تالاب ضلع سورت گجرات
۵۳۔ 〃 مولوی احمد میاں صاحب	〃	المعہد الاسلامی لاسٹرفال جوہانسبرگ جنوبی افریقہ

۵۴۔ صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ صاحب (جانشین قطب الاقطاب حضرت شیخ قدس سرہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

۵۵۔ حضرت مولانا ابراہیم عبدالرحمن میاں	زیدمجدہم	جامع مسجد لینز جوہانسبرگ جنوبی افریقہ
۵۶۔ حضرت مولانا احید اللہ صاحب گورکھپوری	مرحوم	مہاجر مدنی
۵۷۔ قاضی محمود الحق صاحب	زیدمجدہم	جھاوریاں ضلع سرگودھا۔ پاکستان
۵۸۔ جناب الحاج حکیم یامین صاحب	"	مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سعودی عرب
۵۹۔ حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی	"	مدرسہ کاشف العلوم مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی
۶۰۔ " حاجی عبدالحلیم صاحب مرادآبادی	مرحوم	مرادآباد۔ یو۔ پی
۶۱۔ " مولانا محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری	"	ندوۃ العلماء لکھنؤ
۶۲۔ " مولانا عبدالعزیز کملوی	زیدمجدہم	بنگلہ دیش
۶۳۔ " الحاج غلام دستگیر صاحب	"	۲۸ لوئرمال روڈ۔ لاہور
۶۴۔ " حکیم الحاج مولانا عبدالقدوس صاحب دیوبندی	"	مدینہ طیبہ ص۔ب۔ ۱۱۰۱
۶۵۔ " مولانا محمد یونس صاحب جونپوری	"	شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور۔ یو۔ پی
۶۶۔ " مولانا قطب الدین گیاوی	"	مدرس شاخ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۶۷۔ " میاں جی محمد عیسیٰ میواتی	"	فیروزپور رنگ۔ میوات
۶۸۔ " مولانا محمد شفیق صاحب دیوبندی	"	مہتمم مدرسہ عربیہ سیلم مدارس انڈیا
۶۹۔ " مولانا نسیم احمد فریدی	"	امروہہ ضلع مرادآباد۔ انڈیا
۷۰۔ " الحاج محمد ذکی جوریالی	"	مدینہ طیبہ
۷۱۔ " مولانا عبداللہ صاحب دہلوی	مرحوم	بہلی شریف شجاع آباد۔ پاکستان
۷۲۔ الحاج انیس احمد صاحب	زیدمجدہم	مدینہ منورہ

۹۲۔ ، مولانا یوسف صاحب لدھیانوی	زید مجدہم	جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵
۹۳۔ ، مولانا عبداللہ صاحب	مرحوم	شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔ پاکستان
۹۴۔ ، مولانا سید رشید الدین صاحب	زید مجدہم	مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد۔ یو۔ پی
۹۵۔ ، الحاج حافظ صغیر احمد صاحب	،	مدینہ اسٹیشنری مارکٹ انارکلی لاہور
۹۶۔ ، پروفیسر محمد سلمان صاحب	،	علی گڑھ
۹۷۔ ، مولانا محمد احمد صاحب تھانوی	،	پاکستان
۹۸۔ ، مولانا عزیز الرحمن صاحب	،	"تجلی گاہ حق" مسجد صدیق اکبر محلہ فاروق اعظم راولپنڈی نمبر ۱۹
۹۹۔ ، مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی	،	مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی
۱۰۰۔ ، مفتی بشیر حق احمد صاحب	،	۲۲۹ سیلور گلین ڈرائیو۔ ڈربن۔ نٹال
۱۰۱۔ ، مولانا محمد ابراہیم پانڈور افریقی	،	ایلزبرگ۔ جوہانسبرگ۔ جنوبی افریقہ
۱۰۲۔ ، مولانا محمد موسیٰ پانڈور صاحب	،	، ، ،
۱۰۳۔ ، مولانا سید خلیل حسین صاحب	،	مہتمم مدرسہ اصغریہ دیوبند
۱۰۴۔ ، مولانا احمد درویش صاحب	،	مدرس مدرسہ نیو ٹاؤن جوہانسبرگ جنوبی افریقہ
۱۰۵۔ ، مولانا محمد طلال ابراہیم باوا صاحب	،	مدرس حدیث دارالعلوم العربیۃ الاسلامیۃ بری انگلینڈ
۱۰۶۔ ، مولانا الحاج ابوالحسن صدیقی صاحب	،	خادم خاص۔ محلہ شاہ بہلول سہارنپور
۱۰۷۔ ، مولانا حافظ سلیمان صاحب	،	مرزاپور۔ سہارنپور
۱۰۸۔ ، حافظ محمد صدیق صاحب	،	مدرس شاخ خلیلیہ مظاہر العلوم سہارنپور
۱۰۹۔ ، پیر جی صاحب	،	شیخ پورہ ضلع سہارنپور۔ یو۔ پی

اعتکافِ رمضان

روحانی تربیت کا خزینہ

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں اور فضیلتوں کا مہینہ ہے۔ عبادات کا موسم بہار، روحانیت کا جشن عام اور نزولِ قرآن کی سالگرہ ہے۔ عبداللہ ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضورؐ رمضان مبارک میں اعمالِ خیر کے بارے میں تیز ہوا سے بھی آگے ہوتے تھے۔ رمضان کا خصوصی اہتمام، اس میں تلاوت و عبادت کی کثرت اہلِ قلوب اور اہلِ معرفت کا ہر دور میں خصوصی شعار رہا ہے۔ رمضان المبارک کے آتے ہی دینی مرکزوں اور روحانی خانقاہوں کا ماحول بدل جاتا تھا۔ یہ روحانی مراکز تلاوت و عبادت اور نوافل و اذکار سے معمور ہو جاتے تھے۔ اور ہر شخص دوسرے سے عبادت، تلاوت اور روحانیت میں سبقت کی کوشش کرتا تھا۔ قدیم خانقاہوں میں رمضان المبارک میں ذکر و تلاوت کی کثرت، شب بیداری اور سحر خیزی کے احوال کے مناظر ہمیں فوائد الفواد سیر الاولیاء اور زکر المعارف میں ملتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ) مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) مولانا عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ) مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ) کے ہاں رمضان کا غیر معمولی اہتمام ہوتا تھا۔ جن کی خانقاہوں میں کئی کئی سو خدام اور اہلِ تعلق رمضان گزارنے کیلئے رجوع ہوتے اور پوری یکسوئی اور انہماک سے ذکر و تلاوت اور مجاہدات میں مشغول ہو جاتے تھے (۹۵)

مولانا محمد زکریا کا اہتمام رمضان:۔

مذکورہ سنت کا تسلسل و استمرار بلکہ اس کی ترقی و توسیع کی سعادت مولانا محمد زکریاؒ کے حصے میں آئی۔ مولانا کے ہاں رمضان مبارک کا غیر معمولی اہتمام اور اس میں مشغولیت کی کیفیت کا ایک واقعہ سے بخوبی عیاں ہے:۔

"شیخ کے یہاں رمضان میں ملاقات تو کجا، بات کرنے کی بھی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ ایک بزرگ حکیم طیب رام پوری کے حضرت مولانا سے خاندانی تعلقات و عزیز داری تھی۔ ایک مرتبہ وہ رمضان المبارک میں مولانا

سکے یہاں آ گئے۔ جب بھی انہوں نے ملاقات کا ارادہ کیا تو خدام نے کہا کہ یہ وقت حضرت شیخ کی مصروفیت کا ہے۔ اس وقت بات کرنے کی فرصت نہیں۔ آخر جب انہوں نے زبردستی ملاقات کی تو فرمایا:۔

"بھائی جی! السلام علیکم، بات نہیں کرتا صرف ایک فقرہ کہوں گا۔ رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے۔ مگر یوں بخار کی طرح کبھی نہیں آتا۔ السلام علیکم جا رہا ہوں" (۹۶)

رمضان المبارک میں مولانا محمد زکریا کے معمولات میں ذوقِ عبادت، کثرتِ تلاوت اور اہلِ تعلق کی روحانی تربیت نمایاں خصوصیات ہوتی تھیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۶ء میں پورا رمضان مولانا زکریا کے ہاں نظام الدین میں گزارا۔ جس کی قدرے تفصیل ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:۔

"پورے مہینے کا اعتکاف تھا۔ روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا التزام تھا۔ افطار ایک مدنی کھجور سے پھر ایک پیالی چائے، اور ایک بیڑہ پان، نماز مغرب کے بعد اوابین شروع فرما دیتے جن میں کئی پارے پڑھتے، اوابین سے فراغت کے بعد اور عشاء کی نماز سے پیشتر ایک خصوصی مجلس ہوتی۔ جس میں خاص عزیز و خدام شریک ہوتے، عشاء اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی جس میں ہلکی سی اشیا گرمیوں کا زمانہ تھا۔ مولانا محمد یوسف بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے۔ اس لئے تراویح میں بہت دیر ہو جاتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرین مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے، شیخ نوافل میں مشغول ہو جاتے، اخیر وقت میں سحر کھاتے، نماز فجر اول وقت ہو جاتی۔ نماز کے بعد آرام فرماتے۔ اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے۔ پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا دَور رہتا۔ یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا۔ جو کچھ وقت ملتا۔ قرآن مجید کی تلاوت اور درود میں گزرتا (۹۷)

رمضان المبارک میں ذوقِ عبادت، کثرتِ تلاوت اور تبتل الی اللہ میں صحت کے تنزل کے باوجود اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۱۸ھ میں رمضان میں ۲۱۲ اہلِ تعلق نے شرکت کی۔ چنانچہ ایک خلیفہ مجاز مولانا منور حسین بہاری مظاہری مولانا زکریا کے معمولات کی تفصیل بیان کرتے ہیں:۔

"حضرت شیخ کا نظام الاوقات رمضان شریف میں یہ رہا۔ سحری کیلئے جب لوگ بیدار ہوتے تو حضرت عموماً نوافل میں مشغول ہوتے اور جب سحری کا وقت ختم ہونے لگتا تو ایک دو انڈے نوش فرماتے اور چائے کی پیالی بجز جماعت تک تکیہ لگائے لوگوں کی طرف متوجہ رہتے۔ مہمان حضرات آمنے سامنے ہوتے۔ بعد نماز فجر آرام فرماتے۔ تقریباً نو بجے دن تک۔ پھر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ دوپہر زوال کے قریب تک پھر ڈاک ملاحظہ فرماتے۔ پھر نماز ظہر میں مشغول ہو جاتے۔ بعد ظہر تلاوت قرآن مسلسل عصر تک۔ مہمانوں کو ہدایت تھی کہ سب لوگ ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جائیں۔ قبل عصر تک، چنانچہ ذاکرین ذکر میں مشغول ہوتے اور دوسرے حضرات تلاوت میں عصر تک مشغول رہتے۔ بعد عصر حضرت قرآن شریف سناتے۔ اکثر مہمان یا تو قرآن شریف سنتے یا خود تلاوت کرتے۔ قبل افطار تک، صرف چند منٹ پہلے تلاوت موقوف کر کے مراقب ہو جاتے۔ مہمانوں کو ہدایت تھی کہ صحن مسجد میں افطاری کے دسترخوان پر چلے جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔ نماز مغرب سے فراغت کے بعد حضرت دیر تک نوافل میں مشغول رہتے ۔۔۔۔ اذان عشاء سے آدھ گھنٹہ پہلے پردہ ہٹایا جاتا حضرت ٹیک لگا کر مہمانوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر نماز تراویح میں مشغول ہو جاتے اس رمضان میں تین حفاظ سے باری باری قرآن مجید سماعت فرماتے۔ پورا ماہ اعتکاف میں گزارا اور بعض اوقات مہمان بھی معتکف رہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اوائل رمضان میں حضرت نے فرما دیا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی۔ چنانچہ کتاب ہی سنانے کا معمول رہا، کتاب سے فراغت کے بعد فرماتے حضرات جاؤ وقت کی قدر کرو چنانچہ اکثر تلاوت میں یا نماز میں لگ جاتے" (۹۸)

اگلے رمضان ۱۳۸۷ھ کا نظام تقریباً وہی رہا چند چیزوں میں تبدیلی تھی مولانا منور حسین بہاری نے جو رپورٹ لکھی ہے۔ اس کے چند اہم امور یہ تھے۔

۱ اس سال تبلیغی جماعتیں علماء اور مدرسین کثرت سے آ گئے، حضرت نے متعدد اشخاص کو اجازت

دہلی، گجرات، بمبئی، پالن پور اور یوپی کے مہمانوں کی تعداد نمایاں تھی۔ افریقہ، انڈیانا، میسور، مدراس، بنگال، اڑیسہ، اور آسام کے مہمان بھی تھے۔ ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے تھے۔ تمام مہمان ذکر میں مشغول رہتے۔ عصر تک اکثر ذکر جہری میں رہتے۔ بعض ذکر خفی میں یا مراقبہ میں اور کچھ تلاوت میں، بات چیت کرنے کی قطعی اجازت نہ تھی۔ عام ہدایت تھی کہ ہمارے یہاں آؤ تو بات چیت نہ کرو۔ خواہ سو رہو یا خاموش بیٹھے رہو کوئی حرج نہیں۔ عصر کے بعد کتابیں سنائی جاتیں، امداد السلوک، علامہ سیوطیؒ کا ایک رسالہ، نیز اور ایک اور رسالہ پھر اکمال الشیم شرح اتمام النعم۔ سلوک کی کتابیں پورے رمضان میں سنائی گئیں۔۔۔۔۔ نماز مغرب کے بعد عام مجلس ہوتی۔ جس میں بزرگوں کے واقعات بیان فرماتے اس درمیان میں بیعت بھی فرماتے۔۔۔۔۔۔ تراویح سے فراغت پر سورۂ یٰسین کا ختم ہوتا۔ اور دیر تک دُعا فرماتے رہتے۔ تبلیغی جماعت کے مخصوص حضرات ہوتے۔ قرآن سے دُعا کی فرمائش کرتے پھر کتاب سنانے کا سلسلہ ساڑھے گیارہ بجے تک رہتا اور تبلیغی کارروائی سنائی جاتی۔ اس کتابی مجلس پر اختتام پر تقریباً بارہ بجے شب پردہ گرا دیا جاتا۔۔۔۔۔۔۔ "

۹۵ھ میں رمضان کا نظام و اوقات جو خود مولانا زکریاؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے۔ اس طرح ہے:۔

" بعد مغرب اوابین میں دو پارے، بعدہ چائے، استنجا وغیرہ، بعدہ مجلس از ۸ - ۸½، اس میں بیعت و گفتگو عشاء از ۹ تا ۱۰½، بعدہ ختم یٰسین و دعا، بعدہ فضائل رمضان تا سوا گیارہ، بعدہ الوداعی مصافحہ کے بعد ۱۲ تا کیواڑ بند ۳ بجے تک، تین بجے کواڑ کھلتے اور انتظام ہوتا، تہجد میں دو پارے، بعد نماز فجر آرام تا ۹ بجے، بعدہ قرآن شریف دو پارہ دیکھ کر تا ۱۱، متفرقات تا ایک بعد ظہر ختم خواجگان، اور ذکر، دو پارے سنانے کا معمول، بعد عصر ارشاد الملوک ۔۔۔ (۹۹)

۱۳۸۸ھ سے مولانا زکریاؒ نے دار الطلبہ جدید مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی وسیع مسجد میں ماہ مبارک کے اعتکاف کا

معمول شروع کیا تو اہل تعلق پروانہ وار سہارنپور کا رخ کرنے لگے۔ یہ اجتماعی اعتکاف روحانی رشد و ہدایت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا۔ حاضرین کی تعداد ہر سال بڑھتی گئی۔ ۱۳۸۵ھ میں آخری عشرہ میں تعداد دو سو تھی۔ ۱۳۸۶ھ میں معتکفین کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۳۸۷ھ مسجد کے صحن میں بھی خیمے لگانے پڑے۔ حتیٰ کہ طلبہ کے حجروں میں بھی مہمانوں کو ٹھہرایا گیا۔ ۱۳۹۷ھ کا رمضان میں دارالطلبہ کی مسجد دو منزلہ کرنی پڑی مگر معتکفین کیلئے وہ بھی ناکافی ہوئی تو دارالطلبہ کے حجرے خالی کرانے پڑے حتیٰ کہ آخر رمضان میں تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی۔ (۱۰۰)

کئی سال سے ماہ مبارک میں ۱۱ بجے صبح ایک گھنٹہ وعظ کا سلسلہ بھی رہا۔ جس میں مختلف نصائح، عبرت آموز واقعات اور تصوف کے اسرار اور سلوک کے نکات بیان کئے جاتے جو شرکاء کی تربیت کیلئے بہت مفید تھے۔ شرکاء بڑے انہماک و یکسوئی کے ساتھ تلاوت و نوافل اور دیگر روحانی معمولات میں منہمک رہتے۔ شیخ بار بار فرماتے جتنا جی چاہے ساتھی سوئیں اور کھائیں لیکن باتیں نہ کریں کہ سب سے زیادہ مضر یہی ہے۔

فیصل آباد میں اعتکاف

پاکستان میں مولانا محمد زکریاؒ کے متعلقین و مخلصین کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ان حضرات کی ہر سال خواہش ہوتی تھی کہ پاکستان میں بھی مولانا رمضان المبارک گزاریں تاکہ آپ کی روحانی فیوض کے متمتع ہوں۔ چنانچہ اس اصرار کے پیش نظر مولانا زکریاؒ نے آخری اعتکاف رمضان اپنی وفات سے قبل ۱۴۰۰ھ/جولائی ۱۹۸۰ء دارالعلوم پیپلز کالونی فیصل آباد پاکستان میں گزارا۔ اس کا حال ایک شریک کار مولانا عبدالرحمٰن صدیقی نے بیان کیا ہے جس کی خاص باتیں یہ ہیں۔ (۱۰۱)

"معتکفین کو پہلی ہدایت یہ تھی کہ یہاں کوئی پابندی نہیں، نہ کھانے کی نہ سونے کی، ایک چیز نہایت سخت جرم ہے وہ ہے کسی سے بات کرنا، اپنے کام میں مشغول رہیں یا فارغ وقت ہو تو آرام کریں مگر بات نہ کریں"....

دیگر معمولات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

"عام طور پر ہر صبح صادق سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی لوگ بیدار ہو جاتے، تہجد سے فارغ ہو کر سحری کھاتے اس کے بعد نوافل یا تلاوت وغیرہ میں سب لوگ صبح صادق تک مشغول رہتے نماز فجر اول وقت میں ہوتی نماز کے بعد ۹-۱۰ بجے تک لوگ آرام فرماتے۔ ۱۱ بجے مفتی محمود گنگوہی کے سلوک و تصوف کے موضوع پر تقریر ہوتی۔ اس کے بعد ظہر تک تلاوت کا معمول تھا۔ نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان اور طویل دعا ہوتی۔ پھر عصر تک ذکر ہوتا۔ بعض ذکر بالجہر

کرتے ۔ باقی لوگ اپنی تسبیحات و معمولات میں مشغول رہتے ۔ نماز عصر کے بعد کوئی کتاب — فضائل رمضان ، فضائل درود ، اکابر کا رمضان ، امداد السلوک ، تہذیب الکم اور فیض شیخ سنائی جاتی رہی ۔ نماز عشاء کے قبل حضرت مولانا بیعت فرماتے ۔ تراویح اور وتر کے بعد ختم سورۃ یٰسین و دعا کا معمول تھا اور ایک دو مرتبہ بعض لوگوں نے حفظ کی نیت سے حضرت اقدس کو قرآن بھی سنایا۔"

رمضان کے آخری دو عشروں میں مولانا عبدالحلیم کا وعظ شروع ہوا ۔ یہ وعظ اخلاق، تصوف رذائل سے اجتناب ۔ غیبت سے احتراز ، ماہ مبارک کی قدردانی اور محبت شیخ سے استفادہ وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ الغرض مولانا محمد زکریا کے پاس اعتکاف کرنے اور ان کے اصلاحی و تربیتی نظام کی پابندی کرنے والوں کو کثیر باطنی و روحانی منافع حاصل ہوتے ۔ اس کے باوجود وہ اپنے احباب سے اس کی افادیت کے بارے میں استفادہ کرتے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ اپنے خادم خاص صوفی محمد اقبال سے سوال کیا :۔

"تم نے ہمارے پہلے یکسوئی والے رمضان بھی دیکھے ہیں اور اب یہ ہجوم والے رمضان بھی دیکھ رہے ہو ۔ پہلے طرز کے رمضانوں میں زیادہ فائدہ تھا یا اس پر ہجوم طرز میں ؟"

اس کا صوفی صاحب نے تحریری جواب یہ دیا :۔

"میں نے تھوڑا سا جغرافیہ پڑھا ہے جس سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ دریا جب اپنے منبع سے نکلتا ہے تو معاون دریاؤں ، ندی نالوں اور پہاڑی چشموں کو اپنے اندر شامل کرتا جاتا ہے ۔ پہاڑوں کی نہایت زرخیز مٹی کو کاٹ کاٹ کر اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے ۔ اور قیمتی معدنیات کو اپنے اندر جذب کرتا جاتا ہے اس وقت یہ نہایت گہرا ہوتا ہے اس کا پاٹ کم اور رفتار بڑی تیز ہوتی ہے ۔ اس وقت دریا تک پہنچنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے جس سے ہر شخص فائدہ حاصل نہیں کر سکتا ہے ۔ لیکن طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب وہ میدانی علاقے میں پہنچتا ہے تو اس کا پاٹ میلوں چوڑا ہو جاتا اور رفتار پرسکون ہو جاتی ہے ۔ اس وقت اس سے بہت سی نہریں نکالی جاتی ہیں ۔ دور دور تک کے علاقے سیراب ہوتے جاتے ہیں اور ہر کس و ناکس کو اس سے استفادہ کا موقع ملتا ہے اس مثال سے میں یہ سمجھا ہوں کہ امت کا فائدہ ان شاء اللہ حضرت کے موجودہ طرز میں زیادہ ہے ۔ (۱۰۲)

مولانا محمد زکریا کے وصال کے بعد ، ان کے خلفاء و متعلقین اعتکاف رمضان کے معمول کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور مختلف

مقامات پر ہر سال مولانا کے اسلوب پر اعتکاف رمضان کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان خلفاء میں نمایاں ترین صوفی محمد اقبال، مولانا عبدالحفیظ مکی، مولانا عزیزالرحمٰن اور آپ کے فرزند مولانا محمد طلحہ ہیں۔ پاکستان میں اعتکاف رمضان کے اہتمام کیلئے جامع مسجد احسان چوبرجی لاہور، مسجد الخلیل الاسلامی کراچی۔ مسجد صدیق اکبر راولپنڈی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علمِ تصوّف میں تالیفی خدمات

علمِ تصوّف میں خدمات کا ایک شعبہ تالیف و تصنیف کا بھی ہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد زکریا کی وقیع خدمات ہیں۔ ۱۱

اس شعبہ میں آپ کی تالیفات دو قسم کی ہیں۔

اوّلاً علم تصوّف، احسان اور سلوک پر براہِ راست مؤلفات مثلاً تاریخ مشائخ چشت، شریعت و طریقت کا تلازم ــــ اور مکتوبات تصوّف وغیرہ۔

ثانیاً ایسی مؤلفات جن میں علمِ تصوّف میں ضمناً گفتگو کی گئی ہے۔

مثلاً آپ بیتی، الاعتدال فی مراتب الرجال وغیرہ۔

اب ہم ذیل میں مولانا زکریا کی علمِ تصوّف میں تالیفی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

تاریخ مشائخ چشت

متعدد لوگوں نے سلسلۂ چشت کے مشائخ کے احوال لکھے ہیں۔ لیکن ہر ایک کا رنگ اور اسلوب جداگانہ ہے۔ پھر اس ضمن میں اکثریت نے مشائخ کے کشف اور کرامات کا تذکرہ زیادہ کیا ہے۔ حالانکہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مطابق :۔

"کرامات تصوف کے سلسلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ حقیقتاً تصوف اخلاقی زندگی کا ایک نظام اور نظام کائنات کی ایک مکمل توجیہہ پیش کرتا ہے۔ اس کو کشف و کرامات سے کیا تعلق ؟"

مولانا ذکریا نے شیخ نظام الدین اولیاء کے اس قول کو مستقلاً مدنظر رکھا ہے۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ان کی تعنیف کی امتیازی حیثیت ہے۔ مولانا ذکریا بیان کرتے ہیں۔

"میرے جملہ اکابر کے یہاں تصرفات کی اہمیت کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اُن کو روکنے کی کوشش ہوتی چنانچہ میرے چچا جان (مولانا محمد الیاس) کے متعدد خطوط جن میں خوارق اور تصرفات یا پھر مکاشفات ہوتے تھے۔ تو میرے حضرت بجائے حوصلہ افزائی کے اس قسم کے الفاظ لکھوایا کرتے تھے کہ "ان چیزوں کی طرف التفات ہرگز نہ کریں کہ یہ ترقی سے مانع ہیں۔" (۱۵۳)

اس کے برعکس تاریخ مشائخ چشت کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ علوم ظاہریہ مشائخ چشت کے نزدیک تصوف اور سلوک میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور شیخ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ شریعت یعنی حضورؐ کے اقوال طریقت یعنی آپؐ کے افعال اور حقیقت یعنی آپؐ کے احوال ہی پر مکمل دسترس نہ رکھتا ہو بلکہ سنت نبویؐ کو زندہ کرنے اور بدعت کو ختم کرنے کا اہل ہو۔ چنانچہ مولانا ذکریا کے والد کا مشہور مقولہ ہے کہ اتباع سنت

کے ساتھ اتباع کی نیت سے پاخانے جانا خلافِ سنت نفلیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے پھر مولانا زکریاؒ نے مشائخ کے ایسے واقعات کو بکثرت بیان کیا ہے۔ جس میں اتباع سنت کی تاکید ہے۔

مثلاً خواجہ معین الدین چشتی کے احوال میں لکھتے ہیں۔ "بزرگانِ سلف کا طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے جو اتباع شریعت کو **تصوف و سلوک** کے لیئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے بلکہ بزرگانِ سلف کا حال اتباع سنت میں صحابہؓ کا سا تھا جیسا کہ معین الدین چشتیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک بار آپ وضو کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی محبتِ رسولؐ کا دعویٰ اور سنتِ رسولؐ کا ترک؟ آپ نے فوراً توبہ کرلی۔ (۱۵۴)

شریعت و طریقت کا تلازم :۔

مولانا زکریا نے اپنی اس تالیف میں شریعت و طریقت کے ہر موضوع اور عنوان پر گفتگو کی ہے شریعت و طریقت کی اہمیت ان میں باہمی ربط و اتحاد، بیعت۔ پاس انفاس۔ تصور شیخ۔ اور شطحیات وغیرہ اہم عنوان قائم کر کے ، ان کا شرعی مقام اور صحیح دینی رُخ بتلایا گیا ہے۔ ذیل میں ہم ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پاس انفاس :۔

پاسِ انفاس کو سلوک و تصوف میں اہم شغل کی حیثیت حاصل ہے۔ جس میں سانس کے ساتھ ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پاسِ انفاس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخ سلوک کے ہاں متعارف ہیں۔ عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیے۔ لیکن یہ امر سب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہو۔ مشائخ سلوک کی تعلیمات میں اس پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ اہلِ طریقت کے نزدیک نفس کے خطرات اور وسوسوں کے دور کرنے میں پاس انفاس بڑا مؤثر اور مفید ہے۔ اس لیئے انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیے۔
پس پاسِ انفاس کی مدد کے بغیر انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے صاف نہیں ہو سکتا۔ پھر پاسِ انفاس قلب کو صاف اور کدورتوں سے پاک کر کے انوارِ الٰہی کا مہبط بنا دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو اصطلاح صوفیہ میں "جاروب قلب کہتے ہیں" مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں کہ

> "پاس انفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے نہ اندر جانے والا سانس نہ باہر نکلنے والا سانس۔ انسان دن رات میں تقریباً چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ سب کا سب ذکر سے معمور رہے عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گزرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔" (۱۵۵)

بیعت کا جواز :۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "القول الجمیل" میں بیعت کی حقیقت، جواز اور اقسام پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور اس کا خلاصہ مولانا زکریا نے "شریعت وطریقت کے تلازم" میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"حضرات صوفیا کرام میں جو بیعت معمول ہے۔ جس کا حاصل معاہدہ التزام احکام اہتمام اعمال ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عرف میں "بیعت طریقت" کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ حضورؐ سے منقول نہیں

حالانکہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔ کبھی ہجرت اور جہاد پر اور کبھی اقامت ارکان اسلام پر کبھی ثبات اور قرار پر معرکہ کفار میں چنانچہ بیعت رضوان اور کبھی سنت نبویؐ کے تمسک پر اور بدعت سے بچنے پر اور عبادات کے حریص اور شائق ہونے پر۔ آنحضورؐ نے انصار کی عورتوں سے بیعت لی نوحہ نہ کرنے پر ان کے علاوہ کثیر امور میں بیعت ثابت ہے اور وہ امور از قسم تزکیہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہیں (۱۰۶)

مولانا زکریا مزید لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک

"بیعت سنت ہے۔ اس لیئے صحابہؓ نے حضورؐ سے بیعت کی اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا۔ اور کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ بیعت ترک کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ اور نہ ہی آئمہ میں سے کسی نے تارک بیعت پر نکیر کی"

پھر بیعت کی اقسام میں رقم طراز ہیں کہ "بیعت جو اہل تصوف میں متوارث ہے وہ کئی طریق پر ہے۔ پہلا طریقہ وہ معاصی سے بیعت توبہ ہے۔ دوسرا طریقہ بیعت تبرک یعنی بقصد برکت صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونا ہے اور تیسرا طریقہ بیعت تاکد عزیمت یعنی عزم صمیم عمل اور ادامر اور ترک نواہی پر اور تیسرا طریقہ ہی

اصل ہے۔

نسبت و اجازت :۔

مولانا محمد زکریاؒ نے اس کتاب میں مشائخ کی جانب سے ملنے والی نسبت ، اجازت و خلافت کے متعلق ضروری ہدایات و نصائح قلم بند فرمائی ہیں۔ چنانچہ اجازت بیعت کی شرائط کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

" خلاصہ یہ کہ متقی و صالح ہو۔ متبع سنت ہو۔ علم دین بقدر ضرورت جانتا ہو۔ کسی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدۂ باطنی حاصل کیا ہو۔ عقلاء اور علماء اس کی طرف مائل ہوں اور اس کی صحبت مؤثر ہو۔" (۱۰۷)

مکتوبات تصوف :۔

یہ کتاب مولانا زکریاؒ کے ۱۱۹ مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ جن کا تعلق سلوک ، احسان اور تصوف کے مسائل سے ہے اس میں سالکین کے امراضِ روحانی کی شفا ہے۔ نیز اذکار اور اوراد کے متعلق مفید ہدایات اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی نفع مندی کو مؤثر اسلوب میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ نمونۃً چند امثال پیش کی جاتی ہیں۔

ایک سائل نے ذاتی خوارق کے متعلق پوچھا تو جواب میں تحریر کیا کہ

" خوارق وغیرہ اُمور قابل شکر بھی ہیں اور قابل فکر بھی، اس لیے کہ بعض اوقات ان میں شیطانی اثر بھی ہوتا ہے اور شیطان کو ایسے امور میں اغوا کا بہت زیادہ موقع ملتا ہے۔ اس لیے اکابر ایسے اُمور کی طرف التفات کو خاص طور پر منع کرتے ہیں۔ بے خطر اور مفید چیز اتباعِ سنت ہے۔ کہ وہ " اِن کنتم تحبون اللہ الخ " آیت نص قطعی کی بناء پر محبوبیت کا پروانہ ہے۔ سنت کے موافق پاخانہ جانا سیکڑوں خوارق سے افضل ہے۔ کہ بے خطر نفع ہے۔ تحمل سے زائد

کوئی چیز اختیار نہ کریں۔"

اسی طرح ایک اور سائل کے جواب میں لکھا۔

"احوال رفیقہ سے مسرت ہوئی جو بہترین حالات آپ نے لکھے ہیں وہ قابل تشکر ہیں۔ لیکن انوار وغیرہ کا محسوس ہونا کچھ مقصود نہیں۔ البتہ عبدیت کا استحضار مقصود اور زیادہ اہم ہے۔ اس کو انوار وغیرہ سے زیادہ اہم خیال کریں۔" (۱۰۸)

ایک سائل کو دعا کے متعلق ہدایات تحریر کیں کہ ماثورہ دعائیں اقرب الی القبول ہیں۔ پھر دعا کا قبول ہو جانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ مگر ایسی حالت میں دو چیزوں کا بہت اہتمام کیا جائے ایک یہ کہ کسی کو نقصان پہنچانے کی کبھی دعا نہ کی جائے چاہے کتنی ہی اپنے آپ کو تکلیف پہنچے۔ دوسرے قبولیت دعا سے گھمنڈ ہرگز پیدا نہ ہو کہ یہ نقصان کی چیز ہے

نیز خدمت خلق اور معمولات کے بارے میں فرمایا:

"کسی شخص کے کام کی ضرورت سے معمول میں حرج ہو جانے کا مضائقہ نہیں لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ اس کی دوسرے وقت کر لی جائے۔ اس لیئے کہ معمولات کا اہتمام اور دوام کو ترقی میں بہت دخل ہے۔"

مزید فرمایا۔ "معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے۔ اہتمام سے کرتے رہیں۔ دل لگے یا نہ لگے دل بھی لگنے لگے گا۔ ہمارے قلوب معاصی سے اتنے زنگے ہوتے ہیں کہ دھلیں گے دھلتے دھلتے۔ کپڑا جتنا میلا ہوتا ہے اتنی ہی دیر میں صاف ہوتا ہے۔"

ایک سائل نے "رجوع الی شیخ ثانی" کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:

"اہل حق سے کسی طرف رجوع کے بعد بلا کسی سخت مجبوری یا شرعی عذر کے دوسری طرف

رجوع کرنا ترقی کو مانع ہے۔ اور عفریت کا سبب ہے (۱۰۹)

آپ بیتی :-

یوں تو مولانا زکریا کی جملہ تالیفات میں عموماً سلوک کے موتی اور تصوف کے جواہرات جا بجا بکھرے ہوئے ہیں لیکن بعض تصانیف میں خصوصی موضوعات متعین کر کے تصوف پر گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں ہم تصوف کے متعلق اہم تالیفات کا ذکر کرتے ہیں۔ گو "آپ بیتی" مولانا محمد زکریا کی خودنوشت حالات زندگی پر مشتمل تالیف ہے۔ لیکن فی الحقیقت علوم کا کشکول ہے۔ جس میں مولانا نے بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ متعدد عنوانات کے تحت اپنے حالات قلم بند کیے ہیں۔ اور تقریباً زندگی کے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ جس میں تصوف، سلوک اور احسان کا موضوع بھی ہے۔

۱۔ مولانا محمد زکریا کی آپ بیتی صرف آپ بیتی ہی نہیں بلکہ ایک عہد کی داستان ہے۔ اپنے اکابر کے حالات و سوانح کا حسین مرقع اور مختصر سا انسائیکلو پیڈیا ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف دل و دماغ اور قلب و نظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ملکوتی صفت اہل اللہ کی محفل علم و عرفان سے مستفید ہو رہا ہے۔ بقول مفتی محمد شفیع "آپ بیتی نصائح و عبر کا خزانہ ہے۔

۲۔ آپ بیتی نمبر ۲ باب اول " انما الاعمال بالنیات" کے تحت حقیقت تصوف بیان کی گئی ہے۔ جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے

۳۔ آپ بیتی نمبر ۶ میں باب " تحدیث بالنعمۃ " کے عنوان کے تحت اپنے زمانے کے معروف اکابر صوفیاء مولانا عبدالرشید گنگوہی۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوری۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ اور مولانا الیاسؒ کے احوال تصوف بیان کئے گئے

ہیں۔

اس کے علاوہ ایک تالیف "مشائخ تصوف" غیر مطبوعہ ہے جس میں معروف اکابر صوفیاء کے حالات درج ہیں اسی طرح آپ بیتی نمبر ۵ میں اکابر سلسلہ کے متفرق حالات۔ نسبت کی اقسام اور خلافت و بیعت سے متعلق اہم مضامین شامل ہیں۔

اسی طرح آپ بیتی نمبر ۶ میں فصل نمبر ۲ ص ۲۶ تا ۴۷ مشائخ کے معمولات کا اہتمام

فصل	۸	ص ۱۰۵ تا ۱۲۸	اکابر کے مجاہدات فی السلوک
فصل	۱۴	ص ۲۷۰ تا ۲۹۴	اکابر کے تصرفات
فصل	۱۷	ص ۳۷۴ تا ۴۱۹	تصوف کا بیان

آپ بیتی نمبر ۶ میں اور مضامین کے علاوہ بعض واقعات بیعت و خلافت کے ہیں اور آخر میں "ذکر کی اہمیت" پر مولانا محمد یوسف بنوری اور مفتی محمد شفیع کے نام مشہور و معروف مکتوب ہیں۔

الاعتدال فی مراتب الرجال:۔

مولانا کی مشہور تالیف "الاعتدال فی مراتب الرجال" تصوف کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے "راہ سلوک" میں بھی حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا جاتا ہے جسے مولانا زکریا سالک کے لیے ضروری ٹھہراتے ہیں، چنانچہ تحریر کرتے ہیں کہ

"بندوں کے حقوق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے زیادہ سخت ہے ....

بندوں کے حقوق میں مسلمانوں کی آبروریزی، علماء کی اہانت۔ کسی کی سب و شتم غیبت۔ چغل خوری وغیرہ سب شامل ہیں۔"

مزید لکھتے ہیں۔ علماء و صلحا کی اہانت سے بہت زیادہ احتراز کریں کہ اس سے سخت ترین بددینی میں ابتلا کا اندیشہ ہے۔ ان میں صحابہ کرامؓ، اولیائے امت، ائمہ مجتہدین و محدثین، علماء حق سب ہی شامل ہیں......... دل میں ان سب حضرات کا احترام رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں رسالہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" کا خصوصیت سے مطالعہ کیا جائے۔" (۱۱۰)

مولانا نے اہل اسلام کو باہمی اختلافات میں اعتدال کی راہ دکھائی چنانچہ لکھتے ہیں۔

"ہم لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جو شخص ہماری مرضی کے موافق کام کرے وہ مخلص ہے۔ متقی ہے پرہیزگار ہے لیکن جو بھی وہ ہماری رائے کے خلاف کام کرتا ہے۔ وہ انگریز پرست ہے یا ہندو پرست ہے خود غرض ہے نفس پرست ہے۔ غدارِ قوم ہے۔ مکار ہے۔ دغاباز ہے۔ وہ انگریزوں کا وظیفہ دار ہے یا کانگرس کا تنخواہ خوار ہے۔ غرض یہ کہ دنیا بھر کے عیوب اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی قیامت کے دن عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے۔ حق تعالیٰ اس کی عیب دری کرتے ہیں کہ وہ گھر میں چھپ کر کوئی عیب کرتا ہے۔ تب بھی اس کی فضیحت کرتے ہیں۔" (۱۱۱)

مولانا اپنے متوسلین کو ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ

"باہمی اختلاف میں بہترین اصول یہ ہے کہ ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ وما علیہ پر عبور ہو دو شخصوں کے درمیان حاکم جب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ان دونوں کے پورے دلائل پر عبور ہو۔ چنانچہ مولانا اس ضمن میں عمر بن عبدالعزیزؒ عمرِ ثانیؒ کی مثال دیتے ہیں کہ

"انہوں نے حضرات صحابہؓ کی آپس کی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا۔

تلک دماء طھر اللہ ایدینا منھا فلا نلوث السنتا ھا (۱۱۲)

الغرض "الاعتدال" اہل تصوف کے لیے بہترین گائیڈ بک ہے۔

اکمال الشیم

یہ تصوف وسلوک کی مشہور بلند پایہ کتاب ہے۔ جسے ابن عطاء اللہ سکندری (متوفی ۷۰۹ھ) نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کا نام "الحکم العطائیۃ" رکھا۔ اس کتاب کے مضامین منتشر اور بلا ترتیب تھے۔ کتاب کنزالعمال کے نامور مصنف مولانا علی متقیؒ نے کتاب کی تبویب فرمائی۔ بعدازیں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ متوفی ۱۳۴۶ھ نے حاجی امداد اللہ کے حکم سے اردو میں ترجمہ کیا۔ مگر اردو ترجمہ کے ساتھ تشریح وتسہیل کی ضرورت باقی تھی جسے مولانا عبداللہ گنگوہی متوفی ۱۳۳۵ھ نے حسن وکمال پورا فرمایا۔ اس اردو شرح کا نام "اکمال الشیم" تجویز ہوا۔ جس کے معنی تکمیل اخلاق کے ہیں۔

مولانا محمد زکریا نے اس شرح کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ کا اضافہ فرمایا یہ مقدمہ اٹھتر ۷۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مصنف نے شارح کے حالات زندگی اور تصوف میں ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب علماء اور صوفیاء کرام کے لئے ترجمان بنی رہی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے درس سلوک کے نصاب میں داخل فرمایا تھا۔ اور سالکین کو اس کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تھے۔ فی الحقیقت یہ کتاب تصوف کا عطر ہے اور مولانا زکریا نے اس کا مبسوط مقدمہ لکھ کر تصوف کی گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔

امداد السلوک:۔

مولانا رشید احمد گنگوہی نے یہ کتاب حافظ محمد ضامن کے حکم پر فارسی زبان میں لکھی اور اپنے شیخ امداد اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے "امداد السلوک" نام رکھا۔ یہ کتاب حقائق تصوف پر مشتمل اور سالکانِ طریقت کے لیے مشعل وو رہبر ہے۔ اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر مولانا محمد عاشق الہٰی نے اردو میں ترجمہ کیا۔ اور "ارشاد الملوک" نام رکھا۔ اس کا مقدمہ مولانا محمد زکریا نے تحریر کیا جو اڑتالیس ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مبسوط مقدمہ میں حاجی امداد اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی مترجم مولانا محمد عاشق الہٰی نیز حافظ محمد ضامن کے تفصیلی حالات مذکور ہیں جو ایک عام قاری اور

خصوصاً ایک سالک کے لیے اہم اور مضامین پر مشتمل ہے۔

صحبتے با اولیاء :-

یہ تالیف مولانا محمد زکریا کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جو رمضان المبارک میں نماز مغرب کے بعد عمومی مجلس میں حاضرین کی تربیت و اصلاح کے لیے ارشاد فرائے۔ مولانا تقی الدین ان ارشادات کو قلمبند کر لیتے یہ مجموعہ "صحبتے با اولیاء" کے نام سے پہلی بار ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں شائع ہوا جس میں ۱۳۸۷ھ، ۸۸ھ، ۹۰ اور ۱۳۹۱ھ کے رمضان المبارک کی مجالس کے ملفوظات جمع کر دیئے ہیں۔ عہد حاضر میں ہمارا دینی طبقہ بالخصوص مدرسہ عربیہ جس دینی، روحانی اور علمی تنزل کا شکار ہے مولانا کو اس کی اصلاح کی بڑی فکر تھی لہٰذا ان ملفوظات کے اولین مخاطب علماء و طلباء کی جماعت ہے۔ ان ملفوظات سے اصلاح نفس، فکر آخرت اور تطہیر اخلاق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ الغرض یہ کتاب تصوف کے رموز اور احسان کے آداب پر مشتمل ہے۔ چند ملفوظات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اوقات کی قدر و قیمت کے متعلق فرمایا۔

"اوقات بہت قیمتی ہیں۔ زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچاننی چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے۔ فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن حیاتہ لموتہ ومن شبابہ لکبرہ ومن دنیاہ لآخرۃ

ترا ہر سانس نخل موسوی ہے

یہ جذر و مد جواہر کی لڑی ہے (۱۱۳)

ایک اور مجلس میں فرمایا۔" آدمی کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ مجھے شریعت، عرف و عقل و قرابت کے اعتبار سے کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء

اگر مردی احسن الی من اساء

اگر کوئی شخص تم کو گالیاں دے رہا ہو، تمہاری غیبتیں کر رہا ہو۔ تو وہ تمہیں اپنی نیکیاں دے رہا ہے اگر اس کے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں تو تمہارے گناہ اپنے سر لے رہا ہے"۔ (۱۱۴)

ایک اور موقع پر فرمایا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف پانچ کو چنا ہے۔ پھر امام ابو داؤدؒ نے ان میں سے چار کا انتخاب فرمایا کہ ان میں سارا دین آگیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے حدیث النصح لکل مسلم کو سب سے جامع بتایا ہے۔ وہ چار حدیثیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) انما الاعمال بالنیات

(۲) لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضیٰ لاخیہ ما یرضیٰ لنفسہ

(۳) من حسن الاسلام المرءِ ترکہ ما لا یعنیہ

(۴) الحلال بیّن والحرام بیّن الخ

حرام چیزوں سے دور رہنا چاہیے اسی کو بندگی کہیں۔ اسی کو تقویٰ کہیں اور اسی کا تصوف ہے ہر موقع پر احتیاط پیش نظر رہے

ایک اور موقع پر فرمایا۔ "امام رازی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام "ازالہ" کے لیے نہیں آئے بلکہ "امالہ" کے لیے تشریف لائے تھے۔ قرآن مجید نے والکاظمین الغیظ فرمایا کہ والفاقدین الغیظ (غصے کو پی جانے والے نہ کہ غصہ کو ختم کرنے والے) مومنین کی شان یہ بتائی گئی کہ غصہ کی موجودگی کے باوجود اس کو ضبط کرتے ہیں۔ اور محل پر ان کا یہ اظہار ہے۔

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی — شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ — جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ (۱۱۵)

باب ششم

روحانی خدمات

حوالہ جات و حواشی

۱۔ نظامی، خلیق احمد۔ "تاریخ مشائخ چشت" لاہور ط۔ن ص۱

۲۔ "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء ج ۶ ص۸۱۴

۳۔ الطوسی ابو نصر السراج: کتاب اللمع ۱۹۱۴ء لیڈن ص۲۱

۴۔ قشیری، عبدالکریم، ابوالقاسم: الرسالۃ القشیریہ، دارالکتب عربیہ الکبری مصر ۱۳۸۵ھ ص۱۱۹

۵۔ علم کی دو قسمیں ہیں (۱) ظاہری اور (۲) باطنی

جب تک علوم کا تعلق زبان سے ہوتا ہے اسے علم ظاہری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا نام علم شریعت ہے اور جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر باطن تک پہنچتا ہے تو اسے علم باطنی یا طریقت کہا جاتا ہے اسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

واسبغ علیکم نعمۃ ظاھرۃ وباطنۃ (۳: ۹۲)

یعنی تمہیں ظاہر اور باطن کی بھرپور نعمتیں عطا کیں۔

۶۔ الصحیح المسلم کتاب الایمان: ۵۷، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۷۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص۱۴۲

۸ زکریا انصاری، شیخ الاسلام: "شرح الرسالۃ القشیریہ" ج۱ ص۶۹

۹۔ بخاری کتاب الرقاق باب التواضع۔

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۴۲۹

درس نظامی کی مشہور کتاب تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق کے مصنف ام رجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء)

۱۱۔ زکریا محمد: مقدمہ اکمال الشیم ص ۱۹ ادارہ اسلامیات لاہور جنوری ۱۹۸۴ء

۱۲۔ زکریا محمد تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۷

۱۳۔ آپ بیتی نمبر ۴ ص ۵۵

۱۴۔ "تاریخ مشائخ چشت" ص ۲۳۷

〃 〃 ص ۱

۱۵۔ زکریا محمد مقدمہ اکمال الشیم، جنوری ۱۹۸۲ ص ۱

۱۶۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۲

۱۷۔ ایضاً ص ۲۳۵

۱۸۔ ایضاً ص ۲۳۶

۱۹۔ ارشد، عبدالرشید "بیس بڑے مسلمان" ص ۹۳ حاشیہ

۲۰۔ فیوض الرحمٰن: حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء ص ۱۳ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۴ء

۲۱۔ بیس بڑے مسلمان ص ۹۴

۲۲۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۴۳

۲۳ نظامی خلیق احمد، "تاریخ مشائخ چشت" لاہور بلا تاریخ ص ۲۳۲ تا ۲۳۴، بیس بڑے مسلمان ص ۸۵

۲۴۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء ص ۱۲

۲۵۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۵۳

۲۶۔ ایضاً ص ۲۶۱

۲۷۔ ایضاً صد۲۶۳

۲۸۔ "حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء" صد۲۸

۲۹۔ زکریا محمد، تاریخ مشائخ چشت صد۲۶۹

۳۰۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء صد۳۴، شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے تاریخ وفات "انہ فی الاخرۃ لمن الصالحین" نکالی۔ بیس بڑے مسلمان صد۲۲۵

۳۱۔ ایضاً صد۳۱

۳۲۔ زکریا محمد۔ تاریخ مشائخ چشت صد۲۹۲

۳۳۔ ایضاً صد۲۹۲، تذکرۃ الرشید دوسرا حصہ صد۱۱

۳۴۔ حسنی عبدالحیٰ، "نزھۃ الخواطر ذبہجۃ المسامع والنواظر" ج ۸ طبع اول ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء صد۱۵۲ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن۔

۳۵۔ ہم مولانا کے تفصیلی حالات باب "تدریسی خدمات" کے تحت لکھ چکے ہیں۔

۳۶۔ زکریا محمد مقدمہ اکمال الشیم، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء صد۵۹

۳۷۔ حسنی محمد ثانی: "حیات خلیل" مکتبہ اسلام لکھنؤ صد۱۵۹۔

۳۸۔ تذکرۃ الخلیل صد۲۷۴

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ آپ بیتی نمبر ۶ صد۲۹۳

۴۱۔ "تاریخ مشائخ چشت" صد۳۱۶

۴۲۔ فیوض الرحمٰن، قاری: "مشاہیر علماء دیوبند" ج ۱، المکتبۃ العزیزیہ لاہور، بار اول ۱۹۷۶ء صد۱۶۹

۴۳۔ آپ بیتی نمبر ۶ صد۳۷۴۔

۴۴۔ ایضاً صد۹۸۔ ۳۸۸

۴۵۔ ایضاً صد۳۷۶

۴۶۔ ایضاً صد۳۷۷

۴۷۔ ایضاً صد۳۷۷

اقبال، ہوشیارپوری محمد "اکابر کا سلوک واحسان" شاہین ٹریڈنگ کمپنی، کراچی ۱۳۹۶ھ صد۲۱

۴۸۔ زکریا انصاری: شرح الرسالۃ القشیریہ ج ۱، صد۶۹

۴۹۔ شاہ ولی اللہ: تفہیمات الہیہ ، "اکابر کا سلوک واحسان" صد۲۹

۵۰۔ مکاتیب رشیدیہ صد۲۴

۵۱۔ "اکابر کا سلوک واحسان" صد۲۸ بحوالہ تذکرۃ الرشید صد[۱۲]

۵۲۔ ایضاً صد۴۰

۵۳۔ ایضاً صد۴۳، آپ بیتی نمبر۵ صد۵۴

۵۴۔ آپ بیتی نمبر۵ صد۵۵۔

۵۵۔ آپ بیتی نمبر۵ صد۵۶ ، اکابر کا سلوک واحسان صد۵۰

۵۶۔ ندوی، تقی الدین: صحبتے با اولیاء کراچی صد۱۱۳

۵۷۔ آپ بیتی نمبر۵، صد۶۶۶

۵۸۔ صحبتے با اولیا صد۱۱۶

۵۹۔ آپ بیتی نمبر۵ صد۶۶۸

۶۰۔ آپ بیتی نمبر۵ صد۶۷۶

۶۱۔ اقبال احمد ہوشیارپوری "اکابر کا سلوک واحسان" شاہین ٹریڈنگ کمپنی کراچی بلا تاریخ صد۹۳

۶۲۔ آپ بیتی نمبر۶ صد۲۴۴

۶۳۔ اکابر کا سلوک و احسان صد۱۲۱

۶۴۔ ایضاً صد۹۷

۶۵ پندرہ روزہ "یادگار شیخ" سہارنپور شمارہ نمبر۴۴ یکم فروری ۱۹۹۱ء صد

۶۶۔ حیات خلیل صد۳۲۴

۶۷۔ مولانا زکریا اور ان کے خلفاء ج ۲، صد۱۱۲

۶۸۔ ایضاً صد۱۰۵

۶۹۔ مطبوعہ کتابچہ "ابتدائی معمولات برائے متوسلین" ملک سنز فیصل آباد

۷۰۔ رسالہ "اسٹرائیک" صد۲

۷۱۔ مکتوب بنام مولانا عبدالرحیم صاحب ضلع بجنور بحوالہ ولی کامل صد۲۹۷

۷۲۔ ایضاً صد۲۹۸

۷۳۔ ایضاً "

۷۴۔ "ولی کامل" صد۳۰۳

۷۵۔ ایضاً صد۳۰۴

۷۶۔ مکتوب ۵ مئی ۸۱ء بحوالہ سوانح شیخ الحدیث صد۲۱۶

۷۷۔ ایضاً صد۲۶۰

۷۸۔ مولانا زکریا رح یہ مکتوب مولانا یوسف بنوری رح کو ۳۰ نومبر ۷۵ء میں لکھا تھا در مولانا بنوری نے "البینات" کراچی بابت محرم ۹۴ھ میں شائع کیا۔

۷۹۔ آپ بیتی نمبر۷ صد۱۵۶

۸۰۔ ایضاً صہ ۱۶۰

۸۱۔ اقبال محمد صوفی: "مجالس ذکر" عمران اکیڈیمی لاہور بلا تاریخ صہ ۹

۸۲۔ ایضاً صہ ۲۳

۸۳۔ ״

۸۴۔ "مجالس ذکر" صہ ۹

۸۵۔ ״ صہ ۳۶

۸۶۔ "مجالس ذکر" صہ ۳۸

۸۷۔ ایضاً صہ ۳۹

۸۸۔ ״ صہ ۴۱

۸۹۔ ندوی، ابوالحسن ندوی "سوانح شیخ الحدیث" صہ ۱۵۵

۹۰۔ مجالس ذکر صہ ۴۴

۹۱۔ ایضاً صہ ۴۵

۹۲۔ ہفت روزہ "خدام الدین" اشاعت خاص ۱۲ نومبر ۸۲ء صہ ۱۳۳

۹۳۔ اقبال محمد صوفی: "وصال کے بعد . . . " مکتبہ دینیات رائے ونڈ، لاہور صہ ۲۷

۹۴۔ ان خلفاء میں سے باون (۵۲) کے تفصیلی حالات پر مشتمل تالیف "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" الجزء الثانی والثالث "دارالعلوم العربیہ الاسلامیہ" انگلینڈ ۱۴۰۶ھ شائع ہو چکی ہے۔

۹۵۔ مظاہری، تقی الدین: صحبتے با اولیاء، کراچی ۱۹۷۴ء صہ ۱۲

۹۶۔ ایضاً صہ ۳۵

۹۷۔ سوانح شیخ الحدیث صہ ۱۳۰

۹۸۔ ایضاً صد ۱۳۲

۹۹۔ آپ بیتی نمبر ۷ صد ۱۱۵-۱۱۶

۱۰۰۔ ایضاً صد ۶۶

۱۰۱۔ "مولانا محمد زکریا کے معمولات رمضان" المکتبۃ البنوریہ، بنوری ٹاؤن کراچی صد ۹-۹۵

۱۰۲۔ ماہنامہ "بینات" کراچی شمارہ شوال ۱۴۰۰ھ

۱۰۳۔ آپ بیتی نمبر ۲ صد ۵۵

۱۰۴۔ تاریخ مشائخ چشت صد ۱۶۷

۱۰۵۔ زکریا محمد، شریعت وطریقت کا تلازم" دارالاشاعت کراچی ۱۳۹۹ھ باراول صد ۱۸۲-۸۳

۱۰۶۔ ایضاً صد ۳۰-۱۲۸

۱۰۷۔ زکریا محمد 'نسبت واجازت' ملک سنز تاجران کتب فیصل آباد، صد ۱۶

۱۰۸۔ زکریا، محمد 'مکتوبات تصوف' ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، جنوری ۱۹۷۷ء صد ۱۵-۲۲

۱۰۹۔ زکریا، محمد "مطبوعہ پرچہ ابتدائی معلومات برائے متوسلین" صد ۷

۱۱۰۔ ایضاً

۱۱۱۔ زکریا، محمد "الاعتدال فی مراتب الرجال" صد ۱۲۸

۱۱۲۔ ایضاً صد ۴۴

۱۱۳۔ صحبتے با اولیاء صد ۷۹

۱۱۴۔ ایضاً صد ۹۲

۱۱۵۔ ایضاً صد ۱۵۱

باب ہفتم
مقام و مرتبہ
مشائخ و علمائے معاصرین کی نظر میں

اکابر کا نورِ چشم

مولانا محمد زکریاؒ اپنے اکابر علماء کا نورِ چشم اور مشائخ عظام کے منظور نظر تھے۔ انہیں ان کا ہمیشہ اعتماد حاصل رہا انہیں اپنے اکابرین کی انتہائی شفقت اور غایت درجہ محبت بلکہ عقیدت ملی تھی۔ وہ سب ہی آپ کی دلداری فرماتے اور لحاظ کرتے تھے۔

سعادت و مقبولیت اور محبوبیت ہمیشہ آپ کا مقدر رہی نمونہ کے طور پر یہاں اکابر علماء کے ارشادات اور مشائخ عظام کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

مولانا محمد زکریا کی ولادت کی خوشخبری جب ان کے دادا مولانا محمد اسمٰعیل کو ملی تو انہوں نے فرمایا "ہمارا بدل آگیا"۔
مولانا محمد اسمٰعیل وہ بزرگ ہیں جس سے میوات سے دعوتی کام کا آغاز ہوا۔ وہ دینی علوم میں کامل زہد و تقوی اور اتباع سنت کے پیکر تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے طریق سلوک کے حصول کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا۔

"آپ کو اصلاحی تصوف کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کو سلوک کا منتہا احسان کا درجہ حاصل ہے۔"

چنانچہ مولانا محمد زکریا اپنے جد امجد کے اس درجہ نعم البدل ثابت ہوئے کہ سلوک کے اہم اجزا، تجرد عن الخلق یکسوئی اور ریاضت بچپن ہی سے حاصل ہو گئے تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی اس صدی کے مشہور فقیہہ، بے مثال محدث، متقی، متبع سنت علم و عمل کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ زندگی بھر علماء کا تزکیہ نفس اور عوام کی تربیت روحانی میں مصروف رہے۔

مولانا محمد زکریا کے والد مولانا محمد یحییٰ مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد خاص اور نور نظر تھے۔ مولانا یحییٰ نے اپنے مربی و مرشد کے قدموں میں گنگوہ میں مستقل قیام فرمایا تھا۔ مولانا زکریا کی عمر ڈھائی سال کی تھی جب وہ اپنی والدہ کے ہمراہ گنگوہ تشریف لائے اور وہ حضرت گنگوہی کی خصوصی شفقتوں، توجہات اور مقبول دعاؤں کے مورد بن گئے۔ "آپ بیتی" میں حضرت شیخ نے ان شفقتوں کی تفصیل بتائی ہے۔ (۱) صرف ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہے۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہی کی نسبت پورے طور پر حضرت شیخ کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ نیز ایک مرتبہ فرمایا کہ "ان کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں ہماری انتہا ہوئی ہے۔" اس طرح مولانا گنگوہی کی ظاہری و باطنی وراثت شیخ الحدیث کے حصے میں آئی۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی۔ سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

مولانا محمد یحییٰ نے اپنے بیٹے (۲) زکریا کی تعلیم تربیت بڑی محنت لگن اور منفرد طرز پر کی تھی کہ وہ بچپن ہی سے رذائل سے مجتنب اور ایسے فضائل سے مزین ہو گئے تھے، جو مدتوں کی صحبت اور مجاہدہ کے بعد میسر آتے ہیں

مولانا محمد یحییٰ نے خود اس حسنِ تربیت پر اطمینان کا اظہار کیا جس کا تذکرہ شیخ الحدیث نے اس طرح کیا ہے۔

"اور تربیت کے یہ سارے مراحل والد صاحب کے وصال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد گویا نگرانی ختم ہو گئی۔ شاہ عبدالرحیم کا شدید اصرار والد صاحب کے بلاتے پر رہتا تھا۔ ان کے خط کے جواب میں والد صاحب نے تحریر فرمایا کہ اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔"

جب زکریا نے والد کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا تو جواب لکھا۔

"بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے جب تک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو اور اس کے بعد پھر ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ اب میری ضرورت نہیں رہی۔" (۳)

مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مولانا زکریا کے استاد و مرشد روحانی تھے۔ وہ شیخ کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے تھے نیز "عزیزی وقرۃ عینی وقلبی" کے الفاظ سے نوازا۔ وہ بذل المجہود کے مقدمے میں مولانا محمد زکریا کے متعلق لکھتے ہیں۔

"میری اس تصنیف پر بعض دوستوں نے خاص کر میرے عزیز اور میری آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک حاجی حافظ مولانا محمد زکریا بن مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے مدد کی چونکہ میں بدن میں رعشہ اور دماغ اور آنکھوں میں ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے خود لکھنے اور کتابوں کی تلاش پر قادر نہ تھا، میں بولتا رہتا تھا، اور وہ لکھتے رہتے تھے۔ اور مشکل مباحث کو ان کے گمانی مقامات سے تلاش کرتے تھے۔ تو مجھے لکھانے میں سہولت ہو جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے! اور ان کو اس بات کی بہترین جزاء عطا فرمائے کہ انہوں نے خوب محنت کی۔" (۴)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی توجہات شروع ہی سے مولانا محمد زکریا کی طرف مبذول تھیں۔ شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ

"میں نے ایک مرتبہ بہت خلق کے ساتھ حضرت تھانوی سے عرض کیا کہ لوگ تو بہت دور دور سے حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کر بھی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا میرے حکیم الامت نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لئے مرنے تک کے لئے کافی ہے۔ حضرت نے فرمایا، مولوی صاحب! اس کا بالکل فکر نہ کیجئے آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں ظہر سے عصر تک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں، میں آپ کو بار بار دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے۔" (۵)

مولانا زکریا کے وصال سے تقریباً پچاس سال بیشتر نومبر ۱۹۳۲ء میں مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے مشائخ بیعت کے بارے میں حضرت تھانوی سے استفسار کیا۔ تو حضرت نے ۹ نام تحریر کئے ان میں سے چوتھا نام محمد زکریا کا تھا۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس مولانا محمد زکریا کے چچا تھے۔ ان کی زکریا پر شفقتیں بے بہا تھیں۔ ان کے باوجود ان کے نزدیک مولانا زکریا کا مقام بڑا بلند تھا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں ان القابات سے خطاب کرتے ہیں۔

"گرامی قدر، عزیز محترم، منبع الاخلاق والشیم، محمل جود و کرم، مخزن، فضل و علم۔ مولانا الشیخ الحافظ الحاج شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔"

مولانا محمد زکریا نے مولانا محمد الیاس کی فرمائش پر تبلیغی نصاب تحریر کیا تو فرمایا۔

"اللہ کو منظور ہوا اور جیسے آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو انشاء اللہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گی۔" (۶)

مولانا حسین احمد مدنی کو مولانا زکریا سے محبت نہیں عشق تھا۔ جب کبھی لمبے سفر پر ہوتے تو تار کے ذریعے اطلاع دیتے رہتے اور واپسی شیخ سے ضرور ملتے بعض دفعہ لمبے سفر، دن رات کی محنت، انگریزوں سے جہاد، مسلمانوں کی نگہبانی اور اصلاح اُمت کی خاطر کئی راتوں کا جاگنا ہوتا اور خالص سونے اور آرام کرنے کے لئے شیخ کے گھر کا رخ کیا جاتا۔ اور آرام فرما کر پھر منزل کی طرف روانہ ہو جاتے۔ مولانا مدنی رمضان المبارک میں باوجود مشاغل کے ایک دو کارڈ ضرور لکھ دیا کرتے تھے۔ ان میں دعا کی درخواست کے طور پر یہ شعر تحریر فرماتے تھے۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند ۔۔۔ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ایک ماہ مبارک میں یہ شعر لکھا۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی ۔۔۔ اے ابرِ کرم بر سنا کچھ تو ادھر بھی

ایک دفعہ مولانا زکریا رحمۃ کو بخار ہوا۔ پتہ چلتے ہی مولانا مدنی سہارنپور آئے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی یہ شعر پڑھا:

تمالَلتَ كَیْ اشجی وما بكِ عِلَّةٌ
تریدین قتلی ۔ فقد ظفرتِ بذالكَ

مولانا زکریا نے بے ساختہ جواباً پڑھا۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق ۔۔۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔

مولانا عبدالرحیم رائے پوری کا تعلق مولانا محمد زکریا سے نہایت درجہ محبت اور شفقت کا تھا۔ اور یہ تعلق دیرینہ بچپن سے ہی تھا۔ مولانا زکریا کے والد کے انتقال پر جب ان کو مدرسہ میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس مقرر کیا گیا تو مولانا رائے پوری نے مدرسہ میں سفارش کی کہ پندرہ روپے تنخواہ کم ہے۔ کم از کم پچیس روپے ہونا چاہئیں۔ اور دوسری جانب مولانا زکریا سے فرمایا۔

"مدرسہ کی تنخواہ خطرہ کی چیز ہے جب اللہ توفیق دے چھوڑ دیجیو۔" (۷)

چنانچہ مولانا رائے پوری کی شفقت کا اثر تھا کہ اللہ نے نہ صرف تنخواہ چھوڑنے کی بلکہ وصول کردہ تنخواہیں بھی واپس کرنے کی توفیق دی۔ (۸)

ایک مرتبہ مولانا محمد زکریا نے خواب دیکھا کہ والد صاحب نے تین کتابیں، کافیہ، شافیہ اور مقامات دیے۔ مولانا رائے پوری نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ "معیشتہ کافیہ حالۃ شافیہ ومقامات سلوک والوصول" تینوں بشارتیں حق تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں کردی ہیں۔ جو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہونگی۔ (۹)

مولانا عبدالقادر رائے پوری مولانا زکریا سے عمر میں کافی بڑے تھے۔ ان کی ظاہری علمی و باطنی ترقی کے سب مراحل مولانا رائے پوری کے سامنے ہی گزرے لیکن شیخ الحدیث کی خداداد صلاحیتوں، فطری جواہر اور علو استعداد کی بنا پر حضرت رائے پوری کا حضرت شیخ سے تعلق صرف انس و محبت ہی کا نہ تھا۔ بلکہ نہایت درجہ احترام و عقیدت کا تھا۔ اور بڑے بلند کلمات ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا :-

"حضرت گنگوہی کی نسبت حضرت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔"

اکثر فرماتے :- "ان چچا بھتیجا کے حالات بھی عجیب ہیں جہاں ان کی ابتدا ہوتی ہے وہاں ہماری انتہا ہوتی ہے۔"

کبھی حضرت شیخ کے خدام سے کہتے کہ

"شیخ الحدیث میرے شیخ ہیں۔" (۱۰)

مفتی کفایت اللہ کے ہاں مولانا زکریا کی بڑی وقعت تھی۔ دونوں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے اکثر مجلس شوریٰ میں نوبت آئی کہ جب مولانا زکریا کی رائے کسی مسئلہ میں مفتی صاحب کے خلاف ہوئی۔ انہوں نے زکریا کی رائے خوشی سے قبول کرلی یا بڑی فراخدلی سے یہ لکھ دیتے تھے کہ بعض مخلص اہل علم کی رائے یہ ہے۔ وقف بل کے مشورے میں بھی اختلافی نوٹ زکریا کی رائے کے ساتھ بغیر نام چھپا ہوا ہے۔ (۱۱)

اسی طرح مولانا حفظ الرحمان کا معمول تھا کہ وہ بسا اوقات اپنے سیاسی رجحانات کی مخالفت کے باوجود دارالعلوم کے مسائل میں مولانا زکریا کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ مولانا زکریا مدارس عربیہ میں بندی

اور انگریزی کی تعلیم کے ہمیشہ مخالف تھے ایک دفعہ ایک صاحب نے ضروریات زمانہ سے متاثر ہو کر بڑی شدت سے دارالعلوم کے نصاب میں ہندی داخل کرنے کی تحریک کی۔ مولانا زکریا نے مخالفت کی مولانا حفظ الرحمٰن بھی موجود تھے۔ انہوں نے زکریا رح کی تائید میں زوردار تقریر کی اور کہا۔

"سب کو معلوم ہے کہ میں ہندی کا کتنا حامی ہوں مگر میں دارالعلوم کی چاردیواری میں شیخ الحدیث کے ساتھ ہوں یقیناً اس کو اسلاف کی طرز پر جتنا زیادہ ممکن ہو رکھنا چاہیے۔ (۱۲)

مولانا محمد زکریا نے رسالہ فضائل قرآن اور فضائل درود حضرت شاہ یسین نگینوی کے تعمیل ارشاد میں لکھے شاہ صاحب مولانا زکریا پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ انتقال کے وقت اپنے اجل خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کو بڑی تاکید فرمائی کہ

"میرے بعد زکریا رح سے تعلق رکھیں۔" (۱۳)

معاصرین کا محبوب

عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ "المعاصرة اصل المنافرة"
یعنی ہم عصری اعتراف فضیلت میں مانع ہے ___
ہم عصری فطری طور پر رقابت پیدا کرتی ہے۔ اور
ہم عصر علماء باہمی فضیلت کے اعتراف میں بُخل سے
کام لیتے ہیں۔

لیکن مولانا محمد زکریا کی ذات گرامی اس اصول
سے مستثنیٰ ہے۔ وہ معاصر علماء کے بھی محبوب اور منظور نظر
تھے جیسا کہ اگلے صفحات میں معاصر علماء کے تاثرات سے
عیاں ہے ___

تاثرات

اپنے وقت کے جید عالم، مفسر اور عارف کامل مولانا احمد علی لاہوری نے مولانا محمد زکریا کے متعلق فرمایا۔

"حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری کے بعد بس شیخ الحدیث صاحب ہی ہونگے۔ انہی کا دور دورہ ہوگا"۔ (۱۴)

مولانا مناظر احسن گیلانی :۔

معروف محقق اور محدث مولانا مناظر احسن گیلانی باوجود اپنے علم وفضل کے مولانا زکریا کی مولفات سے استفادہ کرتے تھے، خود مولانا محمد زکریا کا بیان ہے کہ "مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا اور ان کے علمی وتالیفی حالات بھی معلوم ہوتے رہے۔

وہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے، ایک مرتبہ مولانا عبداللطیف سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم کا میرے پاس آدمی پہنچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا۔ فوراً حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ ومعانقہ کیا اور فرمایا کہ

"آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا۔ اس لیے کہ میری جسمانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہی ہے۔ جب سے لامع الداری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے اس سے استفادہ کرتا ہوں گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب طالبعلموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ (۱۵)

جمعیت اسلام کے سابق صدر مولانا مفتی محمود مولانا زکریا کے علم وفضل کے علاوہ ان کے حافظہ کے بھی بڑے مداح تھے چنانچہ ۱۹۷۵ء کا واقعہ ہے کہ انہوں نے مولانا محمد زکریا سے رائے ونڈ میں ملاقات کی۔ مفتی صاحب نے ۹ ماہ قبل چند احادیث کے رفع اشکال کے متعلق خط لکھا تھا۔ چنانچہ اس ملاقات میں مولانا زکریا نے مفتی صاحب کا سوال دہرایا اور جو احادیث رفع اشکال کے لیے تحریر فرمائی تھیں سب کی

قرأت فرمائی یوں معلوم ہوتا تھا کہ کتاب سامنے موجود ہے۔

مفتی صاحب سارے راستہ واپسی پر فرماتے رہے۔

"کمال حافظہ ہے اور کمال علم ہے۔ ہمیں کل کی بات یاد نہیں رہتی حضرت نے **بغیر** ہمارے عرض کئے ۹ ماہ پہلے کی باتیں اسطرح بیان فرمائیں جیسے ابھی ایک گھنٹہ پہلے گفتگو ہوئی ہو۔ (۱۶)

مولانا محمد زکریا کی وفات پر مولانا حمید الرحمن عباسی لاہور نے انہیں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

"حضرت مولانا زکریا نے جو دینی خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ کسی خاص علاقے یا طبقے تک محدود نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور جنوب سے لیکر شمال تک کوئی ملک ایسا نہیں جہاں آپ کی خدمات کا شہرہ نہ ہو۔ لاکھوں علماء اولیاء وکلاء، دانشور، جج، ڈاکٹر، پروفیسر زہد و ہدایت کے اعتبار سے آج کے اس دور میں آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا زکریا اس دور کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے صحیح مصداق ہیں۔

مَوتُ الْعَالِمِ مَوتُ الْعَالَمِ

آپ کی وفات سے وہ فیض یقیناً رک گیا ہے اور ایک ایسا خلا پیدا ہو چکا ہے جس کا پر کرنا مشکل ہے۔ (۱۷)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ایم اے فاضل دیوبند، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے سابق پرنسپل اور ماہنامہ برہان دہلی کے ایڈیٹر نے مولانا زکریا سے اس طرح اظہار عقیدت کیا ہے:

"اس دور میں حضرت شیخ الحدیث کی ذات گرامی آیة من آیات اللہ اور ایک حجت ربانی تھی۔ جتنا باطنی و روحانی فیض اس زمانہ میں آپ سے پہنچا کسی سے نہیں پہنچا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی طرح عجیب دلآویز و دلکش شخصیت تھی۔ دکھ اور درد کے مارے لوگ آتے اور آپ کو دیکھتے ہی سارے غم بھول جاتے اور تسلی و تشفی پاتے تھے۔ آپ پر نظر پڑتے ہی خدا یاد آتا اور عشق و محبت نبوی کی لہریں دل میں دوڑنے لگتی تھیں۔" (۱۸)

مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور پاکستان نے مولانا زکریا اور ان کے تبلیغی نصاب کے متعلق اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

"تبلیغی نصاب کی صورت میں دینی لٹریچر حضرت شیخ الحدیث کے قلم فیض رقم ہی نے عطا کیا۔ وہ اردو زبان کے علمی اور دینی سرمائے میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ یہی تبلیغی نصاب تحریک تبلیغ کے ہر سپاہی کے ہتھیار ہیں انہی کتب سے وہ اپنی گفتگو کو موثر بنانے کے لئے دلائل اخذ کرتا ہے اور انہی کتابوں سے تبلیغی اقتباسات پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔"

"حضرت شیخ الحدیث انہی اہل حل واہل تبلیغ کے سرخیل تھے۔ وہ آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی دکھائی ہوئی راہ اور ان کی تعلیمات موجود ہیں۔ ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کی راہ پر مضبوطی سے گامزن ہو جائیں۔ اور ان کی تعلیمات کو سینے سے لگا کر جادۂ حیات کی مسافت طے کریں۔" (۱۹)

مولانا محمد تقی عثمانی جج وفاقی شرعی عدالت پاکستان اور فاضل مدیر "البلاغ" کراچی رقم طراز ہیں۔

"حضرت شیخ الحدیث صاحب ہمارے عہد کی ان یگانہ ہستیوں میں سے تھے جن کا نفس وجود ہی امت کے لئے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی دور میں فیض رسانی کیلئے منتخب اور موافق فرما لیتے ہیں۔ بر صغیر کے علماء میں ان کی ذات اس وقت ایسی تھی کہ مختلف نقطہ نائے نظر کے لوگ بھی ان کے علم و فضل تقدس و تقویٰ جہد و خدمت اور ملت کے درد کے معترف تھے۔ ان کی شخصیت مشکلات میں بڑے بڑے علماء کی مرجع بنی ہوئی تھی جو ایسے گھنے اور سایہ دار درخت کی سی تھی جس کی چھاؤں میں امت کے تمام افراد خصوصاً اہل علم و دین کو آغوش مادر کا سکون و سرور میسر آتا تھا۔ آج پوری علمی و دینی برادری اس عظیم سائے سے محروم ہو گئی اور ملت کا یہ سہارا چھن گیا۔" (۲۰)

مجاہد ختم نبوت مولانا تاج محمود نے شیخ الحدیث کے سانحہ ارتحال پر اس طرح اپنے الم ارنج کا اظہار کیا ہے۔

"حضرت شیخ الحدیث کی وفات سے نہ صرف تبلیغی جماعت اپنے عظیم سرپرست سے محروم ہو گئی بلکہ ہمارے پورے ملک کو ایک بڑا دھچکا لگا ان کی وفات اس قحط الرجال کے دور میں اتنا بڑا سانحہ ہے کہ جس کے زخم سالوں میں بھی مندمل نہیں ہو سکتے۔" (۲۱)

مشہور عالم دین اور ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کے سابق ایڈیٹر مولانا مجاہد الحسینی لکھتے ہیں۔

"مولانا زکریا رح قافلہ ولی اللہی اور کاروان علماء حق کے بزرگ ترین راہنما اور مربی تھے اور انہیں عوام کے علاوہ خواص اور اکابر علماء کے علمی و روحانی ملجا و ماویٰ کی حیثیت حاصل تھی۔ اکابر و اصاغران کی دعاؤں کو اپنے لئے سعادت اور نجات کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے یہ تمنا کرتے کہ حضرت شیخ کے ہاتھ ان کے سر پر ہو۔ الغرض دعوت و تبلیغ سے دلچسپی اور تعلق رکھنے والے دینی علمی اور روحانی حلقوں کے دلوں کا بادشاہ دنیا سے اٹھ گیا۔ (۲۲)

خلیفہ مجاز اور مدیر ماہنامہ بینات کراچی مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں۔

"حضرت شیخ الحدیث کے زہد و تقویٰ خشیت و انابت، عزیمت و توکل، ایثار و قربانی جود و سخا، وسعت ظرف و علو ہمت، محبت و محبوبیت وغیرہ اوصاف و کمالات جن تک ہم ایسے کوتاہ بینوں کی نظر پہنچ سکتی ہے وہ بھی اس قدر ہیں کہ ان کی تفصیل کیلئے ایک دفتر چاہیے اور بہت سے کمالات تو ہم الیوں کی فکری پرواز سے بھی بالاتر ہیں۔" (۲۳)

خلیفہ مجاز صوفی محمد اقبال کہتے ہیں کہ

"حضرت شیخ کے نزدیک تمام خرابیوں کا باعث اخلاص اور تعلق باللہ کی کمی ہے اور اس کے حصول کا واحد علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔" (۲۴)

مولانا شاہ ابرار الحق خلیفہ اجل مولانا اشرف علی تھانوی ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ الحدیث محبت اور الفت کے آدمی تھے آپ کا تمام اکابرین سے یکساں تعلق، آپ کی علو مرتبت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ میرے نزدیک حضرت شیخ الحدیث محبت کا ذوق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح بلند مرتبہ عطا کیا اتنی ہی تواضع عطا فرمائی تھی بحیثیت استاد، مصلح اور مبلغ آپ کی نظر بہت وسیع تھی اتباع سنت اور خدمت حدیث آپ کا لازمہ زندگی تھی........
تبلیغ سے وہ اہم شعبے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس میں سے پہلے شعبے پر تو خوب کام ہو رہا ہے لیکن دوسرے شعبے کی طرف توجہ نہیں ہے، اور یہ کام مسلمانوں نے کافی حد تک ختم کر دیا ہے۔
حضرت شیخ الحدیث نے بھی اس بات پر زور دیا ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ منکرات کو روکنے کیلئے امت کی طرف سے اجتماعی کام نہ ہونے کی بنا پر ہمارا زندہ رہنا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نے دین کے تمام شعبوں کی خوب سرپرستی فرمائی۔ (۲۵)

جناب وسیم غزالی رسالہ اقرار ڈائجسٹ کے نائب مدیر لکھتے ہیں۔

"شیخ الحدیث کی تعلیمات ہم سب کیلئے مشعل راہ ہیں ہم عزم کرتے ہیں کہ حضرت شیخ کی تعلیمات کو عام کریں گے عمل کرینگے کیونکہ اس میں ہماری کامیابی مضمر ہے" (۲۶)

مولانا مسعود شمیم اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

"اگر حضرت شیخ کی پوری زندگی کے حالات کو دیکھا جائے تو وہ انشاء اللہ ہر طرح فضیلت وعظمت کے حقیقی معیار پہ نظر آئیں گے۔ (۲۷)

مشہور صحافی جناب مقبول جہانگیر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

"شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی زندگی اپنے علمی انہاک، خدمت خلق، یکسوئی اور شدید مصروفیت کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی یادگار تھی، جن کا ایک ایک لمحہ خدمت وعبادت اور علم کی نشر و اشاعت کیلئے وقف تھا اور جن کے کارنامے

دیکھ کر ان کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی بلند ہمتی اور جامعیت کے سامنے آدمی حیرت کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ (۲۸)

مشہور عالم حدیث مولانا بدر عالم میرٹھی نے حضرت شیخ کی سلوک و عرفان کی منازل میں ترقی دیکھ کر فرمایا تھا کہ

"اب حضرت شیخ پر رحمت خداوندی برستی نہیں بلکہ انڈیلی جا رہی ہے۔" (۲۹)

مولانا محمد یوسف بنوری نے لامع الدراری کے مقدمہ میں شیخ الحدیث کے متعلق لکھا ہے۔

"صفوة هذا العصر وغرة هذا الدهر"

مولانا محمد شمیم ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ مولانا محمد زکریا کے سانحہ ارتحال کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"حضرت شیخ کی وفات اپنے اندر درحقیقت پوری ملت اسلامیہ کا معنوی سانحہ لئے ہوئے ہے کہ امت ایک ایسی بابرکت ہستی سے محروم ہو گئی جو سراسر رحمت الہٰی کا مظہر تھی۔ نگاہیں اب اس وجود کو نہیں دیکھ سکیں گی جن کی زیارت سے ان کو نور و سرور ملتا تھا۔ اور کبھی دعاؤں کی نعمت حاصل ہوتی تھی۔ ملت اسلامیہ کے لاکھوں افراد اس شفیق باپ کے دست شفقت سے محروم ہو گئے۔ جوان کو اپنے سینے سے لگانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جس کا وجود آن کے لئے سراسر باعث طمانیت تھا۔

برصغیر میں بلا امتیاز و تفریق حضرت شیخ الحدیث کے عظیم و متفق علیہ علمی، دینی روحانی مقام کے متعلق تعارفی الفاظ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے اس دور میں ایسی جامع کمالات شخصیت کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ان کی جلیل القدر اور مہتم بالشان تصانیف میں تبلیغی سلسلہ کی کتب فضائل بلاشبہ لاکھوں کی تعداد میں ہزاروں گھروں میں پہنچیں اور حیران و پریشان دلوں کیلئے ہدایت اور ایمان کی دولت حاصل ہونے کا ذریعہ نہیں حقیقی عظمت کیا ہے؟ مبالغہ

اور تعصب سے بلند ہو کر صداقت اور احتیاط کے ساتھ اگر حضرت شیخ کی پوری زندگی کے حالات کو دیکھا جائے تو وہ ماشاء اللہ ہر طرح فضیلت اور عظمت کے حقیقی معیار پر نظر آئیں گے۔ (۳۰)

مولانا محمد منظور نعمانی معروف عالم دین اور ماہنامہ "الفرقان" کے ایڈیٹر نے مولانا محمد زکریا رح کی رحلت پر شیخ الحدیث نمبر نکالا جس میں وہ لکھتے ہیں۔

"وہ ہمارے اکابر و اسلاف کی صف کی آخری شخصیت مولانا محمد زکریا مرحوم کی تھیں اس نادرۂ روزگار عظیم و مقبول شخصیت کی پوری جھلک، ان کی خود نوشت سوانح عمری آپ بیتی میں دیکھی جا سکتی ہے جس کے مطالعہ سے عام قاری میں بھی حضرت شیخ رح کے اعمال و اخلاق اور صفات حسنہ کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔" (۳۱)

مولانا محمد انوری فیصل آباد:۔

خلیفہ مجاز مولانا عبدالقادر رائے پوری فرماتے ہیں۔

"مولانا محمد زکریا محدث مظاہر علوم سہارنپور بڑے بزرگ اور بڑے عالم با عمل، صاحب فضل و کمال تھے۔" (۳۲)

مولانا عبدالحق، مہتمم دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک۔

"مولانا محمد زکریاؒ ایک عظیم محدث فقیہہ اور اپنے وقت کے استاذ الکل تھے ان کی محدثانہ خدمات تو علمی دنیا پر اپنا سکہ قائم کر چکی ہیں۔ وہ عظیم تدریسی اور تصنیفی مشاغل کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کی اصلاح و انقلاب کے لئے اتنا کام کر گئے جو منظم جماعتیں بھی نہیں کر سکتیں۔ ان کا علمی و روحانی ترقیوں کی رفتار اور قرب الٰہی کی منزلیں جس برق رفتاری سے طے ہو رہی تھیں۔ شاید کہ صدیوں میں کہیں اس کی نظیر ملے۔" (۳۲)

مولانا فقیر محمد خلیفہ مولانا محمد اشرف علی تھانوی۔ مہتمم خانقاہ امدادیہ لنڈی ارباب پشاور۔

"حضرت شیخ الحدیث کا بڑا کمال یہ تھا کہ آپ نے ہر کام اعتدال سے فرمایا۔ آپ کے کسی کام میں افراط و تفریط کا پہلو نہیں تھا۔ ایک طرف آپ مسند حدیث پر رونق افروز تھے تو دوسری طرف آپ کی خانقاہ، اللہ اللہ کی صداؤں سے گونجتی تھی، تو تیسری طرف اطراف عالم میں مبلغین کی نگرانی بھی آپ نے اپنے کندھوں پر لے رکھی تھی۔ آپ بیک وقت مدارس، خانقاہوں اور تبلیغی کاموں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ جس سے آپ کے کمال کا اظہار ہوتا ہے۔" (۳۳)

صوفی عبدالحمید میواتی ــ مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

"حضرت شیخ الحدیث ان خوش قسمت اور سعادت مند انسانوں میں سے تھے جنہوں نے سلف صالحین کی نیابت کرتے ہوئے تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی اور اصلاحی کاموں میں بھرپور حصہ لیا اور دینی روحانی ترقیات کے مدارج علیا طے کرتے رہے۔ بالآخر رحمۃ للعالمین صاحب قرآن وحدیث کی ذات اقدس کی محبت کی کشش نے اپنی طرف کھینچ لیا اور شیخ الحدیث بھی اپنے شیخ کے ساتھ آغوش رحمت میں ہمیشہ کے لئے مقیم ہو گئے۔" (۳۴)

مولانا محمد سرفراز خان ۔ مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم ۔ گوجرانوالہ

"حضرت شیخ الحدیث اس دور میں علم و عمل اور تقویٰ و ورع میں حضرات اسلاف کا نمونہ تھے ان کی انکساری تواضع، کم گوئی، سادگی اسلام دوستی، خلوص و محبت اور علم حدیث و فقہ میں تحقیق و تدقیق اور اختلافی مسائل میں اعتدال پسندی وغیرہ اوصاف ان کی شخصیت کو خوب اجاگر کرتے ہیں۔ اور ان کی کتب علماء کے لئے مشعل ہدایت ہیں۔" (۳۵)

مفتی عبدالستار ۔ مفتی جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان

"آستانہ شیخ تمام اہل حق کے لئے ایک مشترک مہمان خانہ اور مطلع فیض رہا ہے جس سے سب ہی اہل حق مستفید ہوتے اور علمی و روحانی فیض حاصل کرتے۔ ان میں کوئی سیاسی اختلاف مانع بنتا تھا نہ مشربی ۔ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے اس وسیع المشربی کی نظیر اگر نایاب نہیں تو کمیاب یقیناً ہیں۔ رائے پوری و مدنی دیوبندی و مظاہری ندوی، علیگڑھی، تبلیغی و اہل مدارس وغیرہ سب کے لئے آپ کی حیثیت مقتدا اور رہنما کی تھی۔" (۳۶)

حاجی محمد عثمان ۔ مدرسہ محمدیہ ۔ کورنگی کراچی۔

"شیخ الحدیث اولیاء و مشائخ میں بہت بلند مقام رکھتے تھے علم و تقویٰ میں استاد کا مرتبہ بہت کم لوگوں کو عطا ہوا ہے۔ دعوت و ارشاد اور علم کی اشاعت میں حضرت شیخ الحدیث نے جو کارنامہ انجام فرمائے وہ رہتی دنیا تک تاریخ میں سنہری ابواب کی طرح چمکتے رہیں گے حضرت شیخ الحدیث کی سب سے زیادہ جس بات نے مجھے متاثر کیا وہ آپ کی تواضع اور اخلاص اور تعلق مع اللہ تھا۔" (۳۷)

مولانا عبدالمجید ۔ مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم ۔ شاہی بازار ۔ سکھر۔

"تبلیغی نصاب آپ کا وہ کارنامہ ہے جس نے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا جس کے ذریعہ

ہر عوام و خواص نے آپ سے تعارف حاصل کیا تبلیغی جماعت کی آپ ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔ آخر عمر میں آپ کی شدید خواہش تھی کہ خانقاہی نظام دوبارہ زندہ ہو، ذکر کی مجالس و محافل منعقد ہوں۔ اس کے لئے آپ نے اسفار بھی کئے۔ حضرت شیخ کی خدمات تو اس قدر بے شمار ہیں کہ احاطہ بیان سے باہر، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے آمین۔" (۳۸)

مولانا محمد عبدالرزاق خان۔ لیکچرار گورنمنٹ کالج تھوراڑ۔ آزاد کشمیر:۔

"میرا مدینہ منورہ میں چار سال کے لگ بھگ قیام رہا۔ اس دوران حضرت کی صحبت میں بیٹھے اور مجلس ذکر میں شرکت کا موقع ملتا رہا۔ میں نے اس سارے عرصہ میں آپ سے کوئی کام خلاف سنت سرزد ہوتے نہیں دیکھا۔ یوں تو آپ کے پاس دنیا بھر کے لوگ آتے تھے مگر کبھی کسی عورت کو بے پردہ آپ کے سامنے آتے نہیں دیکھا۔" (۳۹)

حافظ محمد عبدالقدوس قاسمی۔ پشاور:۔

"مولانا محمد زکریاؒ اکابر کے محب بھی تھے اور محبوب بھی اور اس کا راز معلوم کرنا ہو تو حضرت کی "آپ بیتی" اور کتاب "الاعتدال فی مراتب الرجال" کا مطالعہ ضرور کیا جائے کہ ان کی تربیت کی پاکیزگی، ان کے ہمہ تن اخلاص اور ان کے ہمہ تن خدمت کی برکت سے وہ اس مقام پر فائز ہوئے تھے۔ (۴۰)

مولانا اشرف علی قریشی۔ مدیر صدائے اسلام۔ پشاور

"مولانا محمد زکریاؒ سے آخری ملاقات وفات سے چند مہینے پہلے مدینہ منورہ میں ہوئی تو مولانا محترم نے دوران گفتگو فرمایا۔ بس اب کوئی تمنا دل میں باقی نہیں ایک ہی آرزو ہے کہ جنت البقیع میں جگہ مل جائے آپ کے یہ الفاظ اتنے درد و عشق سے لبریز تھے کہ میرے بدن میں کپکپی طاری ہو گئی میں نے حضرت شیخ الحدیث کے چہرے سے یوں محسوس کیا کہ گویا وہ دارالعلوم دیوبند کے

بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ کے ان اشعار کی عملی تصویر ہیں۔

امیدیں ہیں لاکھوں لیکن بڑی امید ہے یہ　　　کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو پھروں ساتھ سگانِ حرم کے تیرے　　　مروں تو کھا جائیں مجھ کو مدینہ کے مور و مار　(۴۱)

مولانا زاہد الراشدی ۔ ناظم جمعیت علمائے اسلام ۔ پاکستان

”حضرت شیخ الحدیث کی تحریرات میں سب سے زیادہ استفادہ ان کی خود نوشت سوانح سے کیا ہے اور انکے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ اس کو سمجھتا ہوں کہ انہوں نے تبلیغی جماعت جیسی عظیم اور بے مثال تحریک کی نظریاتی راہنمائی فرمائی اور عمومی دعوت کے تقاضوں کو دینی علوم کی تعلیم و تدریس کی ضروریات سے ہم آہنگ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔“　(۴۲)

مولانا حافظ محمد حسن جان ۔ شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم پشاور :۔

”مولانا زکریا رحؒ کی تصانیف خصوصاً اردو تصانیف میں کوئی بے اعتدالی یا جذباتی بات نہیں جب تک دنیائے اسلام میں درس حدیث شریف اور سلسلہ دعوت و تبلیغ اور طریقہ رشد و ہدایت جاری ہے تو حضرت شیخ الحدیث کا نام اور تذکرہ بھی جاری رہے گا۔“　(۴۳)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی :۔

”ایک دفعہ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پور جا رہے تھے لیکن مولانا محمد زکریا رحؒ کے صرف مصافحہ کیا اور یوں فرمایا: ”رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں اس کا جواب سوچ رکھیں واپسی میں جواب لونگا ۔۔۔۔ یہ تصوف کیا بلا ہے؟“ مولانا محمد زکریا رحؒ نے فوراً جواب دیا ”صرف تصحیح نیت، اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتدا **انما الاعمال بالنیات** سے ہوتی ہے اور انتہا ”أن تعبد اللّٰہ کانک تراہ“ یہ جواب پر رئیس الاحرار ششدر رہ گئے کیونکہ وہ ذہن میں طول طویل بحث سوچ آئے تھے لیکن مولانا کے فوری مسکت جواب پر حیران رہ گئے۔　(۴۴)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری:۔

"سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح جب پہلی مرتبہ مولانا محمد زکریا رح کے یہاں مہمان ہوئے تو
کچے گھر میں مع سامان تشریف لاکر وہاں پڑے ہوئے موٹے پر بیٹھ گئے تو مکان کو اوپر نیچے
دیکھ کر اپنی طریقہ عادت کے مطابق مکان کی تعریف شروع کر دی فرمایا کہ
اس کو دیکھ کر نانا ابا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکان کی یاد تازہ ہو گئی۔ اور حضرت شیخ
سے فرمایا کہ ... حضرت کیا عرض کروں کتنی مسرت اس مکان کو دیکھ کر ہوئی اسلاف کا دور
آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔" (۴۵)

مولانا عبدالرشید ارشد۔ مدیر ماہنامہ "الرشید" ساہیوال

"کوئی مانے نہ مانے تبلیغی جماعت کے پوری دنیا میں اثر و نفوذ میں حضرت شیخ کی توجہ
ہمت اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ تبلیغی نصاب کا بڑا حصہ ہے اور اس کے ساتھ اپنی انتہائی نقاہت
اور ضعف جسمانی کے باوجود احسانی قوت کے سہارے دنیا میں جہاں جہاں جا سکے تشریف لے گئے۔ (۴۶)

معروف شاعر احسان دانش:۔

مولانا زکریا کے اسلوب نگارش کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"مولانا زکریا رح کاندھلوی کی تحریروں میں ایسا سلجھاؤ ہے کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی مستفید
ہو سکتا ہے اور یہی تحریروں کی خوبی ہے یہ خوبی صرف تحریر میں نہیں، تقریر میں بھی کامیاب رہتی
ہے اور اپنے مقرر اپنے دل کی بات کو عوام میں سینوں میں انڈیل دیتا ہے۔ علمی گفتگو اور منطق
الفاظ تبلیغ دین کے سلسلہ میں کند ہتھیار قرار پاتے ہیں۔ مولانا کا طرز تحریر قابل تقلید ہے۔" (۴۷)

قاری سعید الرحمن۔ مہتمم جامعہ اسلامیہ۔ راولپنڈی:۔

"حضرت شیخ الحدیث بہت خوبصورت تھے اور لباس پہننے میں بھی بہت ہی باذوق تھے۔

اللہ تعالیٰ نے وجاہت اور نورانیت بہت زیادہ عطا کی تھی میری نگاہوں میں اب بھی بچپن ۔۔
ذہن میں نقش شدہ منظر گھومتا ہے ـــ بارہا میں نے بچپن میں دیکھا کہ حضرت اپنی تصانیف
کے مسودات قبلہ والد صاحب (مولانا عبد الرحمٰن کاملپوری) کو دکھایا کرتے کیونکہ حضرت شیخ الحدیث
بہت محتاط طبیعت کے مالک تھے ان مسودات پر دونوں بزرگ نظر ثانی فرماتے۔۔ (۴۸)

مولانا فیض محمد مہتمم جامع العلوم ملتان :۔

"مولانا زکریا رحؒ تمام اکابر دیوبند کی مانند جامع کمالات تھے۔ وراثت نبوت کے تمام
شعبوں اور کوششوں پر محیط تھے۔ عنفوان شباب سے ہی تلاوت آیات تعلیم کتاب و سنت
کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس واصلاح قلوب کا آپ کے یہاں پورا اہتمام رہا ہے گویا حضرت
کی شخصیت ایک امت و جماعت تھی جو بیک وقت تمام شعبوں میں رواں متنوع دینی خدمات
سرانجام دے رہی ہیں۔ ملت محمدیہ کے ساتھ ملت ابراہیمیہ کی نسبت سے آپ
إنّ ابراہیم کان امۃ کی لائن میں اپنے مقام پر کھڑے تھے۔ ولقد صدق القائل

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحدہ

۴۹

مفتی محمد انور شاہ :۔ ناظم وفاق المدارس العربیۃ۔ پاکستان :

"حضرت شیخ الحدیث کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایسا ہے کہ اس سے تمام دنیا متاثر
ہے لیکن آپ کی سوانح حیات آپ بیتی نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا کہ اتنے بڑے درجہ
پر پہنچنے کے باوجود اپنی کوئی بات نہیں چھپائی اتنی تواضع بہت کم بزرگوں میں دیکھی ہے تبلیغی
نصاب کی قبولیت عامہ تو کسی سے مخفی نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت شیخ کے نقش قدم پر
چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (۵۰)

حافظ عبد الواحد ۔ معتمد خصوصی عالمی مجلس ختم نبوت پاکستان ملتان

"مولانا محمد زکریاؒ لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد کا حقیقی مصداق تھے محفل ذکر اور مراقبات صحبت کاہی سے گمان گزرتا کہ یہ خانقاہ ہے، عام محفل سے یہ تصور ہوتا کہ جامع العلوم والفنون کا دارالافتاء یکدم دوسری محفل یہ کہنے پر مجبور کرتی کہ یہ دارالتالیف التصنیف ہے اور مولانا سعید احمد خان جیسے حضرات آتے تو سراپا دار التبلیغ، پوری دنیا میں اشاعتِ اسلام کے پروگرام بنائے جاتے۔

یہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں۔" (۵۱)

<u>محمد فاروق قریشی</u> :-

سابق معاون مدیر ترجمان اسلام لاہور

"حضرت شیخ الحدیث ہمارے اسلاف میں متفق علیہ شخصیت تھے اس سلسلے میں حضرت شیخ نے "الاعتدال فی مراتب الرجال" بھی مرتب فرمائی اور تمام متعلقین کو یہی نصیحت فرماتے تھے کہ بزرگوں کا ہر لمحہ احترام ضروری ہے اور بزرگوں کے پالیسی و اختلاف میں الجھنے کی بجائے ان کی اچھائیوں کو اپنا کر دین و دنیا کی فلاح کا سامان کرنا چاہیئے۔" (۵۲)

خلیل الرحمان سجاد ندوی، مدیر ماہنامہ "فرقان"، لکھنؤ :-

"حضرت شیخؒ کا وصف راسخ سادگی، تصنع اور تکلف سے دوری کا مزاج تھا۔ رسمی تعزیت سے دور، صدمہ خواہ کیسا ہی شدید ہو، اللہ کے فیصلہ کے سامنے فوراً سر جھکا دینا اور فوری طور پر دعائے مغفرت، ایصال ثواب اور فکر آخرت کی طرف توجہ اور دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ رہنے کی تلقین یہی سادگی اور بے تکلفی تقریبات اور شادیوں میں کارفرما نظر آتی ہے پھر صحابہ کرامؓ کا بھی یہی وصف تھا و اقلّھم تکلفاً۔" (۵۳)

مولانا شمس تبریز خان ۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ :۔

"حضرت شیخ الحدیث مختلف مذاق ومشرب کے معاصر علماء ومشائخ کی قدردانی، مرتبہ شناسی وحفظ مراتب میں بھی بے نظیر تھے جس کی وجہ سے متضاد طبائع کے بزرگ آپ کو اپنا معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت سمجھتے تھے" (۵۴)

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری ۔ مشیر محکمہ قضا ۔ ابوظہبی :۔

مولانا ندوی خود حدیث کے جید عالم اور علم حدیث میں متعدد عربی واردو کتب کے مصنف اور حضرت شیخ کے خاص تلامذہ اور متوسلین میں ہیں ان کا کہنا ہے کہ

" زبان خلق نے نقارہ خدا بن کر انہیں شیخ الحدیث کا لقب وخطاب عطا کیا اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جزو اور اس کی علامت بن کر رہ گیا حضرت اقدس کا سانحہ ارتحال اس دور کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے آپ کی ذات درحقیقت بڑی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی وہ اپنے اکابر ومشائخ کی طویل روحانی روایات اور علمی نسبتوں کے حامل وامین تھے، ان کی دوکان سے عشق ومحبت کا سودا بکا کرتا تھا ہزاروں تشنگان علم نے ان کے منبع فضل وکمال سے اپنی علمی تشنگی فرد کی حضرت شیخ کا فیضان ایشیا، یورپ اور مشرق ومغرب کی جغرافیائی حدود سے بلند ہو کر عالمگیریت اختیار کر گیا۔" (۵۵)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی :۔

"حضرت شیخ کی تصنیفات وتالیفات عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہیں اور ان کی تاثیر جاذبیت شہرت ومقبولیت حافظ شیرازی کے اس مصرعے کی مصداق ہے۔

؎ قبول خاطر ولطف سخن خداداد است۔" (۵۶)

مولانا زین العابدین میرٹھی :۔

"شیخ الحدیث اتباع سنت کا بے نظیر نمونہ تھے آپ کو عشق نبوی اور اتباع سنت کے سانچہ میں ڈھال دیا تھا آپ کے اخلاق و آداب، معاشرت و معیشت، رفتار و گفتار، اکل و شرب، نوم و لقظہ جملہ اعمال و افعال سنت کے دائرے میں ہوتے تھے آپ کے عمل کو دیکھ کر لوگ دین کی تعلیم اور مسائل کا علم حاصل کرتے تھے" (۵۷)

مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی :۔

آپ مولانا ابوالحسن ندوی کے بھتیجے ہیں وہ مولانا زکریا کے متعلق اپنی رائے تحریر کرتے ہیں کہ

"مولانا محمد زکریاؒ کی زندگی خیر و برکت، علم و دعوت کا ایک دور تھا جو ان کی رحلت پر ختم ہوا ان کی متعدد صفات ایسی تھیں جن میں وہ اپنے دور میں بالکل منفرد تھے وہ اوصاف صرف بزرگ اسلاف ہی میں ملتے ہیں حضرت شیخ سے خلق خدا کو بہت زیادہ دینی نفع پہنچا اور لاکھوں زندگیوں کے سنورنے میں مدد ملی۔ اس طرح انہوں نے اپنی رحلت کے وقت اصلاح یافتہ افراد کی ایک بڑی جماعت چھوڑی ہے۔" (۵۸)

جناب افتخار فریدی ۔ مراد آباد :۔

"شیخ الحدیث ہی کی سرپرستی میں تبلیغی جماعت ایک عالمگیر تحریک بنی اسوقت عالم اسلام جن مصائب میں مبتلا ہے اس سے نجات پانے کے لئے ملت کے عوام و خواص تبلیغ میں وقت لگائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایمان کی طاقت عطا فرمائے اور تبلیغی کام کی حفاظت بھی غیب سے فرمائے۔" (۵۹)

مولانا برہان الدین سنبھلی۔ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:۔

"مولانا زکریا کی وفات پر آج عالم اسلامی، محدث وفقیہ، صوفی وزاہد بلکہ عرب وعجم کے سب ہی باشعور غمگین ورنجور ہیں۔ مولانا مرحوم "وفیات الاعیان" کی عبارت کے مصداق تھے۔

واحد زمانہ ومفردا اقرانہ من کبار اصحاب.. ثم التزام علیہ فی انواع العلوم..... غلب علیہ الحدیث واشتہر بہ....

واقف عنہ الحدیث جماعۃ من الاعیان" (۶۰)

مولانا عبدالرشید گنگوہی (پوتے رشید احمد گنگوہی) فرماتے ہیں:۔

شیخ علیہ رحمۃ کی موت مطابق عربی مقولہ:۔

"اذا مات العالم ثلمت ثلمۃ فی الاسلام لا یسدھا الا عالم آخر"

اور بقول حضرت تھانوی کہ اس طرح قصر اسلام سپاٹا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مرمت پر مرمت۔ (ذرا رقو

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم بقی الذین حیاتھم لا تنفع

افسوس اب یہ بزم ہائے عرفان واحسان ومجالس ذکر اللہ سونی ہو جائے گی۔

مبارکا ھادیا للناس محتسبا علی الانام بلا منٍ ولا ثمن

یلقی الیہ رفاق الناس کلھم علی المجاھل والافتابُ السفن

یظل منعفرا لِلّٰہِ مبتھلاً یدعوا لانہ بقلب دائم الحزن ۶۱

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی:۔

"مولانا محمد زکریاؒ کی ذات گرامی سے ہند وپاک کا کوئی مسلمان مشکل ہی سے ناواقف ہوگا ان کی ذات سے جتنا فیض و خیر ہند وپاکستان کے مسلمانوں کو پہنچا ہے بظاہر کوئی دوسری زندہ ہستی اس پائے کی ہستی نہیں موجود ہے" (۶۲)

سید ابوالحسن علی ندوی

عالم اسلام کی معروف دینی اور علمی شخصیت ہیں وہ لکھتے ہیں کہ

"مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ جیسی ہستی کی خصوصیات اور کمالات کو لکھنا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اجتبائی معاملہ ہو اور جس کو مدارج عالیہ سے نوازا گیا ہو، نہ صرف دشوار بلکہ قریب ناممکن ہے کہ روحانی کمالات باطنی احوال کیفیات اور عبد و معبود کے معاملات کا صحیح علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ ع

کراماً کاتبین را ہم خبر نیست (۶۴)

مریدین کی مراد

خدمت دین کے متعدد شعبے ہیں۔ بعض خدام دین ایسے ہیں جو صرف کسی ایک شعبہ کے کارکن ہیں اور بعض مختلف شعبوں کے جامع ہوتے ہیں۔ جن کی شخصیت دینی خدمات کی تمام لائنوں کے رجال کار کے لئے نقطہ ارتکاز اور مرکز ثقل کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے ان کی تاثیر صحبت اور تربیت سے دین کے تمام شعبے ایک نئی حرارت اور نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اور خدام دین میں کام کا شوق اور خدمت کا ولولہ تازہ پیدا ہوتا ہے......

برصغیر میں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی ایسی جامع شخصیت مسند اصلاح و تربیت پر فائز رہی ہمارے اس آخری دور میں مولانا زکریا اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی تھے جو اپنے تمام اکابر کے محبوب، ان کے جانشین اور ان کی نسبتوں کے جامع تھے ـــــ اکابر مشائخ کے بعد جس طرح آپ کی طرف مخلوق کا رجوع عام ہوا اور آپ نے اپنے امراض و اعذار کے باوجود ہمت و عزیمت سے اصلاح و ارشاد کا کام کیا۔ اور آپ کے فیضان صحبت ـــــ سے خلفاء و مریدین کی ایک جماعت تیار ہوگئی جس نے مختلف ممالک میں دینی خدمات کے مختلف شعبوں کو سنبھالا

اگلے صفحات میں ہم مولانا زکریا کے اپنے خلفاء اور مریدین کے اصلاح و تربیت کے شعبہ میں تاثرات بیان کرتے ہیں.......

خلیفہ مجاز مفتی محمود حسن

رئیس دارالافتاء مظاہر علوم، سہارنپور۔ انڈیا

مفتی محمود حسن صاحب مولانا زکریاؒ کی دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ضعف پیری، کثرت امراض گردش مضمحل — لیک بہر خدمت دین ہمتے دارو جوانے

خانقاہ مدرسہ قائم نمود، جا بجا — تربیت کردہ فرسند کارواں در کارواں

مکہ، طیبہ، پاک، افریقہ رسید فیض او — ساخت مرکز مورشس، رنگون، لندن، انڈونان (۶۴)

خلیفہ مجاز مولانا منور حسین ۔ دارالعلوم کیتھار ۔ انڈیا۔

مولانا زکریاؒ کے انداز تربیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"وہ حضرت کی تربیت بہت ہی انوکھی تھی۔ بڑے ہی فیاض، مزاج شناس اور اکمل ادراک کے مالک۔ مجھے بڑی مشکل سے حضرت کی تربیت کا ادراک ہوتا تھا۔ اوائل دور میں حضرت شیخ چشم پوشی نسبتاً کم فرماتے تھے اور بہت ہی ہمدردی کے ساتھ اصلاح فرماتے تھے۔" (۶۵)

صاحبزادہ محمد طلحہ کاندھلوی۔ مظاہر علوم سہارنپور۔ انڈیا:۔

"حضرت والد صاحب کا معمول یہ تھا کہ حضرت رائے پوری اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے متوسلین کو ادباً بیعت نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ کہتے کہ "میں اپنے اکابر کے لوگوں کو بیعت کرنے میں بے ادبی سمجھتا ہوں۔ جو کچھ پوچھنا ہو، پوچھ لیا کرو۔"" (۶۶)

خلیفہ مجاز مولانا محمد یونس جونپوری۔ انڈیا:۔

حضرت شیخ رحؒ نے کئی مرتبہ یہ نصیحت کی:

"کبر سے پورا اجتناب کرنا، اور اپنی نااہلی پیش نظر رہے اگر کوئی کچھ کہے تو اس پر طبعی اثر غیر اختیاری چیز ہے لیکن برا نہ ماننا چاہیئے۔" (۶۷)

ملک عبدالحفیظ۔ المکتبۃ الامدادیہ۔ مکۃ المکرمہ۔

"حضرت اقدس اپنے اکثر خلفاء و مجازین کے بارے میں نہ صرف متمنی تھے کہ وہ اپنی اپنی جگہ جم کر بیٹھیں اور خانقاہی نظام قائم کریں۔ بلکہ بہت سوں کو باقاعدہ اس کا حکم بھی فرمایا اور شدت سے اصرار کر کے ان کی جگہ قائم کروایا اور آخری سالوں میں تو کثرت سے اس کا اظہار فرماتے تھے۔" (۶۸)

مولانا محمد شاہد سہارنپوری:۔

"اللہ تعالیٰ نے شیخ کو جو مقبولیت خاص و عام اور محبوبیت تامہ عطا فرمائی تھی وہ موجودہ دور کے بزرگوں کو شاید ہی ملی ہو۔ ہر شخص خواہ ہندو ہو یا مسلمان، مزدور ہو یا سرمایہ دار، کلرک ہو یا چپراسی یا منسٹر، ہر ایک کا گرویدہ، بنا ہوا تھا۔" (۶۹)

مفتی ولی حسن ٹونکی:۔

"حضرت شیخ سے ایک عالم فیض یاب ہوا تربیت و اصلاح کا خصوصی طریقہ تھا اپنے شیخ المشائخ

حضرت گنگوہی کی طرح آخری عمر میں جذبہ یہی تھا کہ مردہ خانقاہیں زندہ ہوں اور خانقاہی نظام دنیا میں جلوہ فگن ہو اس معذوری اور پیرانہ سالی میں دنیا کے بڑے حصہ کا دورہ کیا اور یہی تلقین فرماتے رہے لہذا ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان علما، حضرت شیخ کے نقش قدم پر چل کر اپنی دنیا اور آخرت بنائیں خانقاہیں آباد کریں، ذکر و اذکار کا سلسلہ جاری کریں احادیث کو اپنا حال بنائیں نہ کہ قال ـــــ حضرت شیخ کی زندگی سے ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے کہ آج کے نوجوان علماء اپنا وقت ضائع کرتے ہیں باتیں کرتے ہیں حضرت شیخ نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا، دنیا میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی یہی وجہ ہے کہ وہ اتنا عظیم کام کر گئے۔ (۱۰)

مولانا محمد اشرف مدیر "البیان" پشاور:۔

"ارشاد و ہدایت، وعظ و نصیحت، تلقین ذکر و شغل، درس تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف ان کے عمر بھر کے مشاغل رہے۔ تواضع و انکساری، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، اکرام ضیف احترام معاصرین، محبت علماء و صلحاء ان کا شعار تھا۔ وہ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے وہ نسلاً بعد نسل علم و عمل کا جامع، ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت کی وحدت کا ترجمان۔ آپ کی جامعیت علوم و کمالات باطنی کے گوہر تابندہ تھے جن پر پچھلے دور کی علم و معرفت کی ریاست و قیادت ختم تھی ـــــ غرض وہ ایک مجموعہ خوبی و محبوبی، سراپائے جمال و دل ربائی جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف پاک کو سمو دیا تھا۔

؎ تو ہے مجموعہ خوبی و سراپائے جمال ہے کون سی تیری ادا دل کی طلب گار نہیں؟ (۱۱)

صوفی محمد اقبال: مدینہ منورہ:۔

"حضرت کے ہاں معمولات اور ذکر کی پابندی اور اعمال کی نگرانی اور اہمیت تھی معاملات اور اخلاق کے معاملہ میں سخت گرفت تھی لیکن باطنی سطحی احوال کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ اصل تعلق

باللہ اور محبت کے احوال اور ذکر سے وابستگی پر زور تھا۔" (۷۲) نیز لکھتے ہیں :۔

"کسی کی شکایت سنا جس کا منشا دوسرے کی توہین اور اپنی بڑائی ہو حضرت کو بہت ناگوار تھا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو کوئی نعمت ملے تو حسد نہیں کرنا چاہیے یہ بہت مہلک چیز ہے۔"

مولانا محمد یوسف متالا۔ انگلینڈ :۔

مولانا محمد زکریا شعبہ ہائے زندگی میں تخصص اور یکسوئی کے قائل تھے چنانچہ اپنے خلیفہ مجاز محمد یوسف کو ہدایت کرتے ہیں :۔

"مگر پیارے! ذکر و شغل ہو، تعلیم و تدریس ہو، تبلیغ یا کوئی دینی شعبہ ہو انہماک سے ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ اگر کئی کاموں میں لگ جائے تو جب تک جامعیت کاملہ پیدا نہ ہو جائے اس کے بغیر کاموں میں انتشار رہتا ہے۔ میری یہ باتیں اس وقت تو شاید پسند نہ آویں مگر میرے مرنے کے بعد ضرور یاد کرو گے۔" (۷۳)

مولانا معین الدین : یو۔پی۔ انڈیا۔

"مولانا زکریا کا طرز معاشرت گدایانہ تھا رعب کے ذریعے خدا نے آپ کی مدد فرمائی تھی پھر ہر امر میں اتباع سنت کا جذبہ اور غلبہ تھا انسر پا تواضع ہر ایک کے ساتھ انداز تربیت جداگانہ تھا جس طرح خدا کی معرفت کے طرق ریت کے ذرات سے بھی زیادہ ہیں اس طرح ہر ایک کے ساتھ اس کے مزاج کے لحاظ سے حضرت اقدس کا انداز تربیت بھی دیکھنے میں آیا۔" (۷۴)

مولانا قطب الدین ۔ گیاوی مظاہری ۔ بہار انڈیا :۔

"تدریس کے دوران موقع و محل سے اصلاح و تربیت کے سلسلے میں بھی نصیحت فرما دیا کرتے تھے اور اپنے اکابر کے واقعات بھی سنا دیا کرتے تھے ـــــــ

ایک دفعہ شیخ سے ذکر میں طبیعت نہ لگنا، وسوسہ آنا اور نمازوں میں حضور قلبی نہ ہونے کی جب شکایت

کی تو فرمایا کہ :۔

" اس کی طرف توجہ نہ کرو جہاں حال ہوتا ہے وہیں جو رہتا ہے، اہتمام سے ذکر اور دوسرے معمولات کی پابندی کرو۔ انشاء اللہ یہ سب باتیں جاتی رہیں گی اور نماز و ذکر میں جی بھی لگے گا۔" (۷۵)

مولانا عبدالقدوس دیوبندی ـــ مدینہ منورہ :۔

"حضرت شیخ کی ذات منبع رشد و ہدایت و سرچشمہ علم و عرفان تھی جس سے لاکھوں تشنگان نے اپنی اپنی ضروریات وحال کے مطابق سیرابی حاصل کی اور انشاء اللہ امت مرحومہ، آپ کے خلفاء کے ذریعہ رہتی دنیا تک آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتی رہیگی جامع شریعت و طریقت اور اتباع سنت تو ہر ہر عمل میں نمایاں، ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کی قوت مشاہدہ و یادداشت معاملہ فہمی اور صحیح قوت فیصلہ، ذکاوت اور حسن تدبیر کے واقعات بہت ہی کثرت سے حضرت کی حیات مبارکہ میں ملتے ہیں جو وصال سے چند ساعت قبل تک مشاہدہ میں آتے رہے ہیں" (۷۶)

مولانا محمد طاہر منصور پوری ۔ لکھنو انڈیا :۔

"حضرت شیخ الحدیث اپنی مجلس گفتگو میں اکثر و بیشتر اسلاف کے قصے بہت مزے لیکر سناتے، مدارس کے ذمہ داروں کی امانت داری کی بہت تاکید فرماتے تھے کہ مدرسہ کی خیانت خواہ کسی نوع کی ہو، اس کی سزا دنیا میں ضرور ملتی ہے اس بات کے قائل تھے کہ طلبہ دوران تعلیم صرف تعلیم ہی کی طرف پورا دھیان دیں کسی دوسری چیز کی طرف جو تعلیم کے حصول میں کسی درجہ میں حارج ہو اس کی طرف بالکل توجہ نہ دیں خواہ وہ چیز کتنی اہم کیوں نہ ہو" (۷۷)

مولانا محمد زبیر ۔ کراچی :۔

"میرے نزدیک حضرت کا سب سے بڑا کمال تھا ڈوبتے کو سہارا دینا، گرتے کو سنبھالنا اور نابینا کی انگلی پکڑ کر ساتھ لے چلنا ـــ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ ہم لوگوں کی حماقت وجہالت کی وجہ سے حضرت کو اذیت

پہنچتی تھی مگر حضرت کمال تحمل سے پی جاتے تھے اور اگر کبھی صراحتہً یا کنایۃً ناگواری کا اظہار بھی فرماتے تھے تو اس میں فقط ہماری اصلاح و تربیت ہی مقصود ہوتی تھی ۔" (۷۸)

مولانا عبدالرحیم متالا ۔ مہتمم محمد الرشید الاسلامی چپاٹا ۔ زامبیا ۔ افریقہ :۔

"حضرت مولانا کو دنیا کی زیب و زینت اور حب مال سے انتہائی وحشت تھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے دستر خوان پر دو سالنوں کا میں مخالف ہوں ہاں مہمانوں کی نیت سے کسی میں بھی حرج نہیں ۔۔۔۔۔ کسی خادم کے متعلق جب معلوم ہوتا کہ اس کے تعلقات اہل مال سے ہو رہے ہیں تو حضرت کی نظروں سے وہ گر جاتا ۔ خود مجھ سے حضرت نے فرمایا کہ فلاں بہت اچھا چل رہا تھا بڑے اچھے احوال تھے خوب ذکر و شغل بھی کرتا تھا میں نے اسے اجازت بھی دیدی تھی لیکن بعد میں اس کے تعلقات مالداروں سے ہو گئے جس کی وجہ سے میرے تعلقات اس سے ختم ہو گئے ۔" (۷۹)

ڈاکٹر اسماعیل میمنی ۔ مدینہ منورہ :۔

"حضرت شیخ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کا عجیب حال ہوتا تھا آخرت کی رغبت، دنیا سے بے رغبتی اور اللہ سے تعلق میں اضافہ شاید ہی کوئی شخص ہو جو اس کا انکار کرے حضرت کی توجہ کا اثر قریب سے تو ہر شخص محسوس کرتا تھا ہزاروں میل دور سے بھی حضرت کی توجہ کا اثر محسوس ہوتا تھا ۔" (۸۰)

میاں جی محمد عیسیٰ ؛ ہریانہ ہندوستان :۔

"حضرت کا ہر فعل و قول ایک نرالی ادا رکھتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار نظر آتے تھے حضور ﷺ کی اداؤں پر مر مٹنے کی شان کھلم کھلا محسوس ہوتی تھی ۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ آپ سبق میں جس طرح احادیث کا ترجمہ اردو میں فرماتے اس طرح محترم کتابوں کا ترجمہ اس نام سے فرماتے جو اردو میں ان کے نام لئے جاتے ہیں اور فرماتے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ کوئی باحیاء ہو سکتا ہے ۔" (۸۱)

حافظ صدیق احمد۔ سہارنپور:۔

"دسترخوان پر اکثر ذکر فرماتے رہتے، اور بزرگوں کے اقوال بھی بے حد ذکر فرماتے سمجھنے والے سمجھ جاتے اور یہی طریقہ اصلاح کیلئے بہانہ بن جاتا۔" (۸۲)

صوفی عبدالاحد۔ بہار انڈیا:۔

"حضرت شیخ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ نماز میں مشغولی کے بعد جسم میں حرکت نہیں، معبود کے ماسوا سے بے خبر گریہ و زاری، بدن اطہر میں لرزہ اور فراغت پر بہت مسرور نظر آتے تھے اور بڑے الفاظ فرماتے تھے۔" (۸۳)

سید خلیل حسین۔ مہتمم مدرسہ اسلامیہ اصغریہ۔ دیوبند:۔

"حضرت شیخ الحدیث کو عشقِ رسول کی وجہ سے امت میں اختلاف و انتشار پر شدید قلق و بے چینی رہتی تھی ایک مرتبہ جب دارالعلوم دیوبند کا قضیہ نامرضیہ کا سلسلہ چل رہا تھا۔ حضرت نے مجھے فرمایا کہ کسی طرف بھی عملی طور پر شریک نہ ہونا ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ تمہارے اور تمہارے مدرسہ کے بارے میں اگر کوئی آدمی مخالفت یا اعتراض کرے تو تم اس کا جواب نہ دینا۔" (۸۴)

اہلِ صحافت کی نظر میں :۔

مولانا محمد زکریا کے انتقال پُر ملال پر ہر طبقہ نے اپنے قلبی حزن اور دلی صدمہ کا اظہار کیا۔۔۔ اور آپ کی دینی اور ملی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

قومی جرائد اور ملکی رسائل میں تعزیتی اداریے شائع ہوئے۔ جن میں سے چند اداریوں کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا زکریا کی رحلت عظیم دینی خسارہ اور علمی زیاں تھا۔

ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" لاہور مورخہ ۲؍جون ۱۹۸۲ء کو اپنے اداریٰ نوٹ میں لکھتا ہے :۔

"یہ خبر پورے عالمِ اسلام کے لیے انتہائی صدمہ اور گہرے رنج و غم کا باعث بنی ہے کہ ملت اسلامیہ کے بزرگ رہنما، تبلیغِ اسلام کی عالمی تحریک، تبلیغی جماعت کے سرپرستِ اعلیٰ، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سابق شیخ الحدیث اور لاکھوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا حضرت مولانا محمد زکریا ۲۴ مئی کو مدینہ منورہ میں طویل علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن

مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تعلق علماء کے اس عظیم خاندان سے تھا جس نے دنیائے اسلام کو حضرت مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی جیسی عظیم شخصیات کے علوم و فیوض سے بہرہ ور کیا۔ اس علمی خانوادہ نے ایک طویل عرصہ تک دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت اور ترویج کے لیے ٹھوس اور نتیجہ خیز خدمات سرانجام دیں اور ان کی جدوجہد کے مثبت ثمرات و نتائج آج پورے عالمِ اسلام میں نمایاں طور پر محسوس کیے جارہے ہیں۔

مولانا مرحوم کی وفات سے ملتِ اسلامیہ کو ہونے والے نقصان کی گہرائی اور گیرائی میں ہوشربا اضافہ ہوجاتا ہے اور یقیناً یہ صدمہ عالمِ اسلام کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے درجات بلند فرمائیں، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینِ حق کی مثبت اور مؤثر خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔!

آمین یا الٰہ العالمین ——— "

ماہنامہ "بینات" کراچی جولائی ۱۹۸۲ء کے اداریہ بعنوان "زہد و تقویٰ کا آفتاب غروب ہو گیا" کے تحت لکھتا ہے :-

۲۴ مئی ۱۹۸۲ء بوقت عصر علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا آفتاب غروب ہو گیا۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی کسی بندے پر سب سے بڑی عنایت یہ ہے کہ اسے اپنے کام کے لئے استعمال فرمائے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ اس عنایت الٰہیہ کے خاص تھے۔ ان کے دم قدم سے دین کے تین شعبے جن پر دین کی بقا کا مدار ہے، کی سرپرستی کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دینی مدارس اور اہلِ مدارس کی ہر نوع کی سرپرستی فرماتے تھے۔

حضرت شیخ کی اہم ترین خصوصیت حدیث نبوی سے ان کا عشق و محبت اور غیر معمولی شغف تھا۔ علمِ حدیث ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے انہیں صرف علم حدیث کی خدمت اور اس کی تشریح و ترجمانی کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی علمِ حدیث میں مہارت ہی کا نتیجہ تھا کہ اکابر مشائخ حدیث علمِ حدیث کی مشکلات میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔

ماہنامہ "البلاغ" کراچی مورخہ جولائی ۱۹۸۲ء

اپنے ادارتی نوٹ میں رقم طراز ہے :۔

پچھلے مہینے یہ جانکاہ خبر دلوں پر صاعقہ بن کر گری کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ رحلت فرما گئے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ ہمارے عہد کی ان یگانہ ہستیوں میں سے تھے جن کا نفس وجود ہی امت کے لئے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی دور میں فیض رسانی کے لیے منتخب اور موفق فرما لیتے ہیں۔ برصغیر کے علماء میں اُن کی ذات اس وقت ایسی تھی کہ مختلف نقطۂ نظر کے لوگ بھی ان کے علم و فضل، تقدس و تقویٰ، جہد و عزیمت اور ملت کے درد کے نہ صرف معترف بلکہ اس کے آگے سر بہ خم تھے، اور جو مشکلات میں بڑے بڑے علماء کے مرجع بنی ہوئی تھی، ان کی ایسے گھنے اور سایہ دار درخت کی سی تھی جس کی چھاؤں میں امت کے تمام افراد اور خصوصاً اہل علم و دین کو آغوش مادر کا سکون و سرور میسر آتا تھا۔ آج پوری علمی و دینی برادری اس عظیم سائے سے محروم ہو گئی، اور ملت کا یہ سہارا چھن گیا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ اس قافلۂ دعوت و عزیمت کے ایک فرد تھے جس نے برصغیر میں دینِ حق کی شمع روشن رکھنے کے لیے اپنی جانیں کھپائیں۔ اور وقت کی تُند و تیز آندھیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انہوں نے علم کی تحصیل اور دین کی تبلیغ میں جو مشقتیں اٹھائیں، جن حضرات کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور جن کے کردار و عمل کو اپنی عملی زندگی میں جذب کیا اُن کا دل نشین اور سبق آموز تذکرہ اُن کی دلچسپ اور مؤثر "آپ بیتی" میں موجود ہے جس کی ہر سطر ہمارے لیے عبرت و موعظت کا سرمایہ ہے۔

یوں تو عالم اسلام کا ہر فرد اس حادثے پر مستحق تعزیت ہے، لیکن دارالعلوم اور البلاغ کے خدام خاص طور پر حضرتؒ کے اہل وعیال کی خدمت میں پیغام تعزیت پیش کرنے کے بعد دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو مقعدِ صدق میں پیہم ترقی درجات عطا فرمائیں، پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشیں اور حضرتؒ نے اپنی تصانیف کے ذریعے تعلیمات و ہدایات کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے، ہم سب کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

اسی طرح ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد ۸ رجون ۱۹۸۲ء کو تحریر کرتا ہے :۔

موت سے کس کو رستگاری ہے جو یہاں آیا ہے بہرحال اُس نے جانا ہے، لیکن بعض افراد کی موت ایک شخص کی موت نہیں ، بلکہ پوری ملت اور پورے عالمِ اسلام کی موت ہوا کرتی ہے ۔ وہ موت ایک عالمِ دین کی موت ہے ۔

حضرت شیخ الحدیث کا شمار اکابر علماء حق میں ہوتا تھا ۔ وہ ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے بہت بڑے محدث تھے ۔ وہ طویل عرصہ تک برِ صغیر کی دوسری بڑی یونیورسٹی مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث کے منصبِ جلیلہ پر فائز رہے ۔ جہاں ان سے بلا واسطہ فیض پانے والوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی ہے ۔

اس کے بعد ہجرت کرکے دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ۔ اور وہیں کے ہوکر رہ گئے ۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور مقدس شہر میں موت آئے اور وہ جنت البقیع میں دفن ہوں ۔ خدا نے ان کی یہ تمنا پوری فرما دی اور وہ اس جنت البقیع میں ہی دفن ہوگئے ۔ جہاں تاجدارِ ختمِ نبوت کے اولوالعزم اور جلیل القدر صحابہؓ کرام آرام فرما ہیں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی وفات سے نہ صرف تبلیغی جماعت اپنے ایک عظیم سرپرست سے محروم ہو گئی ، بلکہ ہمارے پورے مسلکِ حقہ کو ایک بہت بڑا دھچکا لگا ہے ۔ ان کی وفات اس قحط الرجال کے دور میں اتنا بڑا سانحہ ہے کہ جس کے زخم سالوں میں بھی مندمل نہیں ہو سکتے ۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتے ہوئے ان کی مغفرت فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین !

"صدائے اسلام" پشاور اپنے شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء میں اسی طرح اظہار تعزیت کرتا ہے :۔

"یوم دوشنبہ یکم شعبان بعد نمازِ عصر مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اپنے پروردگار سے جا ملے۔ اور اس طرح اپنی دیرینہ تمنا کے مطابق اس دنیا سے رخصت ہونے پر گہوارۂ صحابہ و اولیاء، قبرستان شہر نبوی ؐ بقیع شریف کے پیوند خاک ہوئے۔ اس کے لیے حضرت شیخ نے برسوں سے تیاری کر رکھی تھی۔ اور ہندوستان سے ہجرت اختیار کر کے مدنی وطنیت حاصل کی تھی اور مسجد نبوی ؐ شریف کے دربار میں علالت و صحت کے ساتھ عبادت و حاضری مسجد نبوی میں وقت گزارتے تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے ــــــ آمین

"القاسم" دیوبند۔ انڈیا رقم طراز ہے:۔

"کافی عرصہ سے حضرت متعدد شدید امراض میں مبتلا تھے اور دنیا بھر میں بلا مبالغہ لاکھوں اہل تعلق حضرت کے سایۂ مبارک کے بقا کے لیے ہمہ وقت دعا گو تھے۔ بالآخر ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو وہ گھڑی آہی گئی جس کا اندیشہ بے شمار بندگانِ خدا کو مضطرب و بے چین کر جاتا تھا۔

ان الذی تحذرین قد وقعا

اللہ کے نیک بندے کسی زمانہ اور کسی علاقے کے ہوں ان کے حالات اور واقعات کا مطالعہ بہت سبق آموز ہوتا ہے۔ اور اپنے ہی زمانہ کے اہل اللہ کے حالات کا مطالعہ افادیت کے کچھ خاص پہلو رکھتا ہے کہ اس سے راہ حق پر چلنے کی ایک تازہ اور عملی مثال سامنے آتی ہے۔"

"دیوبند ٹائم" کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:۔

"شیخ الحدیث کی رحلت ایسی دردناک ہے کہ جس کا بیان الفاظ اور زبان وقلم کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔ مادیت اور بددینی کے سیلاب بلاخیز میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات دینی تقدس اور آثار سلف کی ایسی مستحکم چٹان تھی جس کے سامنے سارے باطل دھارے اپنا رُخ پھیر لینے پر مجبور ہو جاتے تھے مگر اب چٹان ہل گئی ہے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں فتنوں کا زور ہم جیسے کمزور مسلمانوں کو بہا نہ لے جائے۔

ان حالات میں سب سے بڑا ضروری کام یہ ہے کہ حضرت الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مشن اور علم وتصوف کے سلسلوں کو تازگی اور حیات بخشی جائے۔ ہمارے اس دور کا علمی قافلہ نظام حیات سے بالکل الگ ہو کر چلنے لگا ہے۔ جیسا کہ اس کے آثار نظر آتے ہیں۔ تو علم کی برکات وثمرات سے محروم ہو کر رہ جائے گا۔ اس لئے حضرت شیخ کے جملہ وابستگان کا اولین فرض ہے کہ وہ حضرت شیخ کے طریقہ کو زندہ رکھیں۔ انشاء اللہ یہی بات حضرت شیخ کو بھی ہمارے درمیان ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ اور خود ہم اس کے ذریعہ سلامتی فکر وعمل کے ساتھ زندہ رہ سکیں گے"۔

"خدام الدین" لاہور اپنے شمارہ جون ۱۹۸۲ء میں بعنوان

"تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

"یوں تو اس خاکدانِ عالم میں جو بھی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ کلُ شئٍ ھالک الا وجھہ جل جلالہٗ کا یہ سلسلہ ابتداء دنیا سے قائم اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس سے دنیا کے معمول میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ دنیا میں بسنے والوں کو ہی اس کا خیال آتا ہے کہ اس جہان سے کون اور کب رخصت ہوا۔ مگر ان جانے والوں میں بعض ایسی شخصیتیں بھی ہوتی ہیں کہ ان کی رحلت پر کائنات کا دل دھڑک اٹھتا ہے۔ فضاء عالم افسردہ اور اداس ہو جاتی ہے اور حواس انسانی اس درجہ متاثر ہو جاتے ہیں

کہ ہر شخص اس موت کو اپنی موت سمجھنے لگتا ہے "موت العالم موت العالَم" اسی شدتِ احساس کی ایک تعبیر ہے۔

لاریب کہ شیخ الحدیثؒ کی وفات حسرت آیات ایسا ہی ایک سانحہ عظیم ہے جس کے غم کو دنیا ایک مدت تک بھلا نہ سکے گی۔ حضرت شیخ کی مفارقت ایک فرد کی مفارقت نہیں، ایک عالم دین اور مصنف کی رحلت نہیں، ایک محدث اور شیخ طریقت کی جدائی نہیں بلکہ یہ خاتمہ ہے ایک دور کی ایک مسلسل تاریخ کا۔ درحقیقت آپ کاروانِ ولی اللّٰہی کے آخری مسافر اور اس چمن کی آخری بہار تھے جسے قطب ارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے مقدس اور بابرکت ہاتھوں سے لگایا اور سجایا تھا۔

قراردادِ تعزیت

از۔ جمعیۃ علمائے ہند۔ دہلی

نئی دہلی ۸ر اگست۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا جلسہ حضرت مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت میں شروع ہوا۔ جلسہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی وفات پر تعزیتی تجویز منظور کی گئی جلسہ میں صدر محترم کے علاوہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد طاہر، مولانا عبد الحق (آسام) مولانا نور اللہ، مولانا اسرار الحق قاسمی، مولانا سید احمد ہاشمی، مفتی عبد الرزاق (بھوپال) مولانا جلیل احمد، جنرل شاہ نواز خاں (ارکان عاملہ) اور حاجی عبد اللہ خان، مولانا قمر الدین محمود، حافظ محمد صدیق ایم۔ایل۔اے مولانا افضال الحق، مولانا رشید الدین، مولانا محمد عثمان، مولانا معراج الحق، مسٹر نذیر احمد انصاری، محمد حنیف (کالے خان)، مولانا عبد الرحمٰن، مولانا عزیز الحسن صدیقی، مولانا قاری محمد میاں، مولانا صدیق انصاری، مولانا حکیم عبد الجلیل صاحب، مولانا فضل احمد اور مولانا اسحاق سنبھلی نے خصوصی دعوت پر شرکت کی۔

عالم اسلام کے ممتاز متبحر، شیخ طریقت مصنف اور عارف باللہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ

کی وفات ایک عالم دین اور خدا رسیدہ بزرگ کی جدائی ہی نہیں ایک روحانی تحریک اور دینی درد رکھنے کیلیے المیہ ہے حضرت موصوف اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اور ہر ہر لمحہ وعظ و نصیحت ذکر و اذکار دینی تصنیف و تالیف کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا شرف حاصل فرماتے تھے اللہ کی یاد خصوصاً ذکر اللہ کا ماحول پیدا کرنے کے لیے آپ کو شغف تھا شدید خرابیٔ صحت کے باوجود اس معذوری کے عالم میں بھی ہر سفر کر کے ہر دینی حلقے اور مختلف ممالک میں ذکر اللہ کو عام کیا اور سرگرم جدو جہد فرمائی۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کے شیدائی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت مخلص اور معتمد تھے۔ آپ نے ہمیشہ جمعیت علماء ہند اور اکابر جمعیت علماء سے خصوصی تعلق رکھا۔ تبلیغی جماعت اور دینی مدارس سے تو آپ کو والہانہ تعلق رہا آپ کی وفات دینی علوم و معرفت تصوف و تبلیغ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کو آپ کی وفات پر سخت غم اور صدمہ ہے۔ اور یہ شدت کے ساتھ احساس ہے کہ آپ کی روحانی رہنمائی سے برصغیر بلکہ عالم اسلام محروم ہو گیا ہے۔ مجلس عاملہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور تمام عالم کے مسلمانوں کو آپ کی ہدایت اور روحانی تعلیم کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلام کی پاکیزہ و حقانی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔

مجلس عاملہ کے ممبران آپ کے اہل خاندان، متعلقین اور معتقدین کے غم میں شریک ہیں اور امید کرتے ہیں کہ تمام متعلقین و معتقدین انکے مشن کو جاری رکھیں گے۔ یہی آپ کے لئے صدقۂ جاریہ اور حقیقی محبت ہوگی ــــــ "

تعزیتی جلسہ

(ندوۃ العلماء ہند)

" شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ۲۵ مئی ۸۲ء کی شام کو بعد نماز مغرب تعزیتی جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حضرت شیخ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ اور ان کو اللہ کا برگزیدہ بندہ، رسول اکرم کی حیاتِ مبارکہ کا قریبی نمونہ اور محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کا قائم مقام بتایا۔ سب سے آخر میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی جنہیں بقول حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اس موضوع پر کچھ کہنے اور لکھنے کا حق اس وقت برِ اعظم میں مولانا محمد منظور نعمانی کے علاوہ اور کسی کو نہیں پہنچ سکتا، نے خطاب کیا اور انہی کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔"

منظوم خراج تحسین

مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر رسائل اور جرائد میں اداریے اور تعزیتی نوٹوں کے علاوہ بے شمار تعزیتی خطوط اور پیغامات موصول ہوئے اور متعدد قرار دادیں پیش کی گئیں ـــــ علاوہ ازیں مولانا کے بہت سے عقیدت مندوں نے منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا جو کہ خود ایک الگ اور مفصل موضوع ہے جس کے احصاء کا ہمارا مقالہ متحمل نہیں ـــ تاہم چند مرثیہ قطعات اور تعزیتی اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو مولانا مرحوم کی جامع شخصیت اور دینی خدمات پر دلالت کرتے ہیں۔

قطعہ

"تاریخ وفات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب"

سب کو روتا چھوڑ کر وہ چل دیئے ہنستے ہوئے
دے گئے سب کے دلوں پر داغِ فرقت الوداع

عالمِ فانی سے رحلت کر گئے وہ، آہ، آہ!
مرگیا یہ سارا عالم وائے حسرت الوداع

فی الحقیقت موتِ عالم، موتِ عالَم ہے اگر
موت ہے سارے جہاں کی ان کی رحلت الوداع

حسرتا واحسرتا اُف، رحلتِ شیخ الحدیث
امت خیر الوریٰ کی ہے مصیبت الوداع

وہ تمنا تھے کے عرصہ سے مدینہ میں وہ تھے
ہو گئی پوری، انہیں ہے یہ مسرت الوداع

یعنی ان کی جو تمنا تھی، وہ پوری ہو گئی
ہو گئی ان کی مدینہ ہی میں رحلت الوداع

سارا عالم رو رہا ہے، ہنس رہے ہیں آج وہ
اس جہاں سے چل دیئے وہ سوئے جنت الوداع

کل بھی تھے قربِ نبی میں، آج بھی حاصل انہیں
ہے رسول اللہ کا آغوشِ شفقت الوداع

نور پھیلاتے تھے وہ سارے جہاں میں آج تک
مرکزِ انوار ہے اب ان کی تربت الوداع

تھی جو فخرؔ غمزدہ کو جستجو تاریخ کی
رو کے بولا ہاتفِ غیبی کہ "رخصت الوداع"

۱۴۰۲ھ

قطعہ

(تاریخ وفات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب)

رحلت زکریا کی قیامت سے نہیں کم — اُف دے گئے بارِ غم فرقت زکریا

پُر درد ہوا قلب تو آنکھیں ہوئیں پُر نم — اُف، چھوڑ کے ہم کو ہوئے رخصت زکریا

کیا آپ کی رحلت ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا — رحلت ہے؟ کہ فرقت؟ کہ قیامت؟ زکریا

کیوں چھوڑ کے یوں چل دیئے ہم سب کو اچانک — یہ آپ کی رحلت ہے قیامت زکریا

کیوں روٹھ کے یوں ہم سے ہوئے آپ ہیں روپوش — یہ کیا ہوا، کیوں کر گئے رحلت زکریا

محبوبِ حقیقی کی محبت نے جو کھینچا — دنیائے دنی سے ہوئے رخصت زکریا

تاریک ہوا سارا جہاں آپ گئے جب — اے وائے غضب چھا گئی ظلمت زکریا

اللہ نے اک نعمتِ عظمیٰ ہمیں دی تھی — ہم لٹ گئے، اب چھن گئی نعمت زکریا

ماتم ہے بپا آج عرب اور عجم میں — عالم کے لئے آپ تھے رحمت، زکریا

رحلت ہوئی کل، آج لکھا مصرع تاریخ — "کل واصلِ حق ہو گئے حضرت زکریا"

اسلاف کے اوصاف کے حامل تھے وہ اے فخر ۱۹۸۲ء

اسلام کی واللہ، تھے عظمت زکریا

حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی رحلت پر

سیّد عطار الرحمٰن جعفری (بی اے آنرز)

دریا فصاحتوں کے بہا کر چلے گئے
نعرہ صداقتوں کا لگا کر چلے گئے

دنیائے نو کی جس میں جھلک آشکار تھی
انسان کو وہ نظارہ دکھا کر چلے گئے

منصب کو چھوڑ جاہ سے منہ اپنا موڑ کر
ملت کی راہ میں جان گنوا کر چلے گئے

خوشبو سے ان کی باغِ محمدؐ مہک اٹھا
اِک پھول تھے بہار دکھا کر چلے گئے

فرصت ملی بس اتنی اس درس گاہ میں
اللہ کا کلام پڑھا کر چلے گئے

رحمت خدا کی آپ پہ ہو اس عہدِ کفر میں
اسلام کا پیغام سنا کر چلے گئے

آہ! حضرت شیخ

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری ۔ ایڈیٹر "لوائے وطن" انبالہ

علم کا کوہِ گراں رخصت ہوا	عالموں کا پاسباں رخصت ہوا
میکشانِ حق، کو جس پہ ناز تھا	آج وہ پیر مغاں رخصت ہوا
زہد و تقویٰ اتباعِ دینِ حق	جس کے دل میں تھے نہاں رخصت ہوا
محرمِ اسرارِ ہستی،، اٹھ گیا	رازِ حق کا رازداں رخصت ہوا
جس نے لاکھوں دل منور کر دیئے	وہ چراغِ ضو فشاں رخصت ہوا
چھپ گیا اک آفتابِ علم دیں	روشنی کا اک جہاں رخصت ہوا
نکتہ سنج و نکتہ فہم و نکتہ رس	نکتہ بین و نکتہ داں رخصت ہوا
فخرِ ملت فخرِ امت اٹھ گیا	نازشِ اسلامیاں رخصت ہوا

وہ سہارنپور کا شیخ الحدیث رح
دہر سے سوئے جناں رخصت ہوا

مرثیہ بر وفات

مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

دل کو چھلنی کر گیا تیر غم شیخ الحدیث
آج اک دنیا ہے محو ماتم شیخ الحدیث

وہ اکہ جس کی ذات تھی رشد و ہدایت کیلئے
وہ اکہ جس کی زندگی تھی وقف خدمت کیلئے

وہ اکہ جس کے علم نے سیراب کتنوں کو کیا
جس کی محنت نے فروتر کتنے فتنوں کو کیا

تھیں احادیث رسول اللہ ﷺ ہر دم زیر لب
جو کہ اپنی ذات ہی سے تھا مجسم فضل رب

سالکوں کو طے کرایا جادۂ عرفانِ حق
کتنے ذرّوں کو بنایا مہبط فیضانِ حق

وہ اکہ جس کو عشقِ صادق تھا رسول اللہ ﷺ سے
جس کو ربط خاص حاصل تھا عرب کے ماہ سے

آخر اس کا عشقِ صادق اس کے کام آ ہی گیا
کشتگانِ عشق میں اس کا بھی نام آ ہی گیا

موت کا پیغام بھی آیا تو تھا کس شان کا
دیدیا محبوب کے قدموں پہ تحفہ جان کا

ہند میں پیدا ہوا یہ ہند کا اعزاز تھا
رحمۃ اللعالمین کی ہند میں آواز تھا

لیکن آئی موت تو سرکار دیں ﷺ تھے سامنے
کتنی دلکش صبح دیکھی زندگی کی شام نے

اے خدا اے رحمۃ اللعالمین! تجھ پر سلام
نازشؔ دیں، ساکن خلد بریں! تجھ پر سلام

ہم بھی اس دنیا سے نازشؔ جائیں ایسی شان سے
سامنے سرکار ہوں! جاتے رہیں ہم جان سے

از:- نازشؔ القاسمی۔ حیدر آبادی، قلعہ دانمباڑی

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ

عبدِ حق شناس

پروفیسر وسیم فاضلی

سوزِ دل ونظر سے منور تھی اس کی ذات
وہ اس جہانِ فانی میں تھا عبدِ حق شناس

آئینۂ شعور کا جوہر تھی اس کی ذات
یوں دیکھنے میں ایک قلندر تھی اسکی ذات

عرفان وآگہی کے گہر ہائے آبدار
تھی عشقِ مصطفٰے کی ضیاء جس میں موجزن

ملتے تھے جس میں ایسا سمندر تھی اسکی ذات
اس بحرِ معرفت کی شناور تھی اس کی ذات

شیخ الحدیث نام زکریاؒ خدا پرست
منشاءِ ایزدی کے مطابق تھی زندگی

دنیائے علم وفن میں قدآور تھی اسکی ذات
اور حبِ مصطفٰے سے معطر تھی اسکی ذات

اس نے تجلیات کے دریا بہا دیئے
فروزاں تھی جس کے نور سے ظلمت حیات کی

ذکرِ رسولِ حق سے منور تھی اس کی ذات
خورشیدِ آگہی کا وہ مظہر تھی اس کی ذات

ایک ایک لفظ دیکھیئے اس کے نصاب کا
محسوس ہوگا کتنی مصتور تھی اس کی ذات

پیامِ شیخ

پروفیسر کلیم عاجز، پٹنہ

اشک کس کی آنکھ سے پونچھے کسے سمجھائے دل — جتنے ہیں سب دل کو تھامے کہہ رہے ہیں ہائے دل
کھائی ہے کیا چوٹ دل نے کس سے کہنے جائے دل — ہوش میں باقی کہاں ہیں حضرتِ والائے دل
آج کوئی مشغلہ دل کو پسند آتا نہیں — بس یہی دل چاہتا ہے رو کے دل رلوائے دل
دل کی وہ محفل کہاں وہ صاحبِ محفل کہاں — دل کہاں دل اپنا لیجائے کہاں بہلائے دل
آبروئے عشق نازاں حضرت شیخ الحدیث — مرشدِ دل میرِ دل محبوبِ دل مولائے دل
کاروانِ دل کا میرِ کارواں رخصت ہوا — کون اب لے جائے دل کو سوئے منزل ہائے دل
اک سمندر عشق کی لہروں کا جس کے دل میں تھا — وہ جو ہر دل کیلئے تھا عاشقِ شیدائے دل
جس کے آگے دل جل اٹھتے تھے چراغوں کی طرح — جگ مگا دیتی تھی جس کی اک نظر دنیائے دل
عشق کی بھٹی چھپائے دل میں دل والا گیا — دل میں بھڑکانے کو چنگاری کہاں سے لائے دل
حسرتیں انگشت بر لب ہیں تمنائیں خموش — نالۂ مجنوں سے خالی ہو گیا صحرائے دل
ہر طرف سے اٹھ رہی ہیں سرد آہیں سائیں سائیں — کون اب دل کو جگائے کون اب گرمائے دل
جس کے دم سے دل میں شمعِ آرزو روشن ہوئی — انجمن سے اٹھ گیا وہ انجمن آرائے دل

دل کبھی ہلکا نہ ہوگا غم نہ بھولا جائے گا
جس قدر آنسو بھی ان کی یاد میں برسائے دل

سن کے یہ اشعار روح شیخ نے دی یہ صدا — دیکھنا غم کے اندھیرے میں نہ ٹھوکر کھائے دل

دل اگر دل ہے تو ہر عالم ہے اس کی سیرگاہ — عالم زیریں دل یا عالم بالا سے دل

کل جہاں تھے جس طرح آتا رہا جاتا رہا

اب جہاں ہم ہیں وہاں جب چاہئے آئے جا دل

ہاں مگر یہ شرط ہے سوز درد دل قائم رہے — بے قراری سے کسی پہلو نہ راحت پائے دل

میرا سرمایہ یہی ہے میری پونجی ہے یہی — خالی مت رکھیو شراب درد سے پیمانۂ دل

تاریخ وفات۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

ڈاکٹر مغیث الدین فریدی ۔ شعبہ اردو ۔ (دہلی یونیورسٹی)

واصل حق ہو گئے شیخ الحدیث — دہر کی آب و ہوا آئی نہ راس

موت عالم، موت عالم ہو گئی — ان کے غم میں ساری دنیا ہے اداس

ہے یہی ایمان محکم کی دلیل — ہر مصیبت میں رہے وہ بے ہراس

دین کی خدمت تواضع، انکسار — عظمت کردار کی محکم اساس

روح کے زخموں کے مرہم کیلئے — امت مرحوم جائے کس کے پاس

اللہ اللہ جذبۂ عشق رسولؐ — مر کے بھی ہیں سرورِ عالم کے پاس

سال رحلت کاتب تقدیر نے

لکھ دیا۔ شیخ الحدیث حق شناس

۱۹۸۲ء

باب ہفتم

مشائخ و معاصر علماء کی نظر میں

حوالہ جات و حواشی

۱۔ رشید احمد گنگوہی م ۱۳۲۳ھ / ۱۸۲۹ء

۲۔ مولانا محمد یحییٰ کا تفصیل تذکرہ پہلے گزر چکا ہے

۳۔ آپ بیتی نمبر ۱ صد ۲۵

۴۔ مقدمہ بذل المجہود صد ۴

۵۔ اقبال محمد، محبوب العارفین صد ۴۸

۶۔ اکابر کے خطوط صد ۶۳

۷۔ محبوب العارفین صد ۵۰

۸۔ ایضاً صد ۵۰

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً صد ۵۷

۱۱۔ ایضاً صد ۴۲

۱۲۔ ایضاً صد ۷۶

۱۳۔ اقراء ڈائجسٹ صد ۱۳۱ ماہ جنوری ۱۹۸۷ء

۱۴۔ ماہنامہ "خدام الدین" صہ ۵

۱۵۔ ایضاً صہ ۴۴

۱۶۔ ایضاً صہ ۶۹

۱۷۔ ایضاً صہ ۷۳

۱۸۔ ایضاً صہ ۸۴۔ ۸۵

۱۹۔ ایضاً صہ ۹۷،۹۹

۲۰۔ ایضاً صہ ۱۱۸

۲۱۔ ایضاً صہ ۱۲۸

۲۲۔ ایضاً صہ ۱۳۰

۲۳۔ خدام الدین صہ ۱۳۶

۲۴۔ ایضاً صہ ۱۹۴

۲۵۔ اقراء ڈائجسٹ کراچی قطب الاقطاب نمبر ۲ شمارہ دسمبر ۱۹۸۶ء صہ ۲۵

۲۶۔ اقراء ڈائجسٹ نمبر ۱ صہ ۲۲

۲۷۔ ایضاً صہ ۶۴

۲۸۔ نمبر ۲ ایضاً صہ ۸۰

۲۹۔ "محبوب العارفین" صہ ۶۱

۳۰۔ پندرہ روزہ یادگار شیخ شمارہ نمبر ۲۶ یکم اکتوبر ۱۹۹۰ء صہ ۳

۳۱۔ ماہنامہ "الفرقان" شیخ الحدیث نمبر صہ ۹

۳۱/ا۔ "مشاہیر علماء دیوبند" صہ ۵۰۳

۳۲۔ ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کراچی شمارہ نومبر ۱۹۸۶ء قطب الاقطاب نمبر ا ص ۲۸۸

۳۳۔ ایضاً ص ۲۸۹

۳۴۔ ایضاً ص ۲۹۳

۳۵۔ ایضاً ص ۲۹۳

۳۶۔ اقراء ڈائجسٹ نمبر ا ص ۲۹۸

۳۷۔ ایضاً ص ۳۰۱

۳۸۔ ایضاً ص ۳۰۳

۳۹۔ ایضاً ص ۳۰۴

۴۰۔ ایضاً ص ۳۰۶

۴۱۔ ایضاً ص ۳۰۸

۴۲۔ ایضاً ص ۳۱۰

۴۳۔ ایضاً ص ۳۱۱

۴۴۔ آپ بیتی نمبر ۳ ص ۴۹

مولانا محمد زکریا ہر معاملہ میں سنت نبوی کی اتباع کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کا گھر کم سے کم ضرورت اور مجبوری کا تھا جو پہلے کچی اینٹوں کی ایک کوٹھڑی تھی اس لیے اس کا نام ہی کچا گھر مشہور تھا۔

۴۵۔ حضرت شیخ کا اتباع سنت ص ۶۰

۴۶۔ اقراء ڈائجسٹ ج ا ص ۳۱۴

۴۷۔ احسان دانش "جہان دانش" ص ۳۱۱

۴۸۔ اقراء ڈائجسٹ ج ۲۔ قطب الاقطاب نمبر شمارہ دسمبر ۱۹۸۶ء ص ۵۱

۴۹۔ اقراء ڈائجسٹ ج ۲ ص ۵۵

۵۰۔ ایضاً ص ۵۸

۵۱۔ ایضاً ص ۵۹

۵۲۔ ایضاً ص ۹۴

۵۳۔ ماہنامہ "الفرقان"، لکھنؤ خصوصی اشاعت ص ۱۶

۵۴۔ ایضاً ص ۱۸

۵۵۔ ایضاً ص ۱۹، ۲۲۷

۵۶۔ الفرقان خصوصی اشاعت ص ۳۲

۵۷۔ ایضاً ص ۳۲

۵۸۔ ایضاً ص ۲۰۰

۵۹۔ ایضاً ص ۲۲۳

۶۰۔ ایضاً ص ۵۸ ج ۱

۶۱۔ الفرقان نمبر ص ۸۹، ۲۸۶

۶۲۔ ایضاً ص ۲۲۹

۶۳۔ سوانح شیخ الحدیث ص ۱۹۳

۶۴۔ وصف شیخ۔

۶۵۔ زکریا محمد اور ان کے خلفاء کرام جز ثانی ص ۸۴

۶۶۔ ایضاً ص ۱۰۳

۶۷۔ محمد زکریا اور ان کے خلفاء کرام جز ثانی ص ۱۳۳

۶۸۔ زکریا محمد اور ان کے خلفاء کرام جز ثانی ص ۱۴۳
۶۹۔ یادگار شیخ شمارہ ۵، دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۲
۷۰۔ اقراء ڈائجسٹ ج ۱ ص ۱۵
۷۱۔ ماہنامہ "البیان" حضرت شیخ نمبر شمارہ ستمبر ۱۹۸۵ء ص ۱ پشاور
۷۲۔ مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء کرام جلد ۲ ص ۲۲۴
۷۳۔ ایضاً ص ۲۰۳
۷۴۔ ایضاً ص ۲۴۷
۷۵۔ ایضاً ص ۲۲۴
۷۶۔ مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء کرام ج ۲ ص ۹۲
۷۷۔ ایضاً ص ۱۲۲
۷۸۔ ایضاً ص ۱۲۷
۷۹۔ ایضاً ص ۲۳۶
۸۰۔ ایضاً ص ۳۰
۸۱۔ ایضاً ص ۳۲۵
۸۲۔ ایضاً ص ۲۱۰
۸۳۔ ایضاً ص ۲۶۰
۸۴۔ ایضاً ص ۲۷۲

مراجع و مصادر

مراجع و مصادر

مقالہ کی تیاری کے لئے جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں

۱ القرآن الحکیم ناشران قرآن مجید لاہور

۲ــ آرنلڈ، ٹی، ڈبلیو "دی پریچنگ آف اسلام"، (اردو ترجمہ) محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۲ء

۳ــ ارشد، القادری "تبلیغی جماعت حقائق و معلومات" مکتبہ فیض رضا فیصل آباد، طن

۴ــ ارشد، عبدالرشید "بیس بڑے مسلمان" مکتبہ رشیدیہ۔ لاہور طبع اوّل ۱۹۶۹ء

۵ــ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد" المقدمۃ لجنۃ البیان العربی" قاہرہ ۱۹۶۷ء

۶ــ الجوزی، ابی عبداللہ" صفۃ الصفوۃ" مصر، دارالکتب۔ طن

۷ــ احمد حنبلؒ، امام "مسند امام احمد بن حنبلؒ" مطبع منیریہ مصر ۱۳۱۳ھ

۸ــ ابن قیمؒ ۔ "اعلام الموقعین" ایضاً

۹ــ اصلاحی، احسن، امین "دعوت دین اور اس کا طریق کار" مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور

۱۰ــ ابوداؤد سلیمان بن اشعث "سنن ابی داؤد" مصر مصطفےٰ البابی ۱۹۵۲ء

۱۱ــ اسحٰق، محمد، ڈاکٹر، "علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" (اردو ترجمہ) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۱۲۔ اشفاق، محمد، لالی۔ تصنیفات مولانا محمد زکریا اور آپ کے فتویٰ کے واقعات دارالعلوم بصرہ کالونی وال جھنگ

۱۳۔ اقبال، محمد، صوفی: "وصال کے بعد" المکتبۃ المدینۃ۔ اردو بازار لاہور ط-۲، ۱۹۸۲ء

۱۴۔ ایضاً "حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسولؐ" ایضاً ط ۱ ایضاً

۱۵۔ ایضاً "شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے چند سبق آموز واقعات" مکتبہ زکریا۔ لاہور

۱۹۔ اقبال، محمد، صوفی "اکابر کا سلوک و احسان" شاہین ٹریڈنگ کمپنی کراچی (ط-ن)

۲۰۔ ایضاً "بہجۃ القلوب" ادارہ اسلامیات لاہور ۱۴۰۱ھ

۲۱۔ ایضاً "محبت" مولانا محمد یحییٰ مدینہ منورہ ۱۳۹۵ھ

۲۲۔ ایضاً "صقالۃ القلوب" ادارہ اسلامیات لاہور

۲۳۔ اقبال، محمد، صوفی۔ "اکابر کا تقویٰ" مکتبہ شیخ کراچی

۲۴۔ بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل "الصحیح البخاری" ادارہ المطبعۃ المنیریہ مصر۔

۲۵۔ برق، غلام، جیلانی "اسلام اور عصر رواں" شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۲۶۔ پانی پتی، اسماعیل، محمد، شیخ، "تاریخ اشاعت اسلام" شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۲۷۔ تابش مہدی "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" مکتبۃ الایمان دیوبند ۱۹۸۳ء

۲۸۔ "تبلیغی جماعت اپنے بانی کے ملفوظات کے آئینے میں" مکتبۃ الایمان۔ دیوبند یوپی، انڈیا

۲۹۔ ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ "جامع ترمذی" دھلی، فخر المطابع ۱۲۷۰ھ

۳۰۔ ترمذی، عبدالشکور، مفتی، سید، "دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت" ادارہ اسلامیات لاہور

۳۱۔ چشتی، سلیم، یوسف، "اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ طبع دوم ۱۹۸۳ء

۳۲۔ چشتی احمد، افتخار، پروفیسر "مخزن چشت" اردو ترجمہ" چشتیہ اکادمی فیصل آباد ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۳۳۔ حسنی، ثانی، محمد "سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی" شاہین ٹریڈنگ کمپنی کراچی جون ۱۹۷۸ء

۳۴۔ الحسنی عبدالحئی "الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند" دمشق مجمع اللغۃ العربیہ ۱۹۸۳ء

۳۵۔ " " "نزھۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" حیدرآباد دکن ۱۹۶۲ء

۳۶۔ حمید اللہ، ڈاکٹر "خطبات بہاولپور" ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۳۷۔ خورشید احمد "اسلامی نظریہ حیات" کراچی یونیورسٹی، کراچی ۱۹۷۲ء

۳۸۔ خطیب، ولی الدین محمد بن عبداللہ "مشکوٰۃ المصابیح" کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۹۴۰ء

۳۹۔ دریاآبادی، عبدالماجد "تصوف اسلام" اعظم گڑھ مطبع معارف ۱۹۲۹ء

۴۰۔ دائرہ معارف اسلامیہ اردو۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ط ۱، ۱۹۶۲ء

۴۱۔ راہی، اختر، پروفیسر، "تذکرۃ المصنفین درس نظامی" مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۷۸ء

۴۲۔ رضوی، محبوب، محمد "تاریخ دیوبند" میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی (ط ن)

۴۳۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، "اسلام کا نظریۂ تعلیم" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۱ء

۴۴۔ ذکریا، محمد، مولانا "اکابر علماء دیوبند" ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز فیصل آباد ۱۳۹۸ھ

۴۵۔ ایضاً "اکابر کا رمضان" کتب خانہ یحیوی سہارنپور۔ ط ن

۴۶۔ ایضاً "اوجز المسالک" ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔ ط ن

۴۷ ایضاً "مقدمہ اکمال الشیم" ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور ۱۹۸۶ء

۴۸۔ زکریا، محمد، مولانا "الاعتدال فی مراتب الرجال" کتب خانہ یحیوی سہارنپور ط۔ن

۴۹۔ ایضاً "مقدمہ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات" مکتبہ دینیات نئے ونڈ لاہور ط۔ن

۵۰۔ ایضاً "رسالہ اسٹرائیک" مکتبہ زکریہ عالمگیر مارکیٹ لاہور ۱۳۸۹ھ

۵۱۔ ایضاً "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور۔

۵۲۔ ایضاً "تقریر بخاری" (اردو) مکتبہ شیخ کراچی ط۔ن

۵۳۔ ایضاً "فضائل نماز" عتیق اکیڈمی" ملتان

۵۴۔ ایضاً "فضائل درود شریف" عتیق اکیڈمی ملتان

۵۵۔ ایضاً "تبلیغی نصاب" عتیق اکیڈمی ملتان

۵۶۔ ایضاً "تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات" یحیوی کتب خانہ،

۵۷۔ ایضاً "اور ان کے مفصل جوابات" سہارنپور انڈیا

۵۸۔ ایضاً "تاریخ مظاہر علوم" ج ا "

۵۹۔ ایضاً "تاریخ مشائخ چشت" مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۳۹۷ھ پہلی بار

۶۰۔ ایضاً "آپ بیتی" مکمل سات جلد، مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال

۶۱۔ ایضاً "فضائل تجارت" محمد یوسف رنگ والا کراچی سن ندارد

۶۲۔ ایضاً "اختلاف الائمہ" اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور

۶۳۔ ایضاً "ام الامراض" مکتبہ شیخ کراچی ط۔ن

۶۴۔ ایضاً "شریعت وطریقت کا تلازم" اشاعت العلوم سہارنپور ۱۳۹۸ھ

۶۵۔ ایضاً "نسبت واجازت" ملک سنز تاجران کتب فیصل ۱۴۰۰ھ

۶۶۔ زکریا، محمد، مولانا "موت کی یاد" مکتبہ دینیات ٹاؤن وانڈ لاہور س ندارد

۶۷۔ ایضاً "داڑھی کا وجوب" ایضاً " ایضاً

۶۸۔ ایضاً "نشانِ زبانِ عربی" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور

۶۹۔ ایضاً "مکتوبات علمیہ" ایم ایم سعید کمپنی کراچی

۷۰۔ ایضاً "شمائل ترمذی" مکتبہ اسلامیہ رائے ونڈ لاہور ط۔ن

۷۱۔ ایضاً "فضائل قرآن" ایضاً

۷۲۔ ایضاً "فتنہ مودودیت" مکتبہ زکریا لاہور

۷۳۔ ایضاً "مکتوبات شیخ" ایضاً

۷۴۔ ایضاً "مکتوبات علمیہ" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۷۵۔ ایضاً "الکوکب الدری" مکتبہ یحیوی سہارنپور انڈیا

۷۶۔ ایضاً "فضائل صدقات" کتب خانہ فیض۔ لاہور

۷۷۔ ایضاً "حجۃ الوداع وعمرات النبی" مکتبہ اسلامیہ رائے ونڈ۔ لاہور

۷۸۔ ایضاً "خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی" ایضاً "

۷۹۔ ایضاً "الحل المفہم لصحیح مسلم" ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ط۔ن

۸۰۔ سندھی، عبید اللہ "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" ادارہ سعدیات، لاہور

۸۱۔ سخاوی "الضوء اللامع" ۱۳۵۳ھ قاہرہ ط۔ن

۸۲۔ شاہ، شہید، اسماعیل "تقویۃ الایمان" (عربی ترجمہ) ندوۃ العلماء دہلی

۸۳۔ شاہد، محمد، سہارنپوری "تاریخ مظاہر علوم" ج ۲۔ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور طبع اول ۱۳۹۲ھ

۸۴۔ ایضاً علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات" ج ۲، ایضاً ۱۴۰۳ھ

۸۵۔ ایضاً "اکابر کے خطوط" ایضاً

۸۶۔ شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" مترجم مولانا عبدالشکور فاروقی

قدیمی کتب خانہ آرام باغ۔ کراچی

۸۷۔ ایضاً "تفہیمات الٰہیہ" ادارہ اسلامیات، لاہور

۸۸۔ ایضاً "حجۃ اللہ البالغہ" ایضاً

۸۹۔ شبیر، بخاری، سید "میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم" طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور ۱۹۸۶ء

۹۰۔ شبلی، احمد "تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" (اردو ترجمہ) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۳ء

۹۱۔ شبلی، نعمانی "سیرت النبی ج اول" اردو بازار لاہور

۹۲۔ صبحی، صالح، ڈاکٹر "علوم الحدیث" (اردو ترجمہ) ملک سنز پبلشرز فیصل آباد (ط۔ن)

۹۳۔ صدیقی، محمد، سعد "علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت" شعبہ تحقیق قائداعظم لائبریری

لاہور ۱۹۸۸ء (ط۔ن)

۹۴۔ طیب، قاری، محمد "تاریخ دارالعلوم دیوبند" دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

اشاعت اول ۱۹۷۲ء

۹۵۔ ایضاً "اسلام کا نظام تبلیغ" مطبوعہ اسلام علی گڑھ انڈیا

۹۶ طوسی، سراج، ابونصر "کتاب اللمع فی التصوف" مطبع بریل ۱۳۳۲ھ

۹۷ - عاشق الٰہی میرٹھی "امداد السلوک" مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۳۹۱ھ

۹۸ - ایضاً "تذکرۃ الرشید" کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور

۹۹ - ایضاً "تذکرۃ الخلیل" ایضاً

۱۰۰ - عاشق الٰہی میرٹھی "مکاتیب رشیدیہ" کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور

۱۰۱ - عزیز الرحمٰن "سوانح حضرت جی" مکتبہ زکریا - لاہور

۱۰۲ - عطار، فرید الدین "تذکرۃ الاولیاء" مطبوعہ ایران

۱۰۳ - علوی، خالد، ڈاکٹر، حفاظت حدیث، مکتبہ علمیہ لاہور

۱۰۴ - عیسیٰ، محمد، میاں جی فیروزپوری "تبلیغ کا مقامی کام" مکتبہ محمودیہ رائے ونڈ لاہور

۱۰۵ - ایضاً "تبلیغی تحریک اور اس کے بنیادی اصول" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور

۱۰۶ - عمری، عبدالرحمٰن، مولانا "تبلیغی جماعت اور اس کا نصاب" دار الکتاب نئی دہلی ۱۹۸۸ء

۱۰۷ - عزیز الرحمٰن، مفتی "ولی کامل" مکتبہ زکریا لاہور ط-ن

۱۰۸ - غزالی، امام، "احیاء العلوم" (اردو ترجمہ) ادبیات لاہور

۱۰۹ - ایضاً "کیمیائے سعادت" مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۷۷ھ

۱۱۰ - فیوض الرحمٰن، قاری، "حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء" مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۴ء

۱۱۱ - ایضاً "مشاہیر علماء دیوبند" المکتبۃ العزیزیہ لاہور ۱۹۷۶ء

۱۱۲ - فریدی، مولانا افتخار احمد "ارشادات و مکتوبات شاہ محمد الیاس" پاکستان بک سنٹر لاہور ۱۹۸۱ء

۱۱۳ - قشیری، عبدالکریم، ابوالقاسم "الرسالۃ القشیریۃ" دار الکتب عربیہ الکبریٰ مصر ۱۳۸۵ھ

۱۱۴ - کاندھلوی، احتشام الحسن، "حالات مشائخ کاندھلہ" ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی طبع اول جنوری ۱۹۷۵ء -

۱۱۵۔ کاندھلوی، ادریس محمد "مسئلہ تعلیم" مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۷۲ء

۱۱۶۔ گنگوہی محمود حسن مفتی "وصف شیخ" مکتبہ محمودیہ جامع مسجد میرٹھ ۱۹۷۹ء

۱۱۷۔ گیلانی، احسن، مناظر "مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" مکتبہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

۱۱۸۔ گلشن آبادی، امام الدین "تاریخ الاولیاء" بمبئی ۱۲۹۱ھ

۱۱۹۔ لدھیانوی، یوسف، محمد "حضرت مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" ج ۱ دار العلوم العربیۃ الاسلامیہ U.K انگلینڈ

۱۲۰۔ مدنی، حسین احمد، مولانا "نقش حیات" بیت التوحید کراچی۔

۱۲۱۔ میاں، سید، محمد، مولانا "علماء ہند کا شاندار ماضی" مکتبہ محمودیہ لاہور۔

۱۲۲۔ مقالا، یوسف، محمد "مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء" ایضاً الجزء الثانی والثالث۔ انگلینڈ

۱۲۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ "تجدید احیائے دین" اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔

۱۲۴۔ ایضاً "اسلامی نظام تعلیم" " " ۱۹۷۴ء۔

۱۲۵۔ ندوی، ابوالحسن علی "سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا" مجلس نشریات اسلام کراچی۔

۱۲۶۔ ایضاً "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" ایضاً ۱۹۸۳ء طبع دوم

۱۲۷۔ ایضاً "صحبتے با اہل دل" ایضاً ۱۹۷۷ء

۱۲۸۔ ایضاً "تزکیہ و احسان" مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۳۹۹ھ۔ ۲۲ جنوری ۱۹۶۸ء

۱۲۹۔ ایضاً "ارکان اربعہ" مجلس نشریات اسلام کراچی " ۱۹۷۷ء

۱۳۰۔ ایضاً "مکاتیب مولانا محمد الیاس" رائے ونڈ۔ لاہور

۱۳۱۔ ایضاً "المسلمون فی الہند" دار الفتح دمشق

۱۳۲۔ ایضاً "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری" مجلس نشریات اسلام کراچی

۱۳۳۔ ایضاً "ایک اہم دینی دعوت" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور

۱۳۴۔ ندوی، ابوالعرفان "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا

۱۳۵۔ ندوی، سلمان، سید "اسلام کا تبلیغی نظام" ادارہ علوم شرعیہ

۱۳۶۔ ایضاً "یادرفتگاں" مجلس نشریات اسلام طبع ۱۹۸۷ء

۱۳۷۔ نظامی، خلیق احمد پروفیسر، "تاریخ مشائخ چشت" لاہور ط۔ن

۱۳۸۔ نعمانی، مولانا منظور "ملفوظات محمد الیاس"

۱۳۹۔ ایضاً "ملفوظات حضرت دہلوی" لکھنؤ

۱۴۰۔ نعمانی منظور، مولانا "دعوت تبلیغ" مکتبہ زکریا عالمگیر مارکیٹ لاہور

۱۴۱۔ ایضاً "تبلیغی جماعت و جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات" مکتبہ دینیات رائے ونڈ لاہور

۱۴۲۔ نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شیعب "نسائی" مکتبہ سلفیہ لاہور

۱۴۳۔ وحیدالدین خان، مولانا "تبلیغی تحریک" المکتبہ الاشرفیہ لاہور

۱۴۴۔ یوسف، ایش، دکتورا "رحلات الامام محمد رشید رضا" بیروت

لغات

۱۴۵۔ "لسان العرب" ابن منظور محمد بن اکرم القاہرہ

۱۴۶۔ "الصحاح" الجوہری مرتب احمد عبدالغفور عطار

فہارس

۱۴۷۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن فواد الباقی عکسی ایڈیشن سہیل اکیڈمی لاہور

۱۴۸۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، لیڈن ۱۹۶۷ء

رسائل و جرائد

۱۔ ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کراچی قطب الاقطاب نمبر نومبر ۱۹۸۶ء

۲۔ پندرہ روزہ "یادگار شیخ نمبر" فائل اپریل ۱۹۸۹ء تا مارچ ۱۹۹۲ء، سہارنپور۔ انڈیا

۳۔ ماہنامہ "البیان" پشاور حضرت شیخ نمبر شمارہ ستمبر ۱۹۸۵ء / محرم الحرام ۱۴۰۶ ہجری

۴۔ ماہنامہ "اقراء ڈائجسٹ" کراچی قطب الاقطاب نمبر ۲، دسمبر ۱۹۸۶ء

۵۔ ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور اشاعت خاص نمبر شمارہ نومبر ۱۹۸۲ء / محرم ۱۴۰۳ھ

۶۔ ماہنامہ "الفرقان" لکھنو خصوصی اشاعت نومبر ۱۹۸۲ء، صفر ۱۴۰۳ھ

۷۔ ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور شمارہ ۱۹۴۸ء

۸۔ ماہنامہ "الرشید" لاہور۔ دارالعلوم دیوبند نمبر فروری۔ مارچ ۱۹۷۶ء

۹۔ صدق جدید لکھنؤ شمارہ ۱۰۔ ۲۲، ربیع الاول ۱۳۵۷ھ / ۱۱، ۱۲، مئی ۱۹۳۸ء

۱۰۔ تبصرہ رسالہ البلاغ کراچی جون ۱۹۷۲ء ج ۴ شمارہ ۴

۱۱۔ ماہنامہ "المظاہر" شمارہ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

۱۲۔ ماہنامہ "سلوک و احسان" کراچی جلد اول ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ بمطابق اگست ۱۹۸۹ء

انگریزی مصادر

1. "THE HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT"
HISTORICAL CONGRESS, KARACHI_1970.

2. "ULEMA IN POLITICS,"
BY DR. ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI
KARACHI MUARIF, 1974.

3. "STRUGGLE FOR PAKISTAN"
BY DR. ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI
UNIVERSITY OF KARACHI, 1969

4. WILLIAM BOYD, "THE HIWTORY OF WEWTERN EDUCATION"
LONDON. ADAM & CHARLES BLACK, 1974.

تمت بالخیر

والحمد للہ رب العلمین